جلد 4

الخیر الشذی

شرح اردو

جامع الترمذی

ابواب الاحکام تا ابواب اللباس

بحمد اللہ

ممتاز انفرادی خصوصیات
کے پیش نظر دیگر شروحات
سے بے نیاز کردینے والی
حضرات اکابر علمائے کرام
کی پسندیدہ شرح

تالیف
مولانا مفتی عبد الرشید
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان
استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
061-4514929
0300-7301239

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

جلد چہارم

شرح اردو

جامع الترمذی

أبواب الأحكام، أبواب الدیات، أبواب الحدود، أبواب الصید، أبواب الأضاحی

أبواب النذور والأیمان، أبواب السیر، أبواب فضائل الجهاد، أبواب الجهاد، أبواب اللباس

از

مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ

فاضل جامعہ خیرالمدارس ملتان ۔ استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ناشر

قرآن مجید ٭ دینی کتب ٭ اسلامی رسائل کا مرکز

إدارہ اشاعت الخیر

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

061-4514929,0322-6748121

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الخیر الشذی

جلد چہارم

شرح اردو

جامع الترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی الہ وصحبہ وبارک وسلم

الخیر الشذی

تالیف: مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ

تاریخ اشاعت: ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ

ناشر: ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان 061-4514929 , 0322-674821

ملتان
☆ مکتبہ حقانیہ ☆ مکتبہ امداد العلوم ☆ مکتبہ امدادیہ ☆ مکتبہ مجیدیہ ☆ مکتبہ عمر ابن خطابؓ
☆ مکتبۃ الحسن ☆ مکتبۃ المیزان ☆ مکتبہ رحمانیہ ☆ مکتبہ سید احمد شہید ☆ مکتبہ خلیل

لاہور
☆ مصباح العلم ☆ مکتبۃ الحرمین ☆ الفلاح پبلشر ☆ شمع بک ایجنسی ☆ مکتبہ رشیدیہ
☆ مکتبہ عشرہ مبشرہ ☆ الھادی پبلشر ☆ مکتبہ عائشہؓ ☆ ادارۃ القریش ☆ اقرا قرآن کمپنی
مکتبہ انعامیہ ☆ مکتبہ شیخ ☆ کتب خانہ اشرفیہ ☆ مکتبہ لدھیانوی ☆ ادارۃ الرشید

کراچی
☆ مکتبۃ المقیت ☆ مکتبۃ الندوۃ ☆ مجلس نشریات اسلام ☆ ادارۃ النور ☆ مکتبۃ الفلق
☆ مکتبہ عمر فاروقؓ ☆ مکتبۃ الحجاز ☆ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن۔

مکتبہ احمد ☆ مکتبہ حقانیہ ڈیرہ اسماعیل خان ☆ مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی ☆ دارالاخلاص پشاور ☆ علمی مکتبہ خانہ اکوڑہ خٹک ☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی ☆ مکتبہ صفدریہ راولپنڈی ☆ مکتبہ شہید اسلام اسلام آباد
☆ مکتبہ امیر معاویہؓ کبیر والہ ☆ مکتبہ منظور الاسلامیہ علی پور ☆ مکتبہ زکریا ڈیرہ غازی خان ☆ مکتبہ صفدریہ بہاولپور

ضروری گزارش: اس کتاب کی تصحیح کی علماء کی زیر نگرانی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے اگر اس کے باوجود کہیں اغلاط نظر آئیں تو برائے مہربانی مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کی جا سکے۔ شکر الکم واجر کم علی اللہ (ادارہ)

فہرست الخیر الشذی

جلد چہارم

ابواب الاحکام، الدِّیَاتِ، الْحُدُودِ، الصَّیْدِ، الْأَضَاحِيِّ، النُّذُورِ وَالْأَيْمَانِ، السِّیَرِ، فَضَائِلِ الْجِهَادِ، أَبْوَابُ الْجِهَادِ، اللِّبَاسِ

اَبْوَابُ الْحُدُودِ

أَبْوَابُ الصَّيْدِ

مضامین	صفحہ

أَبْوَابُ الْأَضَاحِيِّ

أَبْوَابُ النُّذُوْرِ وَالْأَيْمَانِ

اَبْوَابُ السِّيَر

اَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ

اَبْوَابُ الْجِهَادِ

أَبْوَابُ الْأَحْكَامِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْقَاضِي

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الْمَلِكِ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ أَنَّ عُثْمَانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اذْهَبْ فَاقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ أَوَ تُعَافِيْنِي يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ فَمَا تَكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ وَقَدْ كَانَ أَبُوكَ يَقْضِي قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضٰى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ أَنْ يَنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًا فَمَا أَرْجُو بَعْدَ ذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ عِنْدِي بِمُتَّصِلٍ وَعَبْدُ الْمَلِكِ الَّذِي رَوٰى عَنْهُ الْمُعْتَمِرُ هٰذَا هُوَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي جَمِيلَةَ

حضرت عبداللہ بن موہب سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے فرمایا جاؤ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرو۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ مجھے اس کام سے معاف رکھیں حضرت عثمانؓ نے پوچھا تم اسے ناپسند کیوں کرتے ہو حالانکہ تمہارے والد بھی تو فیصلے کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جس نے قاضی بن کر لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کیا تو امید ہے کہ وہ برابر چھوٹ جائے اس کے بعد بھی کیا میں اس کی امید رکھوں۔ اس حدیث میں ایک واقعہ ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث غریب ہے میرے نزدیک اس کی سند متصل نہیں۔ عبدالملک جس سے معتمر نقل کرتے ہیں وہ عبدالملک بن جمیلہ ہیں۔

تشریح: **سوال:** مذکورہ عنوان ''ابواب الاحکام'' سے قبل بھی تو احکام ہی کا بیان ہو رہا تھا اب نئے سرے سے ''ابواب الاحکام'' کا عنوان قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ **جواب:** ان احکام سے مراد وہ ہیں جو خصومت اور قضاء سے متعلق ہیں قضاء فرض کفایہ ہے۔ دلیل فاقض بین الناس امر کا صیغہ ہے۔

نیز عہدہ قضاء کو قبول کیا جائے یا نہیں اس بارے میں تفصیل ہے۔ کہ عہدہ قضاء کی صلاحیت متعدد شخصوں میں ہوگی یا نہیں اگر متعدد شخصوں میں اس کی صلاحیت ہے تو دونوں صورتیں جائز ہیں۔ یعنی عہدہ قضاء قبول کرنا بھی جائز ہے اور قبول نہ کرنا بھی جائز ہے۔ قبول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہدہ قضاء کو قبول کیا ہے۔ اور قبول نہ کرنے کی دلیل امام ابوحنیفہؒ کا عہدہ قضاء

قبول نہ کرنا ہے۔ باقی اس بارے میں افضل کیا ہے؟ تو اس میں دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ بعض احادیث سے قبول کرنا افضل معلوم ہوتا ہے اور بعض احادیث سے قبول نہ کرنا افضل معلوم ہوتا ہے۔

الحاصل مذکورہ روایات میں تطبیق یوں ہے کہ جن احادیث میں فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔ اس کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن کے اندر صلاحیت ہو اور جن روایات سے قبول نہ کرنا معلوم ہو رہا ہے ان کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن میں اہلیت موجود نہیں ہے۔

یا بعنوان آخر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عہدہ قضاء کو قبول کرنا افضل اس شخص کے لئے ہے جو اس عہدہ کا طالب نہ ہو اور جن احادیث سے قبول نہ کرنا افضل معلوم ہو رہا ہے تو یہ اس شخص کے لئے ہے جو عہدہ کا طالب ہو۔

یا بعنوان آخر جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدہ قضاء کو قبول کیا جائے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کا مقصد عالم کو فساد سے پاک کرنا ہو اور جن احادیث سے عہدہ قضاء قبول کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے ان کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن کا مقصود وجاہت اور شہرت ہو۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ جب متعدد افراد میں عہدہ قضاء اس کی صلاحیت موجود ہو۔ اور اگر ایک ہی شخص میں عہدہ قضاء کی صلاحیت موجود ہے اور اس کو امیر المؤمنین کی طرف سے عہدہ قضاء پیش کیا جائے تو ایسے شخص کو قبول کرنا فرض ہے انکار کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس وقت تو خود مطالبہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مطالبہ کیا۔ کما فی القرآن الکریم اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظٌ علیمٌ۔

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قاضی بنانا چاہا تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تعافینی اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی اترحمنی و تعافینی۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے والد حضرت عمر بن خطابؓ بھی تو قاضی رہے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "فقضی بالعدل فبالحری ان ینقلب منه کفافًا" کہ جو قاضی صحیح فیصلہ کرے تو وہ زیادہ لائق ہے کہ اس سے کفاف (برابری) کے ساتھ لوٹے۔

وفی الحدیث قصةٌ: یعنی یہ حدیث طویل ہے اس میں مزید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوال و جواب مذکور ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں میں نے حدیث الباب میں طویل قصہ ذکر نہیں کیا۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ بِلَالِ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ الْقَضَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُجْبِرَ عَلَيْهِ يُنْزِلُ اللهُ عَلَيْهِ مَلَكًا فَيُسَدِّدُهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے منصب قضاء کا خود سوال کیا وہ اپنے نفس کے حوالے کیا گیا اور جس شخص کو زبردستی یہ عہدہ دیا گیا اس کی مدد اور غلط راستے پر جانے سے روکنے کے لئے ایک فرشتہ اترتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى الثَّعْلَبِيِّ عَنْ بِلَالِ بْنِ مِرْدَاسٍ الْفَزَارِيِّ عَنْ خَيْثَمَةَ

عبداللہ بن عبدالرحمن، یحییٰ بن حماد، ابی عوانہ، عبدالاعلیٰ، ثعلبی، بلال بن مرداس فزاری، خیثمہ، بصر یحضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

وَهُوَ الْبَصْرِيُّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شُفَعَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى

فرمایا جو قضاء کے عہدے پر فائز ہونا چاہتا ہے اور اس کے لئے سفارشیں کراتا ہے اسے اس کے نفس پر چھوڑ دیا جاتا ہے یعنی غیبی مدد نہیں ہوتی اور جسے زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے اللہ اسکی مدد کیلئے ایک فرشتہ اتارتا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسرائیل کی عبدالاعلیٰ سے منقول حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: من سأل القضاء و کل الی نفسه: یعنی جو شخص قضاء کو طلب کرے تو اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جائے گا اور آگے جملہ کبریٰ ملایا جائے تو جملہ اس طرح مکمل ہوگا کہ جس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا گیا تو اس کی ہلاکت میں کوئی تردد نہیں اور جس شخص کو قضاء کا عہدہ قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جائے اور وہ قبول کر لے تو اس پر فرشتہ اترتا ہے جو اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ صحیح فیصلہ اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام نے خود منصب طلب کیا جیسا کہ قرآن میں ہے "اجعلنی علی خزائن الارض" لہٰذا حدیث اور آیت میں تعارض لازم آ رہا ہے۔ **جواب:** حضرت یوسف علیہ السلام نے جو منصب طلب کیا وہ نہ قضاء کا تھا اور نہ افتاء کا تھا بلکہ وہ تو ایک انتظامی منصب تھا یا یوں کہا جائے کہ اصل تو یہی حکم ہے کہ آدمی کو اس کے حصول کی خواہش، اس کی تمنا اور خود سے اس کو حاصل کرنے کیلئے مطالبہ اور کوشش نہیں کرنی چاہیے لیکن اس میں استثنائی حالات ایسے ہوتے ہیں جس میں اس کیلئے مطالبہ کرنا اور کوشش کرنا جائز ہوتا ہے مثلاً اس منصب کیلئے کوئی اور اہل شخص موجود نہ ہو اور اس کو معلوم ہے کہ اگر وہ اس منصب پر نہیں جائے گا تو عوام کو انصاف نہیں ملے گا اور لوگوں کو پریشانی لاحق ہوگی ایسے موقع پر خود سے عہدہ طلب کرنا بھی جائز ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اس منصب کا مطالبہ کیا

هذا حديث حسن غريب و هو اصح من حديث اسرائيل عن عبد الاعلى: عبدالاعلیٰ سے دو اوی روایت کرتے ہیں اسرائیل اور ابوعوانہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسرائیل کی سند میں خیثمہ کا ذکر نہیں ہے اور ابوعوانہ کی سند میں عبثمہ کا ذکر ہے امام ترمذیؒ نے ابوعوانہ کے حق میں اصح کا فیصلہ دیا ہے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ أَيْضًا مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نصر بن علی جہضمی، فضیل بن سلیمان، عمرو بن ابی عمرو، سعید مقبری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو قضاء سونپی گئی یا فرمایا جسے لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس کے علاوہ سند سے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے۔

تشریح: جعل: مجہول ہے "ای جعله السلطان"۔

فقد ذبح بغير سكين: امام طیبیؒ نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مراد بغیر چھری کے مارنا ہے جیسا کہ غرق کرنے، جلانے اور کھانا پینا بند کر کے مارنے کی تکلیف قتل بالسکین کی تکلیف سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں زیادہ تعذیب اور امتداد مدت ہے۔ اسی طرح قضاء میں بھی بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ عند البعض اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس کو قاضی بنایا جائے اس کو چاہیے کہ اپنی نفسانی خواہشات کو مار دے پھر جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہے کہ فرائض قضاء کما حقہ ادا کر سکتا ہے تو اس کیلئے قاضی بننا جائز ہے کیونکہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے عہدہ قضاء کو قبول کیا ہے اور جس کو اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہے اس کو عہدہ قبول قضاء میں دخل دینا جائز نہیں۔ بغیر سکین سے مراد یہ ہے کہ جس نے منصب قضاء اختیار کیا اس نے موت کے علاوہ تمام دواعی اموات کو اپنے لئے جمع کیا گویا اس نے اپنے آپ کو چھری کے بغیر ذبح کیا (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲۷۸)۔ امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ چھری کے ساتھ ذبح ہونا ایک گھڑی کی ذلت و مشقت ہے اور بغیر چھری کے ذبح ہونا پوری عمر کی ذلت و مشقت ہے اور آخرت میں بھی ندامت اٹھانی پڑے گی۔ عند البعض قاضی بننا اچھا نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو اسکی وجہ سے جیل جانا پڑا چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ خلیفہ منصور کی جانب سے بار بار منصب قضاء پیش کیا گیا مگر آپ نے قبول نہیں کیا حتی کہ قید کئے گئے اور جیل سے ہی جنازہ نکلنے کو قبول کیا لیکن عہدہ قضاء کو قبول نہ کیا۔

وفی الباب عن ابي هريرة حديث ابن عمر حديث غريب: یہاں پر غریب بمعنی ضعیف کے ہے اس کی سند میں دو خرابیاں ہیں۔ ایک خرابی یہ ہے کہ عبداللہ بن موہب کا حضرت عثمانؓ سے لقاء و سماع نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہوئی۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس میں ایک راوی عبدالملک مجہول ہے۔ ترمذی میں اس کی یہی روایت ہے۔۔

﴿بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي يُصِيبُ وَيُخْطِئُ﴾

حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حسین بن مہدی، عبدالرزاق، معمر، سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید، ابی بکر بن عمرو بن حزم، ابی سلمہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حاکم فیصلہ کرتے وقت غور و فکر سے کام لے اور صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر خطاء ہو جائے تو ایک ثواب ہے۔ اس باب میں حضرت عمرو بن عاصؓ اور عقبہ بن عامرؓ سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابو ہریرہ اس سند سے حسن غریب

لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ

ہے ہم اس حدیث کو سفیان ثوری کی یحییٰ بن سعید سے روایت کے متعلق عبد الرزاق معمر سے اور ان کی سفیان ثوری سے روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔

تشریح: **المجتھد یخطی و یصیب** کے پیش نظر مجتہد اپنے مسائل اجتہادیہ میں اگر خطاء کرلے تو مجتہد کیلئے ایک ثواب ہے اور اگر مجتہد نے صحیح اجتہاد کیا تو اسے دوہرا ثواب ملے گا تو حدیث الباب میں قاضی کا اجر بھی مجتہد کے اجر کی طرح بتلایا گیا ہے۔

سوال: پہلے باب میں حدیث آئی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قاضی اگر آخرت میں برابر چھوٹ بھی جائے تو اس کیلئے غنیمت ہے جبکہ اس حدیث میں ہے کہ قاضی کو بھی مجتہد کی طرح ایک ثواب تو ہر حال میں ملے گا اگر فیصلہ صحیح کرے تو ثواب دگنا ملے گا تو دونوں احادیث میں ایک طرح کا تعارض آ گیا۔

جواب: ان کی نوعیتیں مختلف ہیں کہ جو معاملہ دو فریقوں کے متعلق ہو اس میں جب شریعت کسی فریق سے بھی مخاطب ہوتی ہے تو اس طرح خطاب کرتی ہے۔ گویا ساری ذمہ داری اس کے سر ہے۔

چنانچہ جب قاضی کی طرف خطاب کیا تو فرمایا کہ اگر قاضی آخرت میں محاسبہ سے بچ جائے تو بھی اس کے لئے غنیمت ہے۔ اور جب اس کا خطاب عوام کی طرف کیا گیا تو عوام کا خیال یہ تھا کہ قاضی نے بہت سارے فیصلے غلط کئے ہیں اس لئے ان سے کہا کہ اگر قاضی غلطی بھی کرے تو بھی ثواب کا حق دار ہے اور اگر صحیح فیصلہ کرے تو پھر دہرے ثواب کا حق دار ہے لہٰذا تم لوگ قضاۃ کے بارے میں برا بھلا نہ کہو تو یہ طرز حکمت پر مبنی ہے۔ الحاصل یہ کہ قاضیوں سے منصب قضاء کی اہمیت و نزاکت کے لحاظ سے خطاب کیا اور عوام سے ان کے احوال کے اعتبار سے خطاب کیا۔

فله اجر واحد. امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجتہد نے حق کی طلب کیلئے اجتہاد کیا اس اجتہاد پر اس کو ایک اجر ملے گا کیونکہ اجتہاد کرنا بھی ایک عبادت ہے نیز اجتہاد میں خطاء کرنے کے باوجود ایک اجر اس شخص کیلئے ہے جو اجتہاد کی شرائط پر پورا اترتا ہو ہاں جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ خطاء کرنے میں معذور نہیں بلکہ گناہ کا خوف ہے پھر اجتہاد میں مصیب و مخطی ہونا ان اجتہادی اور فروعی مسائل میں ہے جن میں مختلف وجوہات کا احتمال ہو لیکن وہ اصول و عقائد جو شریعت کے ارکان میں سے ہوں تو ان میں اجتہاد کرنا جائز نہیں لہٰذا ان میں خطاء اجتہادی پر اجر نہیں ملے گا اور نہ ہی خطاء کرنے میں معذور ہوگا بلکہ خلاف قانون کرنے کی بناء پر مواخذہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي كَيْفَ يَقْضِي

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عَوْنٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذٍ عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِي فَقَالَ أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ

ہناد، وکیع، شعبہ، ابی عون، حارث بن عمرو، حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ تم کس طرح فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ اللہ کی کتاب میں نہ ہو انہوں نے عرض کیا رسول اللہ کی سنت

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ

کے مطابق فیصلہ کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ہو عرض کیا اپنی رائے سے (کتاب وسنت کے مطابق) اجتہاد کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اپنی پسند اور رضا کی توفیق بخشی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عَوْنٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَمْرٍو ابْنِ أَخٍ لِلْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصٍ عَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ عِنْدِي بِمُتَّصِلٍ وَأَبُو عَوْنٍ الثَّقَفِيُّ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر اور عبدالرحمن بن مہدی سے وہ دونوں شعبہ سے اور وہ ابوعون سے وہ حارث سے وہ کئی اہل حمص سے اور وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مانند حدیث مرفوعاً نقل کرتے ہیں ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور یہ سند متصل نہیں۔ ابوعون ثقفی کا نام محمد بن عبیداللہ ہے۔

تشریح: قضاء کے کچھ اصول فقہ کی کتابوں میں بھی گزر چکے ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس بھی حجت شرعیہ ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے قضاء کے بارے میں چند سوالات کئے۔

سوال: حضور ﷺ نے ان سے سوال کیا کیف تقضی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے قضاء کے مسائل جاننے کے بارے میں آپ ﷺ کو علم نہیں تھا۔ **جواب:** رسول کریم ﷺ نے یہ سوال اسلئے نہیں کیا تھا کہ معلوم ہو جائے کہ حضرت معاذ عارف باصول القضاء ہیں یا نہیں۔ بلکہ اسلئے سوال کیا تھا تا کہ دیگر صحابہؓ کو اور آنے والی امت کو قضاء کے اصول معلوم ہو جائیں۔

سوال: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سنت کو کتاب اللہ سے مؤخر ذکر کیا یہ مؤخر کرنا وسائط کے اعتبار سے تھا اور وسائط جو پیدا ہوں گے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد پیدا ہوں گے اور جس نے حضور ﷺ سے براہ راست احادیث سنی ہوں تو ان کے ہاں تو حدیث قطعی ہے تو پھر سنت کو کیوں مؤخر کیا؟ **جواب:** یہ بات ضروری نہیں کہ تمام احادیث حضرت معاذؓ کو بلاواسطہ پہنچی ہوں بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث پہنچی ہوں۔

سوال: حضرت معاذؓ نے دلائل شرعیہ میں اجماع کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ **جواب:** چونکہ اجماع آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد حجت بنا ہے اور آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں تھی۔

سوال: حضرت معاذؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے رہنمائی لینے کا بھی تو ذکر نہیں کیا؟

جواب: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا تھا اس وقت حضرات شیخین کے فیصلے معروف ومشہور نہیں تھے۔

هذا حديث لا نعرفه الا من هذا الوجه و ليس اسناده عندى بمتصل: امام ترمذیؒ نے اس پر کلام کر دیا کہ میرے نزدیک اس کی سند متصل نہیں ہے پہلی سند میں رجال من اصحاب معاذ اور دوسری سند میں ناس من حمص ہے اس کا مصداق کون ہے ان کی ملاقات ہے یا نہیں۔امام ترمذیؒ کے علم میں اس کی وضاحت نہیں آئی تھی اس لئے متصل قرار نہیں دیا۔

جواب اوّل: اس حدیث کو امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور جب کسی حدیث کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو پھر سند کا ضعف مضر نہیں ہوتا۔

جواب ثانی: اصحاب اور ناس سے مراد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ان کے ہاں یہ معروف ہوں گے۔ امام ترمذیؒ کو معلوم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مجہول ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ الْعَادِلِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللهِ وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

علی بن منذر کوفی، محمد بن فضیل، فضیل بن مرزوق، عطیہ، حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا عادل حکمران ہوگا۔ اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور سب سے دور بیٹھنے والا ظالم حکمران ہوگا اس باب میں حضرت ابن ابی اوفیؓ سے بھی حدیث منقول ہے حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو بَكْرٍ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِمْرَانَ الْقَطَّانِ

عبدالقدوس بن محمد ابوبکر عطار، عمرو بن عاصم، عمران قطان ابی اسحاق شیبانی، حضرت ابن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف عمران قطان کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ عدل و انصاف کی فضیلت کو بیان کر رہے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عدل و انصاف قیامت کے دن اللہ کے قرب کا ذریعہ بنے گا اور جور و ظلم اللہ کے ہاں بغض اور اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث ہے۔ امام عادل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی بجالائے اور مخلوق کے بھی۔ امام جائر جو مخلوق کے حقوق بجانہ لائے یا اللہ تعالیٰ کے حقوق بجانہ لائے۔

ان اللّٰہ مع القاضی مالم یجر یعنی اللہ کی مدد و نصرت قاضی کے ساتھ ہوتی ہے۔

تَخَلّٰی عَنْهُ: اللہ کی رحمت سے دوری ہو جاتی ہے۔ لَزِمَهُ الشَّيْطَانُ اور جسے شیطان چمٹ جائے تو پھر اس کی ہلاکت میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي لَا يَقْضِي بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَهُمَا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

ہناد، حسین جعفی، زائدہ، سماک بن حرب، حنش، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا جب دو آدمی تمہارے پاس فیصلہ لینے آئیں تو دوسرے کی بات سننے سے پہلے ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرنا عنقریب تم فیصلہ کرنے کا طریقہ جان لوگے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میں ہمیشہ قاضی رہا (یعنی فیصلے کرتا رہا) یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: اس باب میں قاضی کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دونوں فریقین کے درمیان اس وقت تک فیصلہ نہ کرے جب تک وہ ازخود دونوں فریقوں سے بات سن نہ لے۔ یہ اسلامی ججوں کا بیان ہے کہ اسلامی ججز اپنے اپنے فریقین سے ازخود پوچھتے ہیں اور ان کے درمیان فیصلہ بھی جلدی ہو جاتا ہے۔ لیکن انگریز کا قانون یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریقین خاموش بیٹھتے ہیں اور ان کے وکیل بات کرتے ہیں اور وہ وکیل اپنی طرف سے ایسے نکتے نکال مارتے ہیں کہ جج فیصلہ نہیں کر پاتا اس طرح وہ مقدمہ سالہا سال لٹکتا رہتا ہے۔ اور اس وجہ سے وکلاء کا کاروبار بھی چلتا رہتا ہے اور وکلاء کے ساتھ دوسرے لواحقین کا بھی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَامِ الرَّعِيَّةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ حَدَّثَنِي أَبُو الْحَسَنِ قَالَ قَالَ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ لِمُعَاوِيَةَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلَى حَوَائِجِ النَّاسِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ الْجُهَنِيُّ يُكْنٰى أَبَا مَرْيَمَ

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، علی بن حکم، ابوالحسن، حضرت عمرو بن مرہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کے حاجتمندوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لئے اپنے دروازے بند کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات، ضروریات اور فقر کو دور کرنے سے پہلے آسمانوں کے دروازے بند کر دیتا ہے اس پر حضرت معاویہؓ نے اس وقت ایک شخص کو لوگوں کی ضروریات معلوم کرنے کے لئے مقرر کیا اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے اور حدیث عمرو بن مرہ حدیث غریب ہے اور دیگر اسناد سے بھی منقول ہے عمرو بن مرہ جہنی کی کنیت ابومریم ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ عَنْ

علی بن حجر، یحییٰ بن حمزہ سے وہ یزید بن ابی مریم سے وہ

يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمَرَةَ عَنْ أَبِي مَرْيَمَ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ بِمَعْنَاهُ.

قاسم بن مخیمرہ سے اور وہ ابو مریم صحابہ رسول سے اس کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: رعية یہ راعی کے لفظ سے ہے بمعنی چرواہا چونکہ چرواہا تمام بکریوں کا خیال کرتا ہے اس لئے اس کو راعی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر امام کا اطلاق رعیۃ پر کیا گیا ہے کہ امام بھی اپنی رعایا کا راعی یعنی چرواہا ہے اور رعایا ریوڑ ہیں۔ جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کے ساتھ سلوک کرتا ہے حاکم کو بھی اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔

ذوی الحاجة والخلة والمسكنة: تینوں متقارب المعنی ہیں حاجۃ عام لفظ ہے ضرورت کے درجہ کی ہو یا ضرورت کے درجہ کی نہ ہو۔ خلۃ جو ضرورت کے درجہ میں ہو اگر ضرورت پوری نہ ہو تو خلل ہو جائے گا۔ مسکنۃ وہ حالت کہ جس کی وجہ سے اضطرار پیدا ہو جائے۔ دشمنان اسلام نے ایک ہی دن حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ فجر کی نماز میں حضرت علیؓ کو شہید کیا گیا اور اس دن صبح حضرت عمرو بن العاصؓ فجر کی نماز میں نہیں آئے ان کی جگہ جو آیا تھا وہ شہید کر دیا گیا تھا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ پر حملہ کیا گیا لیکن اندھیرے کی وجہ سے دشمن کا وار صحیح نہ لگا۔ خنجر پیٹ کے بجائے سرین پر لگا گوشت کٹ گیا تھا لیکن آپ بچ گئے تھے اس واقعہ کے بعد ہر شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں مل سکتا تھا۔ اس دوران حضرت عمرو بن مرہ نے یہ حدیث سنائی تو اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر فرما دیا جو لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا اور ان تک ضرورت کی اشیاء پہنچا دیتا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَتَبَ أَبِي إِلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ وَهُوَ قَاضٍ أَنْ لَا تَحْكُمْ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحْكُمِ الْحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو بَكْرَةَ اسْمُهُ نُفَيْعٌ.

قتیبہ، ابوعوانہ، عبدالملک، ابن عمیر، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے روایت ہے کہ میرے والد نے عبیداللہ بن ابی بکرہ کو لکھا کہ دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ کوئی حاکم غصہ کی حالت میں فریقین کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابو بکرہ کا نام نفیع ہے۔

تشریح: بسا اوقات فریقین سے سوالات کے دوران قاضی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ فریقین میں سے کسی ایک پر غضب ناک ہو جاتا ہے اور غصہ بھی اتنا کہ وہ حق و باطل کے درمیان تمیز نہ کر سکے تو ایسی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہر ایسی حالت جس سے حق و باطل میں کماینبغی قاضی امتیاز نہ کر سکے تو فیصلہ نہ کرے۔ مثلاً شدت بھوک، شدت پیاس، یا شدت غم ہو یہ حکم صرف امت کے قاضیوں کے لئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں بھی حق و باطل کے درمیان

اچھے طریقے سے فرق کرتے تھے اور آپ ﷺ کا فیصلہ مؤید بالوحی ہوتا تھا۔ لیکن امت کے لئے ایسی تائید نہیں ہوتی اس لئے امتی کو ایسی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ آگے ابوبکرہ کا نام بتلادیا کہ ان کا نام نفیع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي هَدَايَا الْأُمَرَاءِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ يَزِيدَ الْأَوْدِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُبَيْلٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِي أَثَرِي فَرُدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِي فَإِنَّهُ غُلُولٌ (وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) لِهَذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ وَبُرَيْدَةَ وَالْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ مُعَاذٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ دَاوُدَ الْأَوْدِيِّ

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میں روانہ ہو گیا آپ ﷺ نے میری روانگی کے بعد کسی شخص کو مجھے بلانے کے لئے بھیجا تو میں واپس آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو میں نے تمہیں واپس کیوں بلایا؟ اس لئے کہ میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز لے کر حاضر ہوگا میں نے یہی کہنے کے لئے تمہیں بلایا تھا۔ اب جاؤ۔ اس باب میں حضرت عدی بن عمیرہ، بریدہ، مستورد بن شداد، ابوحمید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف ابواسامہ کی روایت والی سند سے ہی جانتے ہیں ابواسامہ، داودی سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: قاضی کے لئے رعایا کی طرف سے ملنے والے ہدایا کے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اگر عہدہ قضاء قبول کرنے سے پہلے بھی رواج ہو یعنی اقارب میں ہدایا لینے اور دینے کا رواج تھا تو قاضی بننے کے بعد بھی وہ ہدیہ لے سکتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو پہلے سے ہدایا دیتے آرہے تھے وہ اگر اب ہدیہ دے رہے ہیں تو قاضی کے لئے لینے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ مقدار معتاد سے زائد نہ ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ ہدیہ دینے والا مدعی یا مدعیٰ علیہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص عہدہ قضاء ملنے سے پہلے ہدایا نہیں دیتا تھا اب دے رہا ہے تو یہ رشوت کا مال ہے قاضی اس کو قبول نہ کرے اسی طرح اگر ہدیہ دینے والے مدعی یا مدعیٰ علیہ ہیں تو ان کا ہدیہ بھی رشوت شمار ہوگا۔ نیز جو حکم ہدایا کا ہے وہی حکم دعوت کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي الْحُكْمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ

قتیبہ، ابوعوانہ، عمر بن ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ وَابْنِ حَدِيدَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَ رُوِيَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَصِحُّ وَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ حَدِيثُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنُ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ وَأَصَحُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی اس باب میں عبداللہ بن عمر، عائشہ، ابن حدیدہ، اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایات منقول ہیں حدیث ابوہریرہ حسن ہے یہ حدیث ابوسلمہ بن عبدالرحمن، حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی مروی ہے ابوسلمہ اس حدیث کو اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں میں نے عبداللہ بن عبدالرحمنؒ سے سنا کہ حضرت ابوسلمہ کی عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول حدیث اس باب کی سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ ابوموسیٰ، محمد بن مثنیٰ، ابوعامر، ابن ابی ذئب، خالد، حارث بن عبدالرحمن، ابی سلمہ، عبداللہ بن عمر سے وہ خالد حارث بن عبدالرحمنؒ وہ ابوسلمہ سے اور وہ عبداللہ بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں رشوت دینے والے اور لینے والے کا ذکر کیا گیا ہے اس حدیث میں فی الحکم کی قید ہے یہ قید یا تو اتفاقی ہے یا تشنیع کے لئے ہے۔ عدالت میں رشوت دینے لینے کا جو حکم ہے یہی حکم اور جگہوں کا بھی ہے البتہ عدالت میں رشوت دینا اور رشوت لینا بہت بڑا گناہ ہے۔

رشوت ایسے عمل پر اجرت لینا جو عمل اجرت لینے والے کی اپنی ذمہ داری ہو۔ باقی دینے اور لینے کا حکم مختلف ہے۔ اگر اس لینے دینے سے مقصود کسی کے حق کو باطل کرنا ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح اگر لینے دینے سے اپنی منفعت حاصل کرنی ہو تو پھر بھی جائز نہیں لیکن اگر دفع ظلم عن نفسہ ہو تو جائز ہے یہ حکم تو رشوت دینے والے کے لئے ہے رشوت لینے والے کے لئے ہر حال میں ناجائز ہے۔

وقدروی ھٰذا الحدیث عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن: یہ حدیث تین سندوں سے مروی ہے۔ ① ابو سلمة عن ابیه عن ابی ہریرة۔ ② ابو سلمة عن عبدالله بن عمرو بن العاص۔ ③ ابو سلمة عن ابیه ای عبدالرحمٰن عن النبی ﷺ۔

امام ترمذیؒ تیسری سند کے بارے میں فرماتے ہیں ''ولا یصح'' اور پہلی دو میں سے دوسری سند زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ دوسری سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حدیث ابی سلمة عن عبدالله بن عمر و عن النبی ﷺ

احسن شیئٍ فی ھٰذا الباب واصح۔ انہوں نے اس کو اصح قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الْهَدِيَّةِ وَإِجَابَةِ الدَّعْوَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَسَلْمَانَ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَلْقَمَةَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن عبداللہ بن بزیع، بشر بن مفضل، سعید، قتادہ، حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے بکری کا ایک کھر بھی ہدیے میں دیا جائے تو میں قبول کرلوں اور اگر اس پر دعوت دی جائے تو ضرور جاؤں۔ اس باب میں حضرت علی، عائشہ، مغیرہ بن شعبہ، سلیمان، معاویہ بن حیدہ اور عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حدیث انس ؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث میں ہدیہ کا ذکر تھا اسلئے اس کو بھی علیحدہ سے بیان کر دیا۔ اصل مقصود دعوت کو قبول کرنے کا بیان کرنا ہے۔ حاکم کا کسی کی دعوت قبول کرنا اگر دعوت عام ہو تو جائز ہے خاص ہو تو اس دعوت میں شرکت جائز نہیں۔ عوام اور خواص میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ اگر داعی کو قاضی کی عدم شرکت معلوم ہو جائے پھر بھی دعوت کو ملتوی نہ کرے تو یہ دعوۃ عامہ ہے۔ اور اگر قاضی کی عدم شرکت پر داعی دعوت ملتوی کر دے تو یہ دعوت خاص ہے اس میں قاضی کیلئے شرکت جائز نہیں۔ باقی حضور ﷺ کے متعلق یہ متصور نہیں ہوسکتا۔

لو اھدی الی کراع: اسکا مطلب یہ ہے کہ بکری کے پائے یا پنڈلی۔ ہدیہ دینے والے کی تطیب قلبی کیلئے قبول کر لی جائے اس پر نخرے یا تکبر نہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی نہ کہا جائے کہ میرے لئے عمدہ کھانا ہو تو میں آؤنگا ورنہ میں نے نہیں آنا وغیرہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ کراع جگہ کا نام ہے کراع الغمیم کہ اگر اتنے دور سے مجھے بلایا جائے تب بھی جاؤں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنْ يُقْضَى لَهُ بِشَيْءٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ

ہارون بن اسحاق، عبدہ بن سلیمان، ہشام بن عروہ، زینب بنت ابی سلمہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ میرے پاس اپنے تنازعات لے کر آتے ہو تاکہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں اور میں بھی ایک انسان ہوں ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک اپنی دلیل بیان کرنے میں دوسرے سے زیادہ تیز زبان

فَإِنْ قَضَيْتُ لِأَحَدٍ مِنْكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ مِنَ النَّارِ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ہو پس اگر میں کسی کے لئے اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کر دوں تو میں اس کے لئے دوزخ کا ایک ٹکڑا کاٹتا ہوں لہٰذا وہ اس میں سے کچھ نہ لے اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، عائشہ سے بھی روایات منقول ہیں حدیث ام سلمہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: قوله انما انا بشر : میں ایک انسان ہوں عالم الغیب نہیں ہوں میں تو ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہوں اور ہوسکتا ہے کہ بشری تقاضے کی وجہ سے کسی انسان کے اپنے مدعا کو بلیغ انداز سے پیش کرنے کی وجہ سے متاثر ہو کر میں اسکے حق میں فیصلہ دے دوں تو یاد رکھو میں اس طرح کسی کے کلام سے متاثر ہو کر جو دونگا تو وہ اس کیلئے حلال نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کیلئے آگ کا ٹکڑا ہوگا اب یہاں ایک مشہور اختلافی مسئلہ کا ذکر ہے

مسئلہ: "قضاء قاضي بشهادة الزور في العقود والفسوخ هل ينفذ ظاهرا و باطنا ام لا" کہ کیا قاضی کا غلط فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا یا باطناً اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اختلاف سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

① **ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے کا مطلب:** قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہونے کے معنی فیما بین الناس نافذ ہونا ہے۔ یعنی اگر قاضی نے کسی چیز کا فیصلہ دوسرے کے حق میں کر دیا تو دنیاوی احکام کے اعتبار سے وہ چیز اس کو دلوادی جائیگی جس کے حق میں قاضی نے فیصلہ کیا تھا اور باطناً نافذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عند اللہ نافذ نہ ہوگا (فی ما بینہ و بین اللہ) وہ چیز جس کو دی گئی اس کے لئے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں اگر استعمال کرے گا گناہگار ہوگا۔

② **تقسیم املاک:** املاک کی دو قسمیں ہیں۔ **املاک مرسلہ:** اس کو املاک مطلقہ بھی کہتے ہیں۔ وہ املاک جن میں ملکیت کا دعویٰ تو ہو لیکن سبب ملک بیان نہ کیا گیا ہو مثلاً زید نے کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ ہبہ، شراء، وراثت وغیرہ میں سے کس طرح میری ملکیت میں آئی۔ **املاک مقیدہ:** جن میں ملکیت کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ سبب ملک کو بیان کیا گیا ہو کہ فلاں چیز میری ملکیت میں ہے اور اس طریقہ سے میرے پاس آئی۔ مثلاً زید نے کہا کہ یہ کپڑا میری ملکیت ہے اور سبب یہ بیان کیا کہ فلاں دکاندار سے میں نے اس کو خریدا ہے۔

③ **محل نزاع کیا چیز ہے:** املاک مرسلہ میں سبب ملکیت بیان نہیں ہوتا اگر اس کے متعلق قاضی نے شہادت کاذبہ کی بناء پر فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ بالاجماع صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب وہاں سبب ملکیت کو بیان نہیں کیا گیا تو اس کو از سر نو پیدا کرنا ہوگا اور یہ کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ کسی کی ملکیت کے اسباب بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اسباب ہی کے ذریعے فیصلہ باطناً نافذ ہوتا ہے اور یہاں کوئی سبب نہیں ہے لہٰذا اس کا نفاذ باطناً نہیں ہوگا۔

مسئلہ: قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا یا نہیں؟ اب محل نزاع املاک مقیدہ میں ہے کہ اگر قاضی نے املاک مقیدہ کے متعلق جھوٹے گواہوں کی بناء پر فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہوگا یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اول: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ **قول ثانی:** امام ابو حنیفہؒ اور

امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق اس صورت میں قضاء قاضی ظاہراً اور باطناً دونوں صورتوں میں نافذ ہوگا۔

احناف کے نزدیک قضاء قاضی باطناً نافذ ہونے کی چند شرائط ہیں۔ ① قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ سے متعلق ہو کہ دعویٰ عقد کا ہو مثلاً یہ دعویٰ کہ میں نے اس سے نکاح کیا تھا یا فسخ کا دعویٰ مثلاً کوئی عورت دعویٰ کرے کہ مجھے میرے شوہر نے طلاق دے دی تھی لہٰذا اگر عقود و فسوخ کا دعویٰ نہ ہو تو قضاء قاضی باطناً نافذ نہیں ہوگا ② املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو اس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے ③ وہ معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا اس میں احتمال ہو کہ اب وہ عقد ختم ہو جائیگا مثلاً نکاح وغیرہ ④ وہ محل قابل للعقد ہو اگر اس محل ہی میں عقد کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوگا اور نہ باطناً نافذ ہوگا مثلاً کوئی شخص کسی محرم عورت کے بارے میں دعویٰ کر دے کہ یہ میری منکوحہ ہے تو اس صورت میں اگر مدعی گواہ پیش کر دے اور قاضی فیصلہ بھی کر دے تب بھی اس کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً کسی طرح بھی نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ محل قابل للعقود نہیں ہے ⑤ قاضی نے بینہ کی بناء پر یا مدعیٰ علیہ کے نکول عن الیمین کی بنیاد پر فیصلہ کر دیا تو تب قاضی کا فیصلہ باطناً نافذ ہوگا لیکن اگر قاضی نے مدعیٰ علیہ کی یمین کی بناء پر فیصلہ کیا تو پھر اس صورت میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نہیں ہوگا۔ الحاصل مذکورہ شرائط کی بناء پر قضاء قاضی ظاہراً اور باطناً نافذ ہوگا۔

اس اختلاف کو مثال سے سمجھ لیں کہ ایک عورت نے کسی پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کی اور حقیقت میں مدعیٰ علیہ نے شادی نہیں کی تھی مگر عورت نے جھوٹی شہادت سے ثابت کر دیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ عورت صرف ظاہراً اسکی بیوی ہوگی حقیقۃً اسکی بیوی نہیں ہوگی لہٰذا مدعیٰ علیہ کا اسکے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حقیقۃً اسکی بیوی ہوگی اور وطی کرنا حلال ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس بارے میں واضح فرمادیا کہ ایسے فیصلے کے بعد کوئی اس کو نہ لے اس لئے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے اس سے معلوم ہوا کہ غیر مناسب قضاء کی بناء پر وہ قضاء باطناً عند اللہ نافذ نہ ہوگا دوسرا یہ کہ انہوں نے املاک مقیدہ کو املاک مطلقہ پر قیاس کیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب اوّل: یہ حدیث املاک مرسلہ کے بارے میں ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جواب ثانی: یہ حدیث مسئلہ متنازع فیہا کے متعلق ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بالفرض اگر کوئی چرب لسانی اور اپنی زبان درازی سے اپنے حق کو ثابت کر دے اور قاضی فیصلہ کر دے جبکہ ہمارا قول اس صورت میں ہے کہ جب قاضی نے گواہوں سے اس پر فیصلہ کرے۔

حضرت انور شاہ صاحبؒ کا جواب: کہ آپ ﷺ نفس دین کے اعتبار سے "قطعة من النار" فرما رہے ہیں لیکن قضاء قاضی نافذ ہوگا تو پھر "قطعة من النار" نہیں رہا جیسا کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کر لی تو یہ حرام ہے پھر وہ باپ اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میری ام ولد ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ اس کی قیمت دیدے تو باندی ام ولد بن جائیگی جبکہ باندی سے بیٹے کے والد کا وطی کرنا پہلے حرام تھا لیکن بعد میں وہ حلال ہوگئی۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے اس لئے اگر واقعۃً نکاح نہیں ہوا تھا تو اب قاضی نے شاہدوں کی شہادت سے لوگوں کے سامنے واضح کر دیا اور یہ فیصلہ انشاء عقد ہے لہٰذا وہ عورت باطناً بھی اس کی بیوی ہوگی۔

دلیل ثانی: لعان کے متعلق آپ ﷺ نے "احدکما کاذب" فرمانے کے باوجود فیصلہ کر دیا اور فریقین ایک دوسرے سے جدا ہو گئے دوسرا یہ کہ اگر یہ باطناً نافذ نہ ہوتا تو عورت معلق ہوگی معلوم نہیں کہ اس کا شوہر ہے یا نہیں یا ایک شوہر ہے یا دو شوہر جس کی نظیر شریعت میں نہیں پائی جاتی اس وجہ سے عورت ساری زندگی مصیبت میں پڑی رہے گی۔

دلیل ثالث: امام طحاویؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے پیش کی ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ جھوٹے نکاح کا دعویٰ کر کے جھوٹی شہادت پیش کر دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدعی مرد کے حق میں فیصلہ کر دیا تو عورت نے عرض کی کہ اس کی مجھ سے شادی نہیں ہوئی مگر جب آپ نے فیصلہ ہی کر دیا تو اب نکاح پڑھا دیجئے تا کہ میں گناہگار نہ ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ضرورت نہیں "شاہداك زوّجاك" کہ ان دو گواہوں نے تیرا نکاح پڑھا دیا۔

سوال: امام ابو حنیفہؒ کی تیسری دلیل پر ایک سوال وارد ہوتا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ جب اس عورت نے فیصلہ سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب میرا نکاح کر دیجئے تو آپ نے نکاح کیوں نہ کیا؟

جواب: اگر اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ خود دوبارہ نکاح کرتے تو یہ نکاح کرنا گویا ان کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہوتا کہ میں نے فیصلہ غلط دیا ہے کیونکہ جب ایک مرتبہ فیصلہ نافذ ہو گیا کہ وہ عورت اس کی منکوحہ ہے تو پھر دوبارہ نکاح کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ نکاح نہیں کروایا۔

دلیل رابع: مسئلہ لعان کہ اگر زوجین کے درمیان لعان ہو جائے تو قاضی تفریق کر دے گا حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک جھوٹا ہے پھر بھی قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے زوج کے لئے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا جبکہ لعان سے پہلے وطی حلال تھی تو مسئلہ لعان میں ایک چیز پہلے حلال تھی قاضی کے فیصلے کی وجہ سے وہ بعد میں حرام ہو گئی۔ اسی طرح مسئلہ قضاء القاضی بشھادۃ الزور ہے کہ ایک چیز پہلے حرام تھی اب قاضی کے فیصلے کی وجہ سے حلال ہو گئی تو یہ کوئی مستبعد نہیں۔

دلیل خامس: مسئلہ اجماعیہ ہے کہ کوئی مولیٰ اپنی باندی کو فروخت کرے اس کے بعد عدالت میں فسخ بیع کا دعویٰ کر دے کہ یہ جاریہ مجھے واپس کر دو اور وہ اسکے فسخ پر گواہ بھی قائم کر دے تو ایسی صورت میں مبیع مولیٰ کی طرف واپس کر دی جائے گی مولیٰ کے لئے اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے جیسے اس مسئلہ میں قضاء قاضی ظاہراً بھی نافذ ہو گیا ہے اور باطناً بھی۔ اسی طرح موجودہ مسئلہ میں بھی دونوں طرح نافذ ہوں گی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا

قتیبہ، ابو الاحوص، سماک بن حرب، حضرت علقمہ بن وائل بن حجر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضر موت اور کندہ سے ایک ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا

رَسُولَ اللهِ إِنَّ هٰذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِيَحْلِفَ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ حَدِيثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَغَيْرُهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْعَرْزَمِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ ضَعَّفَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَغَيْرُهُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ الْجُمَحِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

جبکہ کندی نے عرض کیا وہ میری زمین ہے میرے ہاتھ میں ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرمی سے پوچھا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں اس نے کہا کہ نہیں آپ e نے فرمایا پھر تم اس سے قسم لے سکتے ہو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو فاجر آدمی ہے قسم اٹھا لے گا پھر اس میں پرہیزگاری بھی نہیں فرمایا تم اس سے قسم کے علاوہ کچھ بھی نہیں لے سکتے پس وہ شخص کھانے کے لئے مڑا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اس نے تیرے مال پر قسم کھائی تا کہ اسے ظلماً کھائے تو وہ اللہ سے قیامت کے دن اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس کی طرف رحمت کی نظر سے توجہ نہیں فرمائے گا۔ اس باب میں حضرت عمر، ابن عباس، عبداللہ بن عمرو اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حدیث وائل بن حجر حسن صحیح ہے۔

علی بن حجر، علی بن مسہر سے وہ محمد بن عبیداللہ سے وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا مدعی کے لئے گواہ پیش کرنا ہے اور مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم کھانا ہے۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ محمد بن عبیداللہ العزرامی حافظے کی وجہ سے حدیث میں ضعیف قرار دیئے جاتے ہیں اور ابن مبارک وغیرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

محمد بن سہل بن عسکر بغدادی، محمد بن یوسف، نافع بن عمر جمحی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ قسم مدعیٰ علیہ پر ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ اور قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

تشریح: اس باب کا حاصل یہ ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور یمین مدعیٰ علیہ کے ذمہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدعی عمومی طور پر وہ شخص ہوتا ہے جس کی ملک نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ ملک کے ثبوت کے لئے حجۃ قویہ کی ضرورت ہے اور حجۃ قویہ بینہ ہے اور مدعی علیہ کی چونکہ عمومی طور پر ملک ہوتی ہے اس لے اس کو حجۃ ضعیفہ کی ضرورت ہوتی ہے اور حجۃ ضعیفہ یمین ہے اس لئے یمین کے ذریعے مدعیٰ علیہ اپنی ملک کو ثابت کرسکتا ہے۔

احناف کے نزدیک فیصلہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ سب سے پہلے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے اگر مدعی گواہ پیش کردے تو قاضی ان گواہوں کا تزکیہ کرے گا اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کردے۔ اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے یا ناتمام پیش کرے یا گواہ قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کالعدم قرار دیئے جائیں گے اور قاضی مدعی علیہ سے قسم لے گا اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کردے تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرے اگر مدعیٰ علیہ قسم کھالے تو قاضی مدعیٰ علیہ کے حق میں فیصلہ کرے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک اور طریقہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو قاضی مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کرے اس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ رَبِيعَةُ وَأَخْبَرَنِي ابْنٌ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ وَجَدْنَا فِي كِتَابِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَسُرَّقٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

یعقوب بن ابراہیم دورقی، عبدالعزیز بن محمد، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن، سہیل بن ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ فرمایا ربیع کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ کے ایک بیٹے نے مجھے بتایا کہ ہم نے سعدؓ کی کتاب میں پڑھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ فرمایا اس باب میں حضرت علی، جابر، ابن عباس اور سرق رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث ابوہریرہؓ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ

محمد بن بشار، محمد بن ابان، عبدالوہاب ثقفی، جعفر بن محمد، وہ اپنے والد سے وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ وَقَضٰى بِهَا عَلِيٌّ فِيكُمْ وَهٰذَا أَصَحُّ وَهٰكَذَا رَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَرَوٰى عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ وَيَحْيٰى بْنُ سُلَيْمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ رَأَوْا أَنَّ الْيَمِينَ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ جَائِزٌ فِي الْحُقُوقِ وَالْأَمْوَالِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالُوا لَا يُقْضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ إِلَّا فِي الْحُقُوقِ وَالْأَمْوَالِ وَلَمْ يَرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يُقْضٰى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ .

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر سے وہ حضرت جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا پھر حضرت علیؓ نے بھی تمہارے درمیان اسی پر فیصلہ فرمایا یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے سفیان ثوری بھی جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور یحییٰ بن سلیم بھی یہ حدیث جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں بعض علماء وغیرہ کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے بدلے اس سے قسم لی جائے۔ یہ حقوق واموال میں جائز ہے۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے امام شافعی، احمد اور اسحاق بھی ایک گواہ اور قسم پر حقوق واموال میں فیصلہ کرنے کو جائز سمجھتے ہیں بعض اہل کوفہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ایک گواہ کے بدلے مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔

تشریح: مسئلہ: مدعی کے ذمہ بینہ ہے اور مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم ہے اب اگر مدعی کے پاس دو گواہ موجود نہ ہوں بلکہ ایک گواہ موجود ہو تو اس فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ اگر دعویٰ غیر اموال کے بارے میں ہو تو اس میں اتفاق ہے کہ نصاب شہادت پورا کرنا ضروری ہے لہٰذا مدعی سے ایک گواہ ہونے کی صورت میں ایک قسم نہیں لی جائے گی ہاں اگر دعوی اموال میں ہو تو مدعی سے ایک شاہد ہونے کی صورت میں دوسرے شاہد کے بدلے میں قسم لی جائے گی یا نہیں تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کسی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے بدلے میں اس سے قسم لی جائے گی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی صورت میں بھی مدعی پر قسم نہیں آئے گی بلکہ ایک شاہد کی صورت میں مدعی علیہ پر قسم آئے گی اور قسم پر فیصلہ کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے "واشهدوا ذوى عدل منكم ا ورواستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان"۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عمرو بن شعیب کی مشہور حدیث ہے "البینة علی المدعی والیمین علی من انکر"۔ امام نوویؒ نے اس حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا "هذا الحديث قاعدة شرعية كلية من قواعد الشرع"۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے تقسیم فرمادی کہ مدعی کے ذمہ دو گواہ ہیں اور یمین مدعی علیہ پر ہے اور "والقسمة تنافی الشرکة" دوسرا یہ کہ "البینة" میں الف لام جنس کا ہے مطلب یہ ہوا کہ جنس بینہ منحصر ہے مدعی پر اور جنس یمین منحصر ہے منکر پر "لا یجاوز الی غیر المنکر ای المدعی" بہرحال کسی صورت میں مدعی پر قسم نہیں آسکتی۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے "ان رسول الله ﷺ قضى بيمين وشاهد"۔

جواب اوّل: حدیث "البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه" مشہور ہے بلکہ تواتر کے قریب ہے اور "قضی بیمین و شاهد" والی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب کی سب خبر واحد ہیں لہٰذا مشہور جو متواتر کے قریب ہو اور خبر واحد کے معارض ہو تو خبر واحد متروک العمل ہوتی ہے۔

جواب ثانی: یہ آیت قرآنیہ کے بھی معارض ہے آیت قرآنیہ میں ہے "فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان" یہ آیت اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر مدعی کے پاس دو مرد گواہ نہ ہوں بلکہ ایک مرد ہو تو دو عورتیں دوسرے گواہ کی جگہ گواہی دیں اگر دوسرے گواہ کی ضرورت نہ ہوتی ایک کے ہوتے ہوئے مدعی سے قسم لی جاتی ہوتی تو اتنی لمبی عبارت کی ضرورت نہیں تھی بلکہ یوں ہونا چاہیے تھا۔ فان لم يكونا رجلين فاقضوا بيمين مع بينة۔ چنانچہ ابوالزناد اور ابن شبرمہ کا اس پر مناظرہ ہوا ابوالزناد کی رائے یہ تھی کہ قضاء و بیمین و شاهد یجوز اور ابن شبرمہ کی رائے یہ تھی کہ لا یجوز اس پر ابن شبرمہ نے یہی دلیل پیش کی کہ اگر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے تو آیت کریمہ یوں ہونی چاہیے تھی فان لم يكونا رجلين فرجل ويمين اتنی طویل آیت ذکر نہ کی جاتی۔

جواب ثالث: البینة علی المدعی قولی حدیث ہے اور حدیث الباب فعلی ہے۔ لہٰذا قولی کو ترجیح ہوگی۔

جواب رابع: البینة علی المدعی قاعدہ کلیہ ہے اور قضی بیمین و شاهد ایک واقعہ جزئیہ ہے اور مسئلہ کی بناء قاعدہ کلیہ پر رکھنی چاہیے نہ کہ واقعہ جزئیہ پر ہو۔

جواب خامس: یہ مؤول ہے اس میں جیسے احتمال ہے اس بات کا کہ یمین سے مدعی کی یمین مراد ہو اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ مدعی علیہ کی یمین مراد ہو کہ مدعی کے پاس نصاب شہادت نہ ہونے کی وجہ سے شاہد واحد کو کالعدم قرار دے کر مدعی علیہ سے قسم لیکر فیصلہ فرمایا ہو اگرچہ یہ نص تو نہیں ہے لیکن اس میں احتمال تو ہے اور اس کیلئے اصول ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

جواب سادس: رواۃ کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فیصلے دونوں طرح سے ہوتے تھے قضی بیمین و شاهد اس وقت ہوتا جب نصاب شہادت مکمل نہ ہوتا تو مدعی علیہ کی یمین پر فیصلہ فرماتے اور جہاں نصاب شہادت مکمل ہوتا تو وہاں قضی بشاهدٍ کا معاملہ ہوتا یہ بالکل ایسے ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے قصر بھی کیا اور اتمام بھی کیا۔ مطلب یہ ہے کہ قصر حالت سفر میں کیا اور اتمام صلوٰۃ حالت حضر میں کیا۔

سوال: مع شاهد واحد تو حدیث میں صراحۃً آیا ہے تو اس کا کیا جواب دو گے۔

جواب: واحدٍ کے لفظ کو نقل کرنے میں رواۃ کا اتفاق نہیں ہے جیسا کہ سعید بن عبادہ کی صحیفہ میں واحد کا لفظ نہیں ہے۔ تو ممکن ہے روایت بالمعنی کی قبیل سے ہو اس کے علاوہ اور بھی جوابات دیئے جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَبْدِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شِقِيصًا أَوْ قَالَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ قَالَ أَيُّوبُ وَرُبَّمَا قَالَ نَافِعٌ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ يَعْنِي فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ فَهُوَ عَتِيقٌ مِنْ مَالِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، ایوب، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مشترک غلام کے اپنے حصے کو آزاد کیا اور اس کے آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہے کہ اس غلام کی بازار کی قیمت کے برابر پہنچتا ہے تو وہ غلام آزاد ہو گیا ورنہ اتنا حصہ ہی آزاد ہو گا جتنا اس کا حصہ تھا۔ ایوب کہتے ہیں کہ نافع نے بعض اوقات اس روایت میں یوں کہا اس سے اتنا آزاد ہوا جتنا اس نے آزاد کیا حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے سالم نے یہ حدیث اپنے والد سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے۔ حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کیا تو اگر آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہے کہ غلام کی قیمت پوری ہو جاتی ہے تو وہ غلام اس کے مال سے آزاد ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **اختلافی مسئلہ: عبد مشترک کا کیا حکم ہے؟** جس کی صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا ان میں سے ایک آدمی نے غلام کا اپنا حصہ آزاد کر دیا۔ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر مشترک غلام کو آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اسکے شریک کو تین باتوں کا اختیار حاصل رہے گا ① وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے تو ولاء دونوں میں مشترک ہوگا ② یا وہ آزاد کرنیوالے اپنے ساتھی سے بطور تاوان اپنے حصے کی رقم لے گا ③ غلام سے سعی کروا کر اپنا حصہ وصول کریگا۔ اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو دوسرے شریک کو دو باتوں کا اختیار حاصل رہے گا۔

اوّل: وہ بھی فی سبیل اللہ آزاد کر دے۔ **ثانی:** غلام سے سعی کروا کر اپنے حصے کی رقم وصول کرے۔

قول ثانی: صاحبین کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو یہ آزاد کرنے والا غلام کی بقیہ آدھی قیمت شریک کو ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور ولاء کا حق بھی اس کو ملے گا اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو غلام خود سعی کر کے باقی

نصف کی رقم ادا کرے گا چنانچہ صاحبین کے نزدیک غلام ہر صورت میں آزاد ہو جائے گا۔

قول ثالث: ائمہ ثلثہ کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کو چاہیے کہ شریک کے حصے کی قیمت بھی ادا کر دے تو پورا غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا اور ولاء بھی اسی کو ملے گی اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا اور شریک کا حصہ غلام رہے گا لہٰذا آدھا غلام آزاد اور آدھا غلام ہوگا۔ ایک دن اپنے مالک کی خدمت کرے گا دوسرے دن آزاد ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔ اس میں واضح بیان ہے کہ معتِق کے یسار ہونے کی صورت میں ضمان آئے گا اور اعسار کی صورت میں عتق میں تجزی ہوگی آدھا غلام آزاد ہوگا اور آدھا غلام رہے گا۔

صاحبین کی دلیل: اگلی حدیث ابوہریرہؓ ہے "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شِقِيصًا فِي مَمْلُوكٍ فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ قِيمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ يُسْتَسْعٰى فِي نَصِيبِ الَّذِي لَمْ يُعْتَقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ"۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دونوں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ معتِق کے مالدار ہونے کی صورت میں اپنے شریک کو نصف قیمت ادا کرنے کی صورت میں پورا غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا ورنہ صرف اس کا حصہ آزاد ہوگا اور چونکہ عتق میں تجزی نہیں ہوتی اس لئے غلام میں شریک ثانی کی مالیت محبوس ہوگی تو اس سے سعی کرا کر اپنا حق ادا کرائے گا باقی فریق اول خود آزاد کر دے تو اس کو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ معتِق کے یسار ہونے کی صورت میں تین اختیار ثابت ہوئے اور دوسری حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معتِق کی تنگ دستی کی صورت میں غلام سے سعی کرائی جائے گی لہٰذا تنگ دستی کی صورت میں دو خیار ہوئے اس سے ان دونوں فریقوں کے دلائل کے جوابات بھی ہو گئے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ نَصِيبًا أَوْ قَالَ شِقِيصًا فِي مَمْلُوكٍ فَخَلَاصُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قُوِّمَ قِيمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ يُسْتَسْعٰى فِي نَصِيبِ الَّذِي لَمْ يُعْتَقْ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ شَقِيصًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، سعید بن ابی عروبہ، قتادہ، نضر بن انس، بشیر بن نہیک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کیا تو اگر وہ مالدار ہے تو اسے پورا آزاد کرائے اور اگر غریب ہے تو غلام کی بازار کے مطابق صحیح قیمت مقرر کی جائے اور پھر جو حصہ آزاد نہیں ہوا اس کے لئے غلام سے محنت کرا کے بقیہ حصہ کی قیمت ادا کر دی جائے لیکن اس کو زیادہ مشقت میں نہ ڈالا جائے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے۔ محمد بن بشار نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن ابی عروبہ سے اسی کی مثل حدیث نقل کی ہے اور شقیصا کا لفظ استعمال کیا یہ

وَهٰكَذَا رَوَى أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ قَتَادَةَ مِثْلَ رِوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ قَتَادَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَمْرَ السِّعَايَةِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي السِّعَايَةِ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ السِّعَايَةَ فِي هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ إِسْحٰقُ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ غَرِمَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ وَعَتَقَ الْعَبْدُ مِنْ مَالِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ عَتَقَ مِنَ الْعَبْدِ مَا عَتَقَ وَلَا يُسْتَسْعٰى وَقَالُوا بِمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ .

حدیث حسن صحیح ہے ابان بن یزید نے قتادہ سے سعید بن ابوعروبہ کی روایت کی مثل نقل کی لیکن محنت کا ذکر نہیں کیا غلام سے محنت کروانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک اس سے محنت کرائی جائے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ اسحاق بھی یہی کہتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے تو دیکھا جائے اگر اس کے پاس اپنے ساتھی کا حصہ ادا کرنے کے لئے مال ہے تو یہ غلام آزاد ہوگا ورنہ غلام میں سے اتنا ہی آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا۔ لیکن اس سے محنت مشقت نہیں کرائی جائیگی ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے مطابق رائے دی ہے۔ اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے مالک بن انسؒ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: اعتاق میں تجزی ہے کہ نہیں؟** اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر معتق اول معسر ہوا تو اعتاق متجزی ہوگا اور صرف اسکے حصہ کا اعتاق ہوگا۔ دوسرے کے حصہ کا اعتاق نہیں ہوگا۔ اگر یہ موسر ہوا تو (ان کے نزدیک اعتاق غیر متجزی ہے) اس صورت میں انکے نزدیک پورا غلام آزاد ہو جائیگا۔

قول ثانی: صاحبین کے نزدیک اعتاق مطلقاً غیر متجزی ہے یسر میں بھی عسر میں بھی۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتاق مطلقاً متجزی ہے یعنی یسر میں بھی اور عسر میں بھی۔ اب اس اختلاف کی بنیاد اصل اعتاق کے معنی پر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتاق نام ہے ازالہ ملک کا اس معنی کے اعتبار سے اعتاق متجزی ہے ملک آنے جانے میں تقسیم قبول کرتی ہے جب ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو اور ایک آزاد کر دے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ غلام آدھا آزاد ہو گیا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ابھی غلام ہے صرف آدھے پر ملکیت ختم ہوئی ہے لہٰذا باقی آدھا غلام رہ نہیں سکتا بلکہ وہ آزادی کا حق دار ہو گیا ہے اس وجہ سے دوسرے کو کہا جائے گا کہ تو بھی آزاد کر یا پھر دوسرے کو ضامن بنا دے یا پھر غلام کو کہہ دے کہ مجھے مال لا کر دے میں تجھے آزاد کر دوں گا۔

جبکہ صاحبین کے ہاں اعتاق نام ہے اثبات حریت کا اور حریت پوری ہوتی ہے تو جب ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو حریت پوری ہوگی لہٰذا یہ پورا آزاد ہو جائے گا اور دوسرا یا تو ضامن بنا لے یا پھر سعی کروا لے۔

اور امام شافعیؒ کے ہاں اگر پہلا مالدار ہے اور اس نے آزاد کر دیا تو غلام پورا آزاد ہوگا اور دوسرے ساتھی کو ضمان دے گا۔

علامہ نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا مذہب اقرب الی الحدیث ہے کیونکہ امام شافعیؒ غلام سے سعی کروانے کے قائل نہیں ہیں اور احادیث میں بھی غلام سے سعی کروانے سے منع فرمایا گیا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سعی کروانا جائز ہے علامہ عینیؒ نے ابن الحزمؒ کا قول نقل کیا ہے کہ غلام سے سعی کروانے والی احادیث صحیح ترین ہیں بلکہ ۳۰ کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم سے استسعاء کا قول نقل کیا گیا ہے امام شافعیؒ ان احادیث میں یہ تاویل کرتے ہیں یہاں پر سعی سے مراد خدمت ہے اور اس کے تو ہم بھی قائل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے خدمت مراد نہیں ہے کیونکہ آگے صراحۃ ''**یخدمه**'' کے الفاظ آرہے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ صاحبین کا مذہب اقرب الی الحدیث ہے کیونکہ احادیث میں ہے کہ جب پہلا آزاد کرنے والا مالک مالدار ہو تو دوسرا شریک مالک غلام سے سعی نہ کروائے گا اور صاحبین کا مسلک بھی یہی ہے کہ غلام سے سعی نہ کروائی جائے معلوم ہوا کہ صاحبین کا مسلک اقرب الی الحدیث ہے کیونکہ امام صاحب تو سعی کروانے کے قائل ہیں۔

حدیث ابن عمرؓ کا جواب اوّل: عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔

جواب ثانی: حدیث کا مدلول مابہ الامتیاز کو بتلانا ہے غلام سے سعی کرانے کی نفی مقصود نہیں سعایہ سے ضمان زیادہ اقوی ہے۔ جب ضمان کا حق حاصل ہے تو سعایہ کا حق بطریق اولیٰ حاصل ہوگا اس لئے کہ ضمان میں اپنے شریک کے ساتھ معاملہ ہے اور سعایہ میں اپنے مملوک سے کروانا ہے۔ البتہ حالت عسر کے اندر فرمایا ''**فقد عتق منه ما عتق**'' دیکھو حالت عسر میں نہ ضمان کا ذکر ہے اور نہ سعایہ کا ذکر ہے بلکہ وہ نصف اپنے حال پر باقی رہے گا۔

جواب ثالث: یا یہ حالت عسر میں سعایہ کے ذکر سے ساکت ہے اور حدیث ابوہریرہؓ ناطق ہے اس میں تصریح ہے کہ حالت عسر میں سعایہ ہے۔ جب ساکت اور ناطق میں تعارض ہو جائے تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔

سوال: امام ترمذیؒ نے اسحاق بن راہویہ کو دونوں کے ساتھ ملا دیا۔

جواب اوّل: ہوسکتا ہے کہ ان سے دونوں روایات منقول ہوں۔

جواب ثانی: صحیح نسخہ میں دوسرے مقام پر اسحاق بن راہویہ کا ذکر نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَى

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا أَوْ مِيرَاثٌ لِأَهْلِهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ

محمد بن مثنیٰ، ابن ابی عدی، سعید، قتادہ، حسن، حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمریٰ جائز ہے اور وہ گھر اسی کا ہے جس کو دیا ہے یا فرمایا اس میں رہنے والوں کے لئے میراث ہے۔ اس باب میں حضرت زید بن ثابت، جابر، ابوہریرہ، عائشہ، ابن زبیر اور معاویہ

وَعَائِشَةَ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَإِنَّهَا لِلَّذِي يُعْطَاهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوَى مَعْمَرٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ مِثْلَ رِوَايَةِ مَالِكٍ وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ وَلِعَقِبِهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا قَالَ هِيَ لَكَ حَيَاتَكَ وَلِعَقِبِكَ فَإِنَّهَا لِمَنْ أُعْمِرَهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى الْأَوَّلِ وَإِذَا لَمْ يَقُلْ لِعَقِبِكَ فَهِيَ رَاجِعَةٌ إِلَى الْأَوَّلِ إِذَا مَاتَ الْمُعْمَرُ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا مَاتَ الْمُعْمَرُ فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ وَإِنْ لَمْ تُجْعَلْ لِعَقِبِهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ .

رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی گھر کسی کو ساری عمر رہنے کے لئے دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ گھر تمہارے اور تمہارے وارثوں کے لئے ہے تو وہ اسی کا رہے گا جسے دیا گیا اور جس نے اسے دیا ہے دوبارہ اس کا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسا عطیہ دیا جس میں میراث واقع ہوئی یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو معمر اور کئی راوی بھی زہری سے مالک ہی کی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں بعض محدثین نے زہری سے روایت کیا لیکن ''ولعقبه'' کے الفاظ مذکور نہیں بعض علماء کا اس پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب گھر دینے والے نے کہا یہ ساری زندگی تیرے لیے اور تیرے بعد والوں کے لئے ہے تو یہ اسی کے لئے ہوگا جس کو دیا گیا پہلے کی طرف واپس نہیں ہوگا اور اگر وارثوں کا ذکر نہ کیا تو اس شخص کی وفات کے بعد مالک کو مکان واپس کر دیا جائے گا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سندوں سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا عمریٰ اس کا ہے جسے دیا گیا ہے بعض اہل علم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عمریٰ اسی کا ہوگا جسے دیا گیا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس کے حقدار ہوں گے خواہ دیتے وقت وارثوں کا ذکر کیا گیا یا نہیں سفیان ثوری، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: العمریٰ: کسی شخص کو عمر بھر کیلئے زمین یا مکان ہبہ کر دینا اسے عمریٰ کہا جاتا ہے۔ عطیہ دینے والے کو معمر اور لینے والے کو معمرلہ اور عطیہ کو عمریٰ کہتے ہیں۔ پھر عمریٰ کی تین صورتیں ہیں۔ ① ''اعمرتك هذه الدار فاذامت فهى لورثتك ولعقبك'' معمر یوں کہتا ہے کہ یہ گھر میں نے تمہیں عمر بھر کیلئے دیا ہے اور تیرے مرنے کے بعد یہ گھر تیرے وارثوں کا ہے ② ''اعمرتك هذه الدار'' اس میں کسی قسم کی قید نہیں لگائی کہ تیرے مرنے کے بعد تیرے ورثاء کا ہوگا یا نہیں ③ ''جعلتها لك عمرك فاذامت عادت الى'' کہ یہ گھر میں نے تمہیں عمر بھر کے لئے دیا ہے اور تیرے مرنے کے بعد یہ گھر میرا ہوگا۔

مسئلہ: اب ان تینوں صورتوں میں اختلاف ہے کہ عاریت ہوگی یا ہبہ ہوگا۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک تینوں صورتوں میں یہ عاریت ہوگی ہبہ نہیں ہوگا لہٰذا ان کے نزدیک وہ واپس لے سکتا ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک تینوں صورتوں میں یہ ہبہ ہوگا اور اس نے جو شرط لگائی وہ لغو ہوگی اور واہب کی طرف لوٹ کر نہیں آئیگا۔

امام مالکؒ کی دلیل: بخاری اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال انما العمرٰی التی اجاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقول ھی لك... الخ۔

جواب: یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا۔ دوسرا یہ کہ ان کی یہ روایت دیگر صحیح روایات کے بھی خلاف ہے اور خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت کے خلاف ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اوّل: مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ان العمرٰی میراث لاھلھا" اگر ہبہ نہ ہوتی تو ورثاء کی طرف منتقل نہ ہوتی ورثاء کی طرف انتقال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبہ ہے۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں "فانھا للذی اعطیھا لا یرجع الی الذی اعطاھا الخ"

دلیل ثالث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ "امسکوا اموالکم علیکم لاتفسدوھا فانه من اعمر عمرٰی فھی للذی اعمر حیًّا ومیتا ولعقبه"۔

دلیل رابع: "عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاترقبوا ولا تعمروا فمن ارقب شیئًا او اعمر فھی لورثته"

الحاصل مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موہوب لہ مالک ہوجاتا ہے لہٰذا واپسی کی شرط ہوگی اور واہب کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْبٰى

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالرُّقْبٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوفًا وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الرُّقْبٰى جَائِزَةٌ مِثْلَ الْعُمْرٰى وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَفَرَّقَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ بَيْنَ الْعُمْرٰى وَالرُّقْبٰى فَأَجَازُوا الْعُمْرٰى وَلَمْ

احمد بن منیع، ہشیم، داؤد بن ابی ہند، ابی زبیر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمریٰ جائز ہے اور وہ اسی کا ہوجاتا ہے جس کو دیا جاتا ہے اسی طرح رقبیٰ بھی جائز ہے اور اسی کا ہوجاتا ہے جس کو دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے بعض راوی یہ حدیث ابوزبیر سے اور وہ حضرت جابرؓ سے موقوفاً نقل کرتے ہیں صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ رقبیٰ عمریٰ ہی کی طرح جائز ہے امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض علماء کوفہ وغیرہ عمریٰ اور رقبیٰ میں تفریق کرتے ہیں پس وہ عمریٰ کو جائز اور رقبیٰ کو ناجائز قرار دیتے ہیں رقبیٰ کا مطلب یہ ہے کہ دینے والا دوسرے کو کہے جب تک تو زندہ ہے یہ چیز

يُجِيزُوا الرُّقْبٰى وَتَفْسِيرُ الرُّقْبٰى أَنْ يَقُولَ هٰذَا الشَّيْءُ لَكَ مَا عِشْتَ فَإِنْ مُتَّ قَبْلِي فَهِيَ رَاجِعَةٌ إِلَيَّ وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ الرُّقْبٰى مِثْلُ الْعُمْرٰى وَهِيَ لِمَنْ أُعْطِيَهَا وَلَا تَرْجِعُ إِلَى الْأَوَّلِ

تیرے لئے ہے اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ تو یہ دوبارہ میری ملکیت ہو جائے گی امام احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ رقبیٰ بھی عمریٰ کی طرح ہے یہ اسی کے لئے ہوگا جس کو دیا گیا دوبارہ دینے والے کی ملکیت میں نہیں آتا۔

تشریح: لا ترقبوا: رقبیٰ کی تعریف: رقبیٰ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنا مکان دوسرے شخص کو اس شرط پر دیتا ہے اگر تو پہلے مرگیا تو یہ مکان مجھے واپس مل جائے گا اور اگر میں پہلے مرگیا تو یہ مکان تیری ملک ہو جائے گا۔

مسئلہ: رقبیٰ کے جواز اور عدم جواز کا حکم۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رقبیٰ عمریٰ کی طرح ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک رقبیٰ عاریت ہے ہبہ نہیں ہے گویا یہ حضرات رقبیٰ کو باطل قرار دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل: آپ ﷺ نے فرمایا کہ "العمریٰ جائزة لاهلها والرقبیٰ جائزة لاهلها"۔

جواب: یہاں رقبیٰ سے تملیک رقبیٰ مراد ہے اور اس کا مدار عرف پر ہے اور امام صاحبؒ کے زمانے میں لوگ لفظ رقبیٰ سے عاریۃ دیا کرتے تھے اس لئے رقبیٰ سے ہبہ نہیں ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: امام شعبیؒ کی روایت ہے کہ "ان النبی ﷺ اجاز العمریٰ وابطل الرقبیٰ"۔

دلیل ثانی: دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کی دوسرے کی موت پر نظر ہوگی اور ایسا شریعت میں درست نہیں۔

اَلْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا: روایات میں تعارض: اس حدیث میں آیا ہے کہ اَلْعُمْرٰى جَائِزَةٌ کہ عمریٰ جائز ہے حالانکہ پچھلی حدیث میں گزرا کہ "لاترقبوا ولا تعمروا" تو دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب اوّل: یہاں جائزۃ سے مراد نافذۃ ہے کہ رقبیٰ اگرچہ صحیح نہیں ہے لیکن جب وقوع ہو جائے تو نافذ ہو جاتا ہے۔

جواب ثانی: جس حدیث میں نہی ہے اس نہی سے ارشادی نہی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ تم ایک وقت تک ہبہ نہ کرو کہ مدت پوری ہونے پر وہ مال واپس لے لوگے بلکہ جب وہ ہبہ کردو تو واپس نہ لو۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۱۵۱)

والرقبیٰ جائزة لا هلها: روایات میں تعارض: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رقبیٰ جائز ہے جبکہ ماقبل والی روایت میں ہے "لاترقبوا" کہ رقبیٰ نہ کرو تو اس اعتبار سے بھی تعارض ہو گیا۔

جواب: رقبیٰ کی دو تفسیریں ہیں۔ **اوّل:** رقبیٰ میں جو لفظ کہے گئے تھے ان کی حقیقت ہبہ اور تملیک عین ہے اس تفسیر کے مطابق رقبیٰ جائز ہونا چاہئے کیونکہ شرط فاسد لگانے سے شرط ختم ہو جاتی ہے اور ہبہ مکمل ہو جاتا ہے۔

ثانی: دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر پہلے میں مرگیا تو تم مالک اور اگر تم پہلے مرگئے تو میں مالک ہو جاؤں گا تو یہ عاریۃ فی الحال اور وصیت مشروط فی المآل ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں رقبیٰ کو جائز قرار دیا گیا وہ پہلی تفسیر کے مطابق ہے اور جن احادیث میں رقبیٰ سے نہی آئی ہے وہ دوسری تفسیر کے اعتبار سے ہے۔

و فرق بعض اہل العلم: بعض اہل علم رقبیٰ کو جائز قرار نہیں دیتے البتہ عمریٰ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

وقال احمد و اسحاق: رقبی عمریٰ کی طرح ہے اور جس کو دیا گیا ہے اسی کے لئے ہے پہلے کی طرف نہیں لوٹے گا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الصُّلْحِ بَيْنَ النَّاسِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے البتہ وہ صلح جس میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام کہا گیا ہو جائز نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی شروط پوری کرنی چاہئیں مگر کوئی ایسی شرط ہو جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: صلح کی تین قسمیں ہیں۔ ① صلح عن الاقرار: یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا اقرار کرے کہ میرے پاس موجود چیز اسکی ہے۔ ② صلح عن السکوت: مدعیٰ علیہ مدعی کے حق کا نہ اقرار کرتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے۔

③ صلح عن الانکار: مدعیٰ علیہ، مدعی کے حق کا انکار کر دے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک تینوں صورتوں میں صلح صحیح ہے۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک صلح عن الاقرار تو صحیح ہے لیکن صلح عن السکوت اور صلح عن الانکار صحیح نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مدعیٰ علیہ مدعی کے حق کو ثابت نہیں کر رہا۔ یا سکوت اختیار کر رہا ہے۔ تو مدعی کے لئے صلح سے پہلے وہ مال لینا جائز نہیں تھا اب مدعیٰ علیہ نے صلح کرلی تو وہ مال مدعی کے لئے پہلے لینا حرام تھا اب اس کو حلال کیا ہے اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ صلح عن السکوت اور صلح عن الاقرار صحیح نہیں ہے۔

جواب: حرام سے مطلق حرام مراد نہیں بلکہ حرام بعینہ مراد ہے مثلاً مدعیٰ علیہ کہے کہ میں صلح کرتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ اتنی شراب دی جائے گی یا زوجہ کہے کہ میں صلح کروں گی اس شرط پر کہ تم سوکن کے قریب نہ جاؤ یہ حدیث کا مصداق ہے۔

هذا حدیث حسن صحیح: اس حدیث میں کثیر بن عبداللہ کے ہوتے ہوئے امام ترمذیؒ نے تصحیح بھی کر دی اور تحسین بھی کر دی حالانکہ اس راوی کا ضعف مشہور ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رکن من ارکان الکذب بعض علماء نے کہا کہ امام ترمذی تصحیح و تحسین کے معاملہ میں بہت نرم ہیں اس لئے مزید تحقیق کرنی چاہیے۔ بعض نے کہا بے شک اس میں کثیر بن عبداللہ بن عمرو ہے۔ لیکن یہی حدیث کئی طرق سے ثابت ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے تصحیح و تحسین کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَضَعُ عَلَى حَائِطِ جَارِهِ خَشَبًا

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدَكُمْ جَارُهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ فَلَا يَمْنَعْهُ فَلَمَّا حَدَّثَ أَبُو هُرَيْرَةَ طَأْطَئُوا رُءُوسَهُمْ فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَرُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ قَالُوا لَهُ أَنْ يَمْنَعَ جَارَهُ أَنْ يَضَعَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ

سعید بن عبدالرحمن، سفیان بن عیینہ، زہری، اعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ارشاد جب تم میں سے کوئی اپنے پڑوسی سے اس کی دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ کرے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی لوگوں نے اپنے سر جھکا لئے آپؓ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں اس منہ پھیرے دیکھتا ہوں اللہ کی قسم میں اس کو تمہارے کندھوں پر ماروں گا۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم سے منقول ہے کہ پڑوسی کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے سے منع کرنا جائز ہے امام مالکؒ کا یہی قول ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: ایک شخص اپنے ہمسایہ کی دیوار پر شہتیر رکھنا چاہتا ہے تو کیا ہمسایہ اس کو روک سکتا ہے یا نہیں؟

قول اول: احناف کہتے ہیں کہ روکنے کا حق حاصل ہے امام مالکؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

قول ثانی: حنابلہ اور شوافع کی رائے یہ ہے کہ اس کو روکنے کا حق حاصل نہیں۔

احناف کی دلیل: لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب نفسه۔

حنابلہ اور شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم سے کسی ایک سے ہمسایہ دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت مانگے تو وہ نہ روکے مزید یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی تو انہوں نے سر جھکا لیے اور کہا کہ ہم تو روکیں گے اس پر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر نہیں رکھنے دو گے تو میں تمہارے کندھوں پر رکھوں گا۔

جواب: یہ حدیث مکارم اخلاق کی قبیل سے ہے۔

سوال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اتنی سختی کرنا یہ قرینہ ہے کہ حدیث کا حکم وجوبی ہے نہی تحریمی ہے۔

جواب اوّل: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور ایک مجتہد کا اجتہاد دوسرے مجتہد کے لئے حجت نہیں۔

جواب ثانی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی یہ حکم استحبابی ہے لیکن توبیخ اس وقت کی جب حضرت ابوہریرہؓ مدینہ منورہ کے حاکم تھے مروان بن حکم کی طرف سے اور ظاہر بات ہے کہ حاکم کو کچھ سختی کرنی پڑتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى مَا يُصَدِّقُهُ صَاحِبُهُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَمِينُ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هُشَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ وَعَبْدُ اللهِ هُوَ أَخُو سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ إِذَا كَانَ الْمُسْتَحْلِفُ ظَالِمًا فَالنِّيَّةُ نِيَّةُ الْحَالِفِ وَإِذَا كَانَ الْمُسْتَحْلِفُ مَظْلُومًا فَالنِّيَّةُ نِيَّةُ الَّذِي اسْتُحْلَفَ

قتیبہ، احمد بن منیع، ھشیم، عبداللہ بن ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہاری قسم اس صورت میں ہوگی جب تمہارا ساتھی (قسم دینے والا) تمہاری تصدیق کرے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف ھشیم کی روایت سے جانتے ہیں ھشیم، سہیل بن ابوصالح کے بھائی عبداللہ بن ابوصالح سے نقل کرتے ہیں بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھلانے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی اور اگر قسم کھلانے والا مظلوم ہو تو قسم کھلانے والے کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح: حدیث الباب میں عام قسموں کا بیان نہیں ہیں جو لوگ اٹھاتے رہتے ہیں بلکہ قسموں سے مراد وہ قسمیں ہے جو قاضی کے سامنے عدالت میں کھائی جائیں۔ نیز قسم میں حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا یا مستحلف کی نیت کا اور اگر حالف توریہ کرے تو اس کا توریہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک مستحلف کی نیت کا اعتبار ہوگا اور حالف کا توریہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

ابراہیم نخعیؒ اور جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر مستحلف ظالم ہو تو ایسی صورت میں حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ توریہ کرے گا تو صحیح ہوگا مثال کے طور پر ایک آدمی نے دوسرے سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا کہ یہ میرا قرض ادا نہیں کر رہا، مدعیٰ علیہ کہتا ہے کہ وہ فقیر ہو گیا ہے اور مدعی کہتا ہے اس کے پاس پیسے ہیں قاضی نے مدعی سے ثبوت مانگا مگر مدعی گواہوں سے اپنا دعویٰ ثابت نہ کرسکا تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھائی کہ میرے پاس پیسے نہیں اور یہ مراد لی کہ میری جیب میں پیسے نہیں یہ توریہ غیر معتبر ہے اور مدعی جو قسم کھلا رہا ہے کہ اس کی ملک میں پیسے ہیں تو وہی قسم ہو جائے گی اور مدعیٰ علیہ اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا البتہ اگر قسم کھانے والا مظلوم ہو تو احناف کے نزدیک توریہ کی گنجائش ہے ظالم ہو تو گنجائش نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّرِيقِ إِذَا اخْتُلِفَ فِيهِ كَمْ يُجْعَلُ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ سَعِيدٍ الضُّبَعِيِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ

ابوکریب، وکیع، مثنیٰ بن سعید ضبعی، قتادہ، بشیر بن نہیک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوا الطَّرِيقَ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا راستہ سات گز چوڑا بناؤ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُثَنَّى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ الْعَدَوِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَشَاجَرْتُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاجْعَلُوهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ وَكِيعٍ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ الْعَدَوِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا عَنْ قَتَادَةَ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، مثنیٰ بن سعید، قتادہ، بشیر بن کعب عدوی، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم لوگوں میں راستے کی وجہ سے اختلاف ہو جائے تو راستہ سات گز چوڑا بناؤ۔ یہ حدیث وکیع کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباسؓ سے بھی حدیث منقول ہے بشیر بن کعب کی حضرت ابوہریرہؓ سے منقول حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو بعض محدثین قتادہ سے وہ بشیر نہیک سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

تشریح: مشترکہ زمین میں راستہ چھوڑنے کا اختلاف ہو تو اس بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں راستہ کاٹنے (چھوڑنے) کے بارے میں جھگڑا ہو تو سات ہاتھ کاٹو۔ یہ سات ذراع تحدید کے طور پر نہیں بلکہ اس زمانہ میں اتنی ہی مقدار کفایت کرتی تھی جبکہ آج کے دور میں جتنے راستے کی ضرورت پڑے گی اسی کے مطابق راستہ چھوڑنا ہوگا۔

وروی بعضهم هذا عن قتادة: اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے پہلی حدیث کی سند میں تھوڑا سا کلام ہے کہ حضرت مثنیٰؒ سے نیچے دو راوی ہیں وکیع اور یحییٰ بن سعید۔ دونوں کی روایتوں میں فرق ہے وکیع کی سند میں قتادہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ بشیر بن نہیک ہے اور یحییٰ بن سعید کی روایت میں قتادہ اور ابوہریرہؓ کے درمیان واسطہ بشیر بن کعب کا ہے۔ امام ترمذیؒ نے یحییٰ بن سعید کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْيِيرِ الْغُلَامِ بَيْنَ أَبَوَيْهِ إِذَا افْتَرَقَا

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ الثَّعْلَبِيِّ عَنْ أَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ أَبِيهِ وَأُمِّهِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَدِّ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ

نصر بن علی، سفیان، زیاد بن سعد، ہلال بن ابی میمونہ ثعلبی، ابی میمونہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بچے کو اختیار دیا چاہے تو باپ کے ساتھ رہے اور چاہے تو ماں کے پاس۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور عبدالحمید بن جعفر کے دادا سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے

حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَيْمُونَةَ اسْمُهُ سُلَيْمٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا يُخَيَّرُ الْغُلَامُ بَيْنَ أَبَوَيْهِ إِذَا وَقَعَتْ بَيْنَهُمَا الْمُنَازَعَةُ فِي الْوَلَدِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَا مَا كَانَ الْوَلَدُ صَغِيرًا فَالْأُمُّ أَحَقُّ فَإِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ سَبْعَ سِنِينَ خُيِّرَ بَيْنَ أَبَوَيْهِ وَهِلَالُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ هُوَ هِلَالُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ أُسَامَةَ وَهُوَ مَدَنِيٌّ وَقَدْ رَوٰى عَنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَفُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ

ابومیمونہ کا نام سلیم ہے صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ بچے کو اختیار دیا جائے کہ چاہے تو ماں کے ساتھ رہے اور چاہے تو باپ کے ساتھ رہے۔ یعنی جب ماں باپ میں بچے کے بارے میں کوئی جھگڑا ہو جائے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے امام احمد، اسحاق فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ چھوٹا ہے اس کی ماں زیادہ مستحق ہے اور جب اس کی عمر سات سال ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ ماں باپ میں سے جس کے پاس چاہے رہے۔ ہلال بن ابی میمونہ، علی بن اسامہ کے بیٹے وہ مدنی ہیں ان سے یحییٰ بن ابی کثیر، مالک بن انس اور فلیح بن سلیمان احادیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: زوجین کے درمیان اگر افتراق ہو جائے طلاق یا کسی اور وجہ سے اور بچہ نابالغ ہو تو اس کا کیا حکم ہے کیا اس بچہ کو تخییر دی جائے گی یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک سات سال تک وہ بچہ ماں کے پاس رہے گا ماں کا حق ہے کہ وہ اس کی پرورش کرے اس کے بعد لڑکا یا لڑکی بڑے ہو جائیں تو ان کو باپ کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر باپ نہیں تو دیگر قریبی ورثاء اس کی تربیت کریں گے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سات سال تک پرورش کا حق ماں کا ہے اس کے بعد بچہ کو اختیار ہوگا ماں کے ساتھ رہنا چاہے تو ماں کے ساتھ رہے اور باپ کے ساتھ رہنا چاہے تو باپ کے ساتھ رہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے جو جمہور کیخلاف ہے اور یہی امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل ہے۔ اس حدیث کا شان ورود دیکھ لیں۔

حدیث کا شان ورود: ایک شخص مسلمان ہوا اس کی بیوی پر اسلام پیش کیا گیا اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان زوجین کا ایک بچہ تھا اس بچہ کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو وہ دونوں فیصلہ کرانے کیلئے آپ ﷺ کے پاس چلے گئے۔ اصول اور قاعدہ کے مطابق وہ بچہ باپ کو ملنا چاہیے تھا کیونکہ بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے مگر آپ ﷺ کیلئے فیصلہ کرنے میں دشواری ہوئی کیونکہ آپ ﷺ پر یہ بات آتی کہ آپ ﷺ نے بچہ کو ماں سے جدا کر دیا اسلئے آپ ﷺ نے بچہ کو لے لیا اور اس کے والدین کو مسجد میں لے جایا گیا ان دونوں کو ایک ایک کونے میں بیٹھنے کا حکم دیا پھر دونوں سے کہا بچے کو بلاؤ چنانچہ دونوں نے بلانا شروع کر دیا بچہ کو چونکہ ماں سے زیادہ انسیت ہوتی ہے پھر ماں کے بلانے میں اور باپ کے بلانے میں بہت فرق ہے۔ اسلئے بچہ ماں کی جانب چلنے لگا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اسکو راہ راست دکھا چنانچہ بچہ مڑا اور باپ کے پاس چلا گیا۔ باپ اسکو لے کر چل دیا۔ امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کی بناء پر کہتے ہیں کہ بچہ کو سات سال کے بعد اختیار دیا جائیگا۔ اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: ان کا یہ استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے ایسے بچہ کو اختیار دیا ہے جو ابھی ناسمجھ ہے اور یہ معجزہ کی قبیل سے ہے اس کا مسئلۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں۔

جواب ثانی: اصل میں یہاں تفریق ہوئی تھی اسلام اور کفر کی وجہ سے اور جب تفریق کفر اور اسلام کی وجہ سے ہو تو بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے اور یہاں پر تخییر خصوصیت ہے حضور ﷺ کی، حضور ﷺ نے ماھو الحق کے اختیار کی دعا بھی کردی تھی تخییر دی اتماما للحجة۔

جواب ثالث: بعض حضرات نے کہا کہ یہ بچہ بالغ تھا کیونکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ کنویں سے پانی لاتا تھا اور کنویں سے پانی لانے کے لئے بچہ کو نہیں بھیجا جاتا بلکہ بالغ کو بھیجا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَالِدَ يَأْخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَمَّتِهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَكْثَرُهُمْ قَالُوا عَنْ عَمَّتِهِ عَنْ عَائِشَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا إِنَّ يَدَ الْوَالِدِ مَبْسُوطَةٌ فِي مَالِ وَلَدِهِ يَأْخُذُ مَا شَاءَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَأْخُذُ مِنْ مَالِهِ إِلَّا عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارا سب سے بہترین مال وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاتے ہو اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہی میں داخل ہے۔ اس باب میں حضرت جابر اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ بعض محدثین نے اسے عمارہ بن عمیر سے وہ اپنی والدہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتی ہیں اکثر نے ان کی پھوپھی کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ والد کو اپنے بیٹے کے مال پر پورا حق ہے جتنا چاہے لے سکتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ والد بیٹے کے مال میں سے صرف ضرورت کے وقت ہی لے سکتا ہے۔

تشریح: مسئلہ: والدین کو اپنی اولاد کے مال میں تصرف کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک والد کو اپنی اولاد کے مال میں تصرف کی اجازت ہے لیکن یہ اجازت مطلق نہیں بلکہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ منقولات میں تصرف ہو غیر منقولات میں تصرف نہ ہو۔

قول ثانی: حنابلہ کہتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں تصرف کرسکتا ہے۔

دلیل احناف: باپ اور بیٹے کی ملک میں تباین ہے باپ کی ملکیت علیحدہ ہے اور بیٹے کی ملکیت علیحدہ ہے اور ''لا یحل مال امرء مسلم الخ الحدیث'' اس پر دال ہے۔ تباین کی دلیل یہ ہے کہ ان میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

نیز فقہاء یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ اگر والد فقیر ہو تو اس کا خرچہ بالغ بیٹے کے ذمہ ہے اگر بیٹے کا مال باپ ہی کا ہے تو والد فقیر کہاں سے بن گیا۔

دلیل حنابلہ: یہی حدیث الباب کے الفاظ ہیں و انّ اولادکم من کسبکم۔

جواب: حدیث کا مدلول یہی ہے کہ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت تصرف کر سکتا ہے من کسبکم تمہارے لئے اطیب ہے چونکہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید اولاد کا کمایا ہوا مال اطیب ہے یا نہیں؟ تو حدیث میں بتلادیا کہ وہ بھی اطیب ہے باقی کب اطیب ہوگا اس کا اس حدیث میں بیان نہیں۔ اس کے لئے فیصلہ دوسرے دلائل سے کیا جائے گا وہ یہ ہے عند الحاجة یا بطیب نفسه۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُكْسَرُ لَهُ الشَّيْءُ مَا يُحْكَمُ لَهُ مِنْ مَالِ الْكَاسِرِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَهْدَتْ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فِي قَصْعَةٍ فَضَرَبَتْ عَائِشَةُ الْقَصْعَةَ بِيَدِهَا فَأَلْقَتْ مَا فِيهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ کھانا ایک پیالے میں ڈال کر بطور ہدیہ بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اپنا ہاتھ مارا تو وہ گر گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھانے کے بدلے کھانا اور پیالے کے بدلے پیالہ دینا چاہیے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعَارَ قَصْعَةً فَضَاعَتْ فَضَمِنَهَا لَهُمْ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَإِنَّمَا أَرَادَ عِنْدِي سُوَيْدٌ الْحَدِيثَ الَّذِي رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَحَدِيثُ الثَّوْرِيِّ أَصَحُّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ کسی سے مستعار لیا تو وہ گم ہو گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ضامن ہوئے یعنی عوض میں ایک پیالہ انہیں دیا یہ حدیث غیر محفوظ ہے میرے نزدیک سوید وہی حدیثیں مراد لیتے ہیں جو سفیان ثوری نقل کرتے ہیں اور سفیان ثوری کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح جاننے سے پہلے چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

جن چیزوں پر ضمان واجب ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک ذوات القیم دوسرے ذوات الامثال۔

ذوات الامثال وہ اشیاء جن کا مثل موجود ہو یعنی وہ اشیاء جو ایک جیسی ہوں مثلاً ایک گلاس جیسا دوسرا گلاس مل جاتا ہے اور ایک پیالی جیسی دوسری پیالی مل جاتی ہے۔ ایک گلاس یا پیالی توڑنے کی صورت میں اس کے بدلہ میں دوسری مل جاتی ہے۔

ذوات القیم وہ اشیاء جن کا مثل موجود نہ ہو تو اگر ذوات القیم ہلاک ہو جائیں تو ان کی قیمت دینی پڑتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے

کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جو کٹورے بنائے جاتے تھے وہ ہاتھ سے بنائے جاتے تھے اور ہر کٹورا دوسرے سے مختلف ہوتا تھا اس زمانہ میں کٹورا ذوات القیم میں سے ہوتا تھا جبکہ ہمارے زمانہ میں کٹورا ذوات الامثال میں سے ہے۔ اب حدیث کی وضاحت سمجھیں۔

حدیث مبارک میں ہے کہ ازواج مطہرات میں سے آپ ﷺ کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھی اور آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ جس کے گھر رات گزارتے اسی کے گھر کھانا تناول فرماتے۔ اس دن آپ ﷺ کے لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حلوہ بھیجا جب باندی حلوہ لے کر آئی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کچھ اس طرح ہاتھ کا اشارہ کیا کہ پیالہ سے حلوہ بکھر گیا اور پیالہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے دوسرے برتن میں اچھا اچھا کھانا چن لیا اور فرمایا **طعام بطعام وإناء بإناء** کھانے کے بدلے کھانا اور برتن کے بدلے برتن۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جو کھانا پکا تھا وہ ان کے پیالے میں ڈال کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا دیا گیا اور اس ٹوٹے ہوئے پیالے کی مرمت کرالی گئی اور وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں رہا۔ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تبرکات تقسیم کئے تو وہ کٹورا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کٹورا آپ ﷺ کی مِلک میں تھا۔

سوال: حدیث کے الفاظ **طعام بطعام وإناء بإناء** میں اشکال ہے کہ یہ تو ذوات القیم میں سے ہے تو حضور ﷺ نے ضمان بالمثل کے ساتھ کیوں واجب قرار دیا۔

جواب اوّل: اناء ذوات القیم میں سے ہے لیکن ضمان بالمثل دینا یہ بطور تبرع کے ہے۔

جواب ثانی: اس زمانے میں بے شک برتن ذوات القیم میں سے تھے لیکن آج کل یہ ذوات الامثال میں سے ہیں نیز یہ ممکن ہے کہ اس زمانے میں بعض ایسے برتن ہوں کہ جن میں آپس میں تفاوت نہ ہو۔

جواب ثالث: یہ ضمان حقیقی نہیں بلکہ دونوں پیالے حضور ﷺ کے تھے۔ آپ ﷺ نے رفع نزاع کیلئے فرمایا کہ **طعام بطعام وإناء بإناء** بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹوٹے ہوئے پیالہ کو باقی رکھو۔ اس سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے غاصب جب مغصوبہ چیز میں تصرف فاحش کرلے اور ضمان ادا کردے تو غاصب مغصوبہ چیز کا مالک بن جاتا ہے۔

عن انس أن النبی ﷺ استعار قصعة فضاعت فضمنها لهم: اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وہ پیالہ بطور عاریت کے لیا تھا اس لئے اس کی ضمان دی۔

وھٰذا حدیث غیر محفوظ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی سوید لین الحدیث ہے جبکہ اس کے مقابلے میں امام ثوری مضبوط راوی ہیں اس لئے ان کی حدیث کی تصحیح کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَزِيرٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ

محمد بن وزیر واسطی، اسحاق بن یوسف ازرق، سفیان، عبید اللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي فَعُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِي قَالَ نَافِعٌ وَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ يَبْلُغُ الْخَمْسَ عَشْرَةَ.

کہ ایک لشکر میں مجھے رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اجازت نہیں دی۔ پھر آئندہ سال دوبارہ لشکر کی تیاری کے موقع پر پیش کیا گیا جب کہ میری عمر پندرہ سال تھی اس مرتبہ آپ ﷺ نے مجھے اجازت دیدی نافع کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا یہ بالغ اور نابالغ کے درمیان حد ہے پھر اپنے عاملوں کو لکھا کہ پندرہ سال کی عمر والوں کو وظیفہ دیا جائے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ أَنَّ هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَذَكَرَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِي حَدِيثِهِ قَالَ حَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الذُّرِّيَّةِ وَالْمُقَاتِلَةِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ يَرَوْنَ أَنَّ الْغُلَامَ إِذَا اسْتَكْمَلَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ وَإِنِ احْتَلَمَ قَبْلَ خَمْسَ عَشْرَةَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ الْبُلُوغُ ثَلَاثَةُ مَنَازِلَ بُلُوغُ خَمْسَ عَشْرَةَ أَوِ الِاحْتِلَامُ فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ سِنُّهُ وَلَا احْتِلَامُهُ فَالْإِنْبَاتُ يَعْنِي الْعَانَةَ

ابن ابی عمر، سفیان سے وہ عبید اللہ بن عمر سے وہ نافع سے وہ عبداللہ بن عمرؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل حدیث نقل کرتے ہیں اور اس حدیث میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اپنے عاملوں کو حکم دینے کا تذکرہ نہیں کرتے ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا یہ جہاد میں لڑنے والوں اور بچوں کے درمیان حد ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ امام شافعی، سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ جب لڑکا پندرہ سال کا ہو جائے تو اس کا حکم مردوں کا ہوگا اور اگر پندرہ سال سے پہلے بالغ ہو جائے (یعنی احتلام آئے) تو اس کا حکم بھی مردوں ہی کا ہوگا۔ امام احمدؒ، اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کی تین علامات ہیں۔ پندرہ سال کا ہو جانا یا احتلام ہو جانا اگر یہ دونوں معلوم نہ ہو سکیں تو زیر ناف بالوں کا آنا۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب غزوہ احد کے موقع پر مجاہدین کو بھرتی کیا جا رہا تھا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں مجھے آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا اس وقت میری عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے بھرتی نہیں کیا پھر اگلے سال غزوہ احزاب کے لئے جب بھرتی کی جانے لگی تو مجھے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے قبول کر لیا۔

مسئلہ: بلوغت کی علامت کا بیان: اس حدیث میں بلوغ کی عمر کے بارے میں بیان کیا گیا کہ کتنے سال کی عمر میں انسان بالغ سمجھا جائے گا۔

قول اوّل: جمہور حضرات کہتے ہیں کہ جب لڑکا یا لڑکی کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو بالغ سمجھے جائیں گے اور پندرہ سال سے پہلے بلوغ کی علامت پائی جائے تو بالغ سمجھے جائیں گے۔

قول ثانی: فقہاء کرام کا یہ قول بھی ہے کہ بچہ بارہ سال میں بالغ ہو جاتا ہے اور بچی نو سال میں بالغ ہو جاتی ہے اگر کوئی علامت بلوغ نہ پائی جائے تو پندرہ سال کے بعد دونوں کو بالغ سمجھا جائے گا۔

قول ثالث: امام صاحب کے نزدیک ایک روایت یہ ہے کہ اگر کوئی علامت بلوغ نہ پائی جائے تو لڑکے کی عمر جب اٹھارہ سال ہو گی تو اس کو بالغ سمجھا جائے گا اور لڑکی کی عمر سولہ یا سترہ سال ہو جائے تو اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔

حدیث الباب بظاہر جمہور کے موافق ہے اور احناف کے خلاف جا رہی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی اس کو معیار بنایا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ جو پندرہ سال کا ہو تو اس کے ساتھ بالغوں والا معاملہ کیا جائے اور جو پندرہ سال سے کم ہو تو اس کے ساتھ نابالغوں والا معاملہ کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر عمر کے اعتبار سے بھی معلوم نہ ہو اور احتلام کے اعتبار سے بھی معلوم نہ ہو تو زیر ناف بالوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جبکہ جمہور حضرات کے نزدیک انبات العانۃ بلوغت کا معیار نہیں ہے۔

حنابلہ کی دلیل: بنو قریظہ کا واقعہ ہے کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑا تو ان پر چڑھائی کی گئی اور ان کا محاصرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا تھا کہ حضرت سعدؓ جو ہمارے بارے میں فیصلہ کریں گے وہی ہمیں منظور ہو گا۔ انہوں نے یہی فیصلہ فرمایا کہ بالغین کو قتل کر دو۔ اب کون بتلاتا کہ میں بالغ ہوں تو اس موقع پر اسی انبات العانۃ کو معیار بنایا گیا تھا۔

جواب: یہ ایک وقتی ضرورت کی بناء پر تھا کوئی دائمی قانون نہیں تھا امام صاحبؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ اقل مدت کا بیان ہے اکثر کی نفی تو نہیں ہے اس کی مزید تفصیل کتاب الجہاد کے ذیل میں آئے گی۔ وہاں ملاحظہ کریں۔

بَابُ فِيمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ مَرَّ بِي خَالِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَمَعَهُ لِوَاءٌ فَقُلْتُ أَيْنَ تُرِيدُ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ أَنْ آتِيَهُ

ابو سعید اشج، حفص بن غیاث، اشعث، عدی بن ثابت، حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میرے ماموں ابو بردہ بن نیار میرے پاس سے گزرے تو ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک ایسے آدمی کا سر لانے کا حکم دیا جس

بِرَأْسِهِ وَفِي الْبَاب عَنْ قُرَّةَ حَدِيثُ الْبَرَاء حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الْبَرَاء وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْبَرَاء عَنْ أَبِيهِ وَرُوِيَ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْبَرَاء عَنْ خَالِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کرلی ہے۔اس باب میں قرہؓ سے بھی حدیث منقول ہے حدیث براءؓ حسن غریب ہے محمد بن اسحاق بھی یہ حدیث عدی بن ثابت سے اور وہ براء سے نقل کرتے ہیں اشعث بھی یہ حدیث عدی سے وہ یزید بن براء سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں اسکے علاوہ بھی اشعث، عدی سے وہ یزید بن براء سے اور وہ اپنے ماموں سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: مسئلہ: محارم میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت: اگر کوئی شخص اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرے تو اس کا نکاح ہوگا ہی نہیں پھر اگر اس نے صحبت کرلی تو اس کی سزا کیا ہے اسی طرح کوئی شخص اپنے محارم میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے اور وطی بھی کرلے تو اس کی کیا سزا ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی اگر محصن ہے تو رجم اور اگر غیر محصن ہے تو سو کوڑے۔

ائمہ ثلثہ کی دلیل: حدیث الباب میں جو واقعہ ہے جو حضرات اسی کو دلیل بناتے ہیں۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک یہ زنا سے بھاری گناہ ہے ایسے آدمی کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔امام صاحبؒ بھی اسی حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں۔

دلیل: احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں زنا کی سزا نہیں ہے کیونکہ زنا میں کوڑے مارے جاتے ہیں یا سنگسار کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے تو اس کو قتل کروایا ہے۔پھر آپ ﷺ نے اس کا سر منگوایا ہے جبکہ زنا کی سزا میں یہ نہیں ہوتا۔اس حدیث سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ سوتیلی ماں یا محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کرنا یہ زنا کے علاوہ گناہ ہے اور وہ زنا سے بھاری ہے اس کے مرتکب کو ہر حال میں قتل کیا جائے گا اس کی مثال لواطت ہے یہ زنا سے الگ اور اس سے بھاری گناہ ہے لہٰذا لوطی کو سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔

احناف کی دلیل کا جواب: ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ یہ سزا رجم کی تھی اسکو جاری کیا گیا ہے اور یہ سزا سر کے کاٹنے کے ساتھ جاری کی گئی لیکن یہ دلیل تکلفات سے خالی نہیں۔اس شخص نے منکوحۃ الاب کے ساتھ نکاح کیا تھا مستحلاً اور ظاہر ہے کہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے تو ارتداد کی وجہ سے اس کا سر قلم کیا۔نیز اس بات پر قرینہ یہ بھی ہے کہ ابو بردہ کے پاس جھنڈا تھا اور جھنڈا کافر کے مقابلے میں لے جایا جاتا ہے۔

و قدروی محمد بن اسحاق هٰذا الحديث: محمد بن اسحاق اور اشعث یہ دونوں عدی بن ثابت سے روایت کر رہے ہیں اشعث اور محمد بن اسحاق کا آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

اختلاف کا حاصل تین باتیں ہیں۔① اشعث، عدی بن ثابت اور براء بن عازب کے درمیان سرے سے واسطہ ذکر نہیں کرتے جبکہ محمد بن اسحاق عدی بن ثابت اور براء بن عازب کے درمیان عبداللہ بن یزید کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

② اشعث تو واسطہ ذکر ہی نہیں کرتے اور جب ذکر کرتے ہیں تو عن ابیہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

③ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ بات متعین ہے کہ یہ مسندات براء میں سے ہے اور اشعث کی ایک روایت کے مطابق یہ مسندات براء بن عازب میں سے نہیں ہے بلکہ براء کے ماموں ابو بردہ کی مسندات میں سے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْآخَرِ فِي الْمَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمُوا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللهِ إِنِّي لَأَحْسِبُ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ) هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوٰى شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَرَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنِ اللَّيْثِ وَيُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ نَحْوَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ

حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے انہیں بتایا کہ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت زبیرؓ سے پتھریلی زمین کی ان نالیوں کے بارے میں جھگڑا کیا جن کے ذریعے کھجوروں کو پانی دیا جاتا تھا۔ انصاری نے کہا پانی چلتا چھوڑ دیا جائے زبیر نے انکار کیا پس وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اے زبیر تم اپنے کھیتوں کو پانی پلا کر اپنے پڑوسی کے کھیتوں میں چھوڑ دیا کرو اس پر انصاری غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اس لئے آپ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے زبیر تم اپنے کھیتوں کو پانی دے کر پانی روک لو۔ یہاں تک کہ منڈیر تک جائے حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میرا گمان ہے کہ یہ آیت اس مسئلے میں نازل ہوئی (پس قسم ہے آپ کے پروردگار کی یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک ان کے آپس میں جو جھگڑے ہوں اُن میں وہ آپ کو حکم تسلیم نہ کر لیں پھر آپ کے حکم سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں بلکہ وہ پوری طرح سر تسلیم خم کر لیں) یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو شعیب بن ابی حمزہ، زہری سے وہ عروہ بن زبیر سے اور وہ حضرت زبیرؓ سے نقل کرتے ہیں لیکن اس میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا تذکرہ نہیں کرتے عبداللہ بن وہب بھی اس حدیث کو لیث سے وہ یونس سے وہ زہری سے وہ عروہ سے اور وہ عبداللہ بن زبیر سے اسی کے مثل حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: جب ایک شخص کی زمین پانی کے قریب ہو اور دوسرے کی بعید ہو تو پہلے کس کو پانی پلانے کا حق ہے اس سلسلے میں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اقرب الی الماء سیراب کرے۔ احناف کی بعض کتابوں میں اس

کے خلاف ہے تو اس میں کوئی تعارض نہیں بلکہ اس کا دارومدار عرف پر ہے البتہ حضور ﷺ کے دور کا جو عرف معلوم ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے اقرب الی الماء سیراب کرے اس کے بعد ابعد الی الماء سیراب کرے چنانچہ ایک انصاری شخص کا حضرت زبیرؓ سے پانی کے بارے مین جھگڑا ہو گیا تو وہ فیصلہ حضور ﷺ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے حق مین فیصلہ دیا اس پر اس انصاری شخص نے کہا کہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ یعنی آپ نے یہ فیصلہ قرابت کی بناء پر کیا ہے۔ اس پر حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ اے زبیر پہلے تم اپنا پورا حق وصول کر لو جب تک پانی منڈیر تک نہ پہنچے اس وقت تک روکے رکھو۔ پس معلوم ہوا کہ پہلے حق اقرب الی الماء کو ہے۔

سوال اول: آپ ﷺ کی شان میں اس انصاری کی گستاخی کا سبب کیا تھا؟

جواب اوّل: بعض حضرات نے کہا کہ وہ انصاری دراصل منافق تھا اور منافقوں کا رویہ آپ ﷺ کو تنگ کرنا ہی تھا۔

جواب ثانی: وہ نئے نئے مسلم تھے ان کو آداب نبوت کا علم نہیں تھا۔

سوال ثانی: وہ شخص منافق تھا تو اسے انصاری کیوں کہا گیا؟ **جواب:** اس کو انصاری کہنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ صحابی رسول تھے بلکہ وہ انصار قبیلہ سے تعلق رکھنے والا تھا اس لئے انصاری کہا گیا۔

سوال ثالث: اگر وہ منافق تھا اور اس نے شان رسالت میں اتنی بڑی گستاخی کی تھی تو اسے فوراً سزا دینی چاہیے تھی؟

جواب اوّل: اگر اس کو فوراً سزا دی جاتی تو دوسرے منافقین کہتے کہ دیکھو اپنی جماعت کے فرد کو مار رہے ہیں۔

جواب ثانی: از راہ الفت و رعایت اس کو سزا نہیں دی۔

فتلون وجهه: آپ ﷺ نے اصول کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ پہاڑی علاقے سے جس طرف سے پانی کا نالہ آرہا تھا، اس طرف پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین تھی اور ان کا حق تھا اس لئے آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے مروۃً اور اخلاقاً فرمایا کہ پہلے اپنی زمین سیراب کر لو پھر پانی چھوڑ دو لیکن جب یہ فیصلہ اس انصاری کو اچھا نہیں لگا تو آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا تو اس پر آپ ﷺ نے قاعدہ کے مطابق فیصلہ کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُعْتِقُ مَمَالِيكَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَيْسَ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ سِتَّةَ أَعْبُدٍ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا ثُمَّ دَعَاهُمْ فَجَزَّأَهُمْ ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا اور اسکے پاس اس کے علاوہ کوئی مال نہیں تھا۔ یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے متعلق سخت الفاظ کہے اور پھر غلاموں کو بلا کر انہیں حصوں میں تقسیم کر کے سب کے درمیان قرعہ ڈالا اسکے بعد دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام

فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ يَرَوْنَ الْقُرْعَةَ فِي هٰذَا وَفِي غَيْرِهِ وَأَمَّا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ فَلَمْ يَرَوُا الْقُرْعَةَ وَقَالُوا يُعْتَقُ مِنْ كُلِّ عَبْدٍ الثُّلُثُ وَيُسْتَسْعٰى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ وَأَبُو الْمُهَلَّبِ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو وَيُقَالُ مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو

رہنے دیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض علماء کا اسی پر عمل ہے امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ بھی ایسے معاملات میں قرعہ ڈالنے کو جائز کہتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں قرعہ ڈالنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی صورت میں ہر غلام سے ایک تہائی آزاد ہو جائے گا اور دو تہائی کے لئے کام وغیرہ کرا کر مالکان کو دلوایا جائے ابومہلب کا نام عبدالرحمن بن عمرو ہے انہیں معاویہ بن عمرو بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص اپنی موت کے وقت سارے غلاموں کو آزاد کر دے اور ان غلاموں کے علاوہ اسکا کوئی اور مال نہ ہو تو اسکا کیا حکم ہے اس پر یہ حدیث ذکر کی گئی ہے کہ ایک انصاری صحابی نے وفات کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق سخت قسم کے الفاظ فرمائے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کا جنازہ نہ پڑھوں اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں اسکے دفن کے وقت حاضر ہوتا تو میں اسکو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتا۔ آپ ﷺ نے زجراً اور توبیخاً یہ ارشاد فرمایا کیونکہ اس نے اپنے ورثاء کا حق ضائع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سب غلاموں کو بلایا اور دو دو کی تین ٹولیاں بنائیں اور پھر قرعہ ڈالا جن کا نام نکل آیا انکو آزاد کر دیا۔ باقی چار کو رقیت پر باقی رکھا۔ چونکہ مرتے وقت اعتاق وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت تو ثلث مال میں جاری ہوتی ہے اور یہاں پر کل غلام چھ ہیں اور چھ کا ثلث دو ہے البتہ ثلث کی تعیین کیسے ہوگی اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مسئلہ: مرض الوفاۃ میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم؟ یعنی اگر کوئی آدمی مرض الوفاۃ میں غلاموں کو آزاد کرے تو یہ وصیت شمار ہوگی لہٰذا یہ ثلث مال میں نافذ ہوگی چنانچہ اگر مولیٰ نے چھ غلام آزاد کئے تو اس وصیت کے صرف ایک تہائی آزاد ہوں گے اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ کہ ان غلاموں کی تعیین کیسے ہوگی یعنی کون سے دو غلام آزاد ہوں گے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قرعہ اندازی ہوگی جس کا نام نکلے گا وہ آزاد ہوگا۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک آزاد تو سارے ہو جائیں گے البتہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی مثلاً چھ سو روپے غلام کی قیمت ہو تو وہ چار سو کما کر مالک کے ورثاء کو دے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: وہ آیت کریمہ ہے جس میں آپ ﷺ نے قمار کو حرام قرار دیا ہے قمار کہتے ہیں کہ کسی کی تملیک یا استحقاق کو معلق کرنا قرعہ اندازی کی صورت میں یہ احتمال ہے کہ ہر ایک آزاد ہو جائے یا وہ غلام رہے تو یہ جوا ہوا کیونکہ جوا میں بھی یہی

ہوتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ مالک بنے گا یا مالک نہیں بنے گا۔ یہ تو حرام ہے۔ لیکن جو طریقہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ہر غلام تہائی آزاد ہو گا اور باقی میں سعی کرے گا تو اس طرح کل غلاموں کے اٹھارہ حصے ہوئے تو چھ حصے آزاد ہوئے اور باقی بارہ حصوں میں وہ سعی کریں گے باقی قرعہ اندازی جو ہوگی وہ لڑائی جھگڑا ختم کرنے کیلئے ہوگی تاکہ تعین ہو جائے کہ کون سا غلام کس وارث کو کما کر دے گا۔

دلیل ثانی: قرعہ اندازی کے ذریعے اثبات حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا لہٰذا اب یہ حجت مثبتہ نہیں رہی۔ بلکہ صرف تطییب خاطر کے لئے کیا جائے گا۔

جمہور کی دلیل: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے قرعہ اندازی کر کے چھ میں سے دو کو آزاد کیا اور چار کو غلام رکھا۔ **جواب اوّل:** اس حدیث میں مجموعہ کا بیان ہے کہ جب ہر غلام کا تیسرا حصہ آزاد ہوا تو کل چھے حصے آزاد ہوئے اور یہ چھے حصے دو غلاموں کے برابر ہیں تو اس وجہ سے فرمایا کہ دو غلام آزاد ہوں گے۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ بعض طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک غلام تھا اور بعض طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھے غلام تھے اور اسی طرح بعض روایات میں آزاد کرنے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں مدبر بنانے کا ذکر ہے ان اضطرابات کے پیش نظر یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

جواب ثالث: یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ قمار کے نزول سے پہلے کا یہ واقعہ ہے قرعہ اندازی مالک بنانے کے لئے نہ ہوگی بلکہ دلداری کے لئے ہوگی۔

جواب رابع: اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس میں علت خفیہ قادحہ پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات بہت مستبعد ہے کہ کسی آدمی کے مرنے کے وقت چھ غلام ہوں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جہاد میں گیا ہو اور چھ غلام مال غنیمت میں ملے ہوں۔ یہ ممکن تو ہے لیکن یہ وقوع نہیں اور امکانات سے احکام متعلق نہیں ہوتے کیونکہ عادۃً ایسا نہیں ہوتا۔

اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کو آزاد کرنے کا حق تھا۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک غلام آیا اور کہا کہ میرے آقا نے میرا عضو مخصوص کاٹ لیا ہے اس وجہ سے کہ میں نے اس کی باندی کے ساتھ فاحشہ کا ارتکاب کر لیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے آقا کو بلوایا لیکن وہ خوف کی وجہ سے نہیں آیا تو آپ ﷺ نے اس غلام سے کہا انت حرٌّ باقی کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں۔

الغرض: اب ورثاء کو دو اختیار ہوں گے۔ ① سعی کروائیں۔ ② ان کے اور جو دو ثلث باقی ہیں ان کو آزاد کر دیں۔

ابو مہلب کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو ہے اور اس کو معاویہ بن عمرو بھی کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبداللہ بن معاویہ جمحی، حماد بن سلمہ، قتادہ، حسن، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ غلام آزاد ہو جاتا

قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مُسْنَدًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ وَقَدْ رَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عُمَرَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ الْبَصْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا ذَكَرَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عَاصِمًا الْأَحْوَلَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ غَيْرَ مُحَمَّدِ بْنِ بَكْرٍ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ رَوَاهُ ضَمْرَةُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُتَابَعْ ضَمْرَةُ بْنُ رَبِيعَةَ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ وَهُوَ حَدِيثٌ خَطَأٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

ہے اس حدیث کو ہم صرف حماد بن سلمہ ہی کی روایت سے جانتے ہیں بعض راوی قتادہ سے، وہ حسن سے اور وہ عمر سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ عقبہ بن مکرم عمی بصری، محمد بن بکر برسانی، حماد بن سلمہ، قتادہ، عاصم احول، حسن، حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جوشخص اپنے محرم رشتہ دار کی غلامی میں آجائے وہ آزاد ہے۔ اس حدیث میں صرف محمد بن بکر نے عاصم احول کا واسطہ ذکر کیا ہے بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے بواسطہ ابن عمرؓ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جوشخص اپنے محرم رشتہ دار کی غلامی میں آجائے وہ آزاد ہو جائے گا ضمرہ بن ربیعہ اسی حدیث کو سفیان ثوری سے وہ عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اسی حدیث میں ضمرہ بن ربیعہ کا کوئی متابع نہیں۔ محدثین کے نزدیک اس حدیث میں غلطی ہوئی ہے۔

تشریح: **مسئلہ:** کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے یا آزاد کرنا پڑے گا؟

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک صرف مالک بننے سے ہی آزاد نہیں ہوگا بلکہ آزاد کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

قول ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک صرف مالک بن جانے سے ہی آزاد ہو جائے گا آزاد کرنے پر موقوف نہیں رہے گا۔

جمہور کی دلیل اوّل: ترمذی شریف اور ابوداؤد میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے " **من ملك ذارحم محرم فهو حر**" اس سے معلوم ہوا کہ فقط مالک بننے سے ہی آزاد ہو جائے گا۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے "**من ملك ذارحم محرم عتق عليه**" اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفس ملکیت سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے آزاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اہل ظواہر کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم شریف میں ہے **قال قال رسول الله ﷺ لا يجزى ولد والده الا ان يجد مملوكا فيشتريه فيعتقه**۔ اس میں مالک بننے کے بعد اعتاق پر عتق موقوف رکھا اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے کی ضرورت ہے مالک بنا کافی نہیں۔

جواب: چونکہ شراء اور مالک بننا عتاق وحریت کا سبب ہے اسلئے مجازاً اسکی طرف منسوب کر دیا گیا اور''**فیعتقه**'' کہہ دیا کیونکہ احادیث مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابنیت اور عبدیت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی لہٰذا ابنیت کیساتھ عبدیت آجائے تو فوراً عبدیت ختم ہوجاتی ہے اور حریت آجاتی ہے عبدیت ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے''**فیعتقه**'' کو مجاز پر محمول کیا جائیگا۔

مسئلہ اختلافی: کس قسم کی قرابت موجب حریت ہے؟

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک قرابت ولادت موجب حریت ہے لہٰذا یہ حدیث آباء واجداد امہات وجدات وان علا اور''ابناء وبنات وان سفل'' تک ثابت ہوگی اور قرابت اخوۃ وغیرہ میں حریت ثابت نہیں ہوگی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحاق اور جمہور ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک ہر قسم کی قرابت موجب حریت ہے خواہ ولادت کی قرابت ہو یا اخوت وغیرہ کی قرابت ہو۔

امام شافعیؒ کی دلیل: بغیر مالک کی رضامندی کے آزاد ہونا قیاس کے خلاف ہے لیکن قرابت ولادت میں خلاف قیاس حریت ثابت ہوگئی اور قرابت اخوۃ وغیرہ اس سے ادنیٰ ہے اس کو ولادت پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

جواب: صریح نص کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت ابن عمر اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ دونوں حدیثیں ہیں کہ ان میں مطلق ذی رحم محرم کا ذکر ہے اُبوت وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

ان احادیث کی اسناد پر امام ترمذیؒ نے چند اعتراضات کئے ہیں۔

پہلی سند پر اعتراض اوّل: اس کو سنداً بیان کرنے والے صرف حماد بن سلمہ ہیں اور دیگر رواۃ اس کو مرسلاً بیان کرتے ہیں۔ سمرہ کا نام ذکر نہیں کرتے مسنداً بیان کرنا یہ حماد بن سلمہ کا تفرد ہے۔

جواب: حماد بن سلمہ بھی ثقہ ہی ہیں تو یہ زیادتی ثقہ کی قبیل سے ہے۔

اعتراض ثانی: قتادہ کے بعض تلامذہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو مرفوع قرار دیتے ہیں تو مرفوع اور موقوف ہونے میں اضطراب ہوگیا اور اضطراب استدلال سے مانع ہوتا ہے۔

جواب: اگر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے تو پھر بھی غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

حدیث ثانی: اس حدیث کی سند میں محمد بن بکر برسانی، حماد بن سلمہ اور حسن کے درمیان دو واسطے ذکر کرتے ہیں قتادہ کا اور عاصم احول کا اور اکثر رواۃ ایک واسطہ ذکر کرتے ہیں اور وہ قتادہ کا واسطہ بیان کرتے ہیں احول کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔

جواب اوّل: جب اکثر رواۃ عاصم احول کا ذکر نہیں کررہے ہے تو ظاہر ہے کہ اسی کو ترجیح ہوگی۔

جواب ثانی: ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہی حدیث دونوں استادوں سے مروی ہو لہٰذا یہ کوئی اعتراض نہیں۔

حدیث ثالث: اعتراض اوّل: اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا کہ اس سند میں ضمرہ بن ربیعہ ہیں اور ان کا کوئی متابع موجود نہیں ہے۔ **جواب:** متابع کا موجود نہ ہونا کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ ضمرہ بن ربیعہ خود ثقہ ہیں۔

اعتراض ثانی: ضمره بن ربيعه عن سفيان عن عبدالله بن دينار عن عبدالله بن عمر عن النبی ﷺ

کی سند میں جو متن مروی ہے وہ نہی عن بیع ولاء و ھبۃ ہے جو متن یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ نہیں۔

جواب: امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں حضرت ابن عمرؓ کی اس سند سے مذکور ہیں۔ نیز اس حدیث کو امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ لہٰذا سندوں پر بحث کرنا خروج عن المبحث ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النَّخَعِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحٰقَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَالَ لَا أَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحٰقَ إِلَّا مِنْ رِوَايَةِ شَرِيكٍ قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا مَعْقِلُ بْنُ مَالِكٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ الْأَصَمِّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز کی کاشت کی تو اس کیلئے اسکی کھیتی میں سے کچھ نہیں البتہ بونے والا اپنا خرچ جو اس نے اس پر کیا ہے وہ لے سکتا ہے لیکن کھیتی زمین والے کی ہی ہوگی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے ابواسحاق کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ابواسحاق شریک بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں بعض علماء کا اسی پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے میں نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے میں اسے صرف شریک بن عبداللہ کی روایت سے جانتا ہوں امام بخاری کہتے ہیں کہ معقل بن مالک بصری ہم سے بیان کرتے ہیں انہوں نے یہ حدیث عقبہ بن اصم سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے رافع بن خدیج سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کے ہم معنی حدیث بیان کی۔

تشریح: **مسئلہ: بغیر اجازت کے کاشت کی ہوئی فصل کا حکم:** اگر کوئی شخص دوسرے کی زمین بغیر اجازت کے کاشت کرے اور وہ زمین مالک کو دلوادی گئی تو اس زمین پر کاشت شدہ فصل مالک کو دی جائے یا زارع کو دی جائے گی۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پیداوار رب الارض (مالک زمین) کی ہوگی اور غاصب اجر مثلی کا مستحق ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیداوار زارع کی ہوگی اور رب الارض اجر مثلی کا مستحق ہوگا یعنی وقت زراعت سے لے کر وقت فراغ تک جتنی اجرت بنتی ہے وہ مالک زمین کو دی جائے گی۔

دلیل حنابلہ: یہی حدیث الباب ہے من زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم فلیس له من الزرع شیء وله نفقته

جواب اوّل: فليس له من الزرع شيء یہ دیانۃً ہے قضاءً نہیں ہے۔ غلط طریقے سے پیداوار حاصل کرنے کی وجہ سے دیانۃً زارع کو چاہیے کہ وہ فقراء پر صدقہ کردے۔

جواب ثانی: یہ مؤول ہے فليس له من الزرع شيء اس کا معنی یہ ہے کہ زارع کے لئے انتفاع جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کو صدقہ کردے غلط طریقے سے استعمال ہونے کی وجہ سے اور ہر ایسی چیز جو غلط طریقے سے حاصل ہو اس سے منفعت نہیں لینی چاہیے۔ یہ معنی نہیں کہ ذرہ بھر بھی اس کی ملکیت ہی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّحْلِ وَالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ يُحَدِّثَانِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ نَحَلَ ابْنًا لَهُ غُلَامًا فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْهِدُهُ فَقَالَ أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَارْدُدْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ التَّسْوِيَةَ بَيْنَ الْوَلَدِ حَتّٰى قَالَ بَعْضُهُمْ يُسَوِّي بَيْنَ وَلَدِهِ حَتّٰى فِي الْقُبْلَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يُسَوِّي بَيْنَ وَلَدِهِ فِي النُّحْلِ وَالْعَطِيَّةِ يَعْنِي الذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى سَوَاءٌ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَقَالَ بَعْضُهُمْ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْوَلَدِ أَنْ يُعْطَى الذَّكَرُ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ مِثْلَ قِسْمَةِ الْمِيرَاثِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنے ایک بیٹے کو ایک غلام دیا اور رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنانے کیلئے حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اسی طرح غلام دیا ہے جس طرح اسے دیا ہے تو عرض کی نہیں آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کو واپس کرلو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور نعمان بن بشیرؓ سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض علماء کے نزدیک اسی پر عمل ہے وہ اولاد کے درمیان برابری کو مستحب کہتے ہیں بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ چومنے میں بھی برابری کرنی چاہیے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ہبہ اور عطیہ میں بیٹوں اور بیٹیوں سب کو برابر، برابر دینا چاہیے لیکن بعض اہل علم کے نزدیک لڑکوں کو دوگنا اور لڑکیوں کو ایک گنا دینا برابری ہے جیسے کہ میراث کی تقسیم میں کیا جاتا ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

تشریح: والدین جب اپنی اولاد میں کوئی چیز تقسیم کررہے ہوں تو والدین کو اولاد میں برابری کرنی چاہیے یہ نہ ہو کہ وہ کسی کو زیادہ نوازدیں اور کسی کو محروم کردیں۔ اولاد میں مساوات کا کیا حکم ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک اولاد میں تسویہ مستحب ہے واجب نہیں ہے مناسب یہ ہے کہ والدین ہبہ کرنے میں مساوات قائم کریں۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک ''تسوية فی هبة الاولاد'' واجب ہے۔ اولاد میں سے کسی کو محروم کرنا حرام ہے۔

احناف کی دلیل: اکابرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، عمر، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کو کچھ کھجور کے درخت ہبہ کیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چونکہ ہبہ تام نہیں ہوا اس لئے کہ تم نے قبضہ نہیں کیا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دیگر بہن بھائیوں کو بھی ملا دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرا تو پہلے سے یہی ارادہ تھا۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کو ہبہ کیا دوسروں کو ہبہ نہیں کیا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کئی بیویاں تھیں ان میں سے ایک کی اولاد کو ہبہ کیا دوسری بیویوں کی اولاد کو ہبہ نہیں کیا۔ تو یہ اکابرین صحابہؓ کا عمل ہے کہ تسویہ مستحب ہے لیکن فرض و واجب نہیں۔

حنابلہ کی دلیل: بعض کو ہبہ کرنا اور بعض کو ہبہ نہ کرنا اس کو جور اور ظلم قرار دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظلم اور جور حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تسویہ واجب ہے نیز اس میں اُرْدُدْ، اُرْدُدْ فرمایا۔

جواب: اُرْدُدْ، اُرْدُدْ والا عمل استحباب کیلئے ہے تباعد اور تباغض سے بچنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو واپس لے لے۔ نیز جور کا لفظ کلی مشکک ہے حرام سے لیکر خلاف اولیٰ تک کو شامل ہے اس پر وزنی قرینہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اشھد غیری کہ میرے سوا کسی اور کو گواہ بنالو۔ ماسوا کو گواہ بنانے کا فرمانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے۔

پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ برابری کس طرح ہو۔ میراث کی طرح یا بالکل برابر برابر۔

چونکہ تسویہ کے معنی میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اس لئے حنابلہ کے نزدیک تسویۃ قاعدہ میراث کے مطابق ہے۔ لہٰذا امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ برابری سے مراد یہ ہے کہ میراث کی طرح لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا دیا جائے۔

دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ للذکر مثل حظ الانثیین والا میراث کا مخصوص حکم ہے عطیہ میں سب کو برابر دیا جائے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابن عباسؓ ہے کہ سوّوا بین اولادکم فی العطیة لو کنت مُفضِّلًا لفضلت النساء۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ قَالَ أَبُوْعِيْسٰى وَفِي الْبَاب عَنِ الشَّرِيدِ وَأَبِي رَافِعٍ وَأَنَسٍ حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوٰى عِيسٰى بْنُ يُونُسَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَرُوِيَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علی بن حجر، اسماعیل ابن علی، سعید، قتادہ، حسن، حضرت سمرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مکان کا پڑوسی مکان کا زیادہ حقدار ہے اس باب میں حضرت شرید، ابورافع اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث سمرہؓ حسن صحیح ہے اس حدیث کو عیسیٰ بن یونس، سعید بن ابی عروبہ سے وہ قتادہ سے وہ انسؓ سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مثل حدیث نقل کرتے ہیں پھر سعید بن ابی عروبہ قتادہ سے وہ حسن سے وہ سمرہؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وَالصَّحِيحُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ حَدِيثُ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ وَلَا نَعْرِفُ حَدِيثَ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ. وَحَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّائِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوٰى إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ كِلَا الْحَدِيثَيْنِ عِنْدِي صَحِيحٌ

وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اہل علم کے نزدیک حسن کی سمرہؓ سے روایت صحیح ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتادہ کی روایت ہمیں صرف عیسیٰ بن یونس سے معلوم ہے حضرت عمرو بن شرید کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں ابراہیم بن میسرہ بھی عمرو بن شرید سے وہ ابورافع سے یہ حدیث مرفوعاً نقل کرتے ہیں میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

تشریح: شفعہ کا اصطلاحی معنی: "تملك البقعة بما قام على المشتري بشركة او الجوار" وہ مکان جتنے کا مشتری کو پڑا ہے اتنے پیسوں کے ساتھ شفیع کو دینا شرکت کی وجہ سے یا پڑوس کی وجہ سے۔ شفعہ کی اقسام میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احنافؒ کے نزدیک شفع کی تین قسمیں ہیں۔ ① شریک فی نفس المبیع ② شریک فی حق المبیع ③ شریک فی حق الجوار۔ ان تین اقسام کے لوگوں کو شفع کا حق ملتا ہے۔

شريك فی نفس المبيع: دو شخصوں کا ایک مکان میں یا زمین میں شریک ہونا ان میں سے ایک شریک اپنا حصہ فروخت کر دے تو دوسرے ساتھی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوگا اب یہ دوسرا ساتھی شریک فی نفس المبیع کہلائے گا۔

شريك فی حق المبيع: دو شخص مبیع میں تو شریک نہیں البتہ خاص راستے یا پانی میں شریک ہیں مثلاً ایک ایسی گلی میں دو آدمیوں کے مکانات ہیں جو گلی آگے سے بند ہے ایک آدمی نے اپنا مکان فروخت کر دیا تو دوسرے کو شفعہ کرنے کا حق ہے خاص راستے سے مراد وہ راستہ ہے جو آگے سے بند ہو تو یہ شریک فی حق المبیع کہلائے گا۔

شريك فی حق الجوار: جن کی دیواریں آپس میں ملی ہوئی ہوں۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صرف دو چیزیں شفعہ کا سبب بن سکتی ہیں ایک شرکت فی عین المبیع۔ دوسری شرکت فی حق المبیع ان کے نزدیک جوار کی وجہ سے شفعہ ثابت نہیں ہوگا۔

احنافؒ کی دلیل: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری شریف میں ہے "الجار احق بسقبه" اور قسم ثانی کا ثبوت اگلے باب میں حدیث جابرؓ الجار احق بشفعته ينتظر به وان كان غائبا اذا كان طريقهما واحدا سے ہے۔

دوسری دلیل: ابوداؤد شریف میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "جار الدار احق بشفعة الدار" اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "الجار احق بشفعته"۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: یہ حدیث "فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعة" ہے۔

جواب ا، ب: اس حدیث پاک میں قسم اول کا ثبوت ملتا ہے اور باقی دوسری احادیث سے دوسری قسموں کا ثبوت ملتا

ہے چونکہ ہم اس کے قائل ہیں اس وجہ سے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ فلا شفعۃ کا معنی یہ ہے کہ شرکت کی وجہ سے شفعہ کا حق حاصل نہیں رہے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی نوع کا شفعہ بھی نہیں رہے گا۔

جواب ثانی: "اذا وقعت الحدود" سے حضور ﷺ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں نے مشترکہ زمین یا مکان کو تقسیم کیا یا راستہ الگ الگ کر دیا تو اس تقسیم کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

سوال: شفعہ تو بیع کے وقت ہوتا ہے تقسیم کے وقت نہیں ہوتا اس کی نفی کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: تقسیم میں بیع یعنی مبادلے کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے اس مشابہت کی وجہ سے کسی انسان کو شفعہ کے ثبوت کا وہم ہو سکتا تھا تو حضور ﷺ نے اسے رد کر دیا۔

قال ابو عیسٰی: وفی الباب عن الشرید اس حدیث کی سند میں قتادہ کے شاگرد سعید بن ابی عروبہ ہیں ان کے شاگرد دو ہیں۔ ① اسماعیل بن علیہ ② عیسیٰ بن یونس۔ اسماعیل بن علیہ اس کو متصل بیان کر رہے ہیں اور سمرہؓ کا بھی ذکر کر رہے ہیں جبکہ عیسیٰ بن یونس اس کو یوں بیان کرتے ہیں۔ عن قتادة عن انس عن النبی ﷺ۔ اسماعیل بن علیہ کے مطابق یہ حدیث مندات سمرہؓ میں سے ہے۔ اور عیسیٰ بن یونسؒ کے طریق کے مطابق یہ مندات انس میں سے ہے۔ امام ترمذیؒ فیصلہ دے رہے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عیسیٰ بن یونس کا کوئی متابع موجود نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن یونس کے تلامذہ میں سے بعض اس کو مندات سمرہؓ میں سے قرار دے رہے ہیں۔ اور بعض مندات انسؓ سے قرار دے رہے ہیں۔ پس صحیح یہ ہے کہ یہ مندات سمرہؓ میں سے ہے۔ حسن کا سماع سمرہؓ سے ثابت ہے لہٰذا یہ متصل ہے اور قابل استدلال ہے اور فی الباب کے عنوان کے تحت جن احادیث کا حوالہ دیا ان میں سے ایک حدیث شرید ہے۔

و حدیث عبداللّٰہ بن عبدالرحمٰن الطائفی عن عمرو بن الشرید: شرید سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے عمرو ہیں اور ان کے دو شاگرد ہیں۔ ① عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائی۔ ② ابراہیم بن میسرہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی سند کے مطابق یوں ہے۔ عن عبداللّٰہ بن عبدالرحمٰن عن عمرو بن شرید عن ابیہ عن النبی ﷺ۔ اس سند کے اعتبار سے یہ مندات شرید میں سے ہے اور ابراہیم بن میسرہ یوں نقل کر رہے ہیں۔ عن عمرو بن شرید عن ابی رافع عن النبی ﷺ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مندات ابورافع میں سے ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کلا الحدیثین عندی صحیح۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ يُنْتَظَرُ بِهِ وَإِنْ

قتیبہ، خالد بن عبداللہ واسطی، عبدالملک بن ابی سلیمان، عطاء، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے لہٰذا اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے جب کہ

كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ غَيْرَ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ مِنْ أَجْلِ هٰذَا الْحَدِيثِ وَعَبْدُ الْمَلِكِ هُوَ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا تَكَلَّمَ فِيهِ غَيْرَ شُعْبَةَ مِنْ أَجْلِ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ رَوَى وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ هٰذَا الْحَدِيثَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ مِيزَانٌ يَعْنِي فِي الْعِلْمِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الرَّجُلَ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا فَإِذَا قَدِمَ فَلَهُ الشُّفْعَةُ وَإِنْ تَطَاوَلَ ذٰلِكَ

دونوں کے آنے جانے کا راستہ ایک ہی ہو۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے عبدالملک بن ابی سلیمان کی سند کے علاوہ نہیں جانتے۔ عبدالملک بن سلیمان اس حدیث کو عطاء سے اور وہ جابرؓ سے نقل کرتے ہیں شعبہ نے اس حدیث کے سبب عبدالملک بن ابی سلیمان کے بارے میں کلام کیا ہے۔ لیکن وہ محدثین کے نزدیک ثقہ اور مامون ہیں شعبہ کے علاوہ کسی ان پر اعتراض کا ہمیں علم نہیں وکیع بھی شعبہ سے اور وہ عبدالملک سے ہی حدیث نقل کرتے ہیں ابن مبارک سے منقول ہے کہ سفیان ثوری کہتے تھے کہ عبدالملک بن سلیمان علم کے ترازو ہیں اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غائب ہو تب بھی وہ اپنے شفعہ کا مستحق ہے لہٰذا وہ آنے کے بعد اسے طلب کرسکتا ہے اگرچہ طویل مدت ہی کیوں نہ گزر چکی ہو۔

تشریح: مکان یا زمین کی بیع کے وقت ہمسایہ غائب ہو تو غیبوبت کی وجہ سے اس کا حق شفعہ ساقط نہ ہوگا لیکن اس کے لئے شرائط معروف ہیں۔ ① طلب مواثبت ہو۔ ② طلب اشہاد ہو۔ ③ طلب خصومت ہو۔ یعنی حق شفعہ والا اگر فوراً شور مچائے اس کو طلب مواثبت کہتے ہیں پھر فوراً گواہ بنائے اس کو طلب اشہاد کہتے ہیں پھر فوراً عدالت سے رجوع کرے تو اس کو طلب خصومت کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اجماعیہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

هٰذا حديث حسنٌ غريب ولا نعلم احدًا: اس کی سند میں راوی ہیں عبدالملک بن ابی سلیمان، عطاء عن جابر سے روایت کرنے والے صرف یہی عبدالملک بن ابی سلیمان ہیں اور منفرد ہیں لہٰذا سند میں تفرد ہے اس کی وجہ سے حدیث غریب ہے باقی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ عبدالملک بن ابی سلیمان ثقہ ہیں سوائے شعبہ کے ان پر کسی نے جرح نہیں کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ شعبہ جرح بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ان سے روایت بھی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے سفیان ثوری فرماتے ہیں عبدالملک بن ابی سلیمان میزانٌ فی العلم یعنی حدیث کی صحت وسقم کا ترازو ہیں تو جو میزان العلم ہے اس کی توثیق میں کیا شبہ ہے۔

نیز امت کی جانب سے اس کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے لہٰذا شعبہ کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے باقی شعبہ نے جرح اس وجہ سے کی ہے کہ حضرت جابرؓ کی دونوں حدیثوں میں تعارض ہو رہا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جار (ہمسایہ) کے لئے شفعہ ہے اور آنے والی حدیث میں اس کی نفی معلوم ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے شعبہ نے پہلی سند پر جرح کر دی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ کوئی تعارض نہیں ہے جو شفعہ مثبتہ ہے وہ ہے شفع للجار اور آنے والی حدیث کے اندر جو نفی ہے وہ شفع بحسب الشرکۃ کی نفی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا حُدَّتِ الْحُدُودُ وَوَقَعَتِ السِّهَامُ فَلَا شُفْعَةَ

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ مُرْسَلًا عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَبِهٖ يَقُولُ بَعْضُ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ مِثْلَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَغَيْرِهٖ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْهُمْ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ وَرَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَبِهٖ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ لَا يَرَوْنَ الشُّفْعَةَ إِلَّا لِلْخَلِيطِ وَلَا يَرَوْنَ لِلْجَارِ شُفْعَةً إِذَا لَمْ يَكُنْ خَلِيطًا وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ الشُّفْعَةُ لِلْجَارِ وَاحْتَجُّوا بِالْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ وَقَالَ الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهٖ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ

عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، زہری، ابی سلمہ بن عبدالرحمن، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب حدود مقرر ہو جائیں اور ہر حصے کا الگ الگ راستہ ہو جائے تو پھر شفعہ باقی نہیں رہتا، یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض راوی اس حدیث کو ابوسلمہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً بھی نقل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اصحاب میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے جن میں عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان بھی شامل ہیں اور اسی طرح بعض فقہاء تابعین جیسے عمر بن عبدالعزیز، یحییٰ بن سعید الصاری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن، مالک بن انس، شافعی، احمد اور اسحاق اور اہل مدینہ کا یہی قول ہے کہ شفعہ صرف شریک کے لئے ہے پڑوسی اگر شریک نہ ہو تو اسے حق شفعہ حاصل نہیں ہوگا۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہے ان کی دلیل مرفوع حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مکان کا پڑوسی مکان کا زیادہ حق رکھتا ہے دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا۔ ہمسایہ نزدیک ہونے کی وجہ سے شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے سفیان ثوری، ابن مبارک اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: جمہور حضرات کے نزدیک شفعہ صرف غیر منقولات میں ہوتا ہے منقولات میں نہیں ہوتا عطاء بن رباح کا قول یہ ہے کہ شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے بھی یہی ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

حدیث الباب کا جواب۔ استغراق حقیقی نہیں بلکہ عرفی ہے یہ منقولی چیز عام ہے مکانات کے قبیل سے ہوں یا ارضین کے قبیل سے ہو یعنی یہ عام مخصوص منہ البعض ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّرِيكَ شَفِيعٌ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ أَبِي حَمْزَةَ السُّكَّرِيِّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّرِيكُ شَفِيعٌ وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي حَمْزَةَ السُّكَّرِيِّ وَقَدْ رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَهٰذَا أَصَحُّ

یوسف بن عیسیٰ، فضل بن موسیٰ، ابی حمزہ سکری، عبدالعزیز بن رفیع، ابن ابی ملیکہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر شریک شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے۔ اس حدیث کے مثل ہمیں کوئی حدیث معلوم نہیں ابوحمزہ سکری کی حدیث کے علاوہ۔ راوی یہ حدیث عبدالعزیز بن رفیع سے وہ ابن ابی ملیکہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں یہ زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ وَلَيْسَ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ مِثْلَ هٰذَا لَيْسَ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي حَمْزَةَ وَأَبُو حَمْزَةَ ثِقَةٌ يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ الْخَطَأُ مِنْ غَيْرِ أَبِي حَمْزَةَ

ہناد نے ابوبکر بن عیاش سے انہوں نے عبدالعزیز بن رفیع سے انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے انہوں نے نبی کریم e سے اس کے ہم معنی اور اس کے مثل روایت کیا اور اس میں ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح یہ حدیث ان کے علاوہ عبدالعزیز بن رفیع نے اس کے مثل نقل کی انہوں نے بھی ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا اور یہ حدیث ابوحمزہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے ابوحمزہ ثقہ ہیں ممکن ہے کہ اس میں کسی اور سے خطاء ہوئی ہو۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ وَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّمَا تَكُونُ الشُّفْعَةُ فِي الدُّورِ وَالْأَرَضِينَ وَلَمْ يَرَوُا الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَالْقَوْلُ أَصَحُّ ک

ہناد، ابواحوص، عبدالعزیز، رفیع، ابن ابی ملیکہ کی سند سے مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابی بکر بن عیاش کی حدیث کی مانند نقل کرتے ہیں اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ شفعہ صرف مکان اور زمین میں ہوتا ہے ہر چیز میں نہیں لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ شفعہ ہر چیز میں ہے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کا ایک منطوق ہے اور دوسرا مفہوم ہے منطوق یہ ہے کہ شریک کیلئے شفعہ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ غیر

شریک کیلئے شفعہ نہیں۔ احناف نے صرف منطوق کو لیا ہے کہ شریک کیلئے خواہ نفس مبیع میں شریک ہو یا حقوق میں شفعہ ہے مفہوم مخالف انکے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ دوسری روایات میں غیر شریک کیلئے بھی شفعہ ثابت ہے۔ اور تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ شفعہ صرف جائیداد یعنی زمین اور مکان میں ہے۔ منقولات میں حق شفعہ نہیں اور یہ روایت مرفوع نہیں ہے اصح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے۔

هٰذا حدیث لا نعرفه مثل هٰذا: اس حدیث کے مرکزی راوی ابوحمزہ سکری ہیں سکری ان کو اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کی باتیں میٹھی ہوتی تھیں یہ اس روایت کو مسنداً ذکر کرتے ہیں۔ اور دیگر رواۃ اس کو مرسلاً ذکر کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے باقی ابوحمزہ سکری بھی ثقہ ہیں تو ممکن ہے ان سے خطاء نہ ہوئی ہو بلکہ ان سے نیچے کسی راوی سے خطاء ہوگئی ہو۔ جواب یہ ہے کہ یہ تعمیم غیر منقولات کے اعتبار سے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللُّقَطَةِ وَضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِي حَدِيثِهِ فَالْتَقَطْتُ سَوْطًا فَأَخَذْتُهُ قَالَا دَعْهُ فَقُلْتُ لَا أَدَعُهُ تَأْكُلُهُ السِّبَاعُ لَآخُذَنَّهُ فَلَأَسْتَمْتِعَنَّ بِهِ فَقَدِمْتُ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ وَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ وَجَدْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ قَالَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لِي عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَمَا أَجِدُ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ فَعَرَّفْتُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ وَقَالَ أَحْصِ عِدَّتَهَا وَوِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَأَخْبَرَكَ بِعِدَّتِهَا وَوِعَائِهَا وَوِكَائِهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حسن بن علی خلال، عبداللہ بن نمیر، سفیان، سلمہ بن کھیل، حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ میں زید بن صوحان اور سلیمان بن ربیعہ کے ساتھ سفر میں نکلا تو ایک کوڑا پڑا ہوا پایا۔ ابن نمیر اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک کوڑا گرا ہوا پایا تو اسے اٹھالیا اور دونوں ساتھیوں نے کہا کہ رہنے دو نہ اٹھاؤ میں نے کہا کہ نہیں میں اسے درندوں کی خوراک بننے کے لئے نہیں چھوڑوں گا اپنے کام میں لاؤں گا پھر میں ابی بن کعبؓ کے پاس آیا اور ان سے قصہ بیان کیا انہوں نے فرمایا تم نے اچھا کیا مجھے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سو دینار کی ایک تھیلی ملی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ایک سال تک اس کا اعلان اور تشہیر کروں میں نے اسی طرح کیا لیکن کوئی نہیں آیا پھر میں دوبارہ حاضر ہوا فرمایا ایک سال اور اسی طرح کرو میں پھر ایک سال تک اعلان کرتا رہا لیکن کسی نے بھی اپنی ملکیت ظاہر نہیں کی پھر تیسری مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا [illegible] اور باندھنے والی رسی کو ذہن نشین رکھو پھر اگر تم سے کوئی انہیں طلب کرنے کے لئے آئے اور نشانیاں بتادے تو اسے دیدو ورنہ استعمال کرو۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى تَلْقَى رَبَّهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْجَارُودِ بْنِ الْمُعَلَّى وَعِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَحَدِيثُ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ رَخَّصُوا فِي اللُّقَطَةِ إِذَا عَرَّفَهَا سَنَةً فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يُعَرِّفُهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا وَهُوَ

قتیبہ، اسماعیل بن جعفر، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن، یزید۔ حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سال تک اس کا اعلان اور تشہیر کرواور پھر اس کی تھیلی وغیرہ اور اسکی رسی کو ذہن نشین کر کے خرچ کرلواور پھر اس کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے اپنے پاس سے دیدو اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی کی گم شدہ بکری ملے تو اس کا کیا حکم ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے پکڑ لو۔ وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ورنہ اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے گا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی کا گمشدہ اونٹ ملے تو اس کا کیا حکم ہے۔ راوی کہتے ہیں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ میں آگئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا اس سے کیا کام ہے اس کے پاس چلنے کے لئے پاؤں بھی ہیں اور ساتھ میں پانی کا ذخیرہ بھی یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے۔ اس باب میں ابی بن کعب عبداللہ بن عمر، جارود بن معلّی، عیاض بن حمار اور جریر بن عبداللہ سے بھی روایات منقول ہیں حدیث زید بن خالد حسن صحیح ہے اور ان سے متعدد اسناد سے مروی ہے منبعث کے مولیٰ یزید کی حدیث بھی کئی سندوں سے انہی سے منقول ہے بعض علماء صحابہ وغیرہ اس پر عمل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ گری پڑی ہوئی چیز کی ایک سال تک تشہیر کرنے کے بعد اسے استعمال کرنا جائز ہے امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک سال تک اس تشہیر کے بعد بھی اگر اس کا مالک نہ

قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ لَمْ يَرَوْا لِصَاحِبِ اللُّقَطَةِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا إِذَا كَانَ غَنِيًّا و قَالَ الشَّافِعِيُّ يَنْتَفِعُ بِهَا وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا لِأَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ أَصَابَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعَرِّفَهَا ثُمَّ يَنْتَفِعَ بِهَا وَكَانَ أُبَيٌّ كَثِيرَ الْمَالِ مِنْ مَيَاسِيرِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعَرِّفَهَا فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْكُلَهَا فَلَوْ كَانَتِ اللُّقَطَةُ لَمْ تَحِلَّ إِلَّا لِمَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ لَمْ تَحِلَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ لِأَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَصَابَ دِينَارًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَّفَهُ فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْلِهِ وَكَانَ عَلِيٌّ لَا يَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا كَانَتِ اللُّقَطَةُ يَسِيرَةً أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَلَا يُعَرِّفَهَا و قَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا كَانَ دُونَ دِينَارٍ يُعَرِّفُهَا قَدْرَ جُمُعَةٍ وَهُوَ قَوْلُ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنِ اعْتُرِفَتْ فَأَدِّهَا وَإِلَّا فَاعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعَدَدَهَا ثُمَّ كُلْهَا فَإِذَا جَاءَ

پہنچے تو اسے صدقہ کر دے سفیان ثوری، ابن مبارک، اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ غنی ہو تو اس کا ایسی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ غنی ہی ہو پھر بھی وہ گری پڑی ہوئی چیز کو استعمال کر سکتا ہے۔ ان کی دلیل ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابی بن کعبؓ نے ایک تھیلی جس میں سو دینار تھے پائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ایک سال تک تشہیر کریں پھر نفع اٹھائیں اور حضرت ابی بن کعبؓ، مالدار تھے اور دولت مند صحابہ کرامؓ میں سے تھے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہیر کا حکم دیا پھر مالک کے نہ ملنے پر استعمال کا حکم دیا اگر گمشدہ چیز حلال نہ ہوتی، تو حضرت علی ے لئے بھی حلال نہ ہوتی کیونکہ آپ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دینا پایا اس کی تشہیر کی پھر جب کوئی پہچاننے والا نہ ملا تو آپ نے انہیں استعمال کرنے کا حکم دیا حالانکہ حضرت علی کے لئے صدقہ کا استعمال جائز نہیں۔ بعض اہل علم نے بلا تشہیر گمشدہ چیز کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے جب کہ وہ گمشدہ چیز قلیل ہو بعض فرماتے ہیں کہ گمشدہ چیز دینار سے کم ہو تو ایک ہفتہ تک تشہیر کرے۔ اسحاق بن ابراہیم کا یہی قول ہے۔

محمد بن بشار، ابوبکر حنفی، ضحاک بن عثمان، سالم، ابوالنضر، بسر بن سعید، حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اگر کوئی پہچان لے تو اسے دیدو ورنہ اس کی تعداد، تھیلی اور رسی وغیرہ کو ذہن نشین کر کے اسے استعمال کر لو تا کہ اگر اس کا

صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ هٰذَا الْحَدِيثُ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ رَخَّصُوا فِي اللُّقَطَةِ إِذَا عَرَّفَهَا سَنَةً فَلَمْ يَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

مالک آجائے تو اسے دے سکو۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء اسی پر عمل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک سال تک تشہیر کرنے کے بعد لقطہ کو استعمال کرنا جائز ہے امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اعرف عفاصها: مسئلہ اولیٰ: اگر کوئی شخص سامان کی نشانی بتلائے کہ یہ میرا سامان ہے تو لقط اٹھانے والا بغیر گواہوں کے دے سکتا ہے یا نہیں۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بینہ کی ضرورت نہیں علامت ونشانی درست ہونے پر دینا واجب ہے۔

قول ثانی: احنافؒ وشوافعؒ کے نزدیک اگر ملتقط کو یقین ہو جائے کہ یہ مال اس کا ہے تو دے سکتا ہے ورنہ بینہ کے بغیر نہیں دے سکتا۔

امام مالکؒ وغیرہ کی دلیل: یہی حدیث الباب مستدل ہے۔ یہاں تھیلی کی پہچان کے بعد مالک کو دینے کا حکم ہے بینہ کا ذکر نہیں ہے۔

احنافؒ کی دلیل: مشہور حدیث "البينة على المدعي واليمين على من انكر"

امام مالکؒ وغیرہ کی دلیل کا جواب: وہاں عفاص ووکاء کی معرفت کا حکم مدعی کو دینے کے لئے نہیں بلکہ ملتقط کے مال سے ساتھ خلط نہ ہونے کی بناء پر ہے تاکہ مالک امتیاز کر سکے اور مدعی کو دینے کا مسئلہ تو علیحدہ ہے۔

عرفها سنة: پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرے۔

مسئلہ ثانیہ کتنی مدت تک اس کی تشہیر کریں گے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک ہر چیز کی تشہیر کے لئے ایک سال ہے خواہ چیز کم قیمت ہو یا زیادہ قیمت۔

قول ثانی: امام صاحبؒ سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ ① ایک قول مثل جمہور حضرات کے ہے ② دوسرا قول یہ ہے کہ اگر مالیت دس درہم سے کم ہو تو چند روز تشہیر کافی ہے اور اگر زیادہ ہو تو ایک سال ③ تیسرا قول یہ ہے کہ کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے بلکہ ملتقط کی رائے پر ہے کہ جتنے دن تشہیر کرنے سے معلوم کرلے کہ اگر مالک ہوتا تو ضرور آجاتا اتنے دن اعلان کر کے چھوڑ دے اسی پر فتویٰ ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے "عرفها سنة. الخ"۔

امام ابوحنیفہؒ کی پہلی دلیل: مسلم شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے مطلقاً "عرفها" فرمایا تھا اس میں کسی مدت کا ذکر نہیں ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ تین سال تک ان کو تشہیر کرنے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ ایک سال دو سال کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مبتلیٰ بہ کی رائے کا اعتبار ہے۔

شوافعؒ وغیرہ کی دلیل کا جواب: وہ قید اتفاقی ہے ورنہ تین سال کا ذکر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہ آتا۔

مسئلہ ثالثہ: اگر تشہیر کے بعد مالک نہ ملے تو پھر کیا صورت ہوگی؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ملتقط کو اختیار ہے خواہ اپنے تصرف میں لائے یا کسی کو صدقہ کر دے خواہ وہ فقیر ہو یا غنی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک اگر ملتقط فقیر ہے تو خود تصرف کر سکتا ہے اور اگر غنی ہے تو خود تصرف نہیں کر سکتا بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے مالک نہ ملنے کی صورت میں مطلقاً ملتقط کو اختیار دیا ہے فقیر و غنی کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔

دلیل ثانی: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جس کو امام ترمذیؒ نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ اغنیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور ظاہر بات ہے کہ غنی اہل الصدقۃ میں سے نہیں ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خود ملتقط تصرف کر سکتا ہے عام ازیں غنی ہو یا فقیر ہو۔

جواب اوّل: اس بات پر کیا دلیل ہے کہ جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تھیلی ملی تھی اس وقت بھی وہ غنی تھے خصوصاً یہ واقعہ بھی غیر غنی ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت "لن تنالوا البر" نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنا باغ سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کر دو تو انہوں نے وہ باغ حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ پر صدقہ کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابی بن کعبؓ پہلے فقیر تھے اور ظاہر ہے کہ فقیر اہل صدقہ میں سے ہے۔

جواب ثانی: تصرف ہوا حاکم کے حکم کی وجہ سے، اگر حاکم کا حکم تصرف کرنے کا ہو تو پھر غنی بھی تصرف کر سکتا ہے۔

دلیل ثالث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے سنن ابی داود میں تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دینار ملا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو تصرف کی اجازت دے دی حالانکہ حضرت علیؓ تو بنو ہاشم میں سے تھے جن کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ملتقط صدقہ کا اہل نہ ہو تب بھی لقطہ میں تصرف کر سکتا ہے۔

جواب اوّل: یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جس وقت لقطہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

جواب ثانی: گرے پڑے سامان کو اٹھانے کی دو حیثیتیں ہیں۔

① بغرض حفاظت مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اٹھانا اس صورت میں اس پر لقطہ کے احکام جاری ہوں گے۔

② بغرض تصرف بارادہ اداء ضمان اکتفاء علی الاجازۃ الحکمیہ جیسا کہ کسی دوست کا سامان کسی کے پاس ہو تو وہ بوقت مجبوری اس کو استعمال کر لیتا ہے۔ اکتفاء علی الاجازۃ الحکمیہ اس حیثیت سے لقطہ کو اٹھانا اس صورت میں اس پر لقطے کے احکام جاری نہیں ہوں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سامان کو اٹھانا اسی دوسری حیثیت سے تھا۔

جواب ثالث: آل رسول کے لئے صدقات واجبہ یعنی زکوۃ اور صدقہ فطر حرام ہیں البتہ صدقات نافلہ جائز ہیں اور لقطہ کا شمار صدقات نافلہ میں ہے یعنی یہ ان لوگوں کا میل کچیل نہیں اس لئے اگر بنو ہاشم بھی ہوں تو ان کو لقطہ کھانا جائز ہے۔

جواب رابع: اس دینار کے بارے میں کہیں یہ نہیں آیا کہ وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھایا ہو بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تو فاقہ ہوتا تھا ان کو کہیں سے ایک دینار پڑا ہوا ملا مالک کا پتہ نہیں چلا۔ تو آپؓ نے ایک قصاب کے پاس اس کو بطور رہن رکھ لیا اور ایک

درہم کا گوشت ادھار خرید لیا وہ دینار ایک بچہ کا تھا وہ حضرت علیؓ کے گھر پہنچ گیا تو نبی کریم ﷺ نے اپنی ذمہ داری سے وہ دینار چھڑایا اور اس بچہ کو واپس کیا ① یہ ایک طویل حدیث ہے جو سنن ابوداؤد میں ہے۔

مسئلہ رابعہ: اونٹ کا التقاط جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک اونٹ کا التقاط جائز نہیں ہے۔ التقاط صرف ان جانوروں کا جائز ہے جن کا چرواہے کے بغیر ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک ہر قسم کے جانوروں کا التقاط جائز ہے ہاں اگر اونٹ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اونٹ کا التقاط بھی جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: ان کی دلیل اس باب دوسری حدیث جو زید بن خالد الجہنیؓ سے مروی ہے۔

جواب: وہ خیر القرون کا زمانہ تھا کہ جانوروں پر صرف بھیڑیوں کا ڈر تھا چوری کا خطرہ نہیں تھا جبکہ اونٹ وغیرہ پر بھیڑیا حملہ نہیں کر سکتا اس لئے اونٹ کے التقاط سے منع فرمایا موجودہ دور میں چونکہ ڈاکوؤں کا خطرہ ہے اس لئے اونٹ کا التقاط بھی جائز ہے۔

احناف کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل بھی باب کی دوسری حدیث ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**فقال خذها فانما هي لك او لاخيك او للذئب**'' یہاں پر آپ ﷺ نے ضالۃ الغنم کی علت بیان فرمائی اب یہی علت موجودہ دور میں اونٹ میں پائی جاتی ہے لہٰذا اونٹ کا التقاط جائز ہے۔

حدیث کی وضاحت: **عفاص** چمڑے کے برتن کو کہتے ہیں۔ **وعاء** اس کے دو مطلب ہیں ایک **وعاء** چمڑے کا برتن ہو یا چمڑے کے ماسوا کا برتن ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ **وعاء** ہے مطلقاً برتن مراد ہو علاوہ ازیں اس میں کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو اور عفاص وہ ہے جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو۔ نیز اگر لقطہ کو اٹھانے والے نے استعمال کر لیا تو پھر مالک آجائے تو ملتقط مالک اس کو کیا دے گا اگر وہ چیز ذوات الامثال میں سے تھی تو مثل دے گا اور اگر ذوات القیم میں سے تھی تو قیمت دے گا۔

فانما هي لك مالک کے نہ آنے پر مدت تشہیر تک لقطہ میں تصرف نہ کیا جائے ہاں مدت گزرنے کے بعد ملتقط اگر فقیر ہے تو خود تصرف کر سکتا ہے اگر غنی ہے تو صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک آگیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے لے اس صورت میں صدقہ کا ثواب اٹھانے والے کیلئے ہوگا اور اگر چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور ثواب اسی مالک کے لئے ہوگا۔

مسئلہ خامسہ: لقطہ کیلئے تخصیص مکان بھی ہے یا نہیں؟ بعنوان آخر لقطہ حرم اور غیر حرم کا حکم یکساں ہے یا مختلف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک لقطہ حرم وغیر حرم کا حکم یکساں ہے۔

قول ثانی: البتہ شوافع حضرات اس میں فرق بیان کرتے ہیں کہ غیر حرم کا لقطہ ہو تو اس کی مدت تشہیر زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے اور حرم کے لقطہ کی تشہیر دائمی ہے۔

شوافع کی دلیل: **لا يلتقط لقطتها الا منشد** بمعنی دائماً تعریف کرنے والا ہو شوافع اس کا معنی کرتے ہیں کہ حرم کا لقطہ وہی اٹھائے جو دائماً تشہیر کرنے والا ہو ورنہ مطلق تشہیر تو غیر حرم میں بھی ہے۔

جواب: اصل مقصود ایک وہم کا ازالہ ہے وہ یہ ہے کہ حجاج اور معتمرین لوگ اپنے افعال حج وعمرہ سے فارغ ہونے کے بعد

اپنے وطنوں میں چلے جاتے ہیں تو شاید یہاں تشہیر کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس خیال سے تشہیر ساقط ہو جائے گی۔

احناف کی دلیل: وہ احادیث ہیں جو لقطہ کے مسئلہ میں عام ہیں اور ان میں یہ لفظ ہے "**عرفها سنة**" اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے حرم وغیر حرم دونوں کے لقطہ کو شامل ہے

بَابُ فِي الْوَقْفِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَصَبْتُ مَالًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي قَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهَا لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ تَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَالْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيهِ قَالَ فَذَكَرْتُهُ لِمُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ فَقَالَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا قَالَ ابْنُ عَوْنٍ فَحَدَّثَنِي بِهِ رَجُلٌ آخَرُ أَنَّهُ قَرَأَهَا فِي قِطْعَةِ أَدِيمٍ أَحْمَرَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ إِسْمٰعِيلُ وَأَنَا قَرَأْتُهَا عِنْدَ ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَكَانَ فِيهِ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَا نَعْلَمُ بَيْنَ الْمُتَقَدِّمِينَ مِنْهُمْ فِي ذٰلِكَ اخْتِلَافًا فِي إِجَازَةِ وَقْفِ الْأَرْضِينَ وَغَيْرِ ذٰلِكَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں کچھ زمین ملی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایسا مال ملا ہے کہ اس سے زیادہ عمدہ کوئی چیز نہیں ملی۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے فرمایا اگر چاہو تو اس کی اصل اپنے پاس رہنے دو اور اس کے نفع کو صدقہ کر دو۔ پس حضرت عمرؓ نے وہ زمین صدقہ کر دی اس طرح کہ نہ بیچی جا سکتی تھی اور نہ ہبہ کی جا سکتی تھی اور نہ ہی وراثت میں دی جا سکتی تھی، اس سے فقراء، اقرباء غلاموں کو آزاد کرنے، اللہ کی راہ اور مہمانوں وغیرہ پر خرچ کیا جاتا، اس کے متولی پر اس کا استعمال کرنا جائز تھا بشرطیکہ عرف کے مطابق ہو اسی طرح وہ اپنے کسی دوست وغیرہ کو بھی کھلا سکتا تھا البتہ اسے مال جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابن سیرینؒ کے سامنے بیان کی انہوں نے فرمایا **غیر متاثل مالًا** کا لفظ ہے، ابن عوف فرماتے ہیں ایک دوسرے آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر **غیر متاثل مالًا** کے الفاظ پڑھے یہ حدیث حسن صحیح ہے اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبید اللہ بن عمر کے پاس پڑھا اس میں یہی الفاظ تھے بعض صحابہ اور دیگر علماء کے نزدیک اسی پر عمل ہے ہم زمین وغیرہ کو وقف کرنے میں متقدمین حضرات میں کوئی اختلاف نہیں پاتے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، علاء بن عبدالرحمن، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں البتہ تین عمل صدقہ جاریہ علم کہ اس سے نفع ہورہا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لغت میں وقف کہا جاتا ہے رکنے یا روکنے کو۔ اصطلاح میں جائیداد جیسی اشیاء جو باقی رہنے والی ہیں ان کو محفوظ کرلینا اوران کے منافع کو خیرات کرنا:

وقف کی اقسام: **اوّل:** کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے کوئی مسجد یا مدرسہ بناکر وقف کردے اس طور پر کہ اس میں ہر شخص کو نماز پڑھنے کی اجازت ہے ایک مرتبہ نماز پڑھنے سے وہ مسجد وقف ہوجائے گی۔

ثانی: وہ اس وقف کو اپنی موت پر معلق کردے کہ جب میں مرجاؤں تو یہ میری فلاں بلڈنگ مسجد کے لئے یا مدرسہ کے لئے یا مجاہدین کے لئے وقف ہے تو اس کے مرتے ہی وہ چیز وقف ہوجائے گی۔

ثالث: قاضی کسی چیز کے وقف ہونے کا اعلان کردے کہ فلاں زمین عیدگاہ کے لئے وقف ہے۔ یا فلاں مکان مدرسہ کے لئے وقف ہے تو ان تینوں صورتوں میں موقوفہ چیز اور اس کے منافع للہ وقف ہوجائیں گے۔ پھر اس زمین کو نہ کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ ہی کسی کی ملک بن سکتی ہے۔

رابع: کوئی شخص زمین کو تو وقف نہ کرے البتہ اس سے حاصل ہونے والے منافع وقف کردے تو کیا اس صورت میں اصل زمین بھی وقف ہوجائے گی یا نہیں اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منافع وقف کرنے کی صورت میں وہ چیز مالک کی ملک سے نہیں نکلے گی البتہ منافع صرف وقف ہونگے

قول ثانی: صاحبین اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ منافع وقف کرنے کی صورت میں وہ چیز واقف کی ملک سے نکل کر ملک الٰہی میں داخل ہوجاتی ہے۔ احناف کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ثمرہ اختلاف: امام صاحبؒ کے نزدیک منافع وقف کرنے کی صورت میں ایسی چیز سے رجوع کرنا جائز ہوگا اور جمہور حضرات کے نزدیک رجوع کرنا جائز نہیں ہوگا، اسی طرح بیع جائز نہیں ہوگی، اور ہبہ بھی جائز نہیں ہوگا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک بعض صورتوں میں شیٔ موقوفہ واقف کی ملک سے نکل جائے گی۔ مثلاً وقف للمسجد ایسے ہی جب وقف کے ساتھ حاکم کے فیصلہ کا اتصال ہوجائے تو بھی شیٔ موقوفہ واقف کی ملک سے خارج ہوجائے گی۔ وقف کے جواز کو بتانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کو نقل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین کو وقف کیا جو خیبر کے اندر ملی تھی۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ زمین تو کسی مجاہد کو ملی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے خرید لی تھی۔ قال ان شئت امام صاحب کے مسلک پر بھی منطبق ہوجائے گا۔ اور جمہور حضرات کے

مسلک کے مطابق بھی منطبق ہو جائے گا امام صاحب معنی کریں گے کہ اگر چاہے تو روک لے اصل کو اپنی ملک پر۔ اور جمہور حضرات معنی کریں گے کہ اگر چاہے تو روک لے اس کی اصل کو اللہ کی ملک پر۔

اس بات میں بحث ہوئی کہ غیر متمول کا لفظ ہے یا غیر متاثل کا لفظ ہے۔ معنی دونوں کا ایک ہے اس کی تائید میں ایک معنی کو بیان کرتے ہیں۔ ابن عون کہتے ہیں کہ مجھے ایک آدمی نے بیان کیا کہ مجھے چمڑے کے ٹکڑوں میں لکھا ہوا املا ہے۔ میں نے وہ وقف نامہ پڑھا ہے۔ اس میں بھی غیر متاثل کے الفاظ ہیں۔ مزید تائید کے لئے کہا کہ قائل اسماعیل جو کہ سند میں ایک راوی ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں "انا قرأتها عند بن عبد اللہ بن عمر" اس میں بھی غیر متاثل کا لفظ تھا۔

معلوم ہوا کہ غیر متمول کے الفاظ روایت بالمعنی کی قبیل سے ہیں۔ باقی یہ وقف نامہ امام صاحب کے بھی خلاف نہیں ہے۔ اور یہاں پر مقصود وقف کو بتلانا ہے۔ وقف بھی صدقہ جاریہ ہے اس لئے صدقہ جاریہ والی حدیث بھی ذکر کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، سفیان، زہری، سعید بن مسیب، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی جانور کسی کو زخمی کر دے تو اس کا قصاص نہیں اس طرح اگر کنواں کھودتے ہوئے یا کسی کان وغیرہ میں کوئی آدمی مر جائے تو بھی کوئی قصاص نہیں اور مدفون خزانے پر پانچواں حصہ زکوۃ ہے اس باب میں حضرت جابر، عمرو بن عوف مزنی، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَتَفْسِيرُ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ يَقُولُ هَدَرٌ لَا دِيَةَ فِيهِ وَمَعْنَى قَوْلِهِ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ فَسَّرَهُ ذَلِكَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا الْعَجْمَاءُ الدَّابَّةُ الْمُنْفَلِتَةُ مِنْ صَاحِبِهَا فَمَا أَصَابَتْ

ہم سے روایت کی قتیبہ نے انہوں نے کہا کہ ہم سے روایت کی لیث نے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مانند۔ حضرت مالک بن انس نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا (الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی جانور کسی کو زخمی کر دے یا مار ڈالے تو وہ ہدر ہے یعنی اس میں قصاص کوئی نہیں بعض علماء اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ عجماء اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو مالک سے بھاگ گیا

فِي انْفِلَاتِهَا فَلَا غُرْمَ عَلَى صَاحِبِهَا وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ يَقُولُ إِذَا احْتَفَرَ الرَّجُلُ مَعْدِنًا فَوَقَعَ فِيهِ إِنْسَانٌ فَلَا غُرْمَ عَلَيْهِ وَكَذَلِكَ الْبِئْرُ إِذَا احْتَفَرَهَا الرَّجُلُ لِلسَّبِيلِ فَوَقَعَ فِيهَا إِنْسَانٌ فَلَا غُرْمَ عَلَى صَاحِبِهَا وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ وَالرِّكَازُ مَا وُجِدَ فِي دَفْنِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَمَنْ وَجَدَ رِكَازًا أَدَّى مِنْهُ الْخُمُسَ إِلَى السُّلْطَانِ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَهُ.

ہو اگر ایسا جانور کسی کو نقصان پہنچائے تو اس کے مالک پر جرمانہ نہیں کیا جائے گا۔ (وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ) کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کان کھدوائے اور اس میں کوئی شخص گر جائے تو کھدوانے والے کے ذمہ کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ اسی طرح کنویں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص راہ گیروں کے لئے کنواں کھدوائے اور اس میں کوئی شخص گر جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں اور رکاز زمانہ جاہلیت کے دفن شدہ خزانے کو کہتے ہیں اگر کسی کو ایسا خزانہ مل جائے تو وہ پانچواں حصہ خمس ادا کرے اور باقی خود رکھے۔

تشریح: اس باب کی مکمل شرح ابواب الزکوٰۃ میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي إِحْيَاءِ أَرْضِ الْمَوَاتِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

محمد بن بشار، عبدالوہاب، ایوب، ہشام بن عروہ، حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ملکیت ہوئی اور ظالم کے درخت بو دینے سے اس کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَقَ قَالُوا لَهُ أَنْ يُحْيِيَ الْأَرْضَ الْمَوَاتَ بِغَيْرِ إِذْنِ السُّلْطَانِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ لَهُ

محمد بن بشار، عبدالوہاب، ایوب، ہشام بن عروہ، وہب بن کیسان، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ملکیت ہوگئی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض راوی یہ حدیث ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں بعض علماء صحابہ کرام ودیگر علماء کا اسی پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے کہ بنجر زمین کو آباد کرنے کیلئے حاکم کی اجازت ضروری نہیں بعض اہل علم کے نزدیک حاکم کی اجازت ضروری ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس باب میں

أَنْ يُحْيِيَهَا إِلَّا بِإِذْنِ السُّلْطَانِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ جَدِّ كَثِيرٍ وَسَمُرَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيَّ عَنْ قَوْلِهِ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ فَقَالَ الْعِرْقُ الظَّالِمُ الْغَاصِبُ الَّذِي يَأْخُذُ مَا لَيْسَ لَهُ قُلْتُ هُوَ الرَّجُلُ الَّذِي يَغْرِسُ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ قَالَ هُوَ ذَاكَ

حضرت جابر، کثیر کے دادا عمرو بن عوف مزنی اور سمرہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ نے ابوالولید طیالسی سے (وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ) کا معنی پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد کسی کی زمین غصب کرنے والا ہے (ابوموسیٰ کہتے ہیں) میں نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کی زمین کاشت کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا ہاں وہی ہے۔

تشریح: مسئلہ: ایسی بے آباد زمین جو کسی کی مملوک بھی نہ ہو اور بستی والوں کی منفعت بھی اس کے ساتھ متعلق نہ ہو، ایسی بے آباد زمین کو اگر کوئی شخص آباد کرلے تو کیا وہ مالک ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک تب مالک ہوگا جب حاکم کی اجازت ہو گویا ان کے ہاں مطلقاً اذن حاکم ضروری ہے، امام مالکؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، صاحبین کے نزدیک حاکم کی مطلقاً اجازت ضروری نہیں بلکہ اس کی اجازت ہو یا نہ ہو بنجر زمین کو آباد کرنے سے مالک بن جائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک آبادی کے قریب بنجر زمین عوام کی ضرورت ہو تو اذن حاکم ضروری ہے اگر بنجر زمین آبادی سے دور ہو تو اذن حاکم ضروری نہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل: حضرت سعید بن زیدؓ کی حدیث ہے ''من احيى ارضًا ميتةً فهي له وليس لعرق ظالم حقٌّ'' یہ حدیث ابوداؤد ونسائی میں بھی ہے۔ نیز اس مضمون کی مرفوع صحیح حدیث حضرت جابرؓ یعنی حدیث الباب بھی مروی ہے۔

جواب: یہ لام لام استحقاق ہے آباد کرنے والا زمین کا حق دار بن جاتا ہے لہٰذا حاکم کو چاہیے کہ اس کے لئے فیصلہ کردے یعنی اس کی اجازت دے دے۔

لعرق ظالم حقٌّ: اس کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ① موصوف صفت ہو معنی ہوگا ظلم کرنے والی رگ کا کوئی حق نہیں ہے رگ سے مراد کاشت ہے کہ دوسرے کی زمین میں غصب کے طور پر درخت لگا دیئے ہوں تو غارس کا ان میں کوئی حق نہیں۔ عرق کی طرف ظلم کی نسبت کرنا مجازاً ہے مالک اس کو درخت اکھیڑنے پر مجبور کرسکتا ہے۔

② اضافت کے ساتھ ہو لیس لعرقِ ظالمٍ حقٌّ اب معنی یہ ہوگا کہ ظلم کرنے والے شخص کی رگ کا کوئی حق نہیں یعنی جو درخت اس نے دوسرے کی زمین میں لگائے ان میں کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس غارس کو درخت اکھیڑنے پر مجبور کرے۔ العرق سے مراد وہی درخت ہیں جو دوسرے کی زمین میں لگاتے تھے آگے چل کر اس کی تفصیل ہے۔ ابوموسیٰ محمد بن مثنیٰ نے اس کا مطلب ابوالولید سے پوچھا تو انہوں نے کہا العرق الظالم الغاصب الذی یاخذ ما لیس له حق اس میں عموم تھا کاشت ہو یا کاشت کے ماسوا ہو اس عموم کو ختم کرنے کے لئے ابوالولید طیالسی سے سوال کیا کہ درخت لگائے پودے

لگائے ملکیت کا بہانہ بنائے اس کا یہی مطلب ہے تو جواب میں ابوالولید نے کہا کہ ہاں یہی مقصد ہے جو آپ سمجھے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ہے ان النبی ﷺ قال لیس للمرء الا ماطابت نفس امامه به۔ اس حدیث کے پیش نظر زمینوں کے بارے میں یہی مسئلہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اندھا دھند قبضہ کرنا شروع کردے تو نزاع ہوجائے گا تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ مفوض الی اذن الحاکم ہو۔

دلیل اوّل: طحاوی شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے "قال قال رسول اللہ ﷺ لا حمی الا للہ و رسوله"

دلیل ثالث: عن طاؤس مرسلا ان رسول اللہ ﷺ قال من احی مواتا من الارض فهو له وعادی الارض لله ثم لکم منی۔ **دلیل رابع:** عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان الصعب بن جثامة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا حمی الا للہ و رسوله

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَطَائِعِ

قُلْتُ لِقُتَيْبَةَ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَكُمْ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ قَيْسٍ الْمَأْرِبِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ شَرَاحِيلَ عَنْ سُمَيِّ بْنِ قَيْسٍ عَنْ شُمَيْرٍ عَنْ أَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ فَقَطَعَ لَهُ فَلَمَّا أَنْ وَلَّى قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجْلِسِ أَتَدْرِي مَا قَطَعْتَ لَهُ إِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَانْتَزَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَأَلَهُ عَمَّا يُحْمَى مِنَ الْأَرَاكِ قَالَ مَا لَمْ تَنَلْهُ خِفَافُ الْإِبِلِ فَأَقَرَّ بِهِ قُتَيْبَةُ وَقَالَ نَعَمْ.

حضرت ابیض بن حمالؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انہیں نمک کی کان جاگیر کے طور پر دی جائے آپ ﷺ نے انہیں کان عطا کردی جب وہ جانے کے لئے مڑے تو ایک شخص نے عرض کیا آپ نے انہیں جاگیر میں تیار پانی دے دیا ہے جو کبھی موقوف نہیں ہوتا یعنی اس سے بہت زیادہ نمک نکلتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وہ کان ان سے واپس لے لی پھر انہوں نے آپ سے پیلو کے درختوں کی زمین گھیرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ زمین چراگاہ ہے جس میں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچیں امام ترمذی کہتے ہیں جب میں نے یہ حدیث قتیبہ کو سنائی تو انہوں نے اس کی تصدیق کردی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ قَيْسٍ الْمَأْرِبِيُّ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ وَائِلٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ حَدِيثُ أَبْيَضَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي الْقَطَائِعِ يَرَوْنَ جَائِزًا أَنْ يُقْطِعَ الْإِمَامُ

محمد بن یحییٰ بن ابی عمر محمد بن یحییٰ بن قیس ماربی سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اس باب میں حضرت وائل اور اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں ابیض بن حمال کی حدیث حسن غریب ہے بعض علماء صحابہ اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ حکمران جس کے لئے چاہے جاگیر مقرر کرسکتا ہے۔ حضرت محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، سماک، علقمہ

لِمَنْ رَاى ذٰلِكَ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضْرَمَوْتَ قَالَ مَحْمُوْدٌ وَ حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ شُعْبَةَ وَزَادَ فِيهِ وَبَعَثَ لَهُ مُعَاوِيَةَ لِيُقْطِعَهَا إِيَّاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کریم ﷺ نے ان کیلئے حضرموت میں ایک زمین جاگیر کے طور پر دی محمود کہتے ہیں کہ نضر نے شعبہ سے روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ کیا اور حضرت معاویہ کو انکے ساتھ پیائش کیلئے بھیجا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نبی

تشریح: قطائع قطیعۃٌ کی جمع ہے قطیعہ وہ غیر مملوکہ زمین جس کو حاکم بطور جاگیر کے رعایا میں سے کسی کو دیدے اور موجودہ زمانے کی اصطلاح میں اسے الاٹمنٹ کہتے ہیں اس کو عربی میں قطیعۃ کہتے ہیں کسی کی دینی خدمات کی وجہ سے یا ضرورت مند ہونے کی وجہ سے بطور جاگیر دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ دیگر مسلمانوں کی حق تلفی نہ ہو۔ موجودہ زمانے میں جو انگریزوں نے زمینیں تقسیم کی ہیں وہ انگریزوں کی خدمات کی وجہ سے ہیں جس سے مسلمانوں کے حق کو ضائع کئے گئے ہیں۔ اسلام میں اس کو جاگیردارانہ نظام کہتے ہیں جو کہ مشروع نہیں ہے۔

حدیث کی وضاحت تو ترجمہ سے معلوم ہو رہی ہے۔ یہاں ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: آپ ﷺ نے اس شخص کو نمک کی کان دے کر پھر واپس کیوں لی؟

جواب: اولاً اس لئے دی تھی کہ آپ ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ یہ قطائع باطنہ میں سے ہے جس کو حاصل کرنے میں بہت بڑی مشقت برداشت کرنی پڑے گی جب معلوم ہوا کہ پہلے سے تیار ہے۔ منجمد کرنے کی دیر ہے۔ محنت ومشقت کا کام نہیں تو گویا کہ یہ قطائع ظاہرہ میں سے ہے قطائع باطنہ کو تو بطور جاگیر کے دینا جائز ہے قطائع ظاہرہ کو بطور جاگیر کے دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے واپس لے لی اس کو خطاء فی القضاء نہیں کہا جائے گا۔

قال فانتزعه منه: قال کی ضمیر میں تین احتمال ہیں۔ ① شمیر ہو۔ ② خود ابیض بن حمال ہو۔ لیکن یہ تیسرا احتمال ٹھیک نہیں وگرنہ "فانتزعه منی" ہونا چاہیے تھا۔

مالم تنله خفاف الابل۔ سائل کا سوال اور نبی کریم ﷺ کا جواب۔ اس کے کئی مطلب ہیں۔

پہلا مطلب: سائل کا سوال یہ ہے کہ اے اللہ کے پیغمبر وہ بے آباد زمین کونسی ہے کہ جس کا احیاء کر کے اس کی ملک حاصل کی جا سکتی ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ بے آباد زمین جو بستی سے اتنی دور ہو کہ بستی والوں کے اونٹ چرتے چرتے وہاں تک نہ پہنچ سکیں اور جس زمین تک اونٹ پہنچ سکیں گویا اس کے ساتھ بستی والوں کی منفعت متعلق ہے اسکا احیاء جائز نہیں منفعت عامہ کے متعلق ہونے کی وجہ سے۔

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ اے اللہ کے پیغمبر پیلو کے درختوں کے وہ کونسے حصے ہیں کہ جن کو حمی بنایا جا سکتا ہے اپنے لئے مخصوص کیا جا سکتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا پیلو کے درختوں کے وہ حصے جن تک اونٹوں کے منہ پہنچ سکیں ان کو حمی نہیں بنایا جا سکتا اور پیلو کے درختوں کے وہ فوقانی حصے جن تک اونٹوں کے منہ نہیں پہنچ سکتے ان کو حمی بنایا جا سکتا ہے۔

تیسرا مطلب: یہ ہے کہ اے اللہ کے پیغمبر پیلو کے وہ کونسے درخت ہیں جن کو حمی بنایا جاسکتا ہے تو نبی کریم ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کسی قسم کے پیلو کے درختوں کو حمی نہیں بنایا جاسکتا اپنی ذات کے لئے مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مطلب اس لئے ہے کہ اس درخت کو حمی بنایا جاسکتا ہے جس تک اونٹ نہ پہنچ سکیں اور ظاہر ہے کہ کوئی پیلو کا درخت ایسا نہیں کہ جہاں تک اونٹ نہ پہنچ سکیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ سرے سے حمی جائز ہی نہیں۔ صرف بیت المال کے لئے حمی جائز ہے۔

اس حدیث کا تحمل قتیبہ بن سعید سے ہے وہ طریقہ تحمل یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اپنے استاد قتیبہ بن سعید کو حدیث پڑھ کر سنائی پھر بعد میں انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں میرے شیخ نے بھی مجھے ایسے ہی سنائی ہے۔ یعنی قراءۃ علی الشیخ کے ذریعے سے حاصل کی یعنی پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح وائل بن حجرؓ کو حضور ﷺ نے زمین دی۔ اور حضرت معاویہؓ کو بھیجا کہ ان کو وہ متعین کر کے دیں۔ معاویہ سے کونسے معاویہ مراد ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ معاویہ بن الحکم سلمی ہیں۔ جب ان کو بھیجا حضرت معاویہ پیدل تھے اور چلتے چلتے تھک گئے تو انہوں نے کہا کہ مجھے اپنا ردیف بنالو اس پر وائل بن حجرؓ نے کہا کہ تم سرداروں کے ردیف بننے کے قابل نہیں ہوالبتہ یہ رعایت کی جاسکتی ہے کہ تم میرے اونٹ کے سایہ میں چلو مدینہ سے یمن تک سارا سفر ایسے ہی طے کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغَرْسِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ وَ أُمِّ مُبَشِّرٍ وَ جَابِرٍ وَ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے پھر اس سے انسان پرندے یا جانور کھائیں تو اسے صدقے کا ثواب ملتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوایوب، ام مبشر، جابر اور زید بن خالد رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت انسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: درخت لگانا یہ بھی باعث فضیلت ہے پھل دار ہیں تو لوگ پھل کھائیں گے تو اس کو ثواب ملے گا پرندے بھی غیر اختیاری طور پر کھاتے ہیں ان سب کا ثواب ملے گا اور اگر سایہ دار ہیں تو لوگ سایہ حاصل کریں گے او تنویع کے لئے ہے سارے فقہاء کا اتفاق ہے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْمُزَارَعَةِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل خیبر کو اس اقرار پر زمین دی کہ اس کی پیداوار میں سے آدھا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَمْ يَرَوْا بِالْمُزَارَعَةِ بَأْسًا عَلَى النِّصْفِ وَالثُّلُثِ وَالرُّبْعِ وَاخْتَارَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَكُونَ الْبَذْرُ مِنْ رَبِّ الْأَرْضِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْمُزَارَعَةَ بِالثُّلُثِ وَالرُّبْعِ وَلَمْ يَرَوْا بِمُسَاقَاةِ النَّخِيلِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبْعِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَصِحَّ شَيْءٌ مِنَ الْمُزَارَعَةِ إِلَّا أَنْ يَسْتَأْجِرَ الْأَرْضَ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

وسلم کو ادا کریں خواہ پھل ہو یا کوئی اور چیز۔ اس باب میں حضرت انس، ابن عباس، زید بن ثابت اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین کو مزارعت پر دینے میں کوئی حرج نہیں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہوگا۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم نے مزارعت کو مکروہ کہا ہے لیکن ان کے نزدیک کھجوروں کو ثلث یا ربع پیداوار کی شرط پر پانی دینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام مالک بن انسؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک مزارعت کسی صورت میں بھی جائز نہیں مگر یہ کہ زمین سونے اور چاندی کے بدلے میں لی جائے۔

تشریح: زمین کو بٹائی پر دینے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اولاً تین قسمیں سمجھ لیں۔ مزارعت کی یہ تینوں صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

① زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل اور محنت دوسرے کی ہو۔

② زمین ایک شخص کی ہو اور باقی تینوں اشیاء دوسرے کی ہوں اس صورت کو مخابرہ بھی کہتے ہیں۔

③ زمین، بیل، ہل، بیج ایک شخص کے ہوں اور محنت دوسرے شخص کی ہو تو یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ گویا اس صورت میں محنت کرنے والے کو اجرت پر رکھا گیا ہوگا۔ پھر اس کی مزید صورتیں بھی نکلتی ہیں۔

اوّل: مالک اپنی زمین کاشت کرنے والے کو کرایہ پر دے دے اور اس سے کرایہ متعین کر لے اور وہ کرایہ زمین کی پیداوار سے ہو اور مالک زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ صرف علامہ ابن حزمؒ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں اور علامہ ابن حزم اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ بعض روایات میں حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے کراء الارض سے منع فرمایا اور اس کا مطلب یہی ہے کہ روپے پیسے کے ذریعہ زمین کو کرایہ پر دینا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ مسلم شریف میں خود حضرت رافع بن خدیج سے روایت مروی ہے کہ اما الورق فلم ینهنا یعنی دراھم کے ذریعے زمین کو کرایہ پر دینے سے حضور ﷺ نے ہمیں منع نہیں کیا تھا۔

ثانی: زمین کو اس شرط پر دینا کہ اس کا کچھ حصہ مالک کا ہوگا اس میں یہ صورت ہے کہ زمین دار پیداوار کی ایک معین مقدار اپنے لئے مقرر کر لے مثلاً یہ کہہ دے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس سے پندرہ من میری ہوگی اور باقی تمہاری ہوگی یہ بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ اس میں معلوم نہیں کہ پیداوار کتنی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساری پیداوار ہی پندرہ من ہو یا پندرہ من بھی نہ ہو تو جہالت کی وجہ

سے یہ معاملہ درست نہیں۔

ثالث: اسکی صورت یہ ہے کہ زمیندار زمین کے ایک مخصوص حصے کی پیداوار اپنے لئے مقرر کرلے مثلاً یہ کہے کہ اتنے حصہ میں جو پیداوار ہوگی وہ میری ہوگی اور دوسرے حصہ کی جو پیداوار ہوگی وہ تمہاری ہوگی۔ اس زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ نہر کے کنارے کے قریب قریب جو زمین ہوتی تھی چونکہ وہ زیادہ سبزہ والی ہوتی تھی تو اس کو زمیندار اپنے لئے مخصوص کردیتے تھے اور نہر سے دور والی زمین کاشت کار کو دے دیتے۔ یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔ اس صورت کے عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے پیداوار صرف اسی حصہ میں ہو جو پانی کے قریب ہو اور دوسرے حصے پر بالکل پیداوار نہ ہو اگر ہوگی بھی تو کم ہوگی۔

رابع: زمیندار پیداوار کا ایک مناسب حصہ اپنے لئے مقرر کرلے مثلاً یہ کہے کہ اس پیداوار کا چوتھائی یا تین تہائی لوں گا۔ یا تہائی میری اور دو تہائی تیری اس صورت کو مزارعۃ بالثلث والربع کہا جاتا ہے۔

اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت بھی مطلقاً ناجائز ہے۔

قول ثانی: صاحبین اور دوسرے فقہاء اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قول ثالث: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر صرف مزارعت ہو تو جائز نہیں لیکن اگر ساتھ مساقاۃ بھی ہو تو پھر جائز ہے۔

امام ترمذیؒ نے جو مذاہب نقل کئے ہیں ان میں بہت اجمال ہے لہٰذا اس اجمال کو اس تفصیل پر محمول کریں گے۔

جمہور فقہاء کی دلیل: جمہور فقہاء حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کیا تھا وہ مزارعت کا معاہدہ تھا وہ معاہدہ یہ تھا کہ اہل خیبر ان زمینوں کو کاشت کریں گے اور باغات کو پانی دیں گے اور اس پیداوار یا پھل کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا ہوگا لہٰذا جب خود حضور ﷺ نے مزارعت فرمائی ہے تو یہ مزارعت کے جواز پر مستدل ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ثمر کا بھی ذکر ہے اور ثمر کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے تو یہ مزارعت فی ضمن المساقاۃ ہے الغرض یہ حدیث دونوں طرح کی مزارعت پر مستدل ہوگئی۔

حدیث ابن عمرؓ کا جواب اوّل: یہ ابتداءً حکم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا۔

جواب ثانی: نہی عن المخابرۃ کی جو احادیث ہیں ان میں مزارعۃ مخصوصہ سے نہی ہے مطلقاً نہی نہیں ہے کہ جن میں مالک بعض پیداوار کو اپنے لئے خاص کرے یا مخصوص جگہ کی پیداوار اپنے لئے متعین کرے۔

جواب ثالث: جتنی بھی نہی والی احادیث ہیں وہ سب مکارم اخلاق پر محمول ہیں۔

جواب رابع: اہل خیبر کے ساتھ جو معاملہ تھا یہ مزارعت کا نہیں تھا بلکہ خراج مقاسمہ کا تھا لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا اس لئے کہ خراج مقاسمہ وہاں ہوتا ہے جہاں زمین کفار کی مملوک ہو اور بہت ساری احادیث سے ثابت ہے کہ خیبر کی زمین مسلمانوں کی مملوک تھی تو ان پر خراج مقاسمہ کو کیسے واجب کیا جاسکتا ہے۔ لامحالہ یہ معاملہ مزارعت کا ہوگا۔

جواب خامس: احادیث اباحت سب کی سب فعلی ہیں اور نہی عن المخابرۃ والی احادیث قولی ہیں اور جب قولی اور فعلی میں

تعارض آجائے تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے لیکن یہ جواب بھی کمزور ہے۔ اس لئے کہ یہ ضابطہ وہاں ہوتا ہے جہاں فعل مقرون بالاستمرار نہ ہو اگر فعل مقرون بالاستمرار ہو تو وہ قول ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔

جواب سادس: احادیث اباحت جواز پر دلالت کرتی ہیں اور دوسری احادیث حرمت پر دلالت کرتی ہیں اور جب اباحت اور حرمت میں تعارض آجائے تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے یہ جواب بھی کمزور ہے اس لئے کہ یہ ضابطہ وہاں چلتا ہے جہاں تقدم و تاخر معلوم نہ ہو اور جہاں تقدم و تاخر معلوم ہو وہاں متاخر ہی کو ترجیح ہوتی ہے اگرچہ متاخر اباحت ہی کیوں نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے اب تک تواتر سے یہ عمل چلا آرہا ہے۔ یہاں یقینی طور معلوم ہے کہ اباحت متاخر ہے۔

سوال: اگلے باب میں حضرت رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایسے امر سے منع فرمایا کہ جس میں ہمارا نفع تھا کہ جب ہم میں سے کوئی اپنی زمین زمین کی پیداوار کے عوض دے تو اس سے ہمیں منع فرمایا گیا پھر درہم کے بدلے میں زمین دینے کا پوچھا تو فرمایا کہ درہم کے بدلے میں دینا بھی جائز نہیں۔

جواب اوّل: یہ نہی مکارم اخلاق کی وجہ سے ہے یعنی اگر کسی شخص کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین ہو تو اس کو چاہیے کہ بغیر عوض کے کسی کو کاشتکاری کے لئے دے دے نہ دراہم کے عوض اور نہ ہی دنانیر کے عوض۔

جواب ثانی: یہ حدیث سنداً معلول ہے اس کی سند میں مجاہد روایت کرتے ہیں رافع بن خدیج سے اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ مجاہد کا سماع رافع بن خدیج سے ثابت نہیں ہے لہٰذا رافع بن خدیج کی حدیث دیگر احادیث صحیحہ کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

جواب ثالث: اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش ہیں ان کا حافظہ کمزور تھا بہت بڑا ولی اللہ ہو اور حافظہ کمزور ہو تو محدثین کے ہاں اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہوتی چنانچہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس کے حافظے کے بارے میں محدثین کو کلام ہے۔

جواب رابع: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں سنداً اضطراب پایا جاتا ہے۔ ① انہوں نے چچاؤں کے بغیر کہا قال نھانا رسول اللہ ﷺ اور بعض روایات میں یوں ہے عن عمومته کہ چچاؤں نے کہا عن رافع بن خدیج اور بعض نے کہا عن رافع بن خدیج عن ظهیر بن رافع یہ بھی چچاؤں میں سے ایک چچا ہے۔ ان اسناد میں چچاؤں کی تعیین کر رہے ہیں تو یہ اضطراب دلالت کرتا ہے کہ رواۃ میں ضبط نہیں ہے اور عدم ضبط یہ ضعف کی ایک مستقل وجہ ہے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا إِذَا كَانَتْ لِأَحَدِنَا أَرْضٌ أَنْ يُعْطِيَهَا بِبَعْضِ خَرَاجِهَا أَوْ بِدَرَاهِمَ وَقَالَ إِذَا كَانَتْ

ہناد، ابوبکر بن عیاش، حصین، مجاہد، حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک نفع بخش کام سے منع کیا وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس زمین ہوتی تھی تو وہ اسے خراج کے کچھ حصے یا دراہم کے عوض دے دیتا آپ ﷺ نے فرمایا اگر کسی

لِأَحَدِكُمْ أَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا أَخَاهُ أَوْ لِيَزْرَعْهَا حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُحَرِّمِ الْمُزَارَعَةَ وَلٰكِنْ أَمَرَ أَنْ يَرْفُقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثُ رَافِعٍ حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ يُرْوَى هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ عُمُومَتِهِ وَيُرْوَى عَنْهُ عَنْ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ وَهُوَ أَحَدُ عُمُومَتِهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْهُ عَلَى رِوَايَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ

کے پاس زمین ہو تو اسے اپنے بھائی کو زراعت کیلئے مفت دینی چاہیے ورنہ خود زراعت کرے۔ محمود بن غیلان، فضل بن موسیٰ شیبانی، شریک، عمرو بن دینار، طاؤس، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع نہیں کیا بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا حکم دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی حدیث منقول ہے حضرت رافعؓ کی حدیث میں اضطراب ہے یہ حدیث رافع بن خدیج اپنے چچاؤں سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنے چچا ظہیر بن رافع سے بھی نقل کرتے ہیں یہ حدیث رافع سے کئی سندوں سے مروی ہے۔

تشریح: جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو کچھ مہاجرین غریب ہو گئے لوگوں میں مساوات کا تعاون نہ رہا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے کے لئے حکم دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی زمین بٹائی پر یا کرائے پر نہ دے یا تو خود کاشت کرے یا مہاجر کو کاشت کرنے کے لئے عاریۃً دے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ یہ ایک مصلحت تھی جیسا کہ جمعہ کے دن غسل کرنے کا وجوبی حکم مصلحۃً تھا۔ اس لئے مزراعت کی ممانعت کا حکم بھی مصلحۃً دیا تھا اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتائی۔ جب بنو نضیر فتح ہوا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو دے دی گئیں تو توازن قائم ہو گیا لہٰذا مزارعت کی یہ صورت جو منع تھی، اس کی ممانعت بھی ختم ہو گئی۔

أَبْوَابُ الدِّيَاتِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

دیات دیۃ کی جمع ہے دیت اس مال یا معاوضہ کو کہا جاتا ہے جو کسی نفس یا عضو کے بدلہ میں دیا جائے چونکہ اس کی بہت ساری انواع ہیں اس لئے امام ترمذیؒ جمع کا صیغہ لائے۔ دیت کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ہے اور یہ دیت صرف اس امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے دیگر امتوں کے لئے صرف قصاص کا حکم تھا۔

دیت کی قسمیں: اسکی دو قسمیں ہیں: ① **دیت مغلظہ:** چار طرح کی سو اونٹنیاں دی جائیں۔ عند الاحناف پچیس بنت مخاض پچیس بنت لبون پچیس حقے، پچیس جزعے۔

② **دیت مخففہ:** سونے اور چاندی سے دیت ادا کی جائے۔ اس کی تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر سونے سے دیت ادا کی جائے تو ایک ہزار دینار دیت ہوگی اور اگر چاندی سے دیت ادا کی جائے تو بارہ ہزار درہم دیت ہوگی۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک سونے سے دیت ایک ہزار دینار اور چاندی سے دس ہزار درہم دیئے جائیں گے۔

احناف کی دلیل: حضرت عمرؓ کی حدیث ہے "انه عليه السلام قضى بعشرة آلاف درهم"۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے "ان النبی ﷺ قضى بالدية من الورق اثنا عشر الفا"

جواب اوّل: اگر دس ہزار درہم مراد لیں تو دس بارہ کے ضمن میں آجاتا ہے اگر بارہ ہزار درہم مراد لیں تو پھر مزید کے لئے دلیل وثبوت درکار ہوگا اور اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ **جواب ثانی:** یا پھر بارہ ہزار درہم وزن ستہ کے اعتبار سے ہے اور دس ہزار درہم وزنِ سبعہ کے اعتبار سے ہے اس طرح مقدار ایک ہی بنی صرف الفاظ کا فرق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الْإِبِلِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ زَيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَإِ عِشْرِينَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِينَ بَنِي مَخَاضٍ ذُكُورًا وَعِشْرِينَ بِنْتَ لَبُونٍ

علی بن سعید کندی کوفی، ابن ابی زائدۃ، عند الحجاج، زید بن جبیر، حضرت خشف بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت میں بیس اونٹنیاں ایک سالہ، بیس اونٹ دو سالہ، بیس اونٹ تین سالہ اور بیس اونٹ چار سالہ (کل سو اونٹ) دیت مقرر فرمائی۔ ابو ہشام، ابن

وَعِشْرِينَ جَذَعَةً وَعِشْرِينَ حِقَّةً حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ نَحْوَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْقُوفًا وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ الدِّيَةَ تُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فِي كُلِّ سَنَةٍ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَرَأَوْا أَنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَرَأٰى بَعْضُهُمْ أَنَّ الْعَاقِلَةَ قَرَابَةُ الرَّجُلِ مِنْ قِبَلِ أَبِيهِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ و قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا الدِّيَةُ عَلَى الرِّجَالِ دُونَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مِنَ الْعَصَبَةِ يُحَمَّلُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ رُبُعَ دِينَارٍ وَقَدْ قَالَ بَعْضُهُمْ إِلٰى نِصْفِ دِينَارٍ فَإِنْ تَمَّتِ الدِّيَةُ وَإِلَّا نُظِرَ إِلٰى أَقْرَبِ الْقَبَائِلِ مِنْهُمْ فَأُلْزِمُوا ذٰلِكَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ وَذٰلِكَ لِتَشْدِيدِ الْعَقْلِ حَدِيثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

ابی زائدہ وابوخالد کی سند سے حجاج بن ارطاۃ سے بھی اسی کے مثل روایت ہے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی روایت ہے حضرت ابن مسعود کی حدیث کو ہم صرف اسی سند سے مرفوع جانتے ہیں۔ یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے بعض اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے اہل علم کا اسی پر اجماع ہے کہ دیت تین سالوں میں ہر سال ایک تہائی کے حساب سے لی جائے وہ کہتے ہیں کہ قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے بعض علماء کے نزدیک عاقلہ سے مرد کی طرف سے رشتہ دار مراد ہیں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ دیت عصبہ مردوں پر ہے عورتوں اور بچوں پر نہیں ہے پھر ان میں سے ہر ایک ربع دینار ادا کرے بعض کہتے ہیں کہ نصف دینار ادا کرے۔ اگر دیت پوری ہو جائے تو ٹھیک ورنہ باقی دیت ان کے قریبی قبائل میں سے قریب ترین قبیلے پر لازم کی جائے۔ احمد بن سعید، حبان، محمد بن راشد، سلیمان بن موسیٰ کی سند سے حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص نے کسی کو عمداً قتل کیا تو اسے مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ اور دیت میں انہیں تیس تین سالہ، تیس چار سالہ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں دینی پڑیں گی اور اگر صلح کر لیں تو وہی کچھ جس پر صلح کر لیں اور یہ دیت عاقلہ پر سخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: احادیث متعلقہ کی شرح سے قبل چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

قتل کی پانچ اقسام ہیں: ① قتل عمد۔ ② قتل شبہ عمد۔ ③ قتل خطاء۔ ④ جاری مجری خطاء۔ ⑤ قتل بالسبب۔

قتل عمد: اس کے مفہوم میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام صاحب" فرماتے ہیں عمداً جان بوجھ کر ایسے آلہ کے ذریعے قتل کرنا جو آہنی آلہ ہو یعنی لوہے کا ہتھیار ہو یا تفریق اعضاء میں آہنی آلہ کے قائم مقام ہو۔ مثلاً ایسا بانس کا چھلکا ہو جو دھاری دار ہو یا دھاری دار پتھر ہو۔

صاحبین کے نزدیک قتل عمد یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسے آلہ کے ذریعہ قتل کرنا کہ جس کے مارنے سے عام طور پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کہ وہ لوہے کا ہتھیار ہو یا نہ ہو علاوہ ازیں وہ تفریق اعضاء کے اندر آہنی ہتھیار کے قائم مقام ہو یا نہ ہو مثلاً کسی وزنی پتھر سے مار دیا یا لکڑی سے مار دیا۔

قتل شبہ عمد: اس کی تعریف میں بھی صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے۔

امام صاحب کے نزدیک قتل شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز کے ساتھ قتل کیا جائے جو اجزاء بدن میں تفریق نہ کرے مثلاً بڑا پتھر مارنا یا کسی بڑی لکڑی سے مارنا۔ صاحبین کے نزدیک جان بوجھ کر ایسے آلہ سے قتل کرنا کہ جس سے عام طور پر موت واقع نہ ہوتی ہو مثلاً چھوٹی لکڑی یا چھوٹے پتھر وغیرہ سے مارنا۔

ثمرۂ اختلاف: اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کسی بڑے پتھر یا بڑی لکڑی سے مارا جائے تو صاحبین کے ہاں یہ قتل عمد ہے اور امام صاحب کے نزدیک قتل شبہ عمد ہے۔

قتل خطاء: اس میں عموم ہے خطاء فی القصد ہو یا خطاء فی الفعل ہو: خطاء فی القصد یہ ہے کہ دور سے کوئی چیز دکھائی دی اس کو ہرن سمجھ کر گولی ماری یا تیر پھینکا پھر معلوم ہوا کہ دور سے دکھائی دینے والا آدمی تھا جو گولی یا تیر لگنے سے مر گیا۔

خطاء فی الفعل: یہ ہے کہ کسی شکار کو شکار ہی سمجھ کر گولی ماری یا تیر چلایا لیکن ہاتھ میں اضطراب پیدا ہو گیا وہ گولی شکار کے بجائے کسی انسان کو لگ گئی۔

قتل جاری مجری خطاء: یہ ہے کہ کوئی شخص سویا ہوا ہو۔ اور سونے کی حالت میں کروٹ بدلی اور وہ کسی بچہ پر جا گرا جس کی وجہ سے بچہ مر گیا۔

قتل بالسبب: غیر مملوک جگہ میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو اس صورت میں دیت تو ہے کفارہ نہیں ہے۔ اگر اپنی مملوک زمین میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

اقسام خمسہ میں وجہ حصر: یہ ہے کہ قتل بالمباشرہ ہوگا یا بدون المباشرہ اگر بدون المباشرہ ہو تو قتل بالسبب ہے اور اگر قتل بالمباشرہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں عمداً ہوگا یا خطاءً ہوگا۔ عمداً ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ آہنی آلہ کے ذریعے ہوگا یا ایسے آلہ کے ذریعے ہو گا جو تفریق اعضاء میں آہنی آلہ کے قائم مقام ہو تو یہ قتل عمد ہے اور اگر آہنی آلہ کے ذریعے نہیں تھا اور نہ ہی ایسا آلہ تھا جو تفریق اعضاء میں آہنی آلے کے قائم مقام تھا تو یہ شبہ عمد ہے۔ اور اگر خطاء ہو تو دو حال سے خالی نہیں حالت یقظہ میں ہوگا یا حالت نوم میں ہوگا اگر حالت یقظہ میں ہو تو قتل خطاء ہے اور اگر حالت نوم میں ہو تو جاری مجری خطاء ہے۔

قتل عمد کے احکام: ① قاتل گنہگار ہوگا۔ ② قصاص واجب ہوگا۔ ③ میراث سے محروم ہوگا۔ ان کے ساتھ کفارہ واجب ہوگا

یا نہیں احناف کے نزدیک نہیں ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا۔ اس بات میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ قتل عمد کے احکام میں سے ایک حکم قصاص کا بھی ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ قصاص بعینہ ہے یا قصاص اور دیت میں سے کوئی ایک لاعلی التعین ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا موجب قصاص بعینہ ہے اگر ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں اور قصاص چھوڑ دیں تو جائز ہے بشرطیکہ قاتل کی رضامندی ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احد الامرین کا وجوب ہے لا علی التعین البتہ تعین کا حق اولیاء مقتول کو ہوگا اگر وہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو ایسی صورت میں قاتل سے دیت وصول کی جائے گی خواہ قاتل راضی ہو یا نہ ہو۔

امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اصل واجب تو قصاص ہی ہے لیکن بایں ہمہ اگر اولیاء مقتول دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی رضا کے بغیر جبراً دیت وصول کر سکتے ہیں۔ حدیث بظاہر شوافع کا مستدل ہے۔ کہ ایسی صورت میں قاتل کو اولیاء مقتول کے حوالہ کیا جائے گا کہ وہ چاہیں تو قصاص لیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں معلوم ہوا کہ قاتل کی رضامندی کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ورثاء دیت لے لیں لیکن قاتل کی رضامندی کے ساتھ۔

قتل شبہ عمد کے احکام: ① قاتل گنہگار ہوگا۔ ② قاتل کے عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہوگی اگر جنس ابل سے دیت ادا کی گئی تو اس میں تغلیظ ہوگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک چار اقسام کے سو اونٹ ہوں گے۔ ① پچیس بنت مخاض۔ ② پچیس بنت لبون۔ ③ پچیس حقے۔ ④ پچیس جزعے۔

شوافع حضرات کہتے ہیں سو اونٹ ہوں گے اثلاثا تیس حقے تیس جذعے اور چالیس خلفات یعنی گابھن اونٹنیاں مابعد میں جو حدیث آرہی ہے وہ شوافع کے موافق جارہی ہے۔

احناف کا مستدل: ابوداؤد جلد اوّل صفحہ ۲۸۰ میں روایت ہے جس میں ارباعًا کا ذکر ہے۔ اسی طرح یہ حدیث الباب بھی ہے جو خشف بن مالک سے مروی ہے۔

شوافع حضرات کی دلیل: اسی باب کی دوسری روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال من قتل متعمدًا دفع الی اولیاء المقتول فان شاء واقتلوا وان شاء وا اخذوا الدية، وهی ثلاثون حقةً، وثلاثون جزعةً، واربعون خلفةً وما صالحوا عليه فهو لهم۔

جواب اوّل: ابتداءً تغلیظ کی یہی صورت تھی بعد میں استقرار جو ہوا وہ ارباعًا پر ہوا۔

جواب ثانی: احکام دیت کے بارے میں اثر صحابی بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

قتل عمد میں قصاص کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔ کفارہ میں دو چیزوں میں سے ایک چیز واجب ہوتی ہے تحریر رقبہ مؤمنہ اگر میسر ہو جائے اور اگر میسر نہ ہو تو پھر پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنا۔

قتل خطاء کا پہلا حکم: دیت واجب ہو جائے گی اگر دیت من جنس الابل ادا کی جائے تو اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اخماسًا ہوگی البتہ تھوڑا سا اختلاف ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اس میں دیت اخماسًا ہوگی بیس بنت مخاض۔ بیس ابن مخاض۔ بیس بنت لبون، بیس

حقے، بیس جذعے اور شوافع کے ہاں بھی یہی تفصیل ہے۔ مگر بجائے ابن مخاض کے بیس ابن لبون ہوں گے۔

حدیث الباب احناف کے موافق ہے اور شوافع کے خلاف حجت ہے کیونکہ حدیث میں صراحۃً ابن مخاض کا ذکر ہے۔

② دوسرا حکم حرمان عن المیراث ہے۔ ③ تیسرا حکم کفارہ کا واجب ہونا ہے البتہ گناہ ہوگا یا نہیں اس میں قول فیصل یہ ہے کہ قتل عمد اور شبہ عمد والا گناہ تو نہیں ہوگا البتہ بے احتیاطی کا گناہ ضرور ہوگا۔

جاری مجری کے وہی احکام ہیں جو قتل خطاء کے ہیں کیونکہ اسکے عنوان سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو حکم اسکا ہے وہی حکم قتل خطاء کا ہے۔

قتل بالسبب کا حکم: احناف کے نزدیک دیت واجب ہوگی باقی حرمان عن المیراث اور کفارہ واجب نہیں ہوگا مباشرت نہ ہونے کی وجہ سے۔ دیت اس لئے ہوگی کہ تا کہ نفس کا ھدر اور لغو ہونا لازم نہ آئے اور شوافع حضرات کہتے ہیں کہ اس کا حکم بھی قتل خطاء والا ہے۔ یعنی دیت بھی ہوگی حرمان عن المیراث بھی ہوگا اور کفارہ بھی ہوگا۔

مسئلہ: کن کن احوال سے دیت ادا کی جائے گی؟

احناف کے نزدیک صرف تین قسم کے اموال سے دیت ادا کی جائے گی ابل، ذھب، فضہ اگر ابل سے دیت دی جائے تو سو اونٹ دیئے جائیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ قتل عمد کی صورت میں دیت مغلظہ ہوگی ورنہ دیت اگر دیت ذہب سے ادا کی جائے تو ایک ہزار دینار اور اگر دراہم سے ادا کی جائے تو احناف کے نزدیک دس ہزار دراہم اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار دراہم دیت ہوگی۔

احناف کی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے جو موطا امام محمدؒ میں موجود ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ فضہ سے بارہ ہزار دراہم مقرر کئے۔

جواب: دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصل میں دراہم دو قسم کے چلتے تھے۔ ① وزن سبعہ والے جو سات مثقال کے برابر ہوتے تھے۔ ② وزن ستہ والے جو تقریباً چھ مثقال کے برابر ہوتے تھے۔ اب اگر وزن ستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار دراہم لیں تو وزن سبعہ کے اعتبار سے یہ دس ہزار دراہم کے برابر ہوتے ہیں اگر وزن سبعہ کے اعتبار سے دس ہزار دراہم لیں تو وزن ستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار دراہم ہو جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ و احناف کے نزدیک انہی تین قسم کے اموال سے دیت ادا کی جائے گی اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چھ قسم کے اموال سے دیت ادا کی جاسکتی ہے تین تو یہی ہیں اور چوتھا گائے کے اعتبار سے ان کی تعداد دو سو ہوگی۔ بکریوں کے اعتبار سے دیت اگر ادا کی جائے تو ان کی تعداد ایک ہزار ہوگی۔ اور اگر جوڑوں کے اعتبار سے دیت ادا کی جائے تو اسکی مقدار دو سو جوڑا ہے موجودہ زمانے کے اعتبار سے ایک شلوار اور ایک قمیض کے اعتبار سے دو سو جوڑے ہوں گے۔

صاحبین کی دلیل: فیصلہ حضرت عمرؓ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دو سو گائے، ہزار بکریاں اور دو سو جوڑے مقرر کئے۔

جواب: بے شک حضرت عمرؓ نے مقرر کئے تھے لیکن یہ اصل دیت ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ دیت کے بدل ہونے کی حیثیت سے ہے۔

ایک فرق یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے ہاں ان تین قسم کے اموال سے دیت ادا کرنا یہ اصل دیت نہیں بلکہ بدلِ دیت ہے اور صاحبین کے نزدیک اصل دیت ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ امام صاحب کے ہاں چونکہ یہ اصل دیت نہیں اس لئے گائے دو سو سے

زائد اور بکریاں ہزار سے زائد۔اسی طرح لباس کے جوڑوں میں دوسو سے زائد بھی لے سکتا ہے۔صاحبین کے ہاں چونکہ اصل دیت ہے اس لئے اس سے زیادتی بالکل جائز نہیں ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دیت ایسی ہونی چاہیے کہ جس کی مالیت معلوم ہو اور ظاہر ہے کہ گائے بکریاں اور جوڑوں کی قیمت مختلف ہوتی رہتی ہے۔

سوال: اونٹوں کی مالیت بھی مختلف ہوتی رہتی ہے پھر ان کے ساتھ دیت کے جواز کا قول احناف نے کیسے کیا۔

جواب اوّل: اونٹوں کے ساتھ دیت ادا کرنے پر اجماع ہے۔

جواب ثانی: اونٹ کے ساتھ دیت ادا کرنے میں آثار متواترہ ہیں اور احادیث مرفوعہ ہیں لہٰذا ابل کے بارے میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا ان آثار متواترہ کثیرہ اور احادیث مرفوعہ کی وجہ سے جبکہ ان تین قسم کے اموال کے اندر قیاس کو نہیں چھوڑا جائیگا۔

مسئلہ: کن کن صورتوں میں دیت عاقلہ پر ہوگی اور کن کن صورتوں میں دیت قاتل پر ہوگی؟

ضابطہ: ہروہ دیت جو ابتداءً قتل کی وجہ سے واجب ہوگی وہ عاقلہ پر آئے گی جیسے قتل شبہ عمد، قتل بالسبب، قتل خطاء، قتل جاری مجری خطاء ان میں ابتداءً قتل کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے۔لہٰذا یہ دیت عاقلہ پر ہوگی اور ہر وہ دیت جو ابتداءً واجب نہ ہو بلکہ بطور مصالحت کے واجب ہو جیسے قتل عمد اس میں ابتداءً قصاص واجب ہے ہاں اگر مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی رضامندی کے ساتھ دیت بھی دی جاسکتی ہے۔لیکن چونکہ یہ دیت ابتداءً واجب نہیں ہوتی بلکہ بطور مصالحت کے واجب ہوتی ہے۔اس لئے یہ دیت قاتل کی رضامندی پر ہوگی۔

مسئلہ: عاقلہ کا مصداق: احناف کہتے ہیں کہ قاتل دو حال سے خالی نہیں ہے اہل دیوان میں سے ہوگا یا اہل دیوان میں سے نہیں ہوگا۔اہل دیوان وہ ہیں کہ جن کا کسی خاص شعبہ میں اندراج ہو اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں ہے تو پھر قبیلے والے اور خاندان والے اہل دیوان سمجھے جائیں گے الاقرب فالاقرب ہاں اگر اقرب سے دیت پوری نہیں ہوتی تو پھر ابعد کو ملا لیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّيَةِ كَمْ هِيَ مِنَ الدَّرَاهِمِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هَانِئٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ الطَّائِفِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

محمد بن بشار، معاذ بن ھانی، محمد بن مسلم طائفی، عمرو بن دینار، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی۔ہم سے روایت کی سعید بن عبدالرحمن مخزومی نے انہوں نے کہا کہ ہم سے روایت کی سفیان بن عیینہ نے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی کی مانند اور اس میں

وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا يَذْكُرُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرَ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَرَاى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الدِّيَةَ عَشَرَةَ آلَافٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا أَعْرِفُ الدِّيَةَ إِلَّا مِنَ الْإِبِلِ وَهِيَ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ

حضرت ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا ابن عیینہ کی حدیث میں اس سے زائد الفاظ ہیں محمد بن مسلم کے علاوہ کسی اور نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث نقل نہیں کی۔ بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض علماء کہتے ہیں دیت دس ہزار درہم ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ دیت صرف اونٹوں سے دی جاتی ہے اور ان کی تعداد سو اونٹ ہے۔

تشریح: چونکہ ہر شخص اونٹ، گائے، بھینس، بکری سے دیت ادا کرنے پر قادر نہیں اور ایسی اشیاء اتنی وافر مقدار میں ہر کسی کے پاس موجود بھی نہیں ہوتیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے سونے اور چاندی سے بھی دیت مقرر کی ہے۔ سونے سے ایک ہزار دینار اور چاندی سے بارہ ہزار درہم اور بعض روایات میں دس ہزار درہم بھی ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے بارہ ہزار والی روایت لی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے دس ہزار والی روایت لی ہے۔

و فی حدیث ابن عیینة کلام اکثر من هذا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوع ہے یا مرسل تو اس بارے میں عمرو بن دینار کے تلامذہ میں اختلاف ہوا ہے محمد بن مسلم نے حدیث مرفوع ذکر کی ہے اور سفیان بن عیینہ نے مرسل، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو تنہا محمد بن مسلم نے مرفوع ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے یہ حدیث مرفوع ذکر کی ہو یعنی اس کا مرسل ہونا اصح ہے کیونکہ ابن عیینہ مسلم طائفی سے ثقہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُوضِحَةِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ أَنَّ فِي الْمُوضِحَةِ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ

حمید بن مسعدہ، یزید بن زریع، حسین، حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسے زخم جن میں ہڈی ظاہر ہو جائے پانچ پانچ اونٹ دیت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے، سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ ایسے زخموں میں پانچ اونٹ دیت ہے۔

تشریح: زخم دو قسم پر ہوتا ہے۔ ① چہرے اور سر پر زخم ہو۔ ② چہرے اور سر کے ماسوا پر ہو۔ جو زخم چہرے پر آئے یا سر

پر آئے اس کو شجۃ کہتے ہیں اس کی جمع شجاج آتی ہے۔اور اگر چہرے اور سر کے ماسوا پر زخم کیا جائے تو اس کو جراحت کہتے ہیں اس کی جمع جراحات آتی ہے شجاج کی دس قسمیں ہیں۔

① خارصہ: ایسا زخم جس سے صرف خراش آئے خون نہ نکلے۔ ② دامعہ: ایسا زخم جس میں آنسو کی مانند خون نمودار ہو جائے مگر بہے نہیں۔

③ دامیہ: ایسا زخم جس میں خون بہہ جائے۔ ④ باضعہ: ایسا زخم جس میں کھال کٹ جائے۔

⑤ متلاحمہ: ایسا زخم جس میں گوشت کٹ جائے۔ ⑥ سمحاق: ایسا زخم جو گوشت اور ہڈی کے درمیان باریک پردہ تک پہنچ جائے

⑦ موضحہ: ایسا زخم جو ہڈی تک پہنچ جائے مگر ہڈی نہ ٹوٹے۔ ⑧ ہاشمہ: ایسا زخم جس سے ہڈی ٹوٹ جائے۔

⑨ منقلہ: ایسا زخم جو ہڈی کو توڑ کر ہڈی کو اپنی جگہ سے ہٹا دے ⑩ آمہ: ایسا زخم جو سر کی کھوپڑی میں لگے۔

اسکے ساتھ ایک گیارہویں قسم بھی ہے "الدامغه" یعنی وہ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے اس کو یہاں اسلئے شامل نہیں کیا کہ عام طور پر ایسے زخم کے بعد آدمی زندہ نہیں رہتا یہ قتل نفس ہے اور یہاں پر قتل النفس سے نچلے درجے کے زخموں پر بحث کی جارہی ہے۔

ان زخموں کے احکام: موضحہ میں دیت کا بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم۔ہاشمہ میں دسواں حصہ ہے یعنی دس اونٹ اور منقلہ میں دسواں اور بیسواں حصہ ہے یعنی پندرہ اونٹ اور جائفہ' آمہ میں تہائی دیت ہے اور ان کے علاوہ میں دیت نہیں بلکہ صرف ایک عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا۔(التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۱۸۲)

خارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ اور سمحاق ان کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ عمداً ہوں تو احناف کی اس میں دو روایتیں ہیں۔

① قصاص ہوگا اور ظاہر روایت بھی یہی ہے۔ ② حکومت عدل یعنی عادل شخص فیصلہ کرے گا۔پھر اس تعریف میں اختلاف ہے۔

حکومت عدل کی تعریف: امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ کے ہاں اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔

امام طحاویؒ کے نزدیک ایسا آدمی جس سے غلاموں کی قیمت کا اندازہ لگوایا جا سکتا ہو اور ایسا آدمی جو غلاموں کی قیمتوں کے درمیان تفاوت کو بھی بتلا سکے تو ایسا آدمی حکومت عدل کہلائے گا۔

اور امام کرخیؒ کے نزدیک حکومت عدل کا مطلب یہ ہے کہ ایک عادل آدمی اپنا فیصلہ سنائے اور موضحہ کو مدار بنائے کہ اس زخم کی موضحہ کے ساتھ کیا نسبت ہے مثلاً موضحہ کا زخم تین انچ کا ہوتا ہے اور یہ زخم ڈیڑھ انچ کا ہے تو موضحہ کی دیت کا نصف ہوگا اور موضحہ کی دیت پانچ اونٹ ہیں اور ہاشمہ کی دیت، دیت کا دسواں حصہ ہے۔

موضحہ کا حکم: اگر یہ عمداً ہو تو اس پر قصاص واجب ہوگا اور اگر خطاءً ہو تو پھر دیت کا بیسواں حصہ ہوگا یعنی کل دیت سو اونٹ ہے تو پانچ اونٹ واجب ہوں گے۔ **ہاشمہ کا حکم:** مطلقاً دیت واجب ہوگی علاوہ ازیں عمداً ہو یا خطاءً اور وہ دیت کا دسواں حصہ ہے کیونکہ ہاشمہ میں ہڈی ٹوٹ جاتی ہے اور اس میں برابری ممکن نہیں ہے۔

منقلہ کا حکم: عمداً ہو یا خطاءً بہر صورت دیت ہوگی لیکن دیۃ النفس کا دسواں حصہ اور دیۃ النفس کا بیسواں حصہ ان دونوں کا مجموعہ ہوگا۔دس عشر ہونے کی حیثیت سے اور پانچ نصف ہونے کی حیثیت سے تو کل پندرہ اونٹ واجب ہوں گے۔

آمہ کا حکم: اس میں ثلث الدیۃ ہے اور یہی حکم ہے پیٹ کے زخموں میں سے جائفہ کا۔

باب ما جاء في دية الأصابع

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَمْرٍو النَّحْوِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْأَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ عَشَرَةٌ مِنَ الْإِبِلِ لِكُلِّ أُصْبُعٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ۔

ابوعمار، فضل بن موسیٰ، حسین بن واقد، یزید بن عمرو نحوی، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے ہر ایک انگلی کی دیت اونٹوں میں سے دس اونٹ ہیں۔ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اور عبداللہ بن عمروؓ سے بھی روایات منقول ہیں اسی طرح حضرت ابن عباس کی حدیث حسن صحیح غریب ہے بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، محمد بن جعفر، شعبہ، قتادہ، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اور یہ یعنی انگوٹھا اور چھوٹی انگلی دیت میں برابر ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت فی انگلی دس اونٹ ہے تو دس کو دس میں ضرب دینے سے سو ہو جائیں گے۔ لیکن دیۃ النفس ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دیۃ الاصابع ہونے کی حیثیت سے۔ اس میں انگوٹھے اور خنصر کا کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح قلیل المنفعۃ اور کثیر المنفعۃ میں کوئی فرق نہیں ہے اس میں سب ائمہ کا اتفاق ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دس درہم کی مالیت میں پورا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور جب کسی کی انگلی کاٹی جائے تو دس اونٹ واجب ہوتے ہیں یہ اس لئے کہ جب یہ چوری کرتا ہے تو یہ ظالم ہے اور ظالم کوئی قابل قدر شخصیت نہیں رہا اور جب اس کی انگلی کاٹی جائے تو یہ مظلوم ہے اور مظلوم کی اللہ کے ہاں بڑی قیمت ہے۔

باب ما جاء في العفو

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا أَبُو السَّفَرِ قَالَ دَقَّ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ سِنَّ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَاسْتَعْدٰى عَلَيْهِ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، یونس بن ابی اسحاق، ابوسفر کہتے ہیں کہ قریش کے ایک آدمی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا اس نے حضرت معاویہؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور کہا کہ اے امیر المومنین اس نے میرا دانت اکھیڑ دیا ہے

لِمُعَاوِيَةَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ هٰذَا دَقَّ سِنِّي فَقَالَ مُعَاوِيَةُ إِنَّا سَنُرْضِيكَ وَأَلَحَّ الْآخَرُ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَبْرَمَهُ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ شَأْنُكَ بِصَاحِبِكَ وَأَبُو الدَّرْدَاءِ جَالِسٌ عِنْدَهُ فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهِ فَيَتَصَدَّقُ بِهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهِ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهِ خَطِيئَةً فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي قَالَ فَإِنِّي أَذَرُهَا لَهُ قَالَ مُعَاوِيَةُ لَا جَرَمَ لَا أُخَيِّبُكَ فَأَمَرَ لَهُ بِمَالٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَا أَعْرِفُ لِأَبِي السَّفَرِ سَمَاعًا مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبُو السَّفَرِ اسْمُهُ سَعِيدُ بْنُ أَحْمَدَ وَيُقَالُ ابْنُ يُحْمِدَ الثَّوْرِيُّ

حضرت معاویہؓ نے فرمایا ہم تمہیں راضی کر دیں گے۔ اس پر دوسرے آدمی نے منت سماجت شروع کر دی یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ تنگ آ گئے حضرت معاویہؓ نے فرمایا تم جانو اور تمہارا ساتھی جانے۔ ابو درداء بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اگر کسی شخص کو اس کے جسم میں کوئی زخم وغیرہ آ جائے اور وہ زخم دینے والے کو معاف کر دے تو اللہ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند فرماتے ہیں اور ایک گناہ بخش دیتے ہیں انصاری نے کہا کیا آپ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرمایا ہاں میرے ان کانوں نے سنا اور دل نے محفوظ کر لیا انصاری نے کہا میں اسے معاف کرتا ہوں حضرت معاویہؓ نے فرمایا اب کوئی حرج نہیں لیکن میں تمہیں محروم نہیں رکھوں گا پھر اسے کچھ مال دینے کا حکم دیا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ہمیں ابوسفر کے حضرت ابو درداءؓ سے سماع کا علم نہیں ابوسفر کا نام سعید بن احمد ہے انہیں ابن یحمد ثوری بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: اس باب میں ترغیب دی گئی ہے کہ صاحب حق کو چاہیے کہ وہ اپنا حق معاف کر دے اس پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو کہ حدیث کے ترجمہ سے واضح ہے۔

والح الاخر على معاوية: آخر کا مصداق کیا ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہی مدعی انصاری شخص کہ حضرت معاویہؓ کے اعتبار سے بھی آخر ہے پس اس آخر نے یعنی انصاری شخص نے اصرار کر کے حضرت معاویہؓ کو تنگ کر دیا ان کو ملال میں ڈال دیا کہ مجھے اس شخص سے بدلہ دلوا دو حضرت معاویہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مدعی علیہ سے قصاص لینا چاہتا ہے تو لے لے۔

بعض نے کہا کہ آخر سے مراد مدعی علیہ ہے کہ اس نے منت سماجت کی کہ حضرت مجھے بچاؤ اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملال میں ڈال دیا۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تیرا معاملہ تیرے ساتھی کے ساتھ ہے۔ چاہے معاف کر دے چاہے قصاص لے لے۔ حضرت ابوالدرداءؓ اسی مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو اس کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچے وہ تکلیف پہنچانے والے کو معاف کر دے یعنی قصاص نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں اور بڑا گناہ معاف فرماتے ہیں یہ سن کر انصاری نے کہا کہ آپ نے یہ حدیث خود آپ ﷺ سے سنی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے محفوظ رکھا ہے۔ یعنی مجھے اس حدیث کے سننے اور محفوظ رکھنے

میں ذرا شک نہیں۔ اس حدیث کے سننے کے بعد مدعی کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اس نے مدعیٰ علیہ کو فوراً معاف کر دیا اور اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تجھے محروم نہیں کریں گے پھر حضرت معاویہؓ اس کو کچھ نہ کچھ صدقات وغیرہ سے مال دے دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ رُضِخَ رَأْسُهُ بِصَخْرَةٍ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَرَجَتْ جَارِيَةٌ عَلَيْهَا أَوْضَاحٌ فَأَخَذَهَا يَهُودِيٌّ فَرَضَخَ رَأْسَهَا وَأَخَذَ مَا عَلَيْهَا مِنَ الْحُلِيِّ قَالَ فَأُدْرِكَتْ وَبِهَا رَمَقٌ فَأُتِيَ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَكِ أَفُلَانٌ؟ فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا لَا قَالَ فَفُلَانٌ؟ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا نَعَمْ قَالَ فَأُخِذَ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ

علی بن حجر، یزید بن ہارون، ہمام، قتادہ، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی کہیں جانے کیلئے نکلی اس نے چاندی کا زیور پہنا ہوا تھا ایک یہودی نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سر پتھر سے کچل دیا اور زیور اتار لیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابھی اس میں تھوڑی سے جان باقی تھی کہ لوگ پہنچ گئے اور اس عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہیں کس نے قتل کیا کیا فلاں نے قتل کیا۔ اس نے اشارہ کیا کہ نہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا نام لیا تو اس نے کہا ہاں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کر لیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر پتھر سے کچلنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائے۔

تشریح: مسئلہ اولیٰ: صرف مقتول کے قول کی وجہ سے قاتل سے قصاص لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مشہور قول کے مطابق جمہور حضرات کے ہاں مقتول کا حالت نزاع میں دیا گیا بیان قابل قبول نہیں ہوگا اور اس وقت وہ کامل ہوش وحواس میں نہیں ہوتا وہ کسی کا غلط نام بھی لے سکتا ہے مگر وہ بیان قرائن میں شامل کیا جا سکتا ہے اور اس کی بنیاد پر قتل کی تفتیش کی جا سکتی ہے۔ اس کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ الا یہ کہ قاتل خود اقرار کر لے یا مقتول کے ورثاء بینہ سے ثابت کر دیں۔

جب کہ مالکیہ کے نزدیک قصاص لیا جا سکتا ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں قاتل کے اقرار کا ذکر ہے۔

مالکیہ کی دلیل: اسی واقعہ کی وہ روایات ہیں کہ جن میں اقرار کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: وہ ساکت ہیں اور یہ ناطق ہے اور جب ساکت اور ناطق کے درمیان تعارض ہو جائے تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔

مسئلہ ثانیہ: قصاص میں مساوات ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

قول اول: احناف کے نزدیک مساوات نہیں ہے بلکہ قصاص متعین ہے تلوار کے ساتھ۔
قول ثانی: باقی ائمہ کے نزدیک مساوات ہوگی بشرطیکہ اس نے امر منکر کی حالت میں قتل نہ کیا ہو ورنہ مساوات نہیں ہوگی۔
احناف کی دلیل: لا قود الا بالسیف کہ قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے ہی۔
باقی ائمہ کی دلیل: واقعہ عرنیین کا ہے اس طرح یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ دیکھو جس طرح اس یہودی نے بچی کے سر کو کچل دیا اُسی طرح یہودی کے سر کو بھی کچل دیا گیا۔ **جواب اول:** یہ واقعہ حدود کے نزول سے پہلے کا ہے۔
جواب ثانی: یہ بطور زجر و توبیخ اور سیاست پر محمول ہے، اس وجہ سے نہیں کہ قصاص میں مساوات ضروری ہے۔
مسئلہ ثالثہ: کسی مثقل چیز کے ذریعہ سے مارنا: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔
قول اول: امام صاحب کے مذہب کے مطابق قتل بالمثقل شبہ عمد ہے اور شبہ عمد کے اندر تو قصاص نہیں ہے۔ ابو عمرو بن العلاء یا کسی اور نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ اگر کسی نے دوسرے کو بڑا پتھر مار کر قتل کر دیا ہو تو کیا یہ شبہ عمد ہے تو اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ اگر چہ اس پر ابوقبیس کا پہاڑ بھی گرا دیا جائے تو گویا قتل بالمثقل امام صاحبؒ کے ہاں شبہ عمد ہے اور شبہ عمد میں تو قصاص نہیں تو پھر اس یہودی کو کیسے قتل کیا گیا۔
جواب اول: صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک قتل بالمثقل شبہ عمد تب ہوگا کہ جب قاتل کا ارادہ مثقل کے ذریعے تادیب کا ہو اور اگر قاتل کا ارادہ مثقل چیز کے ذریعے مارنے اور قتل کرنے کا ہے تو پھر یہ امام صاحبؒ کے نزدیک بھی قتل عمد کے تحت داخل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس یہودی کا ارادہ تو قتل کرنے کا تھا تاکہ وہ بچی کسی کو بتا نہ سکے اور اس کے زیورات وہ یہودی حاصل کر لے۔
جواب ثانی: اس یہودی کو قتل کرنا بطور قصاص کے نہیں تھا بلکہ قاطع الطریق اور رہزن ہونے کی حیثیت سے تھا۔
جواب ثالث: قاعدہ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ بطور قصاص قتل نہ کیا جائے لیکن اسکو بطور زجر و توبیخ کے قتل کیا گیا اور سیاسۃً بھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَشْدِيدِ قَتْلِ الْمُؤْمِنِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَزِيعٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ

ابوسلمہ یحییٰ بن خلف، محمد بن عبداللہ بن بزیع، ابن ابی عدی، شعبہ، یعلی بن عطاء، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک پوری دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان مرد کے قتل ہو جانے سے سہل ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي عَدِيٍّ وَفِي الْبَاب عَنْ

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے کہا کہ ہم سے روایت کی محمد بن جعفر نے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی محمد بن شعبہ نے انہوں نے یعلی بن عطاء سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے اسی کی

سَعْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَبُرَيْدَةَ حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰكَذَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ فَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ مَوْقُوفًا وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ

مانند غیر مرفوع روایت نقل کی۔ یہ حدیث ابن عدی کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت سعد، ابن عباس، ابوسعید، ابو ہریرہ، عقبہ بن عامر اور بریدہ سے بھی روایات منقول ہیں سفیان ثوری، یعلی بن عطاء سے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث اسی طرح موقوفاً نقل کرتے ہیں اور یہ مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً کسی مؤمن کے قتل کرنے سے قاتل کی بخشش نہیں ہوگی یہی قول ابن عباس کا ہے مگر جمہور کے نزدیک قتل عمد بھی دیگر کبائر کی طرح ہے جو کہ سچی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔

دلیل اوّل: اس کی دلیل سورۂ نساء آیت ۱۱۶ میں ہے: إن الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر مادون ذلك لمن يشاء شرک کے علاوہ تمام کبائر معاف ہو جائیں گے۔ سچی توبہ کے ساتھ۔

دلیل ثانی: مسلم شریف کتاب التوبہ میں ایک بنی اسرائیلی کا واقعہ ہے جس نے سو آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ پھر اس کو ندامت ہوئی اور اس نے سچی توبہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا تھا۔

عامداً قتل کرنے والے کی بخشش نہ ہونے کے قائلین کی دلیل: و من قتل متعمدًا فجزاء ہ جهنم خالدًا فيها کہ جس نے جان بوجھ کر قتل کیا اس کا ٹھکانا ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔

جواب اوّل: اس آیت میں وعید اس شخص کے لئے ہے جو کسی مسلمان کو بلاوجہ قتل کرے اور اس قتل کو حلال سمجھے۔

جواب ثانی: یہ چیز زجر و توبیخ پر محمول ہے اور خلود سے مراد مدت دراز تک جہنم میں رہنا ہے یا خلود اس کے لئے ہے جو قتل مؤمن کو حلال سمجھتا ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباس کے نزدیک بھی قاتل کی توبہ قبول تھی مگر وہ مصلحۃً اس میں سختی کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں یہ سختی مروی ہے۔

بَابُ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ

محمود بن غیلان، وہب بن جریر، شعبہ، اعمش، ابی وائل، حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کریں گے حضرت عبداللہ

حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ مَرْفُوعًا وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ وَلَمْ يَرْفَعُوهُ.

کی حدیث حسن صحیح ہے کئی راوی اس حدیث کو اسی طرح اعمش سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں بعض راوی اعمش سے غیر مرفوع بھی نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ.

ابو کریب، وکیع، اعمش، ابی وائل، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ

ابوکریب، وکیع، اعمش، ابی وائل، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَكَمِ الْبَجَلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَأَبَا هُرَيْرَةَ يَذْكُرَانِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

حسین بن حریث، فضل بن موسیٰ، حسین بن واقد، یزید رقاشی، ابوالحکم بجلی نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذکر کر رہے تھے کہ اگر تمام آسمان وزمین والے کسی مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں دھکیل دینگے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: حقوق العباد کے اعتبار سے قیامت کے دن بندوں کے درمیان جو پہلا پہلا فیصلہ ہوگا وہ قتل ناحق کا ہوگا اور حقوق اللہ کے اعتبار سے سب سے پہلے نماز کا فیصلہ ہوگا۔

لفظی اشکال: حدیث شریف میں آتا ہے کہ علماء لغت کہتے ہیں کہ لَا كَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ ..... اکبّ لازمی استعمال ہوتا ہے۔ اور کبّ متعدی استعمال ہوتا ہے تو یہاں کبّھم اللہ ہونا چاہیے تھا۔

جواب: اگر یہ لفظ رسول اللہ ﷺ سے یا کسی اور راوی سے ثابت ہیں تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثری ہے قاعدہ کلی نہیں ہے اور اگر کسی نچلے راوی کے الفاظ ہیں جس کو فصاحت وبلاغت میں اونچا مقام حاصل نہیں تھا تو پھر یہ روایت بالمعنی کا نتیجہ ہے۔ باقی وضاحت کتاب الصلوۃ کے تحت گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابْنَهُ يُقَادُ مِنْهُ أَمْ لَا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ

علی بن حجر، اسماعیل بن عیاش، مثنی بن صباح، عمرو بن شعیب،

حَدَّثَنَا الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيدُ الْأَبَ مِنِ ابْنِهِ وَلَا يُقِيدُ الِابْنَ مِنْ أَبِيهِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سُرَاقَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِصَحِيحٍ رَوَاهُ إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ الصَّبَّاحِ وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ مُرْسَلًا وَهٰذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْأَبَ إِذَا قَتَلَ ابْنَهُ لَا يُقْتَلُ بِهِ وَإِذَا قَذَفَهُ ابْنَهُ لَا يُحَدُّ

سراقہ بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے لیکن باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے اس حدیث کو ہم سراقہ کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور یہ سند صحیح نہیں۔ اسماعیل بن عیاش نے مثنی بن صباح سے روایت کیا ہے اور مثنی بن صباح کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اور پھر یہ حدیث ابو خالد احمر سے بھی منقول ہے ابو خالد احمر حجاج سے وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے وہ حضرت عمر سے اور وہ نبی کریم e سے نقل کرتے ہیں لیکن اس میں اضطراب ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو وہ قصاص میں قتل نہ کیا جائے اور اسی طرح باپ اگر بیٹے پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف قائم نہ کی جائے۔

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ

ابو سعید اشج، ابو خالد احمر، حجاج بن ارطاۃ، عمرو بن شعیب، وہ اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، وہ حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ باپ بیٹے کے قتل کے جرم میں قتل نہ کیا جائے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے قتل کا مرتکب ہوا تو اس کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تو باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کیا جائے گا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ باپ سبب بنا ہے بیٹے کے وجود کا اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ بیٹا سبب بن جائے باپ کے عدم کا، کیونکہ یہ کفران نعمت ہے۔ دوسرا یہ کہ اولاد پر والدین کی بے پناہ شفقت ہوتی ہے اور یہ ہمیشہ رہتی ہے اسلئے حتی الامکان وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کر سکتے اگر وہ قتل کر بھی دیں تو در پردہ کوئی چیز ایسی ہوگی جس کی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا۔ یا وہ ظاہری طور پر اپنے بیٹے کو مارنا نہ چاہتا ہو لیکن بیٹا مر جائے۔ اسکے برخلاف بیٹے کی محبت باپ کی طرف مکمل نہیں ہوتی بلکہ رفتہ رفتہ کم ہو جاتی ہے اور یہ محبت کا کم ہونا قدرتی نظام ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے اولاد کمائی کرنے کیلئے دور دراز کا سفر کرے اور اس سفر میں اس کو کسی قسم کی تکلیف پیش نہ آئے۔ باقی حدیث الباب ضعیف ہے لیکن امت کی

طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور جب امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اسکی سند سے بحث کرنا مناسب نہیں۔

و هذا حديث فيه اضطراب: اضطراب یہ ہے کہ عمرو بن شعیب کے تلامذہ میں اختلاف ہے کوئی عن ابیہ عن جدہ، عن سراقۃ روایت کرتا ہے (یہ مثنی بن الصباح کی روایت سند میں ہے) اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت میں یہ سند ہے عن ابیہ، عن جدہ، عن عمر اور مسند احمد میں اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ یہ اس سند میں اضطراب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْمَكِّيُّ قَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

محمد بن بشار، ابن ابی عدی، اسماعیل بن مسلم، عمرو بن دینار، طاؤس، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسجدوں میں حدیں قائم نہ کی جائیں۔ اور باپ کو بیٹے کے قتل کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ اس حدیث کو ہم صرف اسماعیل بن مسلم کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اسماعیل بن مسلم مکی ہیں بعض علماء نے ان کے حافظے پر کلام کیا ہے۔

تشریح: اور اگر باپ بیٹے پر زنا کی تہمت لگا دے تو باپ پر حد قذف جاری نہیں کی جائیگی۔ اسی طرح حدود کو مساجد میں جاری نہیں کیا جائیگا مساجد کو متلوث بالنجاست ہونے سے بچانے کی وجہ سے البتہ حدود کا فیصلہ مساجد میں کیا جا سکتا ہے نیز باپ سے قصاص یا حد بالکل ساقط نہیں ہوگی۔ بلکہ انتظام مملکت کے پیش نظر جو سزا مناسب ہوگی وہ دی جائے گی اس سے بالکل چھوٹ نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ہناد، ابو معاویہ، اعمش، عبداللہ بن مرہ، مسروق، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں تین صورتوں کے علاوہ اس کا خون حلال نہیں۔ شادی شدہ زانی۔ قتل کرنے والا اور دین اسلام سے پھر جانے والا اور جماعت سے الگ ہونے والا۔ اس باب میں حضرت عثمان، عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب الفاظ حدیث کو بنایا ہے جیسا کہ عادت شریفہ ہے۔ **لا یحل دم امرء مسلم** ای احراق دم امرء مسلم کسی مسلمان کے خون کو بہانا حلال نہیں ہے مگر تین خصلتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کی

وجہ سے۔ ① زنا بحالت احصان۔ ② النفس بالنفس بصورت قصاص۔ ③ التارك لدينه۔ المفارق للجماعة اس کی صفت کاشفہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا ہو یعنی ارتداد اختیار کر لے۔ بعض لوگ اسی بات کو لے کر یہ کہتے ہیں کہ مرتد محارب بن جائے تو پھر اس کو قتل کیا جائے گا ورنہ محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے۔ وھذا ليس بصحيح مرتد کو بہر صورت قتل کیا جائیگا ضروریات دین کا انکار بتاویل فاسد ہو اسکو بھی قتل کیا جائیگا باقی مرتد کو قتل کیا جائیگا وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر اس کو آزاد گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی گئی تو وہ لوگوں کے ذہن کو بگاڑے گا اور فتنہ میں مبتلا کرے گا چنانچہ اس کو قتل کرنا ضروری ہے قرآن پاک میں ہے والفتنة اشد من القتل یعنی فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے۔ اس لئے فتنہ سے روکنے کے لئے مرتد کا قتل کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقْتُلُ نَفْسًا مُعَاهِدَةً

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مَعْدِيُّ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدَةً لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللهِ فَلَا يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

محمد بن بشار، معدی بن سلیمان، ابن عجلان، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی معاہد (یعنی وہ کافر جس نے حاکم کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہوا ہو) کو قتل کیا جسے اللہ اور اس کے رسول نے پناہ دی تھی تو اس نے اللہ کی پناہ کو توڑ ڈالا۔ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا جو ستر برس کی مسافت سے آتی ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکرہ ؓ سے بھی حدیث منقول ہے حضرت ابوہریرہ ؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے کئی سندوں سے مرفوعاً منقول ہے۔

تشریح: غیر مسلم چار طرح کے ہیں۔ ① حربی ② مستامن ③ معاہد ④ ذمی۔

حربی: جو دار الحرب کا باشندہ ہے جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔

مستامن: امن طلب کرنے والا یعنی وہ شخص جو اجازت لے کر یا موجودہ زمانے میں پاسپورٹ ویزہ لے کر ملک میں آیا۔

معاہد: دار الحرب کا وہ کافر جس کے ساتھ یہ معاہدہ ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔

ذمی: وہ غیر مسلم جس کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہے۔

ان چار اقسام میں سے تین کے بارے میں اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص مستامن، معاہد، حربی کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی نے ذمی کو قتل کر دیا تو اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے ہاں ذمی کے قاتل مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: بخاری شریف میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **لا یقتل مسلم بکافر** کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔

امام اعظمؒ کی دلیل: وہ روایات ہیں کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے اور خلفاء راشدین میں سے حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا۔ اس طرح کی روایات اگرچہ متکلم فیہ ہیں مگر سب مل کر قوی ہو جاتی ہیں اور اتنی بات جاننے کے لئے کافی ہیں کہ مذکورہ حدیث ذمی کو شامل نہیں۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جائیگا حالانکہ ذمی کو قتل کرنا زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ ایک نہ ایک دن ضرور جنت میں داخل ہوگا اور اگر فضل الٰہی بھی شامل ہو تو دخول اولی نصیب ہوگا۔

جواب اوّل: زجر علی وجہ المبالغہ کو بتلانے کے لئے۔ **جواب ثانی:** یا پھر وہ مسلمان جو ذمی کے قتل کو مباح سمجھتا ہو اور ذمی کو قتل کرنا حرام ہے اور حرام چیز کو مباح سمجھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا اور ظاہر ہے کہ کافر تو جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جواب ثالث: یا مطلب یہ ہے کہ جنت میں رہتے ہوئے جنت کی خوشبو محسوس نہ کرے۔

جواب رابع: یا مراد یہ ہے کہ جو اس جرم کے مرتکب نہیں جب وہ خوشبو محسوس کریں گے تو اس وقت ذمی کا قاتل جنت کی خوشبو محسوس نہیں کرے گا اگرچہ بعد میں محسوس کر لے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعْدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَى الْعَامِرِيَّيْنِ بِدِيَةِ الْمُسْلِمِينَ وَكَانَ لَهُمَا عَهْدٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو سَعْدٍ الْبَقَّالُ اسْمُهُ سَعِيدُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ

ابو کریب، یحییٰ بن آدم، ابی بکر بن عیاش، ابی سعد، عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو عامر کے دو آدمیوں کی جن کے ساتھ آپ ﷺ کا عہد تھا دو مسلمانوں سے دیت دلوائی۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ابو سعد بقال کا نام سعید بن مرزبان ہے۔

تشریح: اس باب میں ذمی کی دیت کے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ اس کی دیت کتنی ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسلمان اور ذمی کی دیت ایک ہی ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کی دیت مسلمان کی بنسبت نصف ہے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک عیسائی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم ہے اور دیگر غیر مسلموں کی آٹھ سو درہم۔

احناف کا مستدل اوّل: حدیث الباب امام صاحبؒ کا مستدل ہے کہ قبیلہ بنو عامر کے دو شخصوں نے مدینہ منورہ آ کر نبی

کریم ﷺ سے عہد و پیمان کیا واپسی میں ان کو ایک سریہ ملا جس میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری ؓ بھی موجود تھے انہوں نے ان کو قتل کر دیا وہ نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عہد و پیمان کیا ہے جب نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے ورثاء کے پاس اتنی ہی دیت بھیجی جتنی مسلمان کی دیت ہوتی ہے۔

متدل ثانی: سورۂ نساء کی آیت ۹۲ میں ہے و ان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ اس کے متعلق باب ما لا یقتل مسلم بکافر ہے وہاں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُكْمِ وَلِيِّ الْقَتِيلِ فِي الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يَعْفُوَ وَإِمَّا أَنْ يَقْتُلَ وَفِي الْبَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي شُرَيْحٍ خُوَيْلِدِ بْنِ عَمْرٍو. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْفِكَنَّ فِيهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَنَّ فِيهَا شَجَرًا فَإِنْ تَرَخَّصَ مُتَرَخِّصٌ فَقَالَ أُحِلَّتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللهَ أَحَلَّهَا لِي وَلَمْ يُحِلَّهَا لِلنَّاسِ وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ هِيَ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِنَّكُمْ مَعْشَرَ خُزَاعَةَ قَتَلْتُمْ هٰذَا الرَّجُلَ مِنْ هُذَيْلٍ

محمود بن غیلان، یحییٰ بن موسیٰ، ولید بن مسلم، اوزاعی، یحییٰ بن ابی کثیر، ابو سلمہ، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول ﷺ کو مکہ پر فتح عطاء فرمائی تو آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا جس کا کوئی رشتہ دار قتل ہو جائے وہ معاف کرنے یا قتل کرنے میں جس کو بہتر سمجھے اختیار کرے۔ اس باب میں حضرت وائل بن حجر، انس، ابو شریح اور خویلد بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، ابن ابی ذئب، سعید بن ابی سعید مقبری، حضرت ابو شریح کعبی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت کی جگہ ٹھہرایا ہے لوگوں نے اس کی حرمت کا خیال نہیں رکھا پس جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یہاں کسی کا خون نہ بہائے اور نہ ہی اس میں سے کوئی درخت اکھاڑے اور اگر کوئی میرے مکہ کو فتح کرنے کو دلیل کے طور پر پیش کرے اور اپنے لئے رخصت کی راہ نکالے کہ اللہ نے اسے میرے لئے حلال کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کیا ہے دیگر لوگوں کے لئے نہیں اور پھر میرے لئے بھی اس کی حرمت کو دن کے ایک مخصوص حصے میں حلال کیا گیا ہے اور اس کے بعد قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا اے قبیلہ بنوخزاعہ تم نے بنو ہذیل کے فلاں شخص

وَإِنِّي عَاقِلُهُ فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيرَتَيْنِ إِمَّا أَنْ يَقْتُلُوا أَوْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَاهُ شَيْبَانُ أَيْضًا عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ مِثْلَ هٰذَا وَرُوِيَ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَلَهُ أَنْ يَقْتُلَ أَوْ يَعْفُوَ أَوْ يَأْخُذَ الدِّيَةَ وَذَهَبَ إِلَى هٰذَا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

کو قتل کر دیا ہے میں اس کی دیت دلوانے کا اعلان کرتا ہوں آج کے بعد اگر کسی شخص کو کوئی قتل کر گیا تو اس کے اہل عیال کو اختیار ہے اگر وہ چاہیں تو قاتل کو قتل کریں ورنہ دیت لے لیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حدیث ابوہریرہؓ بھی حسن صحیح ہے۔ شیبان بھی یحییٰ بن ابی کثیر سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں ابوشریح نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ چاہیں تو قاتل کو قتل کر دیں یا معاف کر دیں یا دیت لے لیں۔ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کا ایک پس منظر ہے کہ ایام جاہلیت میں ہذیل قبیلہ کے لوگوں نے قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی مارا تھا فتح مکہ کے دن خزاعہ قبیلہ کو برتری حاصل ہوگئی تو خزاعہ نے ہذیل کا آدمی مار ڈالا اور اپنا پرانا بدلہ لے لیا آپ ﷺ نے اس فتنہ وفساد کو دفع کرنے کیلئے اس مقتول کی دیت اپنے ذمہ لے لی پھر اس کے بعد فتح مکہ کے خطبوں کے دوران ایک خطبہ میں رسول کریم ﷺ زن ایک شرعی قاعدہ بیان فرمایا کہ اگر کسی نے ناحق کسی کو قتل کر دیا تو مقتول کے ورثاء کو دو باتوں میں اختیار ہے یا تو قصاص لیں یا دیت لے کر معاف کر دیں اب اس اختیار کے سلسلے میں ایک مسئلہ ملاحظہ ہو۔

اس سے پہلے قتل کی اقسام اور انکا حکم جان لیں۔ قتل کی چار اقسام ہیں ① قتل عمد ② قتل شبہ عمد ③ قتل خطاء ④ قتل قائم مقام خطاء۔ ان تمام صورتوں میں قاتل اپنے مورث کی میراث سے محروم ہوگا۔

مسئلہ: اولیاء مقتول کو قصاص اور دیت دونوں کا اختیار ملے گا یا ایک کا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قاتل کی رضامندی کے بغیر اولیاء مقتول کو دو چیزوں کے درمیان اختیار ملے گا چاہے قاتل سے قصاص لے لیں یا دیت لے کر چھوڑ دیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاتل پر قصاص تو واجب ہے لیکن اگر جانبین سے دیت پر رضامندی ہو جائے تو دیت لی جائے گی اور بعض حضرات نے کہا کہ قاتل سے قصاص تب لیا جائے گا جب وہ خود بھی اس پر راضی ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے اولیاء کو قصاص و دیت کا اختیار دیا۔

جواب: وہاں رضاء قاتل کی قید ملحوظ ہے تا کہ احادیث وقرآن کے درمیان تعارض نہ آئے اور ہر ایک پر عمل ہو جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے "کتب علیکم القصاص فی القتلی" قتل عمد کی صورت میں صرف قصاص کا ذکر ہے اور قتل خطاء کے حکم میں دیت کا ذکر ہے تو لامحالہ قتل عمد میں قصاص ہی ہوگا۔

دلیل ثانی: قرآن پاک کی دوسری آیت ہے "ان النفس بالنفس" اس آیت میں ظاہر ہے کہ دیت نفس کے مماثل نہیں

لہٰذا قتل کا موجب اصلی قتل ہی ہوگا تا کہ برابری ہو جائے لیکن مقتول کے ورثاء اگر دیت پر راضی ہو جائیں تو پھر ان کیلئے مال لینا درست ہے

دلیل ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نصب الرایہ (ج ۴ ص ۳۲۷) میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "العمد قود والخطاء دیة"

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُتِلَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدُفِعَ الْقَاتِلُ إِلَى وَلِيِّهِ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا أَرَدْتُ قَتْلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا فَقَتَلْتَهُ دَخَلْتَ النَّارَ فَخَلَّى عَنْهُ الرَّجُلُ وَكَانَ مَكْتُوفًا بِنِسْعَةٍ قَالَ فَخَرَجَ يَجُرُّ نِسْعَتَهُ قَالَ فَكَانَ يُسَمَّى ذَا النِّسْعَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی نے کسی کو قتل کر دیا تو اسے مقتول کے ورثاء کے حوالہ کیا گیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ اللہ کی قسم میں نے اسے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچ کہتا ہے اور تم نے اس کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا تو تم جہنم میں جاؤ گے۔ اس پر اس نے اسے معاف کر دیا، چنانچہ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور وہ انہیں کھینچتا ہوا وہاں سے نکلا اس کے بعد اس کا نام ذوالنسعہ مشہور ہو گیا۔ یعنی تسمے والا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی کو ناحق قصاص میں قتل کر دیا جائے تو اس صورت میں اس کو قتل کرنے والے پر عذاب آئے گا۔ حدیث الباب میں واقعہ مذکور ہے کہ ایک قاتل کو پکڑ کر مقتول کے ورثاء کے حوالہ کیا گیا۔ قاتل نے عرض کیا اے اللہ کے رسول قسم بخدا میں نے اس کو بضرور مار ڈالا ہے لیکن میرے مارنے کا ارادہ نہیں تھا اس پر نبی کریم ﷺ نے مقتول کے ورثاء کو فرمایا کہ اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے اور پھر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم جہنم میں جاؤ گے انہوں نے فوراً اس قاتل کو چھوڑ دیا۔

سوال: جب قصاص کا فیصلہ ہو گیا اور وہ قاتل کو قصاصاً قتل بھی کر دیتا تو یہ شارع کے حکم کی وجہ سے تھا تو پھر آپ ﷺ نے اس کو کیسے فرمادیا دخلت النار۔

جواب اوّل: اما انه ان کان صادقاً ای فی زعمك یعنی تیرے زعم کے مطابق اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے پھر بھی تو نے اس کو قتل کیا تو اب ظاہر ہے اس کو قتل کرنا گناہ ہے اس لئے فرمایا اگر قتل کرے گا تو جہنم میں جائے گا۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے یہ توجیہ کی کہ اگر تو اسکو معاف نہیں کریگا بلکہ اس سے قصاص لے گا تو معاف کرنے کی صورت میں جو مرتبہ تجھے حاصل ہونا تھا وہ حاصل نہیں ہوگا تو اسی انحطاط مرتبہ کو تعبیر کیا ہے دخلت النار سے۔ راجح جواب اوّل ہی ہے۔

جواب ثالث: آپ ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا دیانۃً تھا قضاءً نہیں تھا کیونکہ قضاء کی صورت میں یہ حکم تب ہے کہ جب قاتل ہونا ثابت ہو جائے تو محض اس کے قسم کھانے سے قصاص ساقط نہیں ہوگا لیکن اگر غالب گمان یہ ہو کہ قاتل ٹھیک کہہ رہا ہے تو اس صورت میں دیانۃً قاتل کو چھوڑ دینا چاہیے۔

بہر حال جب اس قاتل کو چھوڑا گیا تو اس کے ہاتھ چمڑے کی رسی سے بندھے ہوئے تھے راوی کہتا ہے کہ وہ اپنا تسمہ گھسیٹتا ہوا

بھاگ کھڑا ہوا چنانچہ بعد میں اس کا نام تمہ والا پڑ گیا۔

ابوشریح الکعبی: یہ اور ابوشریح خزاعی ایک ہی ہیں ابوشریح خزاعی کی یہ روایت ابوداؤ داور دارمی میں بھی ہے مگر اس میں أو یاخذ الدیۃ ہے واو کی جگہ او کا ذکر ہے۔ یعنی وارث کو تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا قصاص لے یا دیت لے یا معاف کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلٰى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَقَالَ اغْزُوا بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَشَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَسَمُرَةَ وَالْمُغِيرَةِ وَيَعْلَى بْنِ مُرَّةَ وَأَبِي أَيُّوبَ حَدِيثُ بُرَيْدَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَكَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ الْمُثْلَةَ.

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، علقمہ بن مرثد، سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر کا امیر مقرر کرتے تو اسے خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور اپنے مسلمان ساتھیوں سے بھلائی کرنے کی وصیت کرتے پھر فرماتے اللہ تعالیٰ کے نام سے اسکے راستے میں کفار سے جہاد کرو خیانت نہ کرو عہد شکنی نہ کرو، مثلہ نہ کرو (یعنی اعضاء جسم کے نہ کاٹو) اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ اس حدیث میں ایک واقعہ ہے اس باب میں حضرت ابن مسعود، شداد بن اوس، سمرہ، مغیرہ، یعلی بن مرہ، ابوایوب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت بریدہ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم نے مثلہ کو مکروہ کہا ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ أَبُو الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيُّ اسْمُهُ شَرَحْبِيلُ بْنُ آدَةَ

احمد بن منیع، ہشیم، خالد، ابی قلابہ، ابی اشعث صنعانی، حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر چیز میں احسان کو لازم رکھا لہٰذا جب قتل کرو تو اچھے طریقے سے کرو جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے کرو۔ جب تم میں سے کوئی ذبح کرنا چاہے تو وہ اپنی چھری تیز کرلے اور ذبیحہ کو آرام دے۔ (تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو) یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوالاشعث کا نام شراحیل بن ادہ ہے۔

تشریح: مثلہ کہا جاتا ہے کہ کسی کے ہاتھ پاؤں اور ناک وغیرہ کاٹ دینا مثلہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ، پاؤں، ناک، کان کاٹ کر پھر اس کو قتل کردے تو قصاصاً اس کے ساتھ ایسا کیا جائے گا یا نہیں؟ بالفاظ دیگر۔

مسئلہ: قصاص میں مساوات ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق جس طرح قاتل نے مقتول کو قتل کیا ہے اسی طرح قاتل کو قتل کیا جائے گا البتہ اگر کسی نے ایسی حالت میں قتل کیا جو نامناسب (منکر حالت) تھی مثلاً زنا کے دوران قتل کر دیا تو ایسی صورت میں مساوات ممکن نہیں اس کے علاوہ صورتوں میں مساوات ہوگی۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا خواہ قاتل نے جس طریقہ سے بھی قتل کیا ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان یهودیا رضّ رأس جارية بين حجر تين فقيل لها من فعل بك هذا فلان افلان حتى سمي اليهودي فأومت برأسها فجئ باليهودي فاعترف فامر به رسول الله فرضّ رأسه بالحجارة۔ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان میں کچل دیا پس اس سے پوچھا گیا تیرے ساتھ اس طرح کس نے کیا کہا فلاں نے کیا ہے (دو مرتبہ پوچھا گیا) یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا اس بچی نے اپنے سر کے ساتھ اشارہ کر دیا۔ چنانچہ وہ یہودی لایا گیا اس نے اعتراف کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا پس اس کا سر بھی دو پتھروں سے کچل دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص بالمثل ہوگا۔

جواب: یہ قتل قصاصاً نہیں تھا بلکہ سیاسۃً۔ زجراً و تبیخاً تھا اس لئے اس قتل میں برابری کی گئی۔

دلیل ثانی: عرینہ والوں کا واقعہ بھی مستدل ہے کہ انہوں نے چرواہے کو قتل کر کے اس کی آنکھیں نکال دیں اور اس کے ناک، کان کاٹ دیئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گرفتار کروا کر ان کو بھی اسی طرح قتل کیا جس طرح انہوں نے چرواہے کو قتل کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص بالمثل ہوگا۔ **جواب اوّل:** یہ قتل بھی قصاصاً نہیں تھا بلکہ سیاسۃً تھا۔

جواب ثانی: یا یہ اس زمانے پر محمول ہے جب قصاص بالسیف کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

جواب ثالث: یا دونوں مذکورہ واقعات کی احادیث ابتداء اسلام پر محمول ہیں۔

احناف کی دلیل: ابن ماجہ میں حدیث ہے لا قود الا بالسیف۔ کمافی الترمذی۔

اذا بعث اميرًا على جيش اوصاه فى خاصة نفسه بتقوى الله: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو امیر بناتے تو اس کو خصوصی طور پر تقویٰ کی وصیت کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ماتحت تو ڈر کی وجہ سے تقویٰ اختیار کر لیں گے لیکن امیر کو کسی کا ڈر تو نہیں ہو سکتا اس لئے امیر کے غیر محتاط ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے اس کو تقویٰ کا حکم دیا۔

لا تغدروا: عہد شکنی نہ کرو اور بچوں کو قتل نہ کرو بشرطیکہ ان کی طرف سے خیانت نہ ہو ورنہ ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ بچے کو قتل نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کی طرف سے مدافعت نہیں ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کو غلام بنا کر فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔

ان الله كتب الاحسان على كل شيء: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ جب تم جہاد کرو تو جہاد میں اچھی طرح قتل کرو مطلب یہ ہے کہ اس کو قتل کر کے چھوڑ دو اس کی لاش کو بگاڑو مت اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو اس کے ساتھ احسان کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو تیز چھری کے ساتھ ذبح کرو تا کہ اس کو تکلیف کم ہو۔ بعض لوگ جانور کو ذبح

سے قبل بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیتے ہیں یا کرنٹ وغیرہ لگا دیتے ہیں پھر اس کے بعد ذبح کرتے ہیں اور دلیل یہی دیتے ہیں کہ اس سے جانور کو تکلیف کم ہوتی ہے تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس میں کئی طرح کی خرابیاں ہیں ایک تو یہ ذبیحہ غیر شرعی ہو جاتا ہے کہ مشین سے ذبحہ کیا جاتا ہے۔ آدمی اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتا، دوسرا یہ کہ جب اس کو ٹیکہ یا کرنٹ لگایا جاتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ کرنٹ لگنے سے جب وہ جانور بے ہوش ہو جاتا ہے تو اس کا خون منجمد ہو جاتا ہے اور ذبح کے وقت اس کا سارا خون خارج نہیں ہوتا جبکہ ذبح کا مقصد خون نکالنا ہوتا ہے۔ اس لئے مشینی ذبیحہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ باقی جانور کو تکلیف سے بچانے کے لئے چھری کا تیز کرنا ہی کافی ہے اور اس سے جانور کو تکلیف بھی کم ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دِيَةِ الْجَنِينِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نَضْلَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ أَوْ عَمُودِ فُسْطَاطٍ فَأَلْقَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِينِ غُرَّةً عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ وَجَعَلَهُ عَلَى عَصَبَةِ الْمَرْأَةِ قَالَ الْحَسَنُ وَأَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حسن بن علی خلال، وھب بن جریر، شعبہ، منصور، ابراہیم، عبید بن نضلہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تو ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمے کی کوئی میخ وغیرہ مار دی جس سے اسکا حمل ضائع ہو گیا پس نبی کریم ﷺ نے دیت کے طور پر ایک غلام یا باندی دینے کا حکم دیا اور اسے قاتل عورت کے خاندان کے ذمہ قرار دیا حسن کہتے ہیں کہ زید بن حباب نے بواسطہ سفیان، منصور سے یہ حدیث روایت کی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِينِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ فَقَالَ الَّذِي قُضِيَ عَلَيْهِ أَيُعْطَى مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا لَيَقُولُ بِقَوْلِ شَاعِرٍ بَلَى فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ حَمَلِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّابِغَةِ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن سعید کندی کوفی، ابن ابی زائدہ، محمد بن عمرو، ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنین (حمل گرانے) کی دیت میں ایک غلام یا لونڈی دینے کا فیصلہ فرمایا تو جس کے متعلق فیصلہ کیا تھا اس نے کہا کہ کیا ہم سے اس کی دیت دلوا رہے ہیں جس نے نہ کھایا اور نہ پیا اور نہ چیخا ایسی چیز کا خون تو رائیگاں ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو شاعروں کی طرح باتیں کرتا ہے بے شک اس کی دیت ایک غرہ ہے چاہے غلام ہو یا لونڈی اس باب میں حمید بن مالک بن نابغہؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ الْغُرَّةُ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ أَوْ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ و قَالَ بَعْضُهُمْ أَوْ فَرَسٌ أَوْ بَغْلٌ

حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ غرہ سے مراد ایک غلام یا لونڈی یا پانچ سو درہم ہیں بعض فرماتے ہیں گھوڑا یا خچر بھی اس میں داخل ہیں۔

تشریح: جنین کا لغوی معنی ہے حمل اگر کوئی حاملہ عورت کو مارے اور اس کا بچہ گر جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ① پیٹ میں ہی مرکر پیدا ہوگا۔ ② یا زندہ پیدا ہوکر فوت ہوگا اگر زندہ پیدا ہو جانے کے بعد مر جائے تو پھر دیت کاملہ ہوگی اور اگر وہ مرا ہوا بچہ ہو تو اس کی دیت غرہ ہے غرہ کی تفسیر خود حدیث میں آئی ہے۔

عبدٌ او امة: یہ کوئی ضابطہ اور معیار کے طور پر نہیں فرمایا بلکہ اصل واجب دیت کا بیسواں حصہ ہے اس زمانہ میں عمومی طور پر غلام یا باندی کی قیمت دیت کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتی تھی اسی طرح آگے فرس اور بغل کا بھی ذکر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی قیمت کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتی تھی۔ باقی ایک حدیث میں پانچ سو درہم کا تذکرہ بھی ہے۔

غرةٌ: کا لغوی معنی ہے گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی یا مطلق پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں اور پھر اس کا اطلاق غلام پر ہوتا ہے یا باندی پر ہوتا ہے۔ عام ازیں وہ غلام اور باندی گورے رنگ کے ہوں یا نہ ہوں لیکن بعض کہتے ہیں کہ دیت جنین میں غلام، باندی تب واجب ہوں گے جب وہ گورے رنگ کے ہوں لیکن جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلق عبد یا مطلق باندی سے دیت ادا ہو جائے گی۔ عربوں کے ہاں غرہ کا اطلاق عمدہ مال پر بھی ہوتا ہے لیکن جنین سے متعلق جو احادیث ہیں اس میں غرہ کا معنی عبد یا امة آیا ہے یہاں کلمہ او تشکیک کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے۔ غرةٌ کو تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں مرفوع، منصوب، مجرور۔ جر کی صورت میں یہ ترکیب میں مبدل منہ اور بدل ہیں۔

وفی الباب میں امام ترمذیؒ نے اس کے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کیا جنین کی دیت میں فرس اور بغل بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ اربعہ اور اکثر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے حاملہ پر جنایت کی جس کی وجہ سے حمل ساقط ہو گیا تو اس کی دیت ایک غرہ ہے اور اس میں بھی اکثر اہل علم کا اتفاق ہے کہ غرہ کا مصداق غلام یا لونڈی ہے۔

قول ثانی: بعض سلف کا قول ہے کہ فرس اور بغل بھی غرہ میں داخل ہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل: وہ حدیثیں ہیں جن میں غرہ کی تفسیر عبد و امة کے ساتھ کی گئی ہے۔ شارحین نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ یہ تفسیر راوی کی طرف سے ہے یا حدیث مرفوع کا حصہ ہے۔ اس میں دونوں قول ہیں لیکن راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث کا ہی حصہ ہے۔ اسکا قرینہ یہ ہے کہ مجمع الزوائد میں یہ حدیث تقریباً آٹھ صحابہ سے نقل کی گئی ہے اور سب میں یہی تفسیر راجح ہے۔

بعض سلف کی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنین بغرة عبد او امة او فرس او بغل"۔ **جواب:** یہ حدیث کثیر اسانید سے مروی ہے مگر کسی میں بھی فرس اور بغل کا ذکر نہیں ہے صرف عیسیٰ بن یونس نے اس کو نقل کیا ہے دراصل یہ حدیث کا حصہ نہیں ہے بلکہ حضرت طاؤس کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ عِنْدَكُمْ سَوْدَاءُ فِي بَيْضَاءَ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ قَالَ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عَلِمْتُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللهُ رجلًا فِي الْقُرْآنِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ فِيهَا الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَحَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالُوا لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْمُعَاهِدِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ابوجحیفہ سے نقل ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ امیر المومنین کیا آپ کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جو کتاب اللہ میں نہ ہو، حضرت علیؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو وجود بخشا۔ مجھے علم نہیں کہ کوئی ایسی چیز ہو جو قرآن میں نہ ہو۔ البتہ، ہمیں قرآن کی وہ سمجھ ضرور دی گئی ہے جو کسی انسان کو اللہ تعالیٰ عطاء کرتا ہے پھر کچھ چیزیں ہمارے پاس مکتوب بھی ہیں راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا وہ کیا ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا اس میں دیت ہے اور قیدیوں یا غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے حضرت علیؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ مؤمن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو بطور قصاص قتل کیا جائے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دِيَةِ عَقْلِ الْكَافِرِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُؤْمِنِ حَدِيثُ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي دِيَةِ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ فَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ و قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ

عیسیٰ بن احمد، ابن وھب، اسامہ بن زید، عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ اسی سند سے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے۔ اہل علم کا یہودی اور نصرانی کی دیت میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے امام احمد

نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ وَبِهٰذَا يَقُوْلُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَبِهٰذَا يَقُوْلُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَإِسْحٰقُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

بن حنبل ؒ کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر بن خطاب ؓ سے منقول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ امام مالک ؒ، شافعی ؒ اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے سفیان ثوری ؒ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: اگر کوئی شخص ذمی کو قتل کردے تو آیا ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اول: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ذمی کے مقابلے میں مسلمان قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ذمی کے مقابلے میں مسلمان قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہی حدیث الباب یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس روایت کے آخر میں ہے "و أن لا يقتل مؤمنٌ بكافر"۔ یہ حدیث، حدیث علی ؓ کے نام سے مشہور ہے اس حدیث کی وضاحت دیکھ لیجئے۔

هل عندكم سوداء في بيضاء ليس في كتاب الله: کہ آپ کے پاس کوئی سفید میں سیاہ ہے۔ سفید سے مراد کاغذ ہے اور سیاہ سے مراد سیاہی ہے یعنی آپ حضرات کے پاس کوئی ایسی لکھی ہوئی چیز ہے جو کتاب اللہ میں نہ ہو۔ ابو جحیفہ نے یہ سوال اس وجہ سے کیا کہ ابن سباء کی ذریت نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ کچھ علوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہیں وہ علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت علی ؓ کو عطاء فرمائے تھے کسی اور صحابی کو عطاء نہیں فرمائے اس پر حضرت علی ؓ نے قسم اٹھائی کہ اس ذات کی قسم کہ جس نے دانہ کو چیرا اور اس ذات کی قسم جس نے روح کو پیدا کیا مجھے نہیں معلوم البتہ وہ سمجھ وفہم جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو عطاء فرماتے ہیں۔ حضرت ابو جحیفہ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضرت اس میں کیا ہے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس میں دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کی رہائی کے احکام ہیں۔

جواب اول: اس حدیث میں کافر سے مراد مطلق کافر نہیں بلکہ کافر حربی ہے کہ مسلمان کو کافر حربی کے بدلے میں قصاصاً قتل نہیں کیا جائیگا اور تخصیص کی دلیل خلفاء راشدین کے فیصلے ہیں خصوصاً اس حدیث کو روایت کرنیوالے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قصاصاً قتل کیا جائے گا ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت علی ؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت تو کچھ کریں اور فتوی کچھ اور دیں۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جلالت قدری پر اعتراض لازم آئے گا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ کافر سے مراد کافر حربی ہے۔

نیز بعض روایات میں ہے "لا يقتل مسلم بكافر ولا ذو عهد في عهده" اب ذوعہد کا عطف ہے مسلم پر۔ اب معنی ہوگا کہ مسلمان کو نہ تو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ ذمی کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ذمی جس کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا وہ کافر حربی ہی ہے تو جب معطوف کی جانب میں کافر حربی مراد ہے تو معطوف علیہ کی جانب میں بھی کافر حربی مراد ہوگا۔

جواب ثانی: یہ مؤول ہے کہ اگر کسی نے زمانہ جاہلیت میں کسی کافر کو قتل کیا تھا پھر وہ اسلام لے آیا تو اب زمانہ جاہلیت میں قتل کی وجہ سے اس قاتل تو مسلم کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا **دماء الجاهلية كلها موضوعة تحت قدمى** اس کا وزنی قرینہ یہ ہے کہ یہ بات فتح مکہ کے وقت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ جب قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے زمانہ جاہلیت کے کسی قتل کی وجہ سے قبیلہ ہذیل کے قاتل کو قتل کر دیا تھا تو حضور ﷺ نے اپنی طرف سے دیت عطا فرمائی اور اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "**لا يقتل مسلم بكافر**"۔

جواب ثالث: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اس جملہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کے خون بہا کو ختم کرنا چاہتے تھے کہ اسلام لانے کے بعد پہلے کے تمام خونوں کے بدلے ختم ہو گئے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا۔ "**الا وان دماء الجاهلية كلها موضوعة تحت قدمى**"۔

جواب رابع: شاہ صاحبؒ نے دیا کہ مسلمان اور ذمی دونوں کا حکم ایک ہے حدیث میں مسلمان کا مقابلہ کافر حربی سے ہے نہ کہ ذمی کافر سے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: وہی مشہور حدیث ہے جو آپ ﷺ نے ذمیوں کے متعلق فرمائی تھی "**اموالهم كاموالنا و دمائهم كدمائنا**" تو جب آپ ﷺ ذمیوں کے خون کو مسلمانوں کے خون کے برابر محفوظ قرار دیا تو جس طرح مسلمانوں کے قتل سے قصاص لازم آتا ہے۔ ذمی کے قتل سے بھی قصاص لازم آنا چاہیے۔

دلیل ثانی: وہ احادیث ہیں جن میں ذمیوں کے احکام بتلائے گئے ہیں "**من قتل نفسا معاهدة له ذمة الله وذمة رسوله فقد اخفر بذمة الله**"۔ یہ حدیث بھی ذمیوں کے محفوظ الدم ہونے کی دلیل ہے۔

دلیل ثالث: دارقطنی میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے "**انه عليه السلام قتل مسلما بمعا هد وقال انا اكرم من اوفى بذمته**"۔

دلیل رابع: حضرت علیؓ نے ذمیوں کے بدلہ میں مسلمانوں سے قصاص لینے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ جس آدمی کا ہمارے ذمہ عہد ہے اسکی دیت ہماری دیت کی طرح ہے اور اس کا قصاص بھی ہمارے قصاص کی طرح ہے۔ یہ مسئلہ غیر مدرک بالعقل ہے لہٰذا حدیث مرفوع ہی ہوگی۔

دلیل خامس: عقلی ہے کہ دونوں میں مساوات ہے اور وہ ہے دونوں کا محفوظ الدم ہونا اور قصاص کیلئے اتنی مساوات ہی کافی ہے۔

مسئلہ: کافر ذمی کی دیت کتنی ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے ثلث کے برابر ہے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل اوّل: مسلم شریف کی حدیث ہے "**انه قال دية الكافر نصف دية المسلم**"۔

اس حدیث میں کافر کی دیت کو مسلمان کی دیت کا نصف کہا گیا۔

دلیل ثانی: طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے "قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان دية المعاهد نصف دية المسلم"۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے "انه عليه السلام فرض على كل مسلم قتل رجلا من اهل الكتاب اربعة الاف درهم" چونکہ ان کے نزدیک مسلمان کی دیت بارہ ہزار درہم ہے لہٰذا چار ہزار مسلمان کی دیت کا ثلث ہوا۔

دلیل ثانی: حضرت عمرؓ کی روایت ہے "انه قال دية اليهودى والنصرانى اربعة آلاف ودية المجوسى ثمانمائة" کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

دلیل ثالث: مسند شافعی میں سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے "قال قضى عثمان فى دية اليهودى والنصرانى باربعة آلاف درهم" کہ حضرت عثمانؓ نے یہودی اور نصرانی کی دیت میں چار ہزار درہم کا فیصلہ فرمایا۔

جواب: جب احادیث وآیات اور خلفاء راشدین کے عمل سے مسلمان اور ذمی کی دیت میں برابری ثابت ہے تو انکے مقابلے کی احادیث مرجوح یا منسوخ ہیں پھر امام شافعیؒ کی مستدل روایت کے رواۃ بھی مجہول ہیں لہٰذا ان سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی دلیل اوّل: وہ مشہور حدیث ہے "دمائهم كدمائنا واموالهم كاموالنا"۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں سعید بن المسیبؒ کی مرسل روایت ہے "دية كل ذى عهد فى عهده الف دينار مثل دية مسلم"

دلیل ثالث: سعید بن المسیبؒ کی مرسل روایت ابوداؤد شریف میں ہے "كان دية الذمى مثل دية المسلم فى زمن النبى ﷺ وابى بكر وعمر وعثمان"۔

دلیل رابع: مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے "قال دية المعاهد مثل دية المسلم"۔ اسی طرح ایک اور روایت ہے حضرت علیؓ سے "انه قال دية كل ذمى مثل دية المسلم"۔

دلیل خامس: ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے "ان النبى صلى الله عليه وسلم ودى دية العامريين بدية المسلمين وكان لهما عهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ

حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے اسے قتل کرینگے اور جس نے اپنے غلام کے اعضاء (ناک، کان وغیرہ) کاٹے ہم بھی اسکے اعضاء کاٹیں گے یہ حدیث حسن

ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ إِلَى هٰذَا وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَعَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ لَيْسَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ قِصَاصٌ فِي النَّفْسِ وَلَا فِيمَا دُونَ النَّفْسِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا قَتَلَ عَبْدَهُ لَا يُقْتَلُ بِهِ وَإِذَا قَتَلَ عَبْدَ غَيْرِهِ قُتِلَ بِهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ

غریب ہے۔ بعض علماء تابعین جن میں حضرت ابراہیم نخعیؒ بھی ہیں کا یہی مذہب ہے بعض اہل علم جن میں حضرت حسن بصری، اور عطاء بن ابی رباح بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ آزاد اور غلام کے درمیان خون اور زخم میں قصاص نہیں۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر مالک اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا لیکن اگر غلام کسی اور کا ہو تو اسکے بدلے آزاد کو بھی قتل کیا جائے سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔

تشریح: من قتل عبده قتلناه: ملا علی قاریؒ نے اس کے چند مطالب بیان کئے ہیں۔

اوّل: آپ ﷺ نے یہ الفاظ بطور زجر وتشدید فرمائے ہیں تا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مارنے سے باز رہیں یہ ایسے ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے کسی کو سخت تنبیہ فرمائی کہ شراب نہیں پینا لیکن جب وہ چوتھی یا پانچویں بار شراب پیتا تو آپ ﷺ اس کو قتل کا حکم جاری کرتے جب اسکو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں قتل کرنے کیلئے لایا جاتا تو آپ ﷺ اسکو قتل نہ کرتے یہ امام خطابی نے ذکر کیا۔

ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ غلام سے مراد وہ شخص ہے جو پہلے غلام رہا ہو پھر اس کو آزاد کر دیا گیا ہو۔ اگر چہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جا سکتا لیکن سابقہ حالت کے اعتبار سے اس کو غلام سے تعبیر کیا گیا۔

ثالث: عند البعض یہ حدیث منسوخ ہے آیت "الحر بالحر والعبد بالعبد" سے۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۶۴)

مسئلہ: اگر کوئی آزاد آدمی اپنے غلام یا دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اسکے بدلے میں اسکو قتل کیا جائیگا یا نہیں؟

قول اوّل: ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک قاتل کو قتل کیا جائے خواہ مقتول اس کا غلام ہو یا دوسرے کا غلام ہو۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا خواہ اپنے غلام کو قتل کرے یا دوسرے کے غلام کو۔

قول ثالث: احناف کے نزدیک اپنے غلام کے بدلے میں مولیٰ کو قتل نہیں کیا جائیگا لیکن دوسرے کے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائیگا۔

ابراہیم نخعیؒ کی دلیل: ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ یہ حضرات قرآن کی ان نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں عموم پایا جاتا ہے۔ "ان النفس بالنفس" اور "کتب علیکم القصاص فی القتلی" کہ ان میں آزاد و غلام کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا اور مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں ہے کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے ہم اس کو قتل کریں گے جب مولیٰ اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے تو دوسرے کے غلام کے بدلے میں بطریق اولیٰ قتل کیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت "الحر بالحر والعبد بالعبد" ہے کہ یہاں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

جواب اوّل: دوسری نصوص کے پیش نظر اس میں یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ بطور تہدید اور زجر و توبیخ کے فرمایا تا کہ کوئی مولیٰ یہ نہ سمجھے کہ یہ میرا مال ہے میں اس کو قتل کر دوں اور مجھ پر کچھ نہیں۔ لہٰذا اس کو قتل سے بچانے کے لئے سیاستہً مولیٰ کو قتل کرنے کا

حکم دیا جیسا کہ شارب خمر کے بارے میں چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کا حکم ہے حالانکہ اس پر حد ہے۔

یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہے "الحر بالحر و العبد بالعبد"۔

جواب ثانی: "عبدہ" سے مراد وہ ہے جس کو آزاد کر دیا گیا ہو۔ لیکن اس آزاد کو ما کان کے اعتبار سے عبد کہا گیا۔

(التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۱۷۵)

جواب ثالث: مفہوم مخالف سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ کسی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ غلام کے مقابلہ میں حر کو قتل نہیں کیا جائے گا لہٰذا وہ عموم آیت وعموم حدیث کے تحت داخل رہے گا اور اپنے غلام کے بارے میں خصوصی حدیث موجود ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "ان رجلا قتل عبده فجلده النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائة جلدة و نفاه عاما"۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جانا ضروری ہوتا تو اس کو سو کوڑے نہ مارے جاتے سو کوڑے مارنا اس بات کی دلیل ہے کہ اپنے غلام کے بدلہ میں مولیٰ قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

دلیل ثانی: احناف نے اس قصہ سے استدلال کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی لونڈی کو زنا کی تہمت میں آگ پر بٹھا کر اس کی شرمگاہ کو جلا دیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا گواہ نہیں تھے اور نہ ہی لونڈی نے گناہ کا اعتراف کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا "لو لم اسمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یقاد مملوك من مالكه لقدته"۔

دلیل ثالث: مولیٰ کو اپنے غلام کے اندر کامل ملکیت ہے جس کی وجہ سے اس کے قصاص میں شبہ آ گیا تو قاعدہ ہے الحدود تندرئ بالشبهات۔ جب کہ غیر کے غلام میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے نیز کوئی صریح حدیث بھی نہیں ہے لہٰذا وہ عموم نص کے تحت داخل رہے گا آزاد قاتل کو غیر کے غلام کو قتل کرنے میں قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ هَلْ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَأَبُو عَمَّارٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا حَتَّى أَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِّثْ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

قتیبہ، احمد بن منیع، ابو عمار، سفیان بن عیینہ، زہری، حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت مرد کے قبیلے پر ہے اور عورت خاوند کی دیت سے وارث نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ضحاک بن سفیان کلابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے ورثہ دو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ مقتول کی دیت کے متعلق بتارہے ہیں کہ آیا مقتول کی دیت سے اس کی بیوی کو میراث کا حصہ ملے گا یا نہیں؟ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقتول کی بیوی کو دیت سے حصہ نہ ملے کیونکہ خاوند کے مرتے ہی مقتول کا بیوی سے نکاح ختم ہوجاتا ہے اور نکاح کے ختم ہونے کے بعد مقتول کی دیت ملتی ہے اِس اعتبار سے مقتول کی بیوی کو میراث نہیں ملنی چاہیے۔ ابتداءً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے بھی یہی تھی کہ خاوند کی دیت سے بیوی کو حصہ نہیں ملے گا انکا اجتہاد یہ تھا کہ بیوی اسی مال سے وراثت کی حق دار ہوگی جو مال خاوند کی وفات کے وقت موجود تھا اور دیت کے بارے میں ظاہر تو یہی ہے کہ موت کے وقت خاوند اس کا مالک نہیں تھا اس لئے بیوی کو حصہ کیسے دیا جائے گا؟

اس کے برعکس دوسری جہت کو دیکھا جائے تو عورت خاوند کے نکاح میں برقرار ہے کیونکہ خاوند کے مرنے کے بعد جب تک وہ عورت عدت میں بیٹھی ہے تو فی الجملہ اس کا نکاح باقی رہتا ہے۔ اس صورت میں گویا دیت نکاح میں واجب ہوگئی اس لئے عورت کو میراث ملنی چاہیے۔ اور اس عورت کو بھی دیگر ورثاء کی طرح دیت میں حصہ ملے گا اس کی دلیل اشیم ضبابی کی مرفوع حدیث ہے کہ یہ جب مقتول ہوئے تھے اور ان کا قتل کوفہ میں قتل خطاء تھا تو آپ ﷺ نے ضحاک بن سفیان کلابی (گورنر) کو خط لکھا کہ اس کی بیوی کو بھی اس کی دیت سے حصہ دیا جائے۔ پھر جب یہ حدیث عمرؓ تک پہنچی تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِصَاصِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ زُرَارَةَ بْنَ أَوْفَى يُحَدِّثُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَنَزَعَ يَدَهُ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ فَاخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ لَا دِيَةَ لَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى (وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ) وَفِي الْبَاب عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ وَسَلَمَةَ بْنِ أُمَيَّةَ وَهُمَا أَخَوَانِ حَدِيثُ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کے ہاتھ پر دانتوں سے کاٹ دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کے دو دانت گر گئے: پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اپنے بھائی کو اونٹ کی طرح کاٹتے ہیں تمہارے لئے کوئی دیت نہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی "والجروح قصاص" کہ زخموں کا بدلہ بھی دیا جائے۔ اس باب میں حضرت یعلی بن امیہ اور سلمہ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں یہ دونوں بھائی ہیں حدیث عمران بن حصینؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب سے معلوم ہورہا ہے کہ اگر کوئی شخص حملہ آور کو قتل کردے یا زخمی کردے تو دفاع کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں اس کو ہدر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حدیث الباب واقعہ ذکر کیا گیا کہ ایک آدمی نے دوسرے کے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹا تو اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو اس کے سامنے والے دو دانت ٹوٹ گئے۔ پھر یہ مقدمہ آپ ﷺ کی

خدمت میں پیش کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرا کیا خیال ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو کاٹنے دیتا دفاع نہ کرتا۔ جیسے اونٹ کسی کا ہاتھ چبائے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس واقعہ میں آیت مبارکہ والجروح قصاص نازل ہوئی، اب یہاں پر یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جن زخموں میں مساوات ممکن ہوتو قصاص لیا جائے گا اور جن میں مساوات ممکن نہ ہوتو حکومت عدل ہے یعنی عادل سمجھدار آدمی کا فیصلہ۔ یا یہ کہا جائے گا کہ زخموں میں قصاص اس وقت واجب ہوگا جبکہ زخم بطور تعدی کے ہوا گر بطور دفاع کے ہوتو کوئی قصاص نہیں اس سے مسئلہ وحدیث میں انطباق ہوسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَبْسِ فِي التُّهْمَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِي تُهْمَةٍ ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ بَهْزٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ أَتَمَّ مِنْ هٰذَا وَأَطْوَلَ.

علی بن سعید کندی، ابن مبارک، معمر، حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت کی وجہ سے قید کیا تھا پھر بعد میں اسے چھوڑ دیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے، بہز بن حکیم کی حدیث حسن ہے اور اسماعیل بن ابراہیم بھی بہز بن حکیم سے طویل حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: قید کرنا اور حبس کرنا اس وقت تک جائز ہے جب تک اس کی تفتیش نہیں کر لی جاتی تاکہ تفتیش سے پہلے بھاگ نہ جائے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص پر تہمت تھی تو آپ ﷺ نے اس کو روک لیا اور ستون وغیرہ سے باندھ دیا پھر جب اس کی تفتیش کی گئی تو وہ بے گناہ نکلا لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا۔ اسلام میں سالوں سال قید کر کے رکھنا جائز نہیں۔ ہاتھوں ہاتھ معاملہ صاف کرنا چاہیے۔ قتل کا کیس ہے تو قصاص فوراً ہو اور اگر چوری کا ہے تو قطع ید فوراً ہو" وعلی ھذا القیاس "سب جرموں کی سزا فوری ہونی چاہیے نہ کہ سالوں بعد۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ وَحَاتِمُ بْنُ سِيَاهٍ الْمَرْوَزِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَهْلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

سلمہ بن شبیب، حاتم بن سیاہ مروزی، عبدالرزاق، معمر، زہری، طلحہ بن عبداللہ بن عوف، عبدالرحمن بن عمرو بن سہل، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَسَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلرَّجُلِ أَنْ يُقَاتِلَ عَنْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ و قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُقَاتِلُ عَنْ مَالِهِ وَلَوْ دِرْهَمَيْنِ۔

محمد بن بشار، ابو عامر عقدی، عبدالعزیز بن مطلب، عبداللہ بن حسن، ابراہیم بن محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہونے والا شہید ہے اس باب میں حضرت علی، سعید بن زید، ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں عبداللہ بن عمرو کی حدیث حسن ہے اور ان سے متعدد سندوں سے مروی ہے بعض اہل علم نے جان و مال کی حفاظت میں لڑنے کی اجازت دی ہے ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اپنے مال کی حفاظت میں لڑے اگرچہ دو درہم ہوں۔

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَقَ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ سُفْيَانُ وَأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْرًا قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُرِيدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

ہارون بن اسحٰق ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب وہ روایت کرتے ہیں سفیان ثوری سے وہ عبداللہ بن حسن سے وہ فرماتے ہیں کہ بیان کیا ابراہیم بن محمد بن طلحہ نے حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ عبداللہ بن حسن نے ابراہیم بن محمد کی تعریف کی ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی کا مال ناحق طور پر لینے کا ارادہ کیا گیا وہ لڑا اور مارا گیا تو وہ شہید ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

محمد بن بشار اس حدیث کو عبدالرحمن بن مہدی سے وہ سفیان سے وہ عبداللہ بن حسن وہ ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ

عبد بن حمید، یعقوب بن ابراہیم بن سعد، حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ اپنے دین کی حفاظت میں

مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ نَحْوَ هٰذَا وَيَعْقُوْبُ هُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الزُّهْرِيُّ

قتل ہونے والا بھی شہید ہے اور اہل وعیال کی حفاظت میں قتل ہونے والا بھی شہید ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے ابراہیم بن سعد سے متعدد افراد نے اس طرح اس کے ہم معنی حدیث روایت کی اور یعقوب وہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف زہری ہیں۔

تشریح: شہید کے متعلق اقسام ماقبل کتاب الجنائز میں گزر چکی ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے مال، اہل وعیال، عزت آبرو کی حفاظت کرتے ہوئے بھی مارا جائے تو وہ شہید حکمی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص حفاظت دین کی خاطر مارا جائے تو یہ بھی شہید ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے مال، دین، اہل وعیال کی حفاظت کرنی چاہیے اور اس کے لئے لڑنا چاہیے کتے کی طرح بزدل موت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ بہادر بن کر کامیاب ہو گیا تو بامراد ہوگا اور اگر مارا گیا تو شہید بھی بامراد ہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَسَامَةِ

القسامة: یہ قسم سے ماخوذ ہے اس کے لغوی معنی ہیں قسم کھانا یا قسم لینا جس کے معنی حلف ویمین کے ہیں اور کبھی قسم کھانے والی جماعت کو بھی قسامہ کہہ دیا جاتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں قسامہ کی تعریف: قسامہ ان پچاس قسموں کو کہتے ہیں جو اولیاء مقتول پر رکھی جائیں تا کہ اولیاء مقتول قاتل کی تعیین کریں یا ان پچاس قسموں کو کہتے ہیں جو اُن اہل محلہ پر رکھی جائیں جن میں مقتول پڑا ہوا پایا گیا ہو۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ يَحْيَى وَحَسِبْتُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ أَنَّهُمَا قَالَا خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ بْنِ زَيْدٍ حَتّٰى إِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا. فِي بَعْضِ مَا هُنَاكَ ثُمَّ إِنَّ مُحَيِّصَةَ وَجَدَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ قَتِيْلًا قَدْ قُتِلَ فَدَفَنَهٗ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ ذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید سفر میں ایک ساتھ روانہ ہوئے لیکن خیبر پہنچے پر وہ دونوں الگ ہو گئے۔ پھر حضرت محیصہ نے عبداللہ بن سہل کو مقتول پایا چنانچہ خود محیصہ بن مسعود، حویصہ بن مسعود اور عبدالرحمن بن سہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عبدالرحمن ان میں چھوٹے تھے انہوں نے گفتگو کرنا چاہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بڑے کی بڑائی کا خیال رکھو۔ وہ خاموش ہو گئے اور ان کے دوسرے دونوں ساتھیوں نے گفتگو کی پھر یہ بھی ان کے ساتھ بولنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبداللہ بن سہل کے قتل کا ذکر کیا۔ آپ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ فَصَمَتَ وَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مَعَهُمَا فَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتَلَ عَبْدِاللهِ بْنِ سَهْلٍ فَقَالَ لَهُمْ أَتَحْلِفُونَ خَمْسِينَ يَمِينًا فَتَسْتَحِقُّونَ صَاحِبَكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ قَالُوا وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ يَمِينًا قَالُوا وَكَيْفَ نَقْبَلُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى عَقْلَهُ

نے فرمایا کہ کیا تم پچاس قسمیں کھا سکتے ہو کہ انہیں فلاں نے قتل کیا ہے تاکہ تم اپنے ساتھی کی دیت یا قصاص لینے کے مستحق ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے دیکھا تو نہیں تو کیسے قسم کھالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی پچاس قسمیں کھا کر بری ہو جائیں گے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کیسے کافر قوم کی قسموں کا اعتبار کرلیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے یہ معاملہ دیکھا تو اپنی طرف سے دیت ادا فرمائی۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ بِمَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْقَسَامَةِ وَقَدْ رَأَى بَعْضُ فُقَهَاءِ الْمَدِينَةِ الْقَوَدَ بِالْقَسَامَةِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ إِنَّ الْقَسَامَةَ لَا تُوجِبُ الْقَوَدَ وَإِنَّمَا تُوجِبُ الدِّيَةَ

حسن بن خلال، یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید، بشیر بن یسار، سہل بن ابی حثمہ اور رافع بن خدیج بھی اسی طرح حدیث بیان کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ قسامت کے مسئلہ میں بعض اہل علم محدثین کا اس پر عمل ہے اور بعض فقہاء مدینہ قسامت کی وجہ سے قصاص کے قائل ہیں اور بعض اہل علم اہل کوفہ وغیرہم کا قول ہے کہ قسامۃ سے قصاص واجب نہیں بلکہ دیت واجب ہوتی ہے۔

تشریح: عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود یہ آپس میں چچازاد بھائی تھے کسی کام کے لئے دونوں گئے اور خیبر پہنچنے کے بعد دونوں جدا ہو گئے کاموں کے مختلف ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن سہل ایک طرف اور محیصہ دوسری طرف چلے گئے پھر محیصہ نے عبداللہ بن سہل کو مقتول پایا و قد قتل یہ قتیلاً کی صفت کاشفہ ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ گھڑے میں پائے گئے جبکہ خون میں لت پت تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کا گلا گھونٹا گیا پھر محیصہ نے اپنے چچازاد بھائی کو دفن کیا دفن سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ اور حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل جو عبداللہ بن سہل کے حقیقی بھائی تھے یہ تینوں آئے۔ اور عبدالرحمٰن ان تینوں میں سے چھوٹے تھے۔ عبدالرحمٰن بن سہل نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بات کرنی شروع کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کبر الکبر بڑے کو آگے کر دو اس کو بات کرنے کا موقع پہلے دو۔

سوال: مقتول کے حقیقی وارث تو عبدالرحمٰن بن سہل ہیں دعویٰ کرنے کا حق ان کو ہے پھر حضور ﷺ نے ان کو کیوں روکا۔

جواب: بے شک متولی اور وارث عبدالرحمٰن ہی تھے لیکن مقصد یہ تھا کہ پہلے واقعہ کی مکمل تفصیل بڑے کو بیان کرنے دو پھر جب قضاء شرعی کا وقت آئے گا تو اس وقت تمہیں بھی موقع دیا جائے گا۔

بعض نے کہا کہ کبُرا کبریٰ کی جمع ہے اب معنی یہ ہوگا کہ جب ایسا وقت پیش آئے تو پہلے بڑی عمر والوں کو بات کرنے دو اس کے بعد چھوٹی عمر والے بات کریں۔ پس عبدالرحمٰن کے دونوں ساتھیوں نے تفصیل بیان کی پھر عبدالرحمٰن نے دونوں کے بعد بات کی انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے عبداللہ بن سہل کے مقتول ہونے کا تذکرہ کیا۔ حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم پچاس قسمیں اٹھاتے ہو پس تم مستحق ہو جاؤ گے اپنے ساتھی کے یا فرمایا اپنے قاتل کے یعنی اس کے دَم کے مستحق ہو جاؤ گے۔ ورثاء مقتولین نے کہا کہ ہم کیسے قسمیں اٹھائیں حالانکہ ہم وہاں قتل کے وقت موجود نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم قسمیں نہیں اٹھاتے ہو تو یہودی قسم اٹھالیں گے اور تم کو بری کر دیں گے تم قصاص نہیں لے سکو گے۔ اولیاء مقتولین نے کہا کہ ہم کیسے کافر لوگوں کی قسموں کا اعتبار کریں وہ جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے۔ آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ نہ یہ خود قسمیں اٹھاتے ہیں اور نہ ہی یہودیوں سے قسمیں اٹھواتے ہیں تو اب قاعدہ کا مقتضیٰ یہ ہے مقدمہ خارج ہو جائے لیکن آپ ﷺ نے اپنی طرف سے (بیت المال سے) دیت دے دی تاکہ ایک مسلمان کا خون رائیگاں نہ جائے۔ اس باب میں چند مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: قسامہ کسے کہتے ہیں؟ احناف کے نزدیک قسامہ ان پچاس قسموں کو کہتے ہیں جو اس محلے والوں سے لی جائیں جس محلہ میں کوئی مقتول پایا گیا ہو اور قاتل کا پتہ نہ ہو۔

شوافع کے نزدیک لوث کے موجود ہونے کی صورت میں وہ پچاس قسمیں ہیں جو اولیاء مقتول سے لی جاتی ہیں اور لوث موجود نہ ہونے کی صورت میں ان پچاس قسموں کو کہتے ہیں جو اہل محلہ سے لی جاتی ہیں۔

لوث کی وضاحت: ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہو مثلاً اس شخص کے ساتھ مقتول کی عداوت مشہور و معروف ہو یا قاتل کے کپڑے خون سے آلودہ ہوں یا مقتول کی کوئی چیز قاتل کے پاس برآمد ہوگئی ہو تو پھر کہا جائے گا کہ ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہے۔ یا اہل محلہ کے قتل کرنے کے متعلق ایک عادل شخص اور ایک جماعت جو غیر عادل ہو، نے شہادت دی ہو کہ فلاں محلہ والوں نے مقتول کو مارا ہے یہ قرینہ قولیہ ہے اور گواہی کا نصاب پورا نہیں اس لئے ناقص گواہی سے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

مسئلہ ثانیہ: قسامت کب واجب ہوتی ہے؟

قسامت اس وقت واجب ہوتی ہے جب کسی محلے میں کوئی مقتول پایا جائے اور اس پر قتل کے نشانات ہوں مثلاً وہ زخمی ہو یا کپڑے خون سے لت پت ہوں یا گلہ گھونٹنے کے نشانات ہوں یا گولی کا نشان ہو تو ایسی صورت میں قسامت جاری ہوگی اور اگر قتل کے نشانات میں سے کوئی نشان نہ پایا جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ اپنی موت مرا ہے اب کوئی قسامت نہیں ہے۔

مسئلہ ثالثہ: موجب قسامت یعنی قسامت سے کیا واجب ہوگا نیز قسامت کیلئے لوث کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

قول اوّل: عندالاحناف قسامہ کا موجب یہ ہے کہ اولیاء مقتول کو کہا جائے گا کہ تم اس محلہ کے پچاس آدمیوں کا انتخاب کرو جب وہ انتخاب کرلیں گے تو پھر ان میں سے ہر ایک سے مخصوص الفاظ میں قسم لی جائے گی ہر ایک یوں قسم اٹھائے گا: "**واللہ ما قتلتہ ولا علمت لہ قاتلا**" اگر پچاس آدمی پورے ہو جائیں تو فبھا اور اگر پچاس آدمی پورے نہ ہوں تو مکرر قسمیں لی جائیں گی حتیٰ کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں اگر یہ محلے والے قسمیں اٹھالیں تو دیت واجب ہو جائے گی اور اگر قسمیں اٹھانے سے انکار کریں تو

ان کو قید کیا جائے گا تاوقتیکہ وہ قسمیں اٹھالیں یا قتل کا اقرار کرلیں برابر ہے کہ دعویٰ قتل عمد کا ہو یا قتل خطا کا ہو۔ احناف کے نزدیک قسامت کا موجب صرف دیت ہی ہے قصاص نہیں ہے۔ نیز احناف کے نزدیک لوث ضروری نہیں۔

قول ثانی: شوافع، مالکیہ اور بقول محشی امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ قسامت تب واجب ہوگی کہ جب محلہ میں کوئی شخص مرا ہوا پایا گیا ہو اور اس پر قتل کے نشانات ہوں اور قاتل کا پتہ نہ ہو اور اولیاء مقتول رجل معین کے بارے میں یا رجال معین کے بارے میں قتل کا دعویٰ کریں تو تب قسامت جاری ہوگی۔

مسئلہ رابعہ: قسامہ سے قبل مقتول کے ورثاء قسمیں کھائیں گے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک مقتول کے ورثاء پر قسمیں نہیں ہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے اور اگر دعویٰ قتل عمد کا ہو تو امام شافعیؒ کے قول مختار کے مطابق دیت مغلظہ واجب ہوگی اور اگر قتل خطأ کے بارے میں قسمیں کھائیں تو دیت مخففہ واجب ہوگی اور اگر مقتول کے ورثاء قسم کھانے سے انکار کریں تو مدعیٰ علیہ یا جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ پچاس قسمیں کھائیں گے اور ان پر دیت مخففہ ہوگی۔

مسئلہ خامسہ: قسامہ سے قصاص واجب ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور علماء وائمہ کے قول کے مطابق قسامہ سے قصاص واجب نہیں ہوتا البتہ دیت واجب ہوتی ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر مقتول کے ورثاء کسی معین آدمی کے بارے میں پچاس قسمیں کھائیں کہ اس نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا۔

مذاہب میں ائمہ کے اقوال میں فرق: مالکیہ اور حنابلہ وشوافع کے درمیان فرق۔

اوّل: دعویٰ قتل عمد کا ہو اور لوث موجود ہو اور اولیاء مقتول قسمیں اٹھالیں تو شوافع کے نزدیک دیت ہی واجب ہوگی جبکہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک قصاص واجب ہوگا۔

الثانی: اولیاء مقتول کے قسموں سے انکار کی صورت میں قسموں کا رد کیا جائے گا۔ اہل محلہ کی طرف، اس صورت میں پچاس قسمیں لی جائینگی یا ایک۔ شوافع کہتے ہیں کہ خواہ لوث موجود ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں پچاس قسمیں لی جائیں گی مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر لوث موجود ہو تو اہل محلہ سے پچاس قسمیں لی جائیں گی اور اگر لوث موجود نہ ہو تو پھر ایک ہی قسم لی جائے گی۔

الثالث: جب اہل محلہ قسمیں اٹھانے سے انکار کردیں تو شوافع کے نزدیک اولیاء کی طرف رد ہوگا اگر اولیاء مقتول قسمیں اٹھالیں تو دیت واجب ہوگی۔ اور اگر اولیاء مقتول قسمیں اٹھانے سے انکار کردیں تو دیت ساقط ہوجائے گی برخلاف مالکیہ اور حنابلہ کے کہ اگر اہل محلہ قسمیں اٹھانے سے انکار کردیں تو پھر قسموں کا رد اولیاء مقتول کی طرف نہیں ہوگا بلکہ مالکیہ کے نزدیک حبس اور قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسمیں اٹھالیں یا قتل کا اقرار کرلیں یا وہیں جیل خانہ میں مرجائیں اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جوں ہی اہل محلہ قسمیں اٹھانے سے انکار کردیں گے تو ان پر دیت واجب ہوگی حبس اور قید نہیں کیا جائے گا باقی دیت کس پر واجب ہوگی اس میں حنابلہ کی دو روایتیں ہیں۔ ① بیت المال پر واجب ہوگی۔ ② اصح یہ ہے کہ دیت اہل محلہ پر واجب ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ اور احناف کے مذہب میں فرق: **اوّل:** احناف کے ہاں قسامت کے جاری ہونے کے لئے مخص معین یا اشخاص معین کے خلاف دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اولیاء مقتول کا ظن غالب یہ ہو کہ اس محلہ والوں نے قتل کیا یا ان کو قاتل کا پتہ ہے بر خلاف ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے نزدیک شخص معین یا اشخاص معین کے خلاف اولیاء مقتول کا دعویٰ کرنا ضروری ہے۔

ثانی: احناف کے نزدیک قسمیں صرف اہل محلہ سے ہی لی جائیں گی اولیاء مقتول سے کسی صورت میں بھی نہیں لی جائیں گی۔ برخلاف ائمہ ثلاثہ کہ ان کے نزدیک جب لوث موجود ہو تو اولیاء مقتول سے قسمیں لی جائیں گی اور اگر لوث موجود نہ ہو یا اولیاء مقتول قسمیں اٹھانے سے انکار کردیں تو پھر اہل محلہ سے قسمیں لی جائیں گی اور اگر اہل محلہ قسمیں اٹھانے سے انکار کردیں تو پھر بھی اولیاء مقتول سے قسمیں لی جائیں گی۔

ثالث: احناف اور شوافع کے ہاں قسامہ کا موجب دیت ہے اور دیت میں ایسی کوئی صورت نہیں جس میں قصاص واجب ہو برخلاف امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے ہاں کہ ان کے ہاں جب دعویٰ قتل عمد کا ہو اور لوث موجود ہو اور اولیاء مقتول قسمیں اٹھالیں تو قصاص واجب ہوگا۔

رابع: احناف کے نزیک کوئی صورت ایسی نہیں کہ جس میں دیت ساقط ہو برخلاف شوافع حضرات کے کہ ان کے نزدیک بعض صورتوں میں دیت ساقط ہو جائے گی۔ ① لوث موجود نہ ہونے کی صورت میں اہل محلہ نے قسمیں اٹھالیں تو دیت ساقط ہو جائے گی۔ ② دوسری صورت یہ ہے کہ اہل محلہ نے قسمیں اٹھانے سے انکار کردیا اور قسموں کا رد کیا گیا اولیاء مقتول پر اور انہوں نے قسمیں اٹھانے سے انکار کردیا تو اب بھی دیت ساقط ہو جائے گی۔

امام مالکؒ وغیرہ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا "**استحقوا قتیلکم یعنی قصاص قتیلکم**" یہاں اولیاء مقتول کو قسم دلا کر قصاص کا مستحق قرار دیا گیا۔

جواب اول: حدیث الباب تمام احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے کیونکہ تمام احادیث میں دیت کا ذکر ہے کسی میں قصاص کا ذکر نہیں ہے لہٰذا حدیث الباب سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب ثانی: واقعہ قتیل خیبر والی جو روایات ہیں کہ اولیاء مقتول سے قسموں کا مطالبہ ہوا ہے یا نہیں؟ تو اس میں روایات مضطرب ہیں بخاری شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے اولیاء مقتول سے بینہ کا مطالبہ کیا اس میں قسموں کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ پس جن رواۃ نے قسموں کے مطالبہ کو ذکر کیا تو یہ روایت بالمعنیٰ کا نتیجہ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حدیث کے ان الفاظ سے استدلال ہے جن میں اولیاء مقتول پر قسم کا ذکر ہے "**کما قال علیه السلام لا ولیاء المقتول فیقسم منکم خمسون انهم قتلوه**" اور عدم قصاص پر ابوداؤد شریف کی روایت پیش کرتے ہیں "**انه اوجب الدیة علی الیهود لوجود القتیل بین اظهرهم**"۔

جواب اوّل: ان سے قسمیں دلوانے کا ایک خاص مقصد تھا وہ یہ کہ اپنے دل کی بات زبان سے ظاہر کریں کہ وہ قسم سے انکاری ہیں چنانچہ انہوں نے یہی کہا کہ "**وکیف نحلف ولم نشهد**" یہ قسم پیش کرنا فیصلہ کیلئے نہیں تھا اور بعض حضرات کہتے ہیں

کہ اولیاء مقتول سے قسم لینے کی روایت میں راوی کو وہم ہو گیا ہے۔

جواب ثانی: سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں اسکی تفصیلی روایت موجود ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء مقتول سے بینہ طلب کی جب وہ بینہ پیش نہ کر سکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب یہود سے قسم لی جائیگی انہوں نے کہا کہ کفار کی قوم کی قسم پر ہم کیسے اعتماد کر سکتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سچ بولیں گے یا جھوٹ۔ اس پر آپ ﷺ نے بطور انکار فرمایا کہ پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ تم قسم کھا کر اپنا حق ثابت کرو گے؟ یہ تو قانون شرع کے خلاف ہے بہر حال جس حدیث میں اتنے احتمالات موجود ہوں تو وہ حدیث ''البینۃ علی المدعی'' کے قاعدہ کلیہ کے مقابلے میں مستدل نہیں بن سکتی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: عدم قصاص پر تو امام شافعیؒ کا مستدل ہمارا مستدل ہے اور مقتول کے اولیاء پر قسم نہ ہونے کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے ''البينة على المدعى واليمين على من انكر'' یہ قاعدہ کلیہ عام قانون ہے۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قانون کے مطابق پہلے آپ ﷺ نے اولیاء مقتول سے شہادت طلب کی تو انہوں نے شہادت پیش کرنے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم ان میں سے پچاس آدمی منتخب کر کے قسم لے لو تو یہاں واضح ہے کہ آپ ﷺ نے مدعیٰ علیہم سے قسم لیکر ان پر دیت واجب کی۔

دلیل ثالث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے قسم لے کر فیصلہ کیا کسی نے نکیر نہیں فرمائی گویا اس پر اجماع صحابہ ہو گیا نیز بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایام جاہلیت کے قسامہ کے طریقہ کو باقی رکھا۔ بہر حال اجماع صحابہ اور اصول حدیث کے تحت احناف کے مذہب کو ترجیح حاصل ہے۔

حدیث کی مختصر وضاحت: یہ حدیث احناف اور شوافع کے خلاف ہے حنابلہ اور مالکیہ کے موافق ہے۔

اسکا جواب اوّل: بے شک آپ ﷺ نے اولیاء مقتول سے قسموں کا مطالبہ کیا لیکن فیصلہ شرعی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ انکے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے کہا۔ کیونکہ جو لوگ آپ ﷺ سے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے کہ اہل خیبر سے قصاص لیا جائے تو انہیں باور کروایا کہ کیا تم کسی معین شخص کے خلاف قتل کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ لہٰذا جب تم دعویٰ نہیں کر سکتے تو میں ان سے قصاص کیسے لوں؟

فتستحقون صاحبكم: اس سے مراد یہ حضرات قاتل لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم قسمیں اٹھالو اس سے تم قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے یعنی قاتل کے دم کے مستحق ہو جاؤ گے۔ جواب یہ دیا کہ یہاں ''صاحبكم'' سے مراد مقتول ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ تم قسمیں اٹھالو تو مقتول کے مستحق ہو جاؤ گے یعنی مقتول کے معاوضہ کے مستحق ہو جاؤ گے اور مقتول کا معاوضہ دیت ہے۔

سوال: پھر ''او قاتلكم'' کیسے منطبق ہوگا حالانکہ یہ تو نص صریح ہے کہ قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے۔

جواب اوّل: ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ روایت بالمعنیٰ کی قبیل سے ہو۔

جواب ثانی: واقعہ قتیل خیبر میں صاحبكم یا قاتلكم کا لفظ وہم ہے سفیان بن عیینہ کا یا کسی اور راوی کا۔ چنانچہ ابوداؤد نے یہی فیصلہ دیا کہ یہ ثابت نہیں۔

سوال: قتیل خیبر میں اہل خیبر سے قسمیں نہیں لی جا سکتیں کیونکہ قاعدے کے مطابق ان اہل محلہ سے پچاس قسمیں لی جاتی ہیں جو

وہاں کی اراضی کے مالک ہوں اور اہل خیبر تو اراضی کے مالک نہیں تھے کیونکہ فتح خیبر کے بعد وہ اراضی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں تو پھر ان سے کیسے قسمیں لی جائیں گی؟۔

جواب: یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہاں کے رہنے والے ملے جلے ہوں یعنی مالک بھی ہوں اور کرایہ پر رہنے والے بھی ہوں تو پھر وہاں جو مالک ہیں ان سے قسمیں لی جائیں گی اور اگر رہنے والے سارے کے سارے غیر مالک ہوں تو پھر انہی سے قسمیں لی جائیں گی۔ظاہر ہے فتح خیبر کے بعد وہاں پر رہنے والے غیر مالک تھے۔اس لئے ان سے قسمیں لی جاسکتی تھیں۔

اہل خیبر کے متعلق یہ بات انہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں یا نہیں؟ اس بارے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں اٹھائی تھیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اٹھائی تھیں۔ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔کیونکہ انہوں نے قسمیں لکھ کر بھیج دی تھیں اور ظاہر ہے کہ لکھ کر بھیجنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے جنہوں نے کہا کہ قسمیں اٹھائی تھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لکھ کر قسمیں بھیجی تھیں اور جنہوں نے کہا کہ نہیں اٹھائی تھیں اس کا مطلب یہ ہے کہ قاعدہ شرعیہ کے مطابق قسمیں نہیں اٹھائی تھیں۔

اَبْوَابُ الْحُدُوْدِ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

حدود حد کی جمع ہے اس کا لغوی معنی ہے منع کرنا، روکنا اور حد اس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔

اصطلاحی تعریف: وہ سزا جس کی مقدار ''من جانب اللہ'' مقرر ہو جبکہ تعزیر وہ سزا ہے جس کی مقدار شریعت کی جانب سے مقرر نہ ہو بلکہ اس قاضی کی صوابدید پر موقوف ہو۔

سزا کی تفصیل: اسلامی عقوبات تین طرح کی ہیں۔ **اوّل:** وہ سزائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے مگر اس کے اجراء کو خود بندوں پر چھوڑ دیا ہے اس میں کسی خارجی طاقت کی دخل اندازی کی اجازت نہیں ہے شریعت نے اس طرح کی سزا کا نام کفارہ رکھا ہے جیسے قسم کی خلاف ورزی یا رمضان میں بلا عذر روزہ توڑنے کا کفارہ۔

ثانی: وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے ثابت ہیں اور متعین بھی ہیں ان سزاؤں کو جاری کرنے کا اختیار حاکم یا حکومت کو ہے مگر ان میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے اس طرح کی سزاؤں کو شریعت میں حد کہتے ہیں۔ جیسے چوری، زنا اور شراب کی سزائیں۔ **ثالث:** وہ سزائیں جسے نہ کتاب اللہ میں بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی حدیث میں تو ایسی سزاؤں کو عادل حکومت کے سپرد کیا گیا ہے کہ وہ موقع محل کی بناء پر اسکو متعین کرے اور انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں اسکو تعزیر کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حدود والی سزائیں صرف چار ہیں ان میں سے تین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور ایک کا ذکر حدیث میں ہے۔

اوّل: زنا کی سزا اگر زانی، غیر محصن ہے تو سو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر زانی محصن ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔ سو کوڑے والی سزا قرآن میں مذکور ہے اور سنگسار والی سزا قرآن میں مذکور تھی مگر بعد میں یہ آیت منسوخ کر دی گئی اور حکم باقی رکھا گیا۔ اب اس کا ذکر حدیث میں ہے۔ **الثانی:** چوری کی سزا، اور وہ ہاتھ کاٹنا ہے یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور ہے۔

الثالث: حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا اور وہ اسی کوڑے ہے یہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے۔

رابع: شراب پینے کی سزا ہے اس کا تذکرہ احادیث میں ہے قرآن میں نہیں ہے۔

ان جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں قاضی جو سزا مناسب سمجھے وہی دے دے۔

سوال: اس باب میں آنے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا بظاہر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے خلاف ہے؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر دنیا کا نظام چلانا ہے اس لئے شریعت کے وہ احکام جو شان نبوت کے خلاف نہیں تھے ان پر آپ ﷺ سے عمل کروایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان احکام پر عمل کر کے امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کر دیا۔ جیسے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی سے آپ ﷺ نے نکاح کیا حالانکہ اس وقت عرب میں یہ بات معیوب سمجھی جاتی تھی

اور وہ احکام جو شان نبوت کے خلاف تھے تو ان پر تکوینی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عمل کروایا گیا تا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے عملی نمونہ موجود ہو اس وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زنا، چوری، شراب پینے اور قذف کے واقعات پیش آئے اور متعلقہ افراد پر حد جاری ہوئی اس طرح حد قائم کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا اور نفاذ حد کا ثبوت بھی ہو گیا اور احکام شریعت کی بھی تکمیل ہو گئی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارتکاب کبائر کو گناہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ تکمیل شریعت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ مرتکب کبائر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حد لگوانے کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے بے چین ہو جاتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقُطَعِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَشِبَّ وَعَنِ الْمَعْتُوهِ حَتَّى يَعْقِلَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَلِيٍّ وَذَكَرَ بَعْضُهُمْ وَعَنِ الْغُلَامِ حَتَّى يَحْتَلِمَ وَلَا نَعْرِفُ لِلْحَسَنِ سَمَاعًا مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوَاهُ الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوفًا وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَأَبُو ظَبْيَانَ اسْمُهُ حُصَيْنُ بْنُ جُنْدَبٍ.

محمد بن یحییٰ قطعی، بشر بن عمر، ہمام، قتادہ، حسن، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور پاگل یہاں تک کہ اس کی عقل لوٹ آئے۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حدیث منقول ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اور کئی سندوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی منقول ہے بعض راوی اس میں "عن الغلام حتی یحتلم" کے الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں حضرت حسن کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ہمارے علم میں نہیں۔ یہ حدیث عطاء بن سائب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے عطاء بن سائب رضی اللہ عنہ، ابوظبیان سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مرفوعاً نقل کرتے ہیں اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے ابوظبیان کا نام حصین بن جندب ہے۔

تشریح: اس باب میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن پر حد جاری نہیں ہوتی۔ عن النائم سونے کی حالت میں صادر ہونیوالے فعل پر حد جاری نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی سو رہا ہے اور سوتے ہوئے چل پڑا اور کسی کے گھر میں داخل ہو گیا تو اس پر چوری کا الزام لگ گیا اسکو نہیں معلوم کہ میں یہاں کیسے آ گیا تو اس پر چوری کی حد جاری نہیں کی جائیگی۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو نیند میں چلنے کی عادت ہوتی ہے۔

وَعَنِ الصَّبِيِّ: بچے پر حد نہیں جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے، بچپن میں اگر اس نے کسی کی چیز اٹھالی تو اس کو چور سمجھ کر ہاتھ نہیں

کاٹے جائیں گے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ناسمجھی میں چیز اٹھا رہا ہو۔ اگر وہ بالغ اور سمجھدار ہو کر چوری کرتا ہے پھر اس پر حد جاری کی جائے گی۔ بچپن کی حالت میں اگر کوئی چوری کرے تو اس کو قاضی تھوڑی بہت سزا دے تا کہ آئندہ وہ اس بات سے گریز کرے۔

وَعَنِ الْمَعْتُوهِ: مجنون شخص اگر جنون کی حالت میں کسی کی چوری کر لے یا زنا کر لے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ اس کا جنون دور ہو جائے۔

باقی اس حدیث کے ایک راوی ظبیان کا نام بتلا دیا کہ ان کا نام حصین بن جندب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الْحُدُودِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ أَبُو عَمْرٍو الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ

عبدالرحمن بن اسود، ابوعمرو بصری، محمد بن ربیعہ، یزید بن زیاد دمشقی، زہری، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ اگر مجرم کے لئے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ نَحْوَ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ رَبِيعَةَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثُ عَائِشَةَ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ وَكِيعٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَرِوَايَةُ وَكِيعٍ أَصَحُّ وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ قَالُوا مِثْلَ ذٰلِكَ وَيَزِيدُ بْنُ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيُّ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ الْكُوفِيُّ

ہم سے روایت کی ہناد نے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی وکیع نے انہوں نے یزید بن زیاد سے، محمد بن ربیعہ کی حدیث کی مانند اور اس کو مرفوع نہیں کیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمروؓ سے بھی روایت ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو ہم صرف محمد بن ربیعہ کی سند سے مرفوع جانتے ہیں محمد بن ربیعہ، یزید بن زیاد دمشقی سے نقل کرتے ہیں وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں وکیع بھی یزید بن زیاد سے اسی طرح حدیث غیر مرفوع نقل کرتے ہیں اور وکیع کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح روایت کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بے شک وہ سب یہی کہتے ہیں یزید بن زیاد دمشقی اس حدیث میں ضعیف ہے اور یزید بن ابی

أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَأَقْدَمُ زیادکوفی اس سے اثبت اور اقدم ہے۔

تشریح: جب تک حاکم کے پاس کسی کے بارے میں حدود کے متعلق کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہو اس وقت تک کوشش کرنی چاہیے کہ حد ساقط ہو جائے۔ حد کو ساقط کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ بندے کا حق ساقط کر دیا جائے وجہ اس کی یہی ہے کہ اگر چوری میں شبہ ہو تو حد ساقط ہو جائے گی لیکن اگر مال مسروق ان کے پاس موجود ہو تو وہ مسروقہ مال اس سے لے کر مالک کو دیا جائے گا نیز معافی میں خطا کا ہو جانا زیادہ بہتر ہے بنسبت عقوبت اور حد میں خطا ہونے سے۔

کبھی حد شبہ کی وجہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ شبہ کی تین اقسام ہیں۔

اوّل: شبہ فی الفعل یعنی کسی شخص نے بیوی کے شبہ میں کسی اجنبی عورت سے صحبت کر لی تو یہ شبہ فی الفعل ہے۔

ثانی: شبہ فی العقد: یعنی کوئی شخص محارم سے نکاح کر کے صحبت کرے یہ شبہ فی العقد ہے۔

ثالث: شبہ فی المحل: مزنیہ میں حلت کا احتمال ہو جیسے بیوی کی باندی سے صحبت کرنا شبہ فی المحل ہے ان شبہات کی بناء پر بھی حد ساقط ہو جاتی ہے۔

وفی الباب: امام ترمذیؒ نے وکیع کی روایت کو ترجیح دی ہے مگر اس کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ ضعیف راوی یزید ہے۔ اور وہ ان کی سند میں بھی موجود ہے۔ یزید دو ہیں ایک ابن زیاد یہ دمشقی ہیں اور ضعیف ہیں جبکہ دوسرے ابن ابی زیاد ہیں جو کہ کوفی ہیں یہ ثقہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ رِوَايَةِ أَبِي عَوَانَةَ وَرَوَى أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حُدِّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ عُبَيْدُ بْنُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی مسلمان سے دنیاوی مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کرے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن مصیبت دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اسکی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی کریں گے۔ اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہے۔ اس باب میں حضرت عقبہ بن عامرؓ اور ابن عمرؓ سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو کئی راوی اعمش سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اعمش، ابو صالح سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو عوانہ ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اسباط بن محمد، اعمش سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں، ہم

أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ

سے یہ حدیث عبید بن اسباط بن محمد اپنے والد کے واسطے سے اعمش سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ .

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ہلاکت میں ڈالے جس نے اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کی اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: مسلمان کی ستر پوشی کی فضیلت کا بیان ہے پردہ پوشی افضل ہے یا حاکم تک بات پہنچانا افضل ہے؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمان عادی مجرم ہے تو اسکی بات حاکم تک پہنچانا افضل ہے اگر مسلمان عادی مجرم نہیں اتفاقاً اس سے ایک آدھ مرتبہ جرم صادر ہو گیا ہو تو پھر پردہ پوشی افضل ہے۔ اسی طرح ستر اس وقت افضل ہے جب جنایت کی وجہ سے حقوق عامہ کا ضیاع نہ ہو اگر حقوق عامہ کا ضیاع ہو تو حاکم تک بات پہنچانا افضل ہے۔ مثلاً کوئی بیت المال میں خیانت کرتا ہے تو اسکی بات حاکم تک پہنچانا ضروری ہے اسی طرح کوئی مال غنیمت میں خیانت کرتا ہے تو اس سے ضرر عام ہو رہا ہے لہٰذا ایسے مسلمان کی شکایت حاکم تک پہنچانا ضروری ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی قسم کے گناہ میں مبتلا ہو جائے تو دوسرے مسلمان کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس کے خلاف گواہی نہ دے بلکہ اس کے عیب کی پردہ پوشی کرے اور اسی طرح گناہ کرنے والے کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ خود جا کر قاضی کے پاس گناہ کا اعتراف نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور سچی توبہ کرے۔

كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا: یہاں کربۃً میں تنوین قلیل کے لئے ہے اور دوسری جگہ تنوین تعظیم کے لئے ہے مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی چاہے کہ میری پردہ پوشی ہو تو اس کا نسخہ یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی کرے حق تعالیٰ اس کی دنیا میں بھی پردہ پوشی کریں گے اور آخرت میں بھی پردہ پوشی کریں گے۔

وَلَا يُسْلِمُهُ: اور اپنے مسلمان بھائی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور اس کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا مجرد میں سلامتی کا معنی ہے اور مزید فیہ میں سلامتی کا سلب یعنی ہلاکت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّلْقِينِ فِي الْحَدِّ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم

حَرْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ أَحَقٌّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ وَمَا بَلَغَكَ عَنِّي قَالَ بَلَغَنِي أَنَّكَ وَقَعْتَ عَلَى جَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ وَفِي الْبَاب عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماعز بن مالک ؓ سے فرمایا کیا تمہاری جو خبر ہم تک پہنچی ہے وہ صحیح ہے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو میرے بارے میں کیا خبر پہنچی ہے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے فلاں قبیلے کی لڑکی کے ساتھ زنا کیا ہے عرض کیا جی ہاں۔ پھر ماعز نے چار مرتبہ اقرار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رجم کا حکم دیا۔ اس باب میں حضرت سائب بن یزید سے بھی حدیث منقول ہے حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث حسن ہے شعبہ یہ حدیث سماک بن حرب سے اور وہ سعید بن جبیر سے مرسلاً نقل کرتے ہیں اور اس میں حضرت ابن عباس کا ذکر نہیں کرتے۔

تشریح: جب حد کا ثبوت اقرار سے ہو تو قاضی اور حاکم کو چاہیے کہ وہ ایسی کوشش کرے کہ حد ساقط ہو جائے مثلاً کوئی اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس سے بطور تفتیش کے اس طرح پوچھے کہ تم زنا کی بات کر رہے ہو تمہیں پتہ بھی ہے کہ زنا کیا چیز ہے؟ مسلمان اور زنا کا بھی مرتکب ہو۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے، تم کیا کہہ رہے ہو مجھے اسکی بالکل سمجھ نہیں آرہی پھر اگر وہ تفصیل اور صراحت کے ساتھ اقرار کرے مثلاً یہ کہے کہ جیسے سرمچو سرمہ دانی میں اور ڈول کی رسی کنویں میں ہو تو پھر اقرار کے ذریعے زنا کا ثبوت ہوگا اس پر حضرت ماعز اسلمی ؓ کا واقعہ ذکر فرمایا۔ اس واقعہ میں تلقین اس طرح ہوئی کہ لوگوں میں یہ بات چل رہی تھی کہ ماعز زنا کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے پوچھ لوں گا اگر وہ انکار کر دینگے تو میں لوگوں کو روک دوں گا۔ تو آپ ﷺ کا اصل مقصد حد کو دور کرنا تھا تو بایں طور تلقین ہوگی لیکن حضرت ماعز ؓ نے نبی کریم ﷺ کے خیال کے خلاف چار بار اقرار کر لیا۔

سوال: أَحَقٌّ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ: یہ تو تجسس کرنا ہے اور یہ ادرء والحدود کے خلاف ہے؟

جواب: مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو لوگوں کی باتوں سے فی الجملہ معلوم ہو چکا تھا اور ظاہر ہے کہ مسلمان زنا کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور جب حضرت ماعز انکار کر دیں گے تو میں لوگوں کو باتیں کرنے سے روک دوں گا۔

لحی جمل: اونٹ کے جبڑے کی ہڈی کو کہتے ہیں یہ بڑی اور نوک دار بھی ہوتی ہے اس سے جب ضرب لگائی گئی تو وہ بھاگنے میں کمزور پڑ گئے اور دوسرے لوگوں نے بھی ان کو مارا تو یہ فوت ہو گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الْحَدِّ عَنِ الْمُعْتَرِفِ إِذَا رَجَعَ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزٌ الْأَسْلَمِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنَى فَأَعْرَضَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز اسلمی ؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور

عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْآخَرِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَأَمَرَ بِهٖ فِي الرَّابِعَةِ فَأُخْرِجَ إِلَى الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ حَتّٰى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيُ جَمَلٍ فَضَرَبَهُ بِهٖ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰى مَاتَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ فَرَّ حِينَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَرُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا

پھر عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر دوسری جانب سے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ ان کے رجم کرنے کا حکم دیا پس انہیں پتھریلی زمین کی طرف لے جا کر سنگسار کیا گیا جب انہیں پتھروں سے تکلیف پہنچی تو بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے اس کے پاس اونٹ کا جبڑا تھا اس نے اس سے ان کو مارا اور دیگر لوگوں نے بھی مارا حتی کہ وہ فوت ہو گئے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے پتھروں اور موت کی تکلیف کو محسوس کیا تو بھاگ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا۔ یہ حدیث حسن ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی سندوں سے منقول ہے حضرت ابوسلمہ بھی یہ حدیث جابر بن عبداللہؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت ماعز اسلمیؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں حدیث میں تو اختصار ہے مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث طوالت سے ذکر کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ماعز اسلمیؓ کا ایک دوست ہزال تھا اس کی باندی کے ساتھ انہوں نے زنا کیا جب اس کی خبر ہزال کو ہوئی تو انہوں نے حضرت ماعزؓ سے کہا کہ تم نے جو جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کا ذکر آپ ﷺ کے سامنے کرو تا کہ اپنے گناہ کا اقرار کرو تا کہ جو سزا ملنی ہو وہ دنیا ہی میں مل جائے اور معاملہ یہیں دنیا ہی میں ختم ہو جائے اور آخرت میں اس کی پکڑ نہ ہو۔ حضرت ماعزؓ نے کہا میں یہ بات کس منہ سے کہوں۔ چنانچہ ہزال ان کو برابر کہتے رہے اور حضرت ماعزؓ ہمت کر کے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے زنا کا اقرار کر لیا، آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا، چنانچہ وہ چلے گئے اور جا کر ہزال کو کہا کہ تم نے مجھے رسوا کیا مگر پھر انہوں نے ان سے اصرار کیا کہ تم اس گناہ سے دنیا ہی میں پاکی حاصل کر لو پھر دوسری بار نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کا اقرار کیا پھر آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ یہ پھر واپس لوٹ گئے، پھر ہزال نے ان کو کہا کہ تم پھر جاؤ اور ان کی خوب ذہن سازی کی۔ پھر ہزال ہی کے اصرار پر وہ تیسری بار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کا اقرار کیا۔ اب بھی آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا پھر چوتھی بار حاضر ہو کر اقرار کیا تو آپ ﷺ نے منہ نہیں پھیرا بلکہ ان سے پوچھا کہ تم دیوانے تو نہیں ہو؟ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول میں باہوش ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تو نے بوسہ لیا ہو گا انہوں نے کہا میں نے آخر تک معاملہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہو گا۔ اس کو اپنے سے دور کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ اپنے اقرار پر مصر تھے پھر آپ ﷺ نے وہاں موجود حاضرین میں سے کسی سے کہا کہ اس کو سونگھ کر دیکھو اس نے شراب تو نہیں پی ہوئی۔ لوگوں نے منہ سونگھا اور عرض کیا کہ یہ مست نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا

جب ان کو سنگسار کیا جانے لگا جب تک طاقت رہی یہ مار برداشت کرتے رہے اور پتھر کھاتے رہے مگر جب سکت نہ رہی تو بھاگ کھڑے ہوئے لوگ ان کے پیچھے بھاگے اتفاق سے ادھر سے ایک آدمی سنگسار کرنے ہی کے لئے آ رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں اونٹ کا جبڑا تھا اس نے وہ جبڑا ان کو مارا تو وہ گر گئے پھر سب نے مل کر ان کو سنگسار کر دیا۔ جب آپ ﷺ کے سامنے ان کا ذکر آیا کہ وہ بھاگ گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ان کو چھوڑ کیوں نہیں دیا کیونکہ یہ بھاگنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ پس ان کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ پھر اس کے بعد جب آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آئی کہ ہزال کے کہنے پر وہ بار بار آپ ﷺ کی خدمت میں آ رہے تھے تو آپ ﷺ نے ہزال سے فرمایا ہزال تم نے اچھا نہیں کیا، اگر تم ماعز کے معاملے کو کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تو بہتر ہوتا پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو ماعز کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک گروہ پر بانٹ دی جائے تو اس کے لئے کافی ہو جائے گی۔

هَلَّا تَرَكْتُمُوهُ: ابن الملک ؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص زنا کا اقرار کر کے پھر کہہ دے کہ میں نے زنا نہیں کیا یا جھوٹ بولا تھا یا اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس پر حد نہیں۔ اگر دوران حد وہ رجوع کر لے تو باقی حد ساقط ہو جائیگی جبکہ دیگر حضرات نے کہا کہ اس طرح حد ساقط نہیں ہوگی اگر حد ساقط ہو جائے تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ خطا مقتول ہوئے انکے رجم کرنیوالوں پر دیت آنی چاہیے تھی اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے صراحۃً رجوع نہیں کیا بلکہ وہ تو بھاگ پڑے اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا بھاگنا حد کو ساقط نہیں کرتا لہٰذا "ھلا ترکتموہ" والے جملہ کی یہ تاویل کرینگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماعز ؓ کے بھاگنے والے امر پر غور کر رہے تھے کہ ان کا بھاگنا تکلیف کی وجہ سے تھا یا زنا کے اقرار سے رجوع کرنے کی وجہ سے تھا۔ واللہ اعلم (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲۲۷)

حَدَّثَنَا بِذَلِكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ اعْتَرَفَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِكَ جُنُونٌ؟ قَالَ لَا قَالَ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ فِي الْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْمُعْتَرِفَ

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے زنا کا اعتراف کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ اعتراف کیا تو اس مرتبہ بھی آپ نے اس سے منہ پھیر لیا یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ اقرار کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم پاگل ہو اس نے عرض کیا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم شادی شدہ ہو اس نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اسے عیدگاہ میں سنگسار کیا گیا لیکن جب اسے پتھر لگے تو بھاگ کھڑا ہوا اور پھر لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور سنگسار کر دیا جب وہ فوت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں کلمہ خیر فرمایا لیکن نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض علماء کا اس حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اقرار کرنے والے کے لئے چار

بِالزِّنَا إِذَا أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ مَرَّةً أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَحُجَّةُ مَنْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنِي زَنَى بِامْرَأَةِ هٰذَا الْحَدِيثَ بِطُولِهِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا وَلَمْ يَقُلْ فَإِنِ اعْتَرَفَتْ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ .

مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے پھر اس پر حد جاری کی جائے۔امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار کرنے سے حد جاری کر دی جائے گی۔امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن خالدؓ کی حدیث ہے کہ دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے یہ حدیث طویل ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ صبح اس کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرلے تو اسے سنگسار کردو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر چار مرتبہ اقرار کرے تو پھر سنگسار کرنا۔

تشریح: حَتّٰى شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ: ”ای مرات فی اربعة مجالس بشرط غیبوبته“ یعنی چار مرتبہ چار مجالس میں وہ زنا کا اقرار کرے اس طرح چار مجالس میں اقرار کرنا چار گواہوں کے قائم مقام ہوجائے گا یہی قول امام ابو حنیفہؒ اور حنابلہ کا ہے اور دلیل یہی حدیث باب ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے چار مرتبہ اقرار کرانے کے بعد رجم کا حکم فرمایا جبکہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں ایک مرتبہ اقرار کافی ہے۔

أَبِكَ جُنُونٌ؟ : کیا تم پر دیوانگی غالب ہے کہ تم خود اپنے گناہ کا افشاء کر رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھی کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم اور گناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اپنی موت واضح نظر آرہی ہو۔الحاصل یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اگر ایسی بات ہو تو تحقیق و تفتیش میں پوری پوری کوشش کرنی چاہئے تاکہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔

قَالَ أَحْصَنْتَ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ امام وقت اور حاکم پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے متعلق تحقیق کرلے جو رجم کی سزا کے نفاذ کیلئے شرط ہیں نیز اس ارشاد سے کنایۃً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار زنا سے رجوع کرلے تو اس کو معافی دے کر زنا کی حد ساقط کر دی جائے۔

مسئلہ: اگر مجرم رجم کے دوران بھاگ پڑے تو کیا اس سے حد ساقط ہوجائیگی؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: شوافع کے نزدیک جب تک صراحۃً اقرار سے رجوع نہ کرے حد ساقط نہیں ہوگی۔

قول ثانی: حضرات مالکیہ کے ہاں اس سے پوچھا جائے گا کہ تم کیوں بھاگے ہو اگر وہ کہے کہ اقرار سے رجوع کی وجہ سے بھاگا ہوں تو اس صورت میں حد ساقط ہوجائے گی اور اگر کہے کہ میں تکلیف کی وجہ سے بھاگا ہوں تو اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

قول ثالث: احناف کے نزدیک ایسا شخص جب قولاً یا فعلاً حد سے فرار اختیار کرے گا تو اس سے حد ساقط ہوجائے گی۔

ان تمام اقوال کی دلیل یہی واقعہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ پر جب حد جاری کی جارہی تھی تو ماعز بھاگ پڑے اور انکا بھاگنا تکلیف کی بناء پر تھا رجوع عن الاقرار کی بناء پر نہیں تھا اور شوافع نے بھی یہی حکم فرمایا کہ انکا بھاگنا رجوع عن الاقرار کی بناء پر نہیں تھا اور امام شافعیؒ ابوداؤد شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ہلا ترکتموہ یتوب فیتوب اللہ علیہ"۔

احناف فرماتے ہیں کہ فرار رجوع عن الاقرار ہے لیکن حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے تھے اس کی تائید ابوداؤد شریف میں ہے "قام بعد الفرار" اور اسی طرح صحیحین میں ہے ان کا بھاگنا الم فوری کی بناء پر تھا اور یہ فرار ہمارے نزدیک رجوع عن الاقرار نہیں۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "ہلا ترکتموہ" یہ شدت رحمت کی بناء پر تھا کہ تم اگر اس کو چھوڑ دیتے تو شاید یہ اقرار سے رجوع کر لیتا۔

مسئلہ: رجم کئے جانے والے کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

قول اول: امام امالکؒ کے ہاں مرجوم (رجم کئے ہوئے شخص) کی نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مرجوم کا جنازہ عام مسلمان تو پڑھ لیں البتہ حاکم، بادشاہ اور علماء نہ پڑھیں۔

قول ثالث: امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر کلمہ گو مسلمان کا جنازہ پڑھا جائیگا خواہ وہ مرجوم ہو یا فاسق یا خودکشی کرنیوالا ہو۔

امام احمدؒ کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے بہر حال اس بارے میں حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پڑھنے کی نفی کی گئی ہے بعض میں اثبات ہے بعض نے ترجیح کا راستہ اختیار فرماتے ہوئے اثبات والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض حضرات نے اس میں تطبیق دی ہے تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ تو پڑھایا تھا مگر زجراً تاخیر فرمائی تھی۔ نفی کی روایات کا مطلب یہ ہے کہ فوری نماز جنازہ نہیں پڑھا اور اثبات والی روایات کا مطلب یہ ہے کہ تاخیر کے ساتھ پڑھا ہے یہ بحث عام طور پر روایات کے درمیان تعارض کو ختم کرنے کے لئے ذکر کی جاتی ہے ورنہ ان جیسے تکلفات کی ضرورت نہیں کیونکہ دوسری روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرجوم کیلئے جنازہ پڑھنا اور اس کا حکم فرمانا ثابت ہے۔

اشکال: نفی والی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی لیکن وہ خاتون جس کا نام غامدیہ تھا اس کو بھی سنگسار کیا گیا تھا اس کی نماز جنازہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔ دونوں میں فرق کیوں کیا گیا؟

جواب اوّل: غامدیہ عورت کے سنگسار کرنے اور ماعز اسلمی کے سنگسار کرنے میں فرق ہے۔ غامدیہ عورت یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ زنا کے اقرار کے بعد مجھے پتھر مار مار کر ختم کیا جائے گا اس کے باوجود اس نے زنا کا اقرار کیا بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ اس عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تمہارے پیٹ میں بچہ ہے جب یہ بچہ پیدا ہو جائے اور کھانے پینے کے قابل ہو جائے پھر میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ عورت چلی گئی چنانچہ بچہ کی ولادت ہوئی پھر اس بچہ کو دودھ پلایا اور جب وہ بچہ دودھ سے مستغنی ہو گیا تو پھر وہ عورت اپنے اوپر حد جاری کروانے کے لئے حاضر ہو گئی۔ حالانکہ ان کو اپنے انجام کا پتہ تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے اس طریقہ سے انہوں نے اپنی توبہ کا مؤثر طریقہ اختیار کیا۔

برخلاف حضرت ماعز اسلمیؓ کہ ان کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آپ ﷺ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا تو انہوں نے کہا کہ لوگوں نے مجھے مروایا اس لئے کہ جن لوگوں سے میں نے ذکر کیا تھا انہی لوگوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ آپ ﷺ کے سامنے جرم کا اعتراف کرلو اور معافی مانگ لو تو آپ ﷺ تمہیں معاف کردیں گے اور میں اس خیال سے آپ ﷺ کے پاس آ گیا بعد میں مجھے پتہ چلا کہ مجھے رجم کیا جائے گا اگر اس بات کا مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو میں اعتراف نہ کرتا اور پھر دوران رجم بھاگ گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو ثابت قدمی غامدیہ کے قصہ میں ہے وہ حضرت ماعز کے قصہ میں نہیں اور یہی وجہ ہوسکتی ہے نماز جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابتداءً نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ فرمالیا پھر بعد میں فرمایا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور پھر خود آپ ﷺ نے دوسرے دن نماز جنازہ پڑھ لی تھی۔

جواب ثالث: بعض نے کہا کہ دونوں طرح کی روایات مروی ہیں ''لم یصل'' اور بخاری میں ہے صلی۔تو جواب یہ ہوگا کہ جب اثبات اور نفی میں تعارض ہوجائے تو ترجیح اثبات کو ہوتی ہے۔

مسئلہ: زنا اگر اقرار سے ثابت ہو تو کتنی مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

قول اوّل: احناف، حنابلہ اور اسحاق کے نزدیک چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے پھر احناف کے ہاں مجالس اربعہ میں اقرار کرنا ضروری ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل: آگے ''باب ما جاء فی الرّجم علی الشیب'' میں حدیث ہے کہ دو آدمی آپس میں لڑتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے بیٹے نے دوسرے کی بیوی سے زنا کیا ہے اس پر نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم جاؤ کہ اگر وہ عورت اقرار کرے تو اس کو رجم کردو اگر چار مرتبہ اقرار ضروری ہوتا تو پھر ایک بار معلوم ہونے پر اس کو رجم نہ کرتے بلکہ چار بار اس سے اقرار کرواتے حالانکہ چار بار اس سے اقرار نہیں کروایا۔

جواب: اعتراف سے مراد قاعدہ شرعیہ کے ساتھ اعتراف کرنا ہے اور وہ چار بار اقرار کرنا ہے جیسا کہ حضرت ماعز اسلمیؓ کے واقعہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

احناف و حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب حضرت ماعز اسلمیؓ کا واقعہ ہے کہ اس میں انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے چار بار اقرار کیا پھر سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اس سے کم مرتبہ اقرار پر سنگسار نہیں کیا جائے گا۔وگرنہ سوال ہوگا کہ اگر زنا کے ثابت ہونے کے لئے ایک بار اقرار کرنا کافی ہے تو پھر پہلی بار ماعز کے اقرار کرانے پر ان کو واپس کیوں بھیج دیا گیا حالانکہ حد کے ثبوت کے بعد تو اقرار کرانا صحیح نہیں ہے ''لا محالة'' کہنا ہوگا کہ چار بار اقرار کرانا ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَشْفَعَ فِي الْحُدُودِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّتْهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت کے چوری کرنے پر رنجیدہ ہوگئے اور کہنے لگے کون رسول اللہ

يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ فَقَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَأَيْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ مَسْعُودِ بْنِ الْعَجْمَاءِ وَيُقَالُ ابْنُ الْأَعْجَمِ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سفارش کرسکتا ہے۔ سب نے کہا اسامہ بن زید ؓ کے سوا کون جرأت کرسکتا ہے پس حضرت اسامہ ؓ نے نبی کریم ﷺ سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا اس باب میں مسعود بن عجماء، ابن عمر، اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث میں جس عورت کا ذکر تھا اس کا نام فاطمہ بنت اسود بن عبدالاسد تھا اور وہ حضرت ابوسلمہ ؓ کے بھائی کی بیٹی تھی چونکہ وہ بڑے قبیلہ بنومخزوم کی عورت تھی اس لئے اس کو مخزومیہ کے نام سے پکارا گیا الحاصل حاکم تک معاملہ جانے سے پہلے پہلے معافی یا سفارش کی گنجائش ہوتی ہے جب فیصلہ عدالت میں پہنچ جائے تو پھر سفارش حرام ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو اس جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً چیزیں لیکر پھر انکار کردیتی تھی یہ شرعی مسئلہ کے بھی خلاف ہے اور درحقیقت واقعہ کے بھی خلاف ہے اسکا جواب یہ دیا گیا کہ دوسری روایت میں انکار کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کیلئے ہے کہ وہ عورت اس قسم کی بھی تھی باقی جو اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کا تعلق ایک چوری کے ساتھ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْقِيقِ الرَّجْمِ

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ فِيمَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ

سلمہ بن شبیب، اسحاق بن منصور، حسن بن علی خلال، عبدالرزاق، معمر، زہری، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابن عباس، حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی اس کتاب میں رجم کی آیت بھی تھی پھر آپ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد ایسا ہی کیا مجھے

آيَةُ الرَّجْمِ فَرَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ وَإِنِّي خَائِفٌ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ فَيَقُولَ قَائِلٌ لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَنَ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ حَمْلٌ أَوِ الْاِعْتِرَافُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ڈر ہے کہ کہیں طویل عرصہ گزرنے پر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم اللہ کی کتاب میں رجم نہیں پاتے پس وہ اللہ کے نازل کردہ ایک فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں سن لو بے شک رجم اس زانی پر ثابت ہے جو شادی شدہ ہو اس پر گواہی قائم ہو جائے یا وہ خود اعتراف کرے یا حمل کی صورت میں ظاہر ہو یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ رَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمَ أَبُو بَكْرٍ وَرَجَمْتُ وَلَوْلَا أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أَزِيدَ فِي كِتَابِ اللهِ لَكَتَبْتُهُ فِي الْمُصْحَفِ فَإِنِّي قَدْ خَشِيتُ أَنْ تَجِيءَ أَقْوَامٌ فَلَا يَجِدُونَهُ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَكْفُرُونَ بِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُمَرَ

احمد بن منیع، اسحاق بن یوسف ازرق، داؤد بن ابی ھند، سعید بن مسیب، حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا پھر ان کے بعد ابوبکر نے رجم کیا اور ان کے بعد میں نے رجم کیا اور اگر قرآن میں زیادتی کو ناپسند نہ کرتا تو مصحف میں لکھوا دیتا۔ اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ بعد میں کچھ ایسے لوگ نہ آجائیں جو رجم کو قرآن کریم میں نہ پا کر اس کا انکار کر دیں۔ اس باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث منقول ہے حضرت عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت عمرؓ ہی سے کئی سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

تشریح: اس باب میں رجم کے متعلق بیان کر رہے ہیں اس میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز ہو جائے پس کوئی کہنے والا کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے پس وہ اس فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائے جو اللہ رب العزت نے نازل فرمایا ہے، سنو رجم اللہ کی کتاب میں برحق ہے اس شخص پر جس نے زنا کیا جب وہ شادی شدہ ہو اور گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اقرار ہو۔

اس بارے میں اتفاق ہے کہ زانی محصن ہو یا محصنہ ہو تو اسکی حد رجم ہے اس میں ائمہ اربعہ کا بھی اتفاق ہے۔ خوارج کے نزدیک جتنے فرقے ہیں ان میں سے ایک فرقہ ازارقہ اور موجودہ زمانے کے ملحدین رجم کا انکار کرتے ہیں منکرین رجم کے چند شبہات ہیں۔

شبہ اوّل: یہ ہے کہ قرآن میں رجم کا ذکر نہیں، بلکہ قرآن میں ''جلد مائۃ'' کا ذکر ہے۔

جواب: قرآن پاک میں تین قسم کی آیات ہیں۔

اوّل: وہ آیات جن کی تلاوت بھی باقی ہے اور ان کا حکم بھی باقی ہے۔ ثانی: وہ آیات جن کی صرف تلاوت باقی ہے اور حکم منسوخ

ہے یہ تعداد تقریباً بیس آیات تک پہنچتی ہے مثال کے طور پر مؤلفہ قلوب کا حکم منسوخ ہے۔

اسی طرح وہ آیت ''وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے اہل علم اس آیت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے البتہ اس کی تلاوت باقی ہے اس کے لئے ناسخ دوسری آیت ہے: ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' اور بعض حضرات'' وعلى الذين يطيقونه '' کو منسوخ قرار نہیں دیتے۔

ثالث: وہ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے وہ یہی آیت ہے: ''الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة نكالاً من الله والله عزيز حكيم '' یہ آیت پہلے قرآن میں موجود تھی اور بعد میں منسوخ ہو گئی۔

رابع: تلاوت بھی منسوخ ہو اور حکم بھی منسوخ ہو جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے ''كان فيما انزل عشر رضعات معلومات فنسخن بخمس معلومات فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم و هن مما يقرأ من القرآن'' ابتداء میں دس رضعات کا حکم تھا کہ دس مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی پھر پانچ رضعات سے حرمت رضاعت اسکے ثبوت کا حکم ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب زمانے تک اس کی تلاوت بھی کی جاتی تھی لیکن اب دس اور پانچ رضعات کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہیں قرآن پاک کی اس آیت'' و امهاتكم اللاتي ارضعنكم'' سے۔

یہاں سوال میں جس قسم کا ذکر ہے یہ وہ ہے جس کی تلاوت منسوخ اور حکم منسوخ نہیں جس کی تائید حضرت عمر ؓ کے قول ''انزل عليه اية الرجم'' سے ہوتی ہے تو یہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت کی تلاوت تو منسوخ ہے حکم باقی ہے پس رجم کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے۔

جواب ثانی: اگرچہ کتاب اللہ میں زانی محصن کے رجم کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہے لیکن اشارۃً مذکور ہے ''او يجعل الله لهن سبيلاً'' اس کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے زانی محصن کے حق میں رجم سے فرمائی ہے۔

جواب ثالث: اگر ہم مان لیں کہ رجم کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ رجم ثابت ہی نہیں حجۃ شرعیہ صرف کتاب اللہ ہی نہیں بلکہ حجۃ شرعیہ تو چار چیزیں ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس۔

سوال: اگر رجم کے ثبوت والی آیت قرآن کی آیت تھی تو پھر حضرت عمرؓ نے کیوں نہیں لکھی اور اگر آیت نہیں تھی تو لکھنے کا ارادہ کیوں فرمایا؟

جواب: آیت تو تھی لیکن اس وجہ سے نہیں لکھا کہ منسوخ التلاوۃ تھی اور لکھنے کا ارادہ اس لئے کیا تا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہے۔

شبہ ثانی: منکرین رجم کا رجم جن احادیث سے ثابت ہے وہ سب خبر واحد ہیں اور خبر واحد کے ذریعے سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔

جواب اوّل: جو محدثین و محققین حضرات رجم والی جن احادیث کو پیش کرتے ہیں وہ صحابہ کرام ؓ کی تقریباً پچاس تک تعداد ذکر کرتے ہیں ان صحابہ کرام ؓ میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور امہات المؤمنین ؓ بھی ہیں اور اجلاء صحابہ بھی ہیں لامحالہ قدر شرکت تواتر ہے۔ یہ خبر مشہور ہے۔ اور خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

جواب ثانی: حدیث اور آیت کریمہ میں تعارض ہے ہی نہیں کیونکہ آیت میں زانیہ غیر محصنہ کا ذکر ہے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اور علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ رجم احادیث متواترہ سے ثابت ہے پس ان اجلاء علماء کے مقابلے میں ملحدین اور بے دین کے قول کا اعتبار نہیں۔

شبہ ثالث: رجم کے جتنے واقعات رونما ہوئے ہیں وہ سب سورۃ نور والی آیت کے نزول سے پہلے ہوئے ہیں: ''الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ'' کے نزول کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

جواب: سورۂ نور کا نزول ۵ یا ۶ ہجری میں ہوا اور اسکے بعد رجم کا واقعہ ہوا کہ آپ ﷺ نے دو یہودیوں کو رجم کرنے کا حکم دیا اور وہ چھ ہجری کے بعد ہوا اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا اور یہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ یہ واقعہ ۸ ہجری کے بعد کا ہو اور آیت کریمہ کا نزول یقینی طور پر پہلے ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ میں اس واقعہ میں شامل تھا اور حضرت ابوہریرہؓ بھی سن ۸ ہجری میں مسلمان ہوئے تھے لہٰذا یہ کہنا کہ رجم کے واقعات سورۃ نور کی آیت سے پہلے کے ہیں یہ درست نہیں۔

شبہ رابع: رجم کے جتنے بھی واقعات ہوئے یہ سب کے سب تعزیراً مصلحۃً اور سیاسۃً ہوئے ہیں حدود کی حیثیت سے نہیں ہوئے۔

جواب: تعزیر تو سرکش آدمی کو دی جاتی ہے اور حضرت ماعز اسلمیؓ کو جو رجم کیا گیا ان کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''والذین نفسی بیدہ انہ الان فی انھار الجنۃ ینغمس'' ان کو تو انتہائی درجہ کی ندامت تھی اور ندامت پر تعزیراً یا سیاسۃً کوئی سزا نہیں دی جاتی اور ان کے رجم پر تو امت کا اجماع ہے۔

اور اسی طرح امرأۃ غامدیہ کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو ان کو کافی ہوجائے۔

وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ حَمْلٌ أَوِ الْاِعْتِرَافُ: زنا کا ثبوت یا تو چار گواہوں سے ہوتا ہے یا چار الگ الگ مجلسوں میں اقرار کرنے سے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہورہا ہے اور اگر زنا کے متعلق کوئی قرینہ موجود ہو تو ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی حد جاری کرنے کے لئے کافی ہے۔ مثال کے طور پر زانی پر حد جاری کی گئی یا زانیہ پر حد جاری کی گئی اور دوسرے نے صرف اقرار کرلیا اس کا ایک بار اقرار کرنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح کنواری لڑکی اگر حاملہ ہوجائے تو اس کا حمل زنا کا واضح ثبوت ہے۔ اگر وہ ایک بار اقرار کرلے تو اس پر حد جاری ہوگی۔ اب بار بار اس کے اقرار کی ضرورت نہیں۔

سوال: حمل سے تو زنا ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہوسکتا ہے اس کے ساتھ جبر کیا گیا ہو یا ویسے اس کا پیٹ پھول گیا ہو تو محض حمل سے زنا کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ **جواب:** حمل سے مراد مطلق نہیں بلکہ حمل مقرون بالاعتراف یا حمل مقرون بالبینہ مراد ہے امام مالکؒ اور احناف کا اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک کنواری کا حاملہ ہونا سزا کو قطعی کردیتا ہے خواہ وہ زنا کا اقرار کرے یا نہ کرے، حد جاری کی جائے گی۔

احناف کے نزدیک کنواری کا ایک بار اقرار کرلینا اس لئے ضروری ہے کہ ممکن ہے اس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو، زبردستی کی صورت میں زانیہ پر حد جاری نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ عَلَى الثَّيِّبِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ سَمِعَهُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَشِبْلٍ أَنَّهُمْ كَانُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فَقَامَ إِلَيْهِ أَحَدُهُمَا وَقَالَ أَنْشُدُكَ اللهَ يَا رَسُولَ اللهِ لَمَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَالَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي فَأَتَكَلَّمَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَفَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ ثُمَّ لَقِيتُ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَزَعَمُوا أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ الْمِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ اور شبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنا کہ یہ تینوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے آئے اوران میں سے ایک آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ اس کے مخالف نے کہا اور وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھا کہ ہاں یا رسول اللہ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں عرض کروں میرا بیٹا اس کے پاس مزدوری کرتا تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے تو میں نے سو بکریاں فدیئے کے طور دیں اور ایک غلام آزاد کیا پھر میری اہل علم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ہے اور رجم تو اس شخص کی عورت پر ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا وہ سو بکریاں اور غلام واپس لے لو تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے پھر فرمایا اے انیس کل صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کر لے تو اسے رجم کرو حضرت انیس دوسرے دن گئے تو اس نے اعتراف کر لیا اس پر انہوں نے اسے سنگسار کر دیا۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ

ہم سے روایت کی اسحاق بن موسیٰ انصاری نے انہوں نے معن سے انہوں نے مالک سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی سے مرفوعاً اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِإِسْنَادِهِ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ بِمَعْنَاهُ وَفِي الْبَابِ

ہم سے روایت کی قتیبہ نے انہوں نے لیث سے انہوں نے ابن شہاب سے اسی سند کے ساتھ مالک کی حدیث کی مثل، اس

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَهَزَّالٍ وَبُرَيْدَةَ وَسَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ وَأَبِي بَرْزَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَمَعْمَرٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَوْا بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَاجْلِدُوهَا فَإِنْ زَنَتْ فِي الرَّابِعَةِ فَبِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ وَرَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَشِبْلٍ قَالُوا كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا رَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ الْحَدِيثَيْنِ جَمِيعًا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَشِبْلٍ وَحَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَهْمٌ وَهِمَ فِيهِ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ أَدْخَلَ حَدِيثًا فِي حَدِيثٍ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى الزُّبَيْدِيُّ وَيُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ وَالزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ شِبْلِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ الْأَوْسِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ وَهٰذَا الصَّحِيحُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَشِبْلُ بْنُ خَالِدٍ لَمْ يُدْرِكِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا رَوَى شِبْلٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ الْأَوْسِيِّ عَنِ النَّبِيِّ

باب میں حضرت ابوبکر، عبادہ بن صامت، ابوہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، جابر بن سمرہ، ہزال، بریدہ، سلمہ بن محبق، ابوبرزہ، اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالدؓ کی حدیث حسن صحیح ہے مالک بن انس، معمر اور دیگر کئی راوی بھی زہری سے وہ عبیداللہ بن عبداللہ سے وہ حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالدؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے اسی طرح یہ حدیث نقل کرتے ہیں اسی سند سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر باندی زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارو اگر چار مرتبہ زنا کرے تو چوتھی مرتبہ اسے فروخت کر دو۔ خواہ بالوں کی رسی کے عوض ہی فروخت کرو۔ سفیان بن عیینہ بھی زہری سے وہ عبیداللہ سے اور وہ حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد اور شبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ابن عیینہ نے دونوں حدیثیں ان تینوں حضرات سے نقل کی ہیں اور اس میں انہیں وہم ہو گیا وہ یہ کہ سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث کے الفاظ دوسری میں داخل کر دیئے صحیح حدیث وہی ہے جو زبیدی، یونس بن زید اور زہری کے بھتیجے ان سے وہ عبیداللہ سے وہ حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالدؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر باندی زنا کرے الخ۔ محدثین کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے شبل بن خالدؓ صحابی نہیں ہیں وہ عبداللہ بن مالک اوسی کے

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا الصَّحِيحُ وَحَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ شِبْلُ بْنُ حَامِدٍ وَهُوَ خَطَأٌ إِنَّمَا هُوَ شِبْلُ بْنُ خَالِدٍ وَيُقَالُ أَيْضًا شِبْلُ بْنُ خُلَيْدٍ.

واسطے سے نبی کریم سے نقل کرتے ہیں۔ابن عیینہ کی حدیث غیر محفوظ ہے۔ان سے منقول ہے کہ فرمایا شبل بن حامد نے جو غلط ہے صحیح نام شبل بن خالد ہے انہیں شبل بن خلید بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: رجم کے متعلق مزید احادیث کا بیان چل رہا ہے یہ حدیث العسیف کے نام سے مشہور ہے۔واقعہ یوں ذکر کیا گیا ہے کہ دو آدمی آپ ﷺ کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے ان میں سے ایک حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔دیہاتی ہونے کی وجہ سے کہہ دیا وگرنہ آپ ﷺ کا جو فیصلہ بھی ہو گا وہ کتاب اللہ کی منشا کے مطابق ہو گا۔منشأ خداوندی کے خلاف نہیں ہو گا اسی کے مطابق دوسرے فریق نے کہا اور وہ پہلے فریق کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار اور سمجھدار تھا یا تو وہ پہلے سے علم رکھتا تھا یا پھر اس واقعہ سے پتہ چل گیا اس شخص نے پہلے اجازت لی اور پھر کلام کیا اور واقعہ یہ بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔میرے بیٹے نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا لہٰذا کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کریں۔الغرض ہم نے بعض لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے ذمہ رجم ہے میں نے مزنیہ کے شوہر کے ساتھ صلح کی کوشش کی کہ کسی طرح میرا بیٹا بچ جائے اور میں نے یہ سمجھا کہ رجم مزنیہ کے شوہر کا حق ہے اس لئے میں نے صلح کی اور صلح میں سو بکریاں اور ایک خادم دیا اور پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ یہ صلح کرنا غلط ہے تیرے بیٹے پر جلد مائۃ اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور رجم اس شخص کی بیوی پر ہے اس لئے کہ وہ محصنہ ہے اور یہ لڑکا غیر محصن ہے۔

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔اور وہ یہ ہے کہ سو بکریاں اور تیرا خادم تجھے واپس مل جائیں گے اور تیرے بیٹے پر جلد مائۃ ہے اور تغریب عام ہے۔احناف کہتے ہیں کہ تغریب عام سیاسۃً اور تعزیراً تو جائز ہے حد ہونے کی حیثیت سے نہیں۔نیز حاضرین میں سے ایک شخص انیس بن ضحاک اسلمی کو رسول کریم ﷺ نے بھیجا اور وہ عورت بھی قبیلہ اسلم کی تھی اس لئے ان کو اس عورت کے پاس بھیجا۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ انیس سے مراد انس بن مالک ہیں شفقۃً ان کو انیس فرمایا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ انس بن مالک قبیلہ انصار میں سے ہیں۔الغرض آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس عورت کے پاس جاؤ اس سے تحقیق حال کرو۔

سوال: یہ تو اقامت حد کا تجسس کرنا ہوا جو کہ درست نہیں؟

جواب: چونکہ اس شخص نے کہا کہ میرے بیٹے نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے۔تو اس میں تہمت کا امکان تھا تو اس کی تحقیق حال کے لئے رسول کریم ﷺ نے انیس کو بھیجا تا کہ اگر وہ عورت انکار کرے تو اس شخص پر حد قذف جاری کی جائے۔

سوال: اقرار تو قاضی کی مجلس میں معتبر ہوتا ہے قاضی تو آپ ﷺ تھے تو حضرت انیس کے سامنے اقرار کیسے کفایت کرے گا۔

جواب: حضرت انیس حضور ﷺ کی طرف سے قاضی تھے تو انکے سامنے اقرار کرنا گویا آپ ﷺ کے سامنے اقرار کرنا ہے۔

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت انیس نے حضور ﷺ کی طرف رجوع کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی آپ ﷺ ہی تھے حضرت انیس نہیں تھے۔ **جواب:** یہ اطمینان کے لئے کیا ورنہ حضرت انیس قائم مقام قاضی تھے۔

حدیث کے ذیل میں چند مسائل کا بیان ہے۔

زنا کرنے والا اگر محصن نہیں تو اس کی سزا سو کوڑے ہے اور اگر محصن ہے تو اس کی سزا رجم ہے۔احناف اور مالکیہ کے ہاں

محصن ہونے کی پانچ شرائط ہیں۔ ① آزاد ہونا ② عاقل ہونا ③ بالغ ہونا ④ نکاح صحیح کے ساتھ وطی کرنا ⑤ مسلمان ہونا۔

مسئلہ اختلافی: محصن کے لئے اسلام شرط ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں اسلام شرط نہیں اگر کافر حربی بھی زنا کرے تو اسکی سزا رجم ہے انکی دلیل آگے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث آرہی ہے اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بھی رجم کروایا اس سے معلوم ہوا کہ اسلام شرط نہیں ہے۔

جواب: وہ حدیث منسوخ ہے یا پھر یہ رجم اسلام اور شریعت کے مطابق نہیں تھا بلکہ خود ان کی اپنی کتاب میں بھی یہی سزا مقرر تھی یا پھر یہود کا رجم تعزیراً تھا اور تعزیری سزا کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ زیلعی میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے انہوں نے حضرت علیؓ کو لکھ بھیجا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمیہ سے زنا کرلیا ہے اسکے متعلق کیا حکم ہے تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ذمیوں کو یہودیوں کے حوالے کردو تاکہ وہ تورات کے موافق رجم کریں اور مسلمان کو تم رجم کردو اسلام اگر شرط نہ ہوتا تو حضرت علیؓ ذمیہ کو بھی رجم کا حکم دیتے جیسے مسلمان کے بارے میں رجم کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محصن کے رجم کے لئے شرط ہے۔

قولِ ثانی: احناف اور مالکیہ کے نزدیک محصن کے لئے اسلام شرط ہے۔

احناف اور مالکیہ کی دلیل: دارقطنی میں حضرت نافع بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہود محصن نہیں ہیں۔ دیکھئے شرک کرنے والا محصن نہیں تو اسلام نہ لانے والا بطریق اولیٰ محصن نہیں ہوگا۔

مسئلہ اختلافی: زانی غیر محصن کی سزا کوڑوں کے ساتھ جلاوطنی بھی ہے یا نہیں؟

قولِ اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک شادی شدہ نہ ہو اور زنا کرلے اس پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی بطور حد کے واجب ہے۔

قولِ ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل حد سو کوڑے ہیں اور جلاوطنی حد میں شامل نہیں ہے ہاں حاکم وقت اگر جلاوطن کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

قولِ ثالث: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جلاوطنی حد میں شامل ہے لیکن یہ مردوں کے ساتھ خاص ہے عورتوں کیلئے یہ حکم نہیں ہے کیونکہ عورت کی جلاوطنی کرنے سے مزید فتنہ بڑھے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی کی سزا صرف سو کوڑے نہیں بلکہ جلاوطنی عام بھی ہے۔ **دلیل ثانی:** حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "البکر بالبکر جلد مائة وتغریب عام"

جواب ثالث: روایت زید بن خالد کی ہے "قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یأمر فیمن زنی ولم یحصن جلد مائة وتغریب عام"۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے "الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة" یہاں آیت میں تغریب عام کا ذکر نہیں لہٰذا خبر واحد کے ذریعے سے اس کو مقید کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل ثانی: تغریب عام بسا اوقات فتنہ کا باعث ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کفی بالنفی فتنة" لہٰذا تغریب عام حد میں شامل نہیں ہے۔

دلیل ثالث: مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؓ نے امیہ بن ربیعہ کو جلاوطن کیا تو اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا جب حضرت عمر فاروقؓ کو پتہ چلا تو فرمایا "لا اغرب بعده مسلما" کہ میں اب کسی مسلمان کو جلا

وطن نہیں کرونگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تغریب عام حد کا حصہ نہیں اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس طرح ارشاد نہ فرماتے۔

جواب: اگر ایک سال کی جلاوطنی ہو تو پھر خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی کیونکہ قرآن میں زانی کی سزا صرف سو کوڑے ذکر کی گئی ہے چنانچہ ہم یوں تطبیق دیں گے کہ سو کوڑے تو حد میں شامل ہیں البتہ جلاوطنی قاضی کی رائے پر موقوف ہے اگر قاضی مناسب سمجھے تو جلاوطن کردے وگرنہ رہنے دے اور اس کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں آئندہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا معلوم ہوا کہ جلاوطن کرنا حد نہیں ہے وگرنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی بات نہ فرماتے۔

سوال: آنیوالے شخص نے کہا کہ قرآن کے مطابق فیصلہ کرنا تو آپ نے اسکی بیوی کو رجم کروایا حالانکہ قرآن میں رجم کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: رجم کی آیت پہلے موجود تھی پھر منسوخ ہوگئی لیکن اس کا حکم باقی تھا تو یہ قرآن کا فیصلہ ہوا نہ کہ غیر قرآن کا۔

دوسرا یہ کہ رجم کی احادیث متواتر ہیں اور احادیث متواترہ بھی عمل میں بمنزلہ قرآن کی آیت کے ہوتی ہیں۔

سوال: بعض روافض اور خوارج نے رجم کرنے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن میں اس کا حکم نہیں ہے۔

جواب: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اور خلفاء راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں رجم کروایا اور یہ رجم کے تمام واقعات سورہ نور کے نزول کے بعد ہوئے لہذا سورۂ نور رجم کے لئے ناسخ نہیں بنے گی۔

سوال: ایک حدیث میں آتا ہے آپ حتی الامکان کوشش فرماتے کہ حد کسی شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جائے. جبکہ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کو تحقیق کیلئے خود بھیج رہے ہیں کہ عورت نے زنا کیا ہے یا نہیں۔ **جواب:** یہ تحقیق اس ارادہ سے نہیں تھی کہ اس کو حد جاری کریں بلکہ اس ارادہ سے تھی کہ اگر مرد نے اس عورت پر الزام لگایا ہے تو مرد پر حد قذف جاری کریں۔

فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا: اگر وہ عورت اعتراف جرم کرلے تو اس عورت کو رجم کردو۔

مسئلہ: زنا کے اعتراف میں تعدد شرط ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ہی مرتبہ اعتراف کافی ہے متعدد مرتبہ اعتراف کرنے کی ضرورت نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک چار مجالس میں چار مرتبہ اقرار کرنا لازم ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں ایک مرتبہ اعتراف کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ اعتراف میں تعدد شرط نہیں ہے۔ **جواب اوّل:** اس میں اجمال ہے لہذا اس کو تفصیلی روایات پر محمول کیا جائے گا۔

جواب ثانی: اس میں جنس اعتراف کا ذکر ہے تعدد اعتراف کا ذکر نہیں اور نہ ہی نفی کا ذکر ہے نہ اثبات کا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی دلیل اوّل: حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین مرتبہ واپس کیا پھر چوتھی مرتبہ اعتراف کے بعد رجم کا حکم دیا۔

دلیل ثانی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "**فلما شهد اربع شهادات دعاه النبي صلى الله عليه وسلم**"۔ اس حدیث میں چار مرتبہ کا ذکر ہے کہ اسکی خوب تحقیق کروائی۔

وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ: سند پر کلام۔ یہاں پر دو احادیث ہیں۔

① پہلی حدیث یہ حدیث العسیف کے نام سے مشہور ہے۔ ② دوسری حدیث باندی کے متعلق کہ جب وہ تین بار زنا

کرے تو اس کو کوڑے مارو اگر وہ چوتھی بار بھی زنا کرے تو اس کو بیچ دو۔

پہلی حدیث کو آپ ﷺ سے نقل کرنے والے دو صحابی ہیں۔ ① حضرت ابوہریرہؓ ② زید بن خالدؓ۔ اور دوسری حدیث، "حدیث بیع الامة.... ولو بضفیر" کی دو سندیں ہیں۔ ① سند ابی ہریرہ وزید بن خالد۔ ② سند عبداللہ بن مالک اوسی۔ سفیان بن عیینہ سے چار خطائیں ہوئی ہیں۔ ① پہلی حدیث میں شبل کا ذکر ہے حالانکہ پہلی روایت میں عبیداللہ صرف حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید بن خالدؓ سے روایت کرتے ہیں شبل سے روایت نہیں کرتے۔

② دوسری خطا یہ ہے کہ بیع الامة کی حدیث کی سند میں بھی شبل کو ذکر کر دیا۔ حالانکہ ان سے کوئی روایت نہیں کرتا جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

③ حدیث بیع الامة کی ایک سند جو عبداللہ بن مالک اوسی کی ہے وہ سند اس طرح ہے "والزهری عن عبید الله، عن شبل بن خالد، عن عبدالله بن مالك الاوسی، عن النبی صلی الله علیه وسلم"۔

دوسری سند سفیان بن عیینہ نے یوں بیان کی ہے "عن الزهری، عن عبید الله، عن ابی هریرة، و زید بن خالد وشبل عن النبی صلی الله علیه وسلم"۔ سفیان بن عیینہ نے ان دونوں سندوں کو خلط ملط کر دیا۔

تیسری سند جو حدیث کے ساتھ مذکور ہے "عن الزهری، عن عبید الله بن عبدالله، عن ابی هریرة، و زید بن خالد عن النبی صلی الله علیه وسلم..... الخ"۔

دوسری اور تیسری سند کو آپس میں ملا دیا کہ شبل کو حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالدؓ کے ساتھ ملا دیا۔ اور شبل کو صحابی کی جگہ کھڑا کر دیا حالانکہ یہ صحابی نہیں۔

اس کا جواب خود امام ترمذیؒ نے دیا ہے:

وحدیث ابن عیینة وهم۔۔۔ والصحیح ماروی۔ صحیح سند وہ ہے جو زبیدی سے مروی ہے اور یونس بن یزید اور زہری کے بھائی کے بیٹے سے مروی ہے۔ سند یہ ہے "عن الزهری عن عبید الله عن ابی هریرة، و زید بن خالد عن النبی صلی الله علیه وسلم"۔

زہری نے دوسری سند بھی ذکر کی ہے "والزهری عن عبید الله عن شبل بن خالد، عن عبد الله بن مالك الاوسی عن النبی صلی الله علیه وسلم" اہل حدیث کے نزدیک یہ سند ٹھیک ہے کیونکہ شبل بن خالد نے آپ ﷺ کو نہیں پایا اس سند میں گویا شبل بن خالد عبداللہ بن مالک اوسی سے روایت کر رہے ہیں اور یہی صحیح ہے۔

④ خطا لفظی ہے کہ شبل بن خالد نہیں بلکہ بعض روایت میں شبل بن حامد ذکر کر دیا اور بعض نے کہا کہ شبل بن خلید ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ الرَّجْمُ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

قتیبہ، ھشیم، منصور بن زاذان، حسن، حطان بن عبداللہ، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ سے یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے راستہ نکال دیا ہے پس اگر زانی شادی شدہ ہوں تو انہیں سو کوڑے مارنے کے بعد سنگسار کر دیا جائے اور اگر غیر

صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَغَيْرُهُمْ قَالُوا الثَّيِّبُ تُجْلَدُ وَتُرْجَمُ وَإِلَى هٰذَا ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ إِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَغَيْرُهُمَا الثَّيِّبُ إِنَّمَا عَلَيْهِ الرَّجْمُ وَلَا يُجْلَدُ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ هٰذَا فِي غَيْرِ حَدِيثٍ فِي قِصَّةِ مَاعِزٍ وَغَيْرِهِ أَنَّهُ أَمَرَ بِالرَّجْمِ وَلَمْ يَأْمُرْ أَنْ يُجْلَدَ قَبْلَ أَنْ يُرْجَمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ.

شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض علماء صحابہ مثلاً حضرت علی بن طالب، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ محصن کو پہلے کوڑے مارے جائیں پھر سنگسار کیا جائے۔ بعض علماء اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء صحابہ، ابوبکرؓ، عمرؓ، وغیرہ فرماتے ہیں کہ محصن کو صرف سنگسار کیا جائے کوڑے نہ مارے جائیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی احادیث میں منقول ہے کہ آپ نے صرف رجم کا حکم دیا کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا جیسے کہ حضرت ماعز کا قصہ وغیرہ۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے، حضرت سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا: "ای حدا واضحا وطریقا ناصحا" یعنی ان کیلئے واضح حد شرعی کو بیان کیا اور نصیحت والا طریقہ محصن کے حق میں بیان فرمایا گویا یہ اس آیت کی تفسیر ہے "والتی یاتین الفاحشة... الی قوله... او یجعل اللہ لہن سبیلا"۔ حدیث میں عورتوں کو خاص طور پر ذکر اس لئے کیا کہ زنا میں اصل داعی عورت ہوتی ہے، عورت کی مرضی کے بغیر زنا نہیں ہوسکتا۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲۲۰)

مسئلہ: محصن کی سزا صرف رجم ہے یا سو کوڑے مع الرجم ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد کے نزدیک اس حدیث کے ظاہر کے مطابق اس کو سو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا یعنی "جمع بین الجلد والرجم"

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک محصن کو صرف رجم کیا جائے گا کوڑے نہیں لگائے جائیں گے اور امام احمدؒ کی ایک روایت جمہور کے مطابق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کی دلیل: اسی باب کی حدیث اوّل ہے اور حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں محصن کو رجم اور کوڑے دونوں لگائے جانے کا حکم مذکور ہے۔

جواب اوّل: یہ حدیث منسوخ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کے ساتھ جلد مائۃ کو جمع نہ فرمانا نسخ کی دلیل ہے۔

جواب ثانی: اگر عملاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کے ساتھ کوڑے لگانا بھی ثابت ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوڑے لگانا حداً نہیں تھا بلکہ سیاسۃً تھا۔

جواب ثالث: بعض مواقع پر آپ ﷺ نے رجم اور جلد مائۃ کو جمع فرمایا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے محصن ہونے کا علم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگائے پھر اس کے محصن ہونے کا بعد میں علم ہو گیا تو رجم کیا۔

جواب رابع: عند البعض "الثیب بالثیب جلد مائة" کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ دونوں غیر محصن ہوں تو دونوں کو کوڑے مارے جائیں اور اگر دونوں محصن ہوں تو دونوں کو رجم کیا جائے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک محصن ہو تو اس کو رجم اور غیر محصن کو کوڑے لگائے جائیں لہٰذا حدیث میں دونوں سزاؤں کو جمع کرنا الگ الگ حیثیت کے اعتبار سے ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲۲۱)

بَابٌ مِنْهُ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ اعْتَرَفَتْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزِّنَا فَقَالَتْ إِنِّي حُبْلَى فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِيَّهَا فَقَالَ أَحْسِنْ إِلَيْهَا فَإِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَأَخْبِرْنِي فَفَعَلَ فَأَمَرَ بِهَا فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ أَمَرَ بِرَجْمِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا رَسُولَ اللهِ رَجَمْتَهَا ثُمَّ تُصَلِّي عَلَيْهَا فَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک جہنی عورت نے نبی کریم ﷺ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا اور بتایا کہ وہ حمل سے ہے آپ ﷺ نے اس کے ولی کو بلایا اور حکم دیا کہ اسے اچھی طرح رکھو اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو مجھے بتا دینا اس نے ایسا ہی کیا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو اس کے کپڑے اس کے بدن کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔ اور آپ ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح اسے سنگسار کیا گیا۔ پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اسے رجم کیا اور پھر اس پر نماز پڑھی آپ نے فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ میں ستر اشخاص پر تقسیم کر دی جائے تو ان کے لئے کافی ہے پھر کیا اس سے بہتر بھی کوئی چیز تمہاری نظروں میں ہے کہ اس نے اپنی جان اللہ کے لئے خرچ کر دی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: روایات میں تعارض: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دوسری روایت پہلی روایت کے خلاف ہے اس لئے کہ دوسری روایت میں واضح معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کا سنگسار کرنا دودھ چھڑانے اور روٹی کے استعمال کے بعد ہوا جب کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی سنگساری بچے کی ولادت کے بعد کی گئی لہٰذا پہلی روایت کی کوئی تاویل ضرور کی جائیگی تاکہ دونوں روایات کے درمیان تعارض نہ رہے۔

جواب اوّل: دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دوسری روایت میں اصل قانون بیان کیا کہ جب بیٹا ماں کے دودھ سے مستغنی ہو جائے تو اس کی ماں کو رجم کیا جائے گا جبکہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ وضع حمل کے بعد جب اس بے گناہ بچے کی خاص تربیت کا انتظام ہو جائے تو بچہ کی پیدائش کے بعد ہی رجم کیا جائے خلاصہ یہ ہوا کہ اس حدیث میں بھی بچہ کے بڑا

ہونے کے بعد اسکی ماں کو رجم کرنے کا ذکر ہے اور اس رضاعت سے دودھ پلانے کی ذمہ داری نہیں بلکہ اس سے تربیت کی کفالت مراد ہے رضاع کا لفظ مجازًا بولا گیا۔

جواب ثانی: بعض نے کہا کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دو عورتیں علیحدہ علیحدہ ہوں۔ حدیث اوّل میں جس عورت کا ذکر ہے وہ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی ہو اور جس کا ذکر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ قبیلہ جہینہ کی عورت ہو۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲۲۵)

الحاصل جب اس عورت نے بچہ جن لیا تو آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے یہ بچہ جن لیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو واپس کر دیا کہ جب بچہ کھانا کھانے لگ جائے تو پھر آنا آپ ﷺ کا یہ خیال تھا کہ اس طویل عرصے میں یہ عورت شاید اپنے اقرار سے باز آجائے لیکن اس عورت نے سزا ٹالنے کی کوئی پرواہ نہیں کی حتیٰ کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ روٹی بھی کھلاتی رہی اور چھ ماہ کی مدت میں وہ عورت دودھ چھڑا کر دوبارہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئی تو اسکے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا آپ ﷺ نے صحابہ کی جماعت میں یہ اعلان فرمایا کہ اس بچے کی پرورش کون کریگا ایک صحابی نے عرض کیا۔ میں تو آپ ﷺ نے وہ بچہ اُس صحابی کے حوالے کر دیا اور عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

سوال: بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے کیونکہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ انصاری صحابی نے پالا جبکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے خود پالا۔ **جواب:** دونوں روایات صحیح ہیں کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس عورت نے بچہ کو ابتداءً خود ہی پالا ہو اور انصاری صحابی نے جو پرورش کی وہ دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد کی تھی۔ فلا تعارض۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَجْمِ أَهْلِ الْكِتَابِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

اسحاق بن موسیٰ انصاری، معن، مالک بن انس، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو سنگسار کیا۔ اس حدیث میں ایک واقعہ ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْبَرَاءِ وَجَابِرٍ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَالْعَمَلُ

ھناد، شریک، سماک بن حرب، حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور عورت کو سنگسار کیا اس باب میں حضرت ابن عمر، براء، جابر، ابن ابی اوفی، عبداللہ بن حارث بن جزء اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حدیث حضرت جابر بن سمرہؓ ان کی سند سے حسن غریب ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل

عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا اخْتَصَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ وَتَرَافَعُوا إِلٰى حُكَّامِ الْمُسْلِمِينَ حَكَمُوا بَيْنَهُمْ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَبِأَحْكَامِ الْمُسْلِمِينَ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ و قَالَ بَعْضُهُمْ لَا يُقَامُ عَلَيْهِمُ الْحَدُّ فِي الزِّنَا وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ

ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہود ونصاری اپنے مقدمات مسلمانوں کی عدالتوں میں دائر کردیں تو ان کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کیا جائے امام احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ان پر زنا کی حد نہ لگائی جائے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ: اس حدیث میں قصہ طویل ہے جو مشکوٰۃ المصابیح کتاب الحدود میں مذکور ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہ پہلے یہودی تھے ان کا شمار بڑے درجہ کے علماء یہود میں سے ہوتا تھا ان کو تورات پر مکمل عبور حاصل تھا ان کو اللہ رب العزت نے اسلام کی توفیق بخشی۔

چنانچہ مجلس نبوی میں جب یہودیوں نے اپنی تحریف کے پیش نظر یہ کہا کہ تورات میں رجم کا ذکر نہیں ہے کہ زنا کے ارتکاب کرنے والے کو سنگسار کیا جائے بلکہ ہم نے تو یہ پڑھا ہے کہ جو شخص زنا کا مرتکب ہو تو اس کو تعزیر کے ذریعے ذلیل ورسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہود کی تکذیب کی اور فرمایا کہ تورات میں رجم کا حکم موجود ہے چنانچہ رجم کی آیت دکھانے کیلئے تورات کا نسخہ منگوایا گیا تو اس موقع پر یہودیوں نے مکاری اور عیاری سے کام لیا ان میں سے ایک شخص جس کا نام صوریا تھا اس نے آیت رجم کی جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے پڑھنے لگا تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ کو ہٹا کر رجم کی آیت کو واضح کروا دیا۔

سوال: رجم کی سزا کا مستحق ہونے کیلئے محصن یعنی شادی شدہ ہونا شرط ہے اور محصن ہونے کیلئے مسلمان ہونا شرط ہے یعنی سنگساری کی سزا اس کو دی جاسکتی ہے جو محصن ہو اور مسلمان ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رجم کا حکم کیوں دیا؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود کو رجم کرنے کا جو حکم دیا وہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رجم کی سزا کے لئے محصن ہونا شرط نہیں ہے نیز قرآن پاک میں رجم کا حکم نازل ہونے سے پہلے تورات کے حکم پر عمل کیا جاتا تھا لیکن قرآن کریم کی آیت رجم کے نزول کے بعد تورات کا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اس مسئلہ کی بناء پر ائمہ کا آپس میں اختلاف ہوگیا عند الشافعی کسی کے محصن ہونے کیلئے اسلام شرط نہیں جب کہ امام مالکؒ اور احناف کے نزدیک محصن ہونے کیلئے اسلام شرط ہے یعنی مسلمان ہونا ضروری ہے باقی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو رجم کیا اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔

سوال: آپ نے محض یہودیوں کے کہنے پر ان کو سنگسار کرنے کا حکم کیسے دیا جبکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے۔

جواب: یہ ضروری نہیں کہ یہودیوں کے کہنے کی بناء پر رجم وغیرہ کا حکم دیا ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں یہودیوں نے زنا کا اقرار کیا ہو یا ان کے زنا پر چار مسلمانوں نے گواہی دی ہو اور اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفْيِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَيَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِدْرِيسَ فَرَفَعُوهُ وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِدْرِيسَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَهٰكَذَا رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ رِوَايَةِ ابْنِ إِدْرِيسَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ نَحْوَ هٰذَا وَهٰكَذَا رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ صَحَّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّفْيُ رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ وَزَيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ وَغَيْرُهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَأَبُو ذَرٍّ وَغَيْرُهُمْ وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ وَهُوَ قَوْلُ

ابوکریب، یحییٰ بن اکثم، عبداللہ بن ادریس، عبیداللہ، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کوڑے بھی مارے اور جلاوطنی کی سزا دی۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث غریب ہے اس حدیث کو کئی راوی عبداللہ بن ادریس سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں بعض راوی یہ حدیث عبداللہ بن ادریس سے وہ عبیداللہ سے وہ نافع سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے (غیر شادی شدہ کو) سو کوڑے مارے اور جلاوطن کیا اسی طرح حضرت عمرؓ نے کوڑے بھی مارے اور جلاوطن بھی کیا۔

ہم سے یہ حدیث ابوسعید اشج نے بحوالہ عبداللہ بن ادریس نقل کی ہے پھر یہ حدیث ان کے علاوہ بھی اسی طرح منقول ہے محمد بن اسحاق بھی نافع سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے کوڑے مارے اور جلاوطن بھی کیا۔ حضرت عمر نے بھی کوڑے مارے اور جلاوطنی کی سزا بھی دی لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلاوطن کرنا ثابت ہے حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد، عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا صحابہ کرام جن میں حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ شامل ہیں کا اسی پر عمل ہے متعدد فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح منقول

سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

ہے سفیان ثوریؒ، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کے ذیل میں ایک اختلافی مسئلہ زانی غیر محصن کی سزا کوڑوں کے ساتھ جلاوطنی بھی ہے یا نہیں؟ مسئلہ: ماقبل ''باب ماجاء فی الرجم علی الثیب'' کے تحت گزر چکا ہے۔ لڑکی کے بارے میں کیا حکم ہے اس کو بھی سزا کے ساتھ ساتھ جلاوطن کیا جائے گا یا نہیں؟

امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو بھی جلاوطن کیا جائے گا لیکن عورت کے لئے سفر کی مقدار سے زیادہ دورا کیلے جانا ٹھیک نہیں ہے اس لئے فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ولی بھی ساتھ جائے گا۔

احناف کے نزدیک جلاوطن کرنا تعزیر ہے غیر محصن کی سزا کا جزو نہیں اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ہر شخص سزا سے خائف ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص زنا کے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اپنی معشوقہ کے عشق کے بھوت کے سوار ہونے کی وجہ سے یہ گناہ کرتا ہے۔ جب ان کو سزا ملتی ہے اور مرد کو جلاوطن کیا جاتا ہے تو عاشق معشوق سے دور ہو جاتا ہے اور دماغ سے عشق کا بھوت بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ جلاوطنی کی اصل وجہ ہے۔ باقی جلاوطن کرنا یہ قاضی کی مصلحت اور سیاست پر محمول ہے۔ اگر قاضی مناسب سمجھے تو جلاوطن کرلے ورنہ نہیں۔ غرض یہ کہ جلاوطن غیر محصن کی سزا ہے لیکن سزا کا جزو نہیں۔ اسکی تفصیل ماقبل میں ''باب ماجاء فی الرجم علی الثیب'' کے تحت گزر چکی ہے۔

باقی رہی حدیث الباب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد بھی جاری کی اور جلاوطن بھی کیا اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد بھی جاری کی اور جلاوطن بھی کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا۔ اب حدیث ابن عمرؓ میں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکور ہے یا نہیں؟ اس بارے میں عبداللہ بن ادریس کے شاگردوں کا اختلاف ہو رہا ہے۔ بعض شاگرد اس پر عمل نقل کرتے ہیں اور بعض حضرات عمل نقل نہیں کرتے۔ الغرض حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں راجح یہ ہے کہ یہ شیخین کا عمل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکور نہیں ہے۔

سوال: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکور نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تقریر حاصل نہیں تو پھر استدلال کیسے تام ہوگا۔

جواب: دیگر احادیث میں مذکور ہے مثلاً حدیث عبادہ بن صامتؓ میں صراحۃً تغریب عام کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عمل ہے اور شیخین کا عمل ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زانی وغیر محصن کی حد، دو اشیاء کا مجموعہ ہے۔ ① جلد مائۃ ② تغریب عام۔

سوال: تغریب عام یہ خبر آحاد میں سے ہے ان کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے۔

جواب: تغریب عام پر عمل ہوا بطور مصلحت اور سیاست کے۔ باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ حد کی جزو ہونے کی حیثیت سے نہیں تو دلیل آیت کریمہ ہے ورنہ خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحُدُودَ كَفَّارَةٌ لِأَهْلِهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخُوْلَانِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا قَرَأَ عَلَيْهِمُ الْآيَةَ فَمَنْ وَفَّى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَخُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثُ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَمْ أَسْمَعْ فِي هٰذَا الْبَابِ أَنَّ الْحَدَّ يَكُونُ كَفَّارَةً لِأَهْلِهِ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأُحِبُّ لِمَنْ أَصَابَ ذَنْبًا فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ أَنْ يَسْتُرَ عَلَى نَفْسِهِ وَيَتُوبَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ أَنَّهُمَا أَمَرَا رَجُلًا أَنْ يَسْتُرَ عَلَى نَفْسِهِ

پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے چوری نہیں کرو گے زنا نہیں کرو گے پھر اسی کے متعلق آیت پڑھی اور فرمایا جس نے اپنے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ دے گا اور جو اس میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اسے سزا دی گئی تو یہ اس کے لئے کفارے کی طرح ہوگا اور اگر کوئی ایسے گناہ کا مرتکب ہوا لیکن اللہ نے اس کے گناہ کو پوشیدہ رکھا تو وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے چاہے تو وہ اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف کردے۔ اس باب میں حضرت علی، جریر بن عبداللہ، اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث حسن صحیح ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس باب میں اس حدیث سے بہتر کوئی حدیث نہیں دیکھی کہ حدود اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ اس کے عیوب پوشیدہ رکھے تو اسے خود بھی چاہیے کہ وہ اسے ظاہر نہ کرے بلکہ اللہ سے توبہ کرے اس طرح کہ اس کے اور رب ہی کے درمیان ہو حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو یہی کہا کہ اپنے عیب چھپائے۔

تشریح: **مسئلہ: حدود کفارات کی قبیل سے ہیں یا زواجر کی قبیل سے؟**

قول اوّل: احناف کے نزدیک حدود زواجر کی قبیل سے ہیں یعنی حدود سے اصل مقصود عالم کو فساد سے خالی کرنا ہے۔ اگر سزا کے بعد توبہ نہ کی تو اُخروی مواخذہ تحت المشیۃ ہوگا۔

قول ثانی: باقی ائمہ حضرات یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود وقصاص وغیرہ کفارات کی قبیل سے ہیں جب حد جاری ہوجائیگی تو گناہ معاف ہوجائیگا اُخروی مؤاخذہ کا احتمال باقی نہیں رہے گا کیونکہ ائمہ ثلثہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ① حد ② توبہ۔ ③ فضل الٰہی ... جبکہ احناف کے نزدیک گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کی دوصورتیں ہیں۔ ① توبہ۔ ② فضل الٰہی۔

احناف کی دلیل اوّل: چور کی سزا میں ہے "**والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما ... فمن تاب من بعد ظلمه**" ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود کے بعد توبہ کی بھی ضرورت ہے اگر حدود کفارہ سیئات ہوتیں تو ہاتھ کٹنے کے بعد توبہ کی ضرورت نہ رہتی۔

دلیل ثانی: "واللذان يأتيانها منكم فاذوهما فان تابا" یہاں بھی توبہ کا ذکر ہے۔

دلیل ثالث: "انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله، الا الذين تابوا الاية" اسمیں بھی سزا کے بعد توبہ کا ذکر ہے

دلیل رابع: ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص پر حد جاری کی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قل استغفر الله واتوب اليه" ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود کفارات نہیں بلکہ زواجر ہیں اور سزا کے بعد توبہ بھی ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث الباب حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں "فعوقب عليه" ہے ائمہ ثلاثہ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر حد جاری کی گئی تو وہ حد اس کے لئے کفارہ ہوگی۔ "فهو كفارة له" اس سے معلوم ہوا کہ حدود کفارات کی قبیل سے ہیں۔

جواب اوّل: یہ "اذا تاب" کی قید کے ساتھ مقید ہے اس پر قرینہ دیگر نصوص ہیں۔

جواب ثانی: اصل سبب قریب تو توبہ ہے لیکن عمومی طور پر حد کا جاری ہونا توبہ کا سبب بن جاتا ہے۔ تو سبب قریب توبہ ہے اور سبب بعید حد ہے تو یہاں پر سبب بعید یعنی حد کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ جواب ثالث: حد کے کفارہ ہونے کی امید ہے۔

جواب رابع: یہ حدیث خبر واحد ہے یہ آیت کریمہ اور نصوص قطعیہ کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب خامس: "فعوقب" میں عقاب سے مراد مصائب تکوینی ہیں کہ بیماری کا آجانا، بخار کا آجانا، کسی حادثے میں مبتلا ہو جانا یہ بھی مؤمن کیلئے کفارات بن جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر مؤمن کو کانٹا چبھ جائے تو اس سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔

سوال: جب تکوینی مصائب مؤمن کے لئے مکفر ہیں تو حدود بھی مؤمن کیلئے مکفر ہونے چاہئیں۔ جواب: تکوینی مصائب کی وجہ سے جرم کی تعیین نہیں ہوتی کہ کس جرم کی وجہ سے مصائب آرہے ہیں برخلاف حدود کے کہ ان میں جرائم متعین ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى الْإِمَاءِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ السُّدِّيِّ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ قَالَ خَطَبَ عَلِيٌّ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَقِيمُوا الْحُدُودَ عَلَى أَرِقَّائِكُمْ مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُحْصِنْ وَإِنَّ أَمَةً لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَأَمَرَنِي أَنْ أَجْلِدَهَا فَأَتَيْتُهَا فَإِذَا هِيَ حَدِيثَةُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِيتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا أَوْ قَالَ تَمُوتَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ أَحْسَنْتَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوعبدالرحمن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو! اپنے غلاموں وغیرہ پر حدود جاری کرو خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ایک باندی نے زنا کیا تو مجھے حکم دیا کہ اسے کوڑے ماروں جب میں اسکے پاس گیا تو پتہ چلا کہ اسے ابھی نفاس کا خون آیا ہے مجھے اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں اسے کوڑے ماروں تو یہ مر جائے یا فرمایا میں کہیں قتل نہ کر دوں۔۔۔ میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اچھا کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَجْلِدْهَا ثَلَاثًا بِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ عَادَتْ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعْرٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَشِبْلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ الْأَوْسِيِّ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ رَأَوْا أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ الْحَدَّ عَلَى مَمْلُوكِهِ دُونَ السُّلْطَانِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالَ بَعْضُهُمْ يَدْفَعُ إِلَى السُّلْطَانِ وَلَا يُقِيمُ الْحَدَّ هُوَ بِنَفْسِهِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ

فرمایا اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو وہ اسے تین مرتبہ اللہ کی کتاب کے مطابق کوڑے مارے اور اگر چوتھی مرتبہ پھر زنا کرے تو اسے فروخت کر دے خواہ بالوں کی ایک رسی کے عوض فروخت کرے اس باب میں حضرت زید بن خالد اور شبل سے بھی احادیث منقول ہیں شبل، عبداللہ بن مالک اوسی سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اپنے غلام یا باندی پر حد جاری کرنے کیلئے حاکم کے پاس جانے کی ضرورت نہیں امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اسے حاکم کے سپرد کر دے خود حد جاری نہ کرے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: **سوال:** احصان کے لئے حریت بالاجماع شرط ہے پھر استعمیم کا کیا فائدہ کہ محصن ہو یا نہ ہو اس لئے کہ غلام میں حریت متصور نہیں ہو سکتی۔ **جواب:** یہاں احصان کا خاص معنی ہے کہ شادی شدہ ہو یہاں شادی شدہ کو محصن کے ساتھ اور غیر محصن کو غیر شادی شدہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔ غلام اور باندی کے زنا کی صورت میں دونوں کی سزا پچاس کوڑے ہیں۔

مسئلہ: غلام یا باندی زنا کریں تو ان پر حد جاری کرنے کا حکم مولیٰ پر ہے یا بادشاہ و حاکم پر؟

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غلام اور باندی کا مولیٰ بھی حد لگا سکتا ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مولیٰ اپنے غلام و باندی پر حد جاری نہیں کر سکتا ہاں اگر حاکم اجازت دیدے تو جاری کر سکتا ہے

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث باب ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا مولیٰ اس کو حد جاری کرے۔

دلیل ثانی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پچھلی حدیث ہے۔

دلیل ثالث: مولیٰ اپنے مملوک کی حفاظت کی خاطر اس پر حد جاری کر سکتا ہے۔

جواب: "فلیجلدھا" کی نسبت سببیت کی بناء پر ہے کہ مولیٰ امام المسلمین کے دربار میں مقدمہ دائر کر کے حد لگانے کا بندوبست کرے اس معاملہ کو نہ چھپائے اور قرآن کریم کا ظاہر بھی امام صاحبؒ کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس میں مخاطب امراء و حکام ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے "انه علیه السلام قال اربع الی الولاة الحدود والصدقات والجمعات والفیء"۔

دلیل ثانی: حدود و قصاص قائم کرنا انتظام عالم کو باقی رکھنے کیلئے ہے اور یہ حاکم کا کام ہے حاکم کے علاوہ حدود قائم کرنے میں انتظام

عالم میں خلل واقع ہوسکتا ہے۔

دلیل ثالث: حد خالص اللہ کا حق ہے اور حقوق اللہ کی حدود وہی قائم کر سکتا ہے جو حاکم ہو یا حاکم کا نائب ہو۔

(فائدہ) غلام اور باندی اگر زنا کر لیں تو ان کی سزا کوڑے ہی ہیں رجم نہیں ہے اگر چہ وہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ آزاد نہیں ہیں اور احصان کی ایک شرط آزاد ہونا ہے اور آزاد ہونے کی صورت میں غیر محصن کو سو کوڑے لگیں گے اور اگر آزاد نہیں تو پھر پچاس کوڑے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر غلام و باندی ثیبہ ہے تو پچاس کوڑے اور اگر باکرہ ہے تو حد جاری ہی نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّكْرَانِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ زَيْدٍ الْعَمِّيِّ عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ الْحَدَّ بِنَعْلَيْنِ أَرْبَعِينَ قَالَ مِسْعَرٌ أَظُنُّهُ فِي الْخَمْرِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَزْهَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَالسَّائِبِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو الصِّدِّيقِ النَّاجِيُّ اسْمُهُ بَكْرُ بْنُ عَمْرٍو

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس جوتے مارنے کی حد مقرر کی۔ مسعر کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ شراب پر تھی۔ اس باب میں حضرت علی، عبدالرحمن بن ازہر، ابوہریرہ، سائب، ابن عباس اور عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث حسن ہے ابوصدیق ناجی کا نام بکر بن عمرو ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ الْأَرْبَعِينَ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ كَأَخَفِّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ حَدَّ السَّكْرَانِ ثَمَانُونَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اس نے شراب پی تھی آپ ﷺ نے اسے کھجور کی دو چھڑیاں چالیس کے قریب ماریں ابوبکر نے بھی اسی پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے اسی کا حکم دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرامؓ اور تابعین اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شرابی کی حد اسی کوڑے ہیں۔

تشریح: شارب خمر کی حد نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں کوئی مستقل مقرر نہیں تھی لیکن شارب خمر کو چھوڑا بھی نہیں جاتا تھا کچھ نہ کچھ اس کو سزا ضرور ملتی تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل علم اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اور دیگر کتابوں میں حضرت علیؓ کا بھی ذکر ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس پر اخف الحدود جاری کی جائے اور اخف الحدود حد قذف ہے اور وہ اسی کوڑے ہیں پھر اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا۔ احناف اور مالکیہ کے نزدیک حد متعین ہے اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک چالیس کوڑے لگا دے تب بھی ٹھیک ہے نیز مناسب بھی یہی ہے کہ جب انسان شراب پیتا ہے تو اس کی وجہ سے عقل ٹھکانے سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور زبان پر جو کچھ آتا ہے وہی بولنے لگتا ہے۔ جب وہ بولنے لگتا ہے تو کسی پر الزام تراشی کرتا ہے اور کسی پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت حد پر اسی کوڑے ہیں اس لئے شراب پینے والے کو اسی کوڑے لگائیں جائیں گے۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہو گیا۔ بعد میں آنے والے فقہاء کا اس میں کچھ اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اہل ظواہر کے نزدیک شرب خمر کی حد چالیس کوڑے ہیں۔ مزید چالیس کوڑے بطور تعزیر کے ہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، امام مالک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک شرب خمر کی سزا اسی کوڑے ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں چالیس کوڑے کا ذکر ہے۔

دلیل ثانی: صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرب خمر پر چالیس چھڑیاں لگائے۔

جواب: حدیث انسؓ کا جواب یہ ہے کہ دو چھڑیاں ملا کر چالیس مرتبہ مارا جس کا مجموعہ اسی بنتا ہے جیسا کہ آگے دلیل رابع میں آرہا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو بھی شرب خمر کی سزا دی اسکو اسی کی تعداد میں کوڑے ہی لگائے خواہ وہ جوتے سے لگوائے ہوں یا چھڑی وغیرہ سے الحاصل تمام ادوار میں کوڑے اسی ہی رہے چالیس نہیں رہے جیسا کہ سائب بن یزیدؓ کی روایت ہے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: معجم اوسط للطبرانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد فی الخمر ثمانین"۔

دلیل ثانی: شرح معانی الآثار اور مسند ابو یعلی میں حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے "من شرب خمر فاجلدوہ ثمانین"

دلیل ثالث: اسی حدیث انسؓ کے آخر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں انکے مشورے سے اسی کوڑے مقرر فرمائے معلوم ہوا کہ شرب خمر کی حد اسی کوڑے ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا تھا۔

دلیل رابع: یہی حدیث انسؓ ہے کہ آپ نے دو چھڑیوں سے چالیس کوڑے لگائے اس سے بھی معلوم ہوا کہ کل مجموعہ اسی ہوا۔

دلیل خامس: اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسی کوڑے لگانے پر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ وَمَنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ

ابوکریب، ابوبکر بن عیاش، عاصم، ابی صالح، حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو اور اگر چوتھی مرتبہ بھی پیئے تو اسے قتل کر دو اس باب میں حضرت ابوہریرہ، شرید، شرحبیل

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالشَّرِيدِ وَشُرَحْبِيلَ بْنِ أَوْسٍ وَجَرِيرٍ وَأَبِي الرَّمَدِ الْبَلَوِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثُ مُعَاوِيَةَ هٰكَذَا رَوَى الثَّوْرِيُّ أَيْضًا عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى ابْنُ جُرَيْجٍ وَمَعْمَرٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ ثُمَّ نُسِخَ بَعْدُ هٰكَذَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ فَضَرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ وَكَذٰلِكَ رَوَى الزُّهْرِيُّ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا قَالَ فَرُفِعَ الْقَتْلُ وَكَانَتْ رُخْصَةً وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمُ اخْتِلَافًا فِي ذٰلِكَ فِي الْقَدِيمِ وَالْحَدِيثِ وَمِمَّا يُقَوِّي هٰذَا مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوْجُهٍ كَثِيرَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ

بن اوس، جریر، ابورمد بلوی، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث امام ثوری بھی عاصم سے وہ ابوصالح سے وہ معاویہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں ابن جریج اور معمر بھی سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت ابوہریرہؓ اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں ابوصالح کی حضرت معاویہؓ سے روایت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی نسبت زیادہ صحیح ہے قتل کا حکم شروع شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا محمد بن اسحاق بھی منکدر سے وہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے وہ نبی کریم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص شراب پیئے اسے کوڑے مارو اور چوتھی مرتبہ اسے قتل کر دو جابر کہتے ہیں کہ پھر ایک شخص کو آپ کے پاس لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی تو آپ ﷺ نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا، قتل نہیں کیا۔ زہری بھی قبیصہ بن ذویب سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں یعنی اس طرح قتل کا حکم اٹھا لیا گیا جس کی پہلے اجازت تھی تمام علماء کا اس پر عمل ہے اس مسئلے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اس بات کو ایک دوسری حدیث سے بھی تائید حاصل ہے جو مختلف اسناد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کسی مسلمان کا خون تین چیزوں کے علاوہ حلال نہیں بشرطیکہ وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ قصاص، شادی شدہ زانی اور مرتد۔

تشریح: مسئلہ: چوتھی بار شارب خمر کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: قاضی عیاضؒ کے نزدیک چوتھی مرتبہ پینے کے بعد قتل کا حکم ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک چوتھی مرتبہ شرب خمر پر امام سیاسۃً وتعزیراً قتل کرسکتا ہے۔

قول اوّل والوں کی دلیل: یہی حدیث جابرؓ ہے اس میں چوتھی مرتبہ شرب خمر پر قتل کا ذکر ہے۔

جمہور ائمہ کی دلیل: حضرت ابن مسعودؓ کی مشہور حدیث ہے "لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلث ... کما مر" نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ شارب خمر کو قتل نہیں کیا جائیگا جیسا کہ اسی حدیث کے آخر میں ہے "ثم اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلک برجل قد شرب فی الرابعۃ فضربہ ولم یقتلہ"۔ اور جن روایات میں قتل کا ذکر ہے ان کا جواب یہ ہے کہ وہ منسوخ ہیں آخر حدیث سے یا اجماع صحابہ سے یا اس سے مراد ضرب شدید ہے کہ اس کو اتنا مارا جائے کہ قریب الموت پہنچ جائے یا قتل کا حکم سیاست پر محمول ہے تعزیراً۔ حدود کے اعتبار سے نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میری کتاب میں دو حدیثیں ایسی ہیں جن پر امت عمل نہیں کرسکتی، ایک وہ حدیث جس کے اندر جمع بین الصلوٰتین کا ذکر ہے مدینہ میں اور دوسری حدیث یہی ہے کہ شاربِ خمر کو قتل کرنے کا حکم ہے حالانکہ شارب خمر کے عدم قتل پر امت کا اجماع ہے۔

امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ ترمذی شریف میں صرف یہی دو احادیث ہیں جن پر عمل نہیں ہے اس کے علاوہ ترمذی شریف کی تمام احادیث معمول بھا ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ سند میں اختلاف ہو رہا ہے۔ ابو صالح کے تلامذہ میں اختلاف ہے ان کے تلامذہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسندات ابی معاویہ میں سے ہے اور بعض تلامذہ اس کو مسندات ابی ہریرہ میں سے قرار دیتے ہیں تو امام ترمذیؒ فرما رہے ہیں کہ یہ مسندات ابی معاویہ میں سے ہے۔

باقی رہا اس کا حکم تو اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اس کے نسخ پر دو دلیلیں ہیں۔

دلیل اوّل: حدیث جابرؓ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فان شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسا شارب خمر لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی ہوئی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے لگائے قتل نہیں کیا تو یہ نص صریح ہے کہ "فاقتلوہ" والا حکم منسوخ ہے۔

دلیل ثانی: دوسری حدیث جو کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلاث" ① نفس معصومہ کا قتل۔ ② زنا بحالت احصان۔ ③ التارک لدینہ۔ یعنی ارتداد اور ظاہر ہے کہ چوتھی مرتبہ شراب پینا ان خصال ثلاثہ میں سے نہیں ہے تو پھر اس کو قتل کیسے کیا جائے گا؟ تو معلوم ہوا کہ چوتھی مرتبہ شرب خمر پر قتل والا حکم منسوخ ہے لیکن احناف کہتے ہیں کہ "فاقتلوا" والا حکم تعزیراً اور سیاسۃً ہے تو بحمد اللہ اس حدیث پر بھی ہمارا عمل ہو جائے گا اس صورت میں ناسخ منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ　علی بن حجر، سفیان بن عیینہ، زہری، عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ

عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَتْهُ عَمْرَةُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْطَعُ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوعًا وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ مَوْقُوفًا.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَيْمَنَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ قَطَعَ فِي خَمْسَةِ دَرَاهِمَ وَرُوِيَ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ أَنَّهُمَا قَطَعَا فِي رُبْعِ دِينَارٍ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُمَا قَالَا تُقْطَعُ الْيَدُ فِي خَمْسَةِ دَرَاهِمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ رَأَوُا الْقَطْعَ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ أَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَهُوَ حَدِيثٌ مُرْسَلٌ رَوَاهُ الْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَالْقَاسِمُ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ ابْنِ مَسْعُودٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ قَالُوا لَا قَطْعَ فِي أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ

تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کے عوض ہاتھ کاٹا کرتے تھے یہ حدیث حسن صحیح ہے یہ حدیث متعدد اسناد سے بواسطہ عمرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے بعض نے بواسطہ عمرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے موقوفاً روایت کی ہے۔

قتیبہ، لیث، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال چوری کرنے کے بدلے میں جس کی قیمت تین درہم تھی۔ اس باب میں حضرت سعد، عبداللہ بن عمرو، ابن عباس ابوہریرہ، ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے حضرت ابوبکرؓ بھی ان میں شامل ہیں انہوں نے پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔ بعض فقہاء تابعین کا اس پر عمل ہے امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چیز میں ہاتھ نہ کاٹا جائے یہ حدیث مرسل ہے اسے قاسم بن عبدالرحمن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن قاسم کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع نہیں۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

تشریح: اسلام نے ہر گناہ پر کوئی نہ کوئی سزا رکھی ہے تاکہ انسان کی جان، مال، عزت آبرو سب محفوظ رہیں۔ دیکھیے نسب کی حفاظت کے لئے حد زنا ہے عقل کی حفاظت کے لئے حد شرب خمر ہے اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے حد قذف ہے اور مال کی حفاظت کے لئے حد سرقہ ہے اور دین کی حفاظت کے لئے حد ارتداد ہے۔

لغت میں سرقہ کی تعریف: سرقہ "س" کے فتح اور "ر" کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے بمعنی چوری اور دونوں کے فتح سے سارق بمعنی چور کی جمع ہے یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ "آخذ الشیء من الغیر علی وجه الخفية مالا کان او غیرہ" کسی کی چیز کو خفیہ طور پر لینا خواہ وہ مال ہو یا غیر مال۔

اصطلاح شرع میں سرقہ کی تعریف: عاقل بالغ شخص کا کسی کے محفوظ کئے ہوئے مال محترم کو خفیہ طور پر لینا اور لینے والے کی اس میں ملک بھی نہ ہو اور شبہ ملک بھی نہ ہو۔ اور لفظ سرقہ جمع ہے سارق کی یا پھر مصدر ہے جس کا معنی ہے چوری اور باب قطع السرقة میں مضاف محذوف ہے اصل میں تھا باب قطع اہل السرقة۔

سوال: مال تو حقیر ہے حقیر مال کے عوض قطع ید تو انسانی تکریم کیخلاف ہے۔

جواب: "اذا کانت امینة ثمینة واذا خانت ہانت" کہ جب ہاتھ امین تھا تو قیمتی تھا جب ہاتھ نے خیانت کی تو ہاتھ ذلیل وحقیر ہو گیا اسلئے قطع ید انسانی تکریم کے خلاف نہ ہوا۔

اس باب میں قطع ید کے متعلق مسائل کا بیان ہو رہا ہے۔

چور کے ہاتھ کاٹنے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ اسکا ہاتھ کاٹا جائیگا کما فی قوله تعالیٰ " السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما"

مسئلہ: کتنی مالیت کی مقدار میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اسکی تعیین ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر، حضرت حسن بصریؒ اور خوارج کے نزدیک مطلقاً مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائیگا اسکی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔

قول ثانی: ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک قطع ید کیلئے مال مسروق کا مقدار نصاب ہونا شرط ہے قلیل مال میں قطع ید نہیں ہوگا۔

اہل ظواہر اور حسن بصریؒ کی پہلی دلیل: قرآن کریم کی آیت "والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما" میں مطلق چوری پر قطع ید کا حکم ہے کسی مقدار کی تعیین نہیں ہے۔ جواب: یہ آیت مجمل ہے اور اس کی تفسیر احادیث مشہورہ سے ہوگی۔

دوسری دلیل: اسی باب کی تیسری حدیث ابو ہریرہ ہے "لعن الله السارق یسرق بیضة فتقطع یدہ" کہ انڈے کے چرانے میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا حالانکہ انڈا تو قلیل مال ہے۔

جواب اوّل: بیضہ وغیرہ سے نصاب سرقہ مراد نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی چوری مفضی ہوتی ہے بڑی چوری کی طرف لہٰذا ما یئول کے اعتبار سے اس پر قطع ید کا اطلاق کیا گیا۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ بیضہ سے مراد انڈہ نہیں بلکہ لوہے کی فوجی ٹوپی (خود) مراد ہے اور اس کی قیمت نصابِ سرقہ تک پہنچتی ہے اسی طرح رسی سے مراد کشتی کی قیمتی رسی ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: اسی باب کی فصل اول کی پہلی حدیث عائشہؓ ہے کہ اس میں قطع ید کا نصاب ربع دینار بیان کیا گیا ہے۔

دلیل ثانی: اسی باب کی دوسری حدیثِ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ اس میں ہے کہ چور کا ہاتھ تین درہم کی مقدار چوری کرنے پر کاٹا

جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ قطع ید کیلئے مقدار مقرر ہے۔
دلیل ثالث: اس کے علاوہ بہت ساری احادیث ہیں جن میں دس دراہم کا ذکر ہے اور اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ چوری کی خاص مقدار کے علاوہ پر قطع ید نہیں ہوگا ان دلائل سے معلوم ہوا کہ قطع ید کیلئے چوری کی مقدار معین ہے۔
مسئلہ: سرقہ کی مالیت کی مقدار معین کتنی ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں
قول اول: امام مالکؒ کے نزدیک سونے سے ربع دینار یا چاندی سے تین دراہم یا انکی قیمت کے برابر کسی چیز کے سرقہ سے قطع ید ہوتا ہے۔
قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک ربع دینار یا اس کی قیمت سے قطع ید لازم ہوتا ہے۔
قول ثالث: احناف کے نزدیک قطع ید کیلئے دس دراہم یا ایک دینار یا ان کی قیمت کے برابر کوئی چیز کا ہونا ضروری ہے۔
امام مالکؒ کی دلیل: ربع دینار کو حدیث عائشہؓ سے اور تین دراہم کو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت کیا گیا ہے اور یہی احادیث امام شافعیؒ کا مستدل بھی ہیں۔
جواب: قطع ید کا مدار ثمن مجن پر تھا اور اس کی تعیین ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں اجتہاد سے کی پھر اس کے بعد دس دراہم پر اس کا استقرار ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نظر ہمیشہ شریعت کے مزاج پر ہوتی ہے اور شریعت نے واضح کہہ دیا "**ادروا الحدود ما استطعتم**" اور دس دراہم نصاب سرقہ یا دینار میں حدود کم جاری ہوں گی بخلاف ربع دینار کے اس میں حد کا نفاذ زیادہ ہوگا پھر جن روایات میں دس درہم سے کم میں قطع کا ذکر ہے ان کو ہم محمول کریں گے سیاست پر۔
احناف کی دلیل اول: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "**انه قال لا قطع الا فی دینار أو عشرة دراهم، وهو حدیث مرسل**" ظاہر ہے کہ صحابی کا قول غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ باقی اس کو مؤید تو بنا رہے ہیں لیکن دلیل نہیں بنا رہے۔ امام ترمذیؒ کے اعتراض سے بچنے کے لئے۔
اعتراض: امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ کا اثر سنداً منقطع ہے حضرت ابن مسعودؓ سے قاسم بن عبدالرحمٰن نقل کر رہے ہیں اور قاسم کا سماع حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔ پس حدیث مرسل ہے مرسل بمعنی منقطع لہٰذا حدیث منقطع سے استدلال کرنا درست نہیں۔
جواب: منقطع ہونے سے حدیث زیادہ سے زیادہ سنداً ضعیف ہوگی اور سنداً ضعیف حدیث سے سہارا لینا جائز ہے۔
اعتراض: مادون العشرۃ پر بھی قطع ید ثابت ہے۔
جواب اول: مادون العشرۃ پر قطع ید کا ہونا اس زمانے پر محمول ہے جب قطع ید کا نصاب متعین نہیں ہوا تھا۔
جواب ثانی: یا مادون العشرۃ پر قطع ید تعزیراً ہوتا تھا حد کی حیثیت سے نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین دراہم کے سرقہ پر قطع ید کیا تھا تو یہ ان حضرات کا اپنا اجتہاد تھا۔
دلیل ثانی: سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ ہیں "**قال قطع النبی صلی اللہ علیه وسلم ید رجل فی مجن قیمته دینارًا او عشرة دراهم علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقوم عشرة دراهم**"۔
دلیل ثالث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے آٹھ دراہم کی قیمت کا کپڑا چوری کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قطع ید نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ دس دراہم سے کم میں قطع ید نہیں ہوتا۔

دلیل رابع: طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قطع فیما دون عشرۃ دراھم"۔

دلیل خامس: نسائی شریف میں عطاء ایمن سے روایت ہے "قال ما قطعت ید علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوفی ثمن مجن وکان یساوی یومئذ عشرۃ دراھم"

دلیل سادس: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ دس دراہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہ فتویٰ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تھا کسی نے اس پر نکیر نہیں کی تھی تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہو گیا۔

سوال: ایک انگلی کے کاٹنے پر دس اونٹ دیت آتی ہے اور اگر دس درہم چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے جو کہ اونٹ کا چوتھائی حصہ بھی نہیں بنتا یہ عقل میں آنے والی وجہ نہیں ہے۔

جواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس کی انگلی کاٹ دی جاتی ہے تو یہ مظلوم ہوتا ہے اور مظلوم کی اللہ کے ہاں بہت بڑی قیمت ہوتی ہے اور جب یہ چوری کرتا ہے تو یہ ظالم ہوتا ہے اور ظلم کر کے اپنے ہاتھ کی قیمت ضائع کر دیتا ہے۔ کیونکہ ظالم کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ یا اس سوال وجواب کو یوں سمجھ لیجئے۔

سوال: کتب تاریخ میں ہے کہ ایک شاعر نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے یہ شعر کہا ؎

ید بخمس مئین مسجد ودیت فما بالها قطعت فی ربع دینار

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ خطاءً کاٹا ہے تو کاٹنے والے سے نصف دیت یعنی پانچ سو دینار یا پانچ ہزار دراہم یا پچاس اونٹ لئے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ پانچ سو سونے کے دینار سے ایک ہاتھ کی دیت ادا کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے کل دیت ایک ہزار دینار اور ایک ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہوتی ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک ہاتھ کو ربع دینار کے عوض کاٹا جاتا ہے۔ ایک طرف تو پانچ سو درہم یا دینار ہاتھ کی قیمت بیان کی جاتی ہے اور دوسری جانب ایک ہاتھ کو ربع دینار کے عوض کاٹا جاتا ہے۔

جواب: امام شافعیؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

هناك مظلومة غالت بقيمتها وههنا ظلمت هانت على البارى

جہاں ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ذکر کی گئی ہے وہاں ہاتھ سے مراد مظلوم کا ہاتھ ہے جبکہ سارق نے اس ہاتھ سے چوری کر کے ظلم کیا ہے۔ اس ظلم نے اس ہاتھ کو حقیر اور ذلیل کر دیا ہے۔ جس وجہ سے اس کی قیمت ربع دینار ہو گئی۔ ابوالفتح شاعر نے اس کا یہ جواب دیا ہے ؎ "عز الامانة اعلاها وارخصها ذل الخيانة فافهم حكمة البارى"

امانت کی عزت نے اس کی قیمت کو بڑھا دیا اور خیانت کی ذلت نے اس کی قیمت کو گھٹا دیا اس لئے اللہ کی حکمت کو خوب سمجھ لو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيقِ يَدِ السَّارِقِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ قتیبہ، عمر بن علی مقدمی، حجاج، مکحول، عبید عبدالرحمن بن

حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَيْرِيزٍ قَالَ سَأَلْتُ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ عَنْ تَعْلِيقِ الْيَدِ فِي عُنُقِ السَّارِقِ أَمِنَ السُّنَّةِ هُوَ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ يَدُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِي عُنُقِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيِّ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَيْرِيزٍ هُوَ أَخُو عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَيْرِيزٍ شَامِيٌّ.

محیریز سے روایت ہے کہ میں نے حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے چور کا ہاتھ اسکی گردن میں لٹکانے کے متعلق پوچھا کہ آیا یہ سنت ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور کو لایا گیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ یہ ہاتھ اسکی گردن میں لٹکا دیا جائے یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف عمر بن علی مقدمی کی حدیث سے جانتے ہیں عمر بن علی، حجاج بن ارطاۃ سے نقل کرتے ہیں عبدالرحمن بن محیریز، عبداللہ بن محیریز کے بھائی ہیں اور وہ شامی ہیں۔

تشریح: سارق کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کے گلے میں لٹکا دینا جائز ہے جب حاکم اس میں مصلحت سمجھے اور ہاتھ کا لٹکانا یہ حد میں شامل نہیں ہے اس پر امام شافعیؒ کے علاوہ تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کے گلے میں لٹکا دینا سنت ہے تا کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور مجرم خود بھی اس سے عبرت پکڑے اور آئندہ چوری سے باز رہے۔

جبکہ احناف کے نزدیک ایسا کرنا مسنون نہیں بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے کیونکہ شریعت میں بہت سارے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے لیکن سوائے ایک دو کے علاوہ سب کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا گیا اگر ایسا کرنا مسنون ہوتا تو اکثر مجرمین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَائِنِ وَالْمُخْتَلِسِ وَالْمُنْتَهِبِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رَوَاهُ مُغِيرَةُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَمُغِيرَةُ بْنُ مُسْلِمٍ هُوَ بَصْرِيٌّ أَخُو عَبْدِ الْعَزِيزِ الْقَسْمَلِيِّ كَذَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ

علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، ابن جریج، ابی زبیر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خائن، اچکے، اور ڈاکو کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے مغیرہ بن مسلم، ابوزبیر سے وہ جابرؓ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابن جریج ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں مغیرہ بن مسلم بصری، علی بن مدینی کے قول کے مطابق عبدالعزیز قسملی کے بھائی ہیں۔

تشریح: **لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ** : جو کسی کی امانت دبا لے خواہ اس طرح کہ کسی کی چیز عاریۃً مانگ کر لے جائے بعد میں جھوٹ کہہ دے کہ ضائع ہوگئی یا عاریت کا ہی انکار کردے یا اس طرح کہ کوئی اسکے پاس بطور ودیعت مال رکھے اور یہ ہضم کرجائے اور کہے کہ میرے پاس ہے ہی نہیں یا بطور ودیعت کے کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھی جائے اور وہ اس پر قبضہ کرکے دعوٰی کرے کہ وہ چیز ضائع ہوگئی اور یا لینے سے ہی منکر ہو جائے اور کہے کہ میں نے لی ہی نہیں ہے تو ایسے شخص کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وَلَا مُنْتَهِبٍ : علانیہ مال لوٹ لینے کو انتہاب کہا جاتا ہے۔

وَلَا مُخْتَلِسٍ : "اخذ الشیء من ظاهر بسرعة" کسی کے ہاتھ سے جلدی سے مال اچک لینے کو اختلاس کہا جاتا ہے مذکورہ تینوں صورتوں میں قطع ید نہیں ہے کیونکہ اس پر چوری کی تعریف صادق نہیں آتی لیکن اس کے بارے میں شدید وعید آئی ہے اور اُخروی مواخذہ ہوگا جیسا کہ مشکوٰۃ کی حدیث میں ہے "من انتهب نهبة مشهورة فليس منا"۔

مسئلہ: اگر چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سنادی گئی اسکے بعد اس چیز کے مالک نے وہ چیز چور کو بیچ دی یا ہبہ کردی تو کیا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک اس صورت میں اسکا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ امام زفرؒ کی تائید اسی حدیث الباب سے ہوتی ہے۔ یہی حدیث شرح السنۃ میں طویل آئی ہے کہ صفوان مدینہ میں آئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر سو گئے چور آیا اس نے چادر لے لی، صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ صفوانؓ نے کہا کہ میرا یہ ارادہ نہیں تھا وہ چادر اس پر صدقہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے ایسا کیوں نہ کیا۔

حدیث الباب کا جواب: ایک روایت میں تو یہ حدیث اس طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی ہے لیکن متدرک حاکم میں یہ روایت کچھ زیادتی کے ساتھ منقول ہے لہٰذا اس اضافہ وزیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہوگیا اور اس اضطراب کی وجہ سے اس حدیث میں ضعف آگیا لہٰذا حدیث الباب سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ هٰكَذَا رَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ

قتیبہ، لیث، یحیٰی بن سعید، محمد بن یحیٰی بن حبان، حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھلوں اور کھجوروں کے خوشوں کی چوری کرنے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ بعض راوی، یحیٰی بن سعید سے وہ محمد بن یحیٰی بن حبان سے وہ اپنے چچا واسع بن حبان سے وہ رافع رضی اللہ عنہ سے اور وہ

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ رِوَايَةِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَرَوٰى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں مالک بن انس اور کئی راوی یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے وہ رافع بن خدیج سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اور اس میں واسع بن حبان کا ذکر نہیں کرتے۔

تشریح: اس بات میں تو سب کا اتفاق کہ تر میوہ چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا خواہ وہ میوہ محرز ہو یا غیر محرز ہو اور اسی طرح وہ خشک میوہ جو درخت پر لگا ہوا ہو اور وہ کھیتی جو کاٹ کر جمع نہ کی گئی ہو انکے چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے لیکن ایک اور مسئلہ میں اختلاف ہے۔

مسئلہ: وہ پھل جسکو توڑ کر جمع کر لیا ہو اور وہ کھیتی جسکو کاٹ کر محفوظ کر لیا گیا ہو اسکی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم۔

اس میں دو قول ہیں: **قول اوّل:** امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر قسم کے پھل میں قطع ید ہوگا۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر قسم کے ایسے پھل جو بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں اس کے چوری کرنے سے قطع ید نہیں ہوگا خواہ وہ پھل محرز ہو بلکہ جو چیز بھی جلد خراب ہو جاتی ہے اس میں قطع نہیں ہے جیسے دودھ، مچھلی تازہ گوشت وغیرہ۔

شوافع کی دلیل: ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے صرف قیاس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس پر سرقہ کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ دوسرے کے مال محترم محرز کو خفیۃً لینا ہے اور سرقہ میں قطع ہے۔ **جواب:** صریح اور صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: آگے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس میں "**لا قطع فی ثمر ولا کثر**" یہ نکرہ تحت النفی واقع ہوا ہے جو ہر قسم کے پھل کے لئے عام ہے خواہ محرز ہو یا غیر محرز ہو۔

دلیل ثانی: خراب ہو جانیوالی چیز کی زیادہ اہمیت وقدر نہیں ہوتی اس بنا پر ایسی چیزوں میں محترم ہاتھ کا نہ کاٹنا ہی شریعت کا متقاضی ہے۔

سند پر کلام: محمد بن یحییٰ بن حبان کے تلامذہ میں اختلاف ہے بعض تلامذہ واسع بن حبان کا واسطہ ذکر کر رہے ہیں جیسے لیث بن سعد اور بعض تلامذہ واسع بن حبان کا واسطہ ذکر نہیں کر رہے۔ اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ بلا واسطہ بھی مروی ہے اور بالواسطہ بھی مروی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنْ لَا يُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ شُيَيْمِ بْنِ بَيْتَانَ عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الْغَزْوِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ ابْنِ لَهِيعَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ هٰذَا وَقَالَ بِشْرُ بْنُ أَبِي

حضرت بسر بن ارطاۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جنگ کے دوران ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ (یعنی چوری کرنے پر)۔ یہ حدیث غریب ہے اس حدیث کو ابن لہیعہ کے علاوہ اور راوی بھی اسی سند سے نقل کرتے ہیں لیکن وہ بشر بن ابی ارطاۃ کہتے ہیں۔ بعض اہل علم اور امام اوزاعیؒ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے

أَرْطَاةَ أَيْضًا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمُ الْأَوْزَاعِيُّ لَا يَرَوْنَ أَنْ يُقَامَ الْحَدُّ فِي الْغَزْوِ بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ مَخَافَةَ أَنْ يَلْحَقَ مَنْ يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ بِالْعَدُوِّ فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ مِنْ أَرْضِ الْحَرْبِ وَرَجَعَ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ أَقَامَ الْحَدَّ عَلَى مَنْ أَصَابَهُ كَذٰلِكَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ

ہیں کہ دارالحرب میں دشمن سے مقابلے کے وقت حدود قائم نہ کی جائیں اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ شخص جس پر حد جاری کی گئی ہے دشمن کے ساتھ مل جائے البتہ جب امام دارالحرب سے دارالسلام میں واپس آئے تو اسی وقت مجرم پر حد قائم کرے، امام اوزاعیؒ نے ایسے ہی فرمایا۔ امام اوزاعیؒ نے ایسے ہی فرمایا

تشریح: اس حدیث کے دو مطلب ہیں۔ اوّل: اگر کسی شخص نے غنیمت کے مال میں تقسیم سے پہلے چوری کر لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس مال میں اس کا حق بھی ہے اور حق موجود ہونے کی وجہ سے اس کی حد میں شبہ آ گیا اور اصول ہے "الحدود تندرء بالشبہات" لہٰذا ایسے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ثانی: جنگ کے میدان میں ایسے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ وہاں سے واپس آنے کے بعد کاٹا جائے گا اب سفر میں ہاتھ نہ کاٹنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ ① ایک یہ کہ سفر میں امیر نہیں ہوتا بلکہ امیر جیش ہوتا ہے اور امیر جیش کو حدود و قصاص نافذ کرنے کا اختیار نہیں۔ ② اگر جنگ کے میدان میں اس کا ہاتھ کاٹیں تو کفار کے سامنے ایک مسلمان کی تذلیل ہوگی اور یہ بھی کہ کفار لوگ اس کو فتنہ میں ڈال کر شاید مرتد نہ بنالیں یا اس لئے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے کہ دوسرے مسلمانوں میں سستی اور تفرقہ کا باعث بھی نہ بنے۔

مسئلہ: دوران حرب مجرم پر حد جاری کی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دوران حرب مجرم پر حد جاری کی جائیگی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دارالحرب میں دوران جنگ حد جاری نہیں کی جائے گی۔

ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں بلکہ قیاس سے استدلال کرتے ہیں کہ دوسرے احکام، نماز، روزہ وغیرہ اور دوسرے فرائض و واجبات بھی دارالحرب میں ادا کئے جاتے ہیں ان کی ادائیگی کسی مخصوص جگہ کے ساتھ خاص نہیں اسلئے حد بھی دارالحرب میں جاری کی جائیگی

جواب: صریح حدیث کے مقابلے میں قیاس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: مذکورہ حدیث باب ہے کہ غزوہ میں قطع ید کی نفی ہے نیز حدود کا قائم کرنا حاکم اسلام کا کام ہے نہ کہ جیش کے امیر کا۔

مسئلہ: اگر بیت المال سے کسی نے چوری کر لی تو امام مالکؒ کے نزدیک قطع ید ہوگا لیکن جمہور کا مسلک راجح ہے کہ اس چور کا بھی اس مال میں حق تھا لہٰذا بیت المال میں حقدار ہونے کی وجہ سے اسکی حد میں شبہ آ گیا اور "الحدود تندرء بالشبہات" کے پیش نظر قطع ید نہیں ہوگا۔

كَذٰلِكَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: امام ترمذیؒ نے امام اوزاعیؒ کا حوالہ دیا کیونکہ ان کے پاس اسلام کے حربی نظام کے متعلق ان کا ایک رسالہ تھا۔ اس رسالہ کا بار بار حوالہ دینے کے بجائے قال الاوزاعی کہیں گے امام اوزاعیؒ کا یہ رسالہ دراصل امام محمدؒ کے رسالے کا جواب تھا جو کہ انہوں نے حدیث کے طلبہ کی ضرورت کے لئے ایک کتابچہ السیر الصغیر کے حوالہ سے لکھا تھا۔ جب یہ رسالہ امام اوزاعیؒ کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ اہل عراق اسلام کا حربی نظام کیا جانیں ان کے بڑے عالم نے یہ کتاب لکھی ہے اور اس

میں کچھ بھی نہیں ہے۔ چونکہ امام اوزاعی کو اسلام کا حربی نظام جاننے پر سب سے بڑھ کر دعویٰ تھا۔ پھر امام اوزاعی نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے السیر الاوزاعی لکھی اور اس میں جگہ جگہ امام محمدؒ پر رد کیا جب یہ کتاب عراق پہنچی تو امام یوسفؒ نے اس کا رد لکھا اس کا نام الرَّد علی سیر الاوزاعی کے نام سے مشہور ہے اور امام محمدؒ نے ان کے رد پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ بلکہ انہوں نے دوسری کتاب السیر الکبیر لکھی جس کی شرح علامہ سرخسی نے کی اور وہ چار جلدوں پر طبع ہو چکی ہے جب یہ کتاب امام اوزاعی کو پہنچی اور اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اہل عراق کے علم برتری مان گئے اور کہنے لگے کہ اہل عراق نے اس کتاب میں اسلام کے حربی نظام کے متعلق جو چیزیں لکھی ہیں وہ ہم نے آج تک نہیں سنیں۔ اور انہوں نے ہر مسئلہ کو احادیث سے ثابت کیا ہے۔ اگر اس میں احادیث نہ ہوتیں تو میں کہتا کہ یہ شخص اس فن کا واضع ہے۔ دیکھیے امام اوزاعی نے امام محمد کی اس کتاب کو دیکھ کر امام محمد کا نام نہیں لیا بلکہ اہل عراق کا ذکر کیا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔ بہر حال امام ترمذی کے پاس چونکہ امام اوزاعی کا رسالہ موجود تھا اس لئے آگے بار بار انہی کا تذکرہ کریں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ وَأَيُّوبَ بْنِ مِسْكِينٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ قَالَ رُفِعَ إِلَى النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَجُلٌ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَقَالَ لَأَقْضِيَنَّ فِيهَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ كَانَتْ أَحَلَّتْهَا لَهُ لَأَجْلِدَنَّهُ مِائَةً وَإِنْ لَمْ تَكُنْ أَحَلَّتْهَا لَهُ رَجَمْتُهُ

علی بن حجر، ہشیم، سعید بن ابی عروبہ، ایوب بن مسکین، قتادہ، حبیب بن سالم کہتے ہیں کہ نعمان بن بشیر کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کیا تھا انہوں نے فرمایا میں تمہارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اگر اس کی بیوی نے اس کے لئے یہ باندی حلال کر دی تھی تو اسے سو کوڑے لگاؤں گا اور اگر حلال نہیں کی تھی تو اسے سنگسار کروں گا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ نَحْوَهُ حَدِيثُ النُّعْمَانِ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ هَذَا الْحَدِيثَ إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ وَأَبُو بِشْرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ هَذَا أَيْضًا إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الرَّجُلِ يَقَعُ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ

ہم سے روایت کی علی بن حجر نے انہوں نے کہا کہ ہم سے روایت کی ہشیم نے انہوں نے ابو بشر سے انہوں نے حبیب بن سالم سے انہوں نے نعمان بن بشیر سے اسی طرح نقل کیا ہے اس باب میں سلمہ بن محبق سے بھی حدیث منقول ہے نعمان کی حدیث میں اضطراب ہے میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے یہ حدیث حبیب بن سالم سے نہیں سنی بلکہ خالد بن عرفطہ سے سنی ہے اہل علم کا اس آدمی کے حکم میں اختلاف ہے جو اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کرے متعدد صحابہ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ أَنَّ عَلَيْهِ الرَّجْمَ وَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حَدٌّ وَلٰكِنْ يُعَزَّرُ وَذَهَبَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ إِلَى مَا رَوَى النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کرام جن میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ بھی شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اسے رجم کیا جائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس پر حد نہیں تعزیر ہے امام احمد اور اسحاق، نعمان بن بشیر کی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

تشریح: **مسئلہ: اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کی جاریہ کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو جائے تو اس پر حد جاری کی جائے یا نہیں؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے اپنی بیوی کی اجازت سے صحبت کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اس کو سو درے مارے جائیں گے اور اگر بغیر اجازت کے صحبت کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا جیسا کہ حدیث الباب میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کا واقعہ ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب نعمان بن بشیرؓ نے کہا کہ میں اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کے فیصلہ جیسا فیصلہ کروں گا اور فیصلہ وہی کیا جو اوپر تفصیل میں گزر گیا۔ پھر اس کی بیوی سے تحقیق حال دریافت کیا تو بیوی نے کہا کہ میں نے اس کے لئے حلال قرار دیا تھا اس پر اس کو سو کوڑے لگائے گئے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ زنا ہے لہٰذا شوہر کو سنگسار کیا جائے گا خواہ بیوی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ ان کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے۔

قول ثالث: احناف کے نزدیک اس شخص سے حد ساقط ہو جائے گی۔ ان کا استدلال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "**ليس عليه حد ولكن يعزر**" اگر حد کو ساقط نہ کریں تو پھر اس پر سوال وارد ہوگا۔

سوال: بیوی کی باندی کا اسکے شوہر کیلئے حلال ہونے کا شبہ معتبر ہے یا نہیں؟ اگر یہ شبہ معتبر ہے تو پھر حد بالکلیہ ساقط ہو جانی چاہیے پھر سو کوڑوں کا ذکر کہاں سے آ گیا اور اگر تحلیل کا شبہ معتبر نہیں تو حد رجم ہونی چاہیے کیونکہ شادی شدہ زنا کرے تو اسکی سزا سو کوڑے نہیں ہیں بلکہ رجم ہے۔ **جواب:** اصل میں شبہ کی تین قسمیں ہیں ① **شبهة الفعل** ② **شبهة المحل** ③ **شبهة الاشتباه۔**

شبهة الفعل: جیسے بیوی کی باندی سے وطی کرنا اگر حلال ہونے کا اعتقاد ہو تو حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ خاوند بیوی کے مفادات مشترک ہوتے ہیں ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرتے ہیں اور اگر حرمت کا اعتقاد ہو تو پھر حد اپنے حال پر باقی ہے۔ اس صورت میں تو پھر رجم ہونا چاہیے۔

شبهة المحل: جیسے باپ اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کرے کیونکہ حدیث میں آتا ہے "**انت و مالك لابيك**" کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے تو اس صورت میں یہ شبہ فی المحل ہے ایسی صورت میں حلت کا اعتقاد ہو یا حرمت کا دونوں صورتوں میں حد ساقط ہو جائے گی۔

شبهة الاشتباه: بھائی اپنے بھائی کی جاریہ کے ساتھ وطی کرے تو اس صورت میں خواہ حلت کا اعتقاد ہو یا حرمت کا دونوں صورتوں میں حد اپنے حال پر باقی رہے گی۔

یہاں ان تینوں صورتوں میں سے ایک صورت شبہ فی المحل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ حد تھوڑے سے شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی

ہے اس لئے یہاں حد ساقط ہو جائے گی۔

سوال: جب اصل میں حد ساقط ہو گئی تو جلد مائۃ (سو کوڑے) کہاں سے آ گیا۔

جواب: یہ تعزیر ہونے کی حیثیت سے ہیں حد ہونے کی حیثیت سے نہیں۔

احناف کی دوسری دلیل: جس کا امام ترمذیؒ نے حوالہ دیا ہے وہ حدیث ابوداؤد شریف میں ہے اور وہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کی تھی فیصلہ کیا کہ اگر اس نے باندی سے زبردستی کی ہے تو باندی آزاد ہے اور شوہر اس کی مالکہ کو اس طرح کی دوسری باندی لا کر دے گا اور اگر اس میں باندی کی رضامندی تھی تو وہ باندی شوہر کی ہو گئی اور شوہر اس کی مالکہ کو ویسی ہی باندی دے گا۔ لیکن یہ روایت متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے حدیث الباب کے متعارض نہیں ہو گی۔

حَدِيثُ النُّعْمَانِ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی دو سندیں بیان کی ہیں۔ ① عن قتادۃ عن حبیب بن ابی سالم۔ ② عن ابی بشر عن حبیب بن ابی سالم۔ ان دونوں سندوں میں انقطاع پایا جاتا ہے۔

پہلی سند میں حضرت قتادہ کا حبیب بن ابی سالم سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اور اسی طرح ابو بشر نے بھی یہ حدیث حبیب بن ابی سالم سے سنی ہے یہ امام بخاریؒ کا قول ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں راویوں نے یہ حدیث خالد بن عرفطہ سے سنی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ إِذَا اسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا مُعَمَّرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّقِّيُّ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ اسْتُكْرِهَتِ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَأَ عَنْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَدَّ وَأَقَامَهُ عَلَى الَّذِي أَصَابَهَا وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ وَلَا أَدْرَكَهُ يُقَالُ إِنَّهُ وُلِدَ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيهِ بِأَشْهُرٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَكْرَهَةِ حَدٌّ

علی بن حجر، معمر بن سلیمان رقی، حجاج بن ارطاۃ، عبدالجبار بن وائل بن حجر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا پس آپ ﷺ نے اس پر حد نہ لگائی اور مرد پر حد قائم کی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آیا آپ ﷺ نے اس کو مہر دینے کا فیصلہ کیا یا نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند متصل نہیں۔ یہ روایت متعدد اسناد سے مروی ہے میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ عبدالجبار نے نہ تو اپنے والد سے ملاقات کی ہے اور نہ ہی ان سے کچھ سنا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے والد کی وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ مجبور کی گئی عورت پر حد نہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ إِسْرَائِيلَ حَدَّثَنَا سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ الْكِنْدِيِّ عَنْ أَبِيهِ - أَنَّ امْرَأَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيدُ الصَّلَاةَ فَتَلَقَّاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ فَانْطَلَقَ وَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَتْ إِنَّ ذَالِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا وَمَرَّتْ بِعِصَابَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ فَقَالَتْ إِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا فَانْطَلَقُوا فَأَخَذُوا الرَّجُلَ الَّذِي ظَنَّتْ أَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهَا فَأَتَوْهَا فَقَالَتْ نَعَمْ هُوَ هٰذَا فَأَتَوْا بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَمَرَ بِهِ لِيُرْجَمَ قَامَ صَاحِبُهَا الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَا صَاحِبُهَا فَقَالَ لَهَا اذْهَبِي فَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ قَوْلًا حَسَنًا وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجُمُوهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ سَمِعَ مِنْ أَبِيهِ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ

علقمہ بن وائل کندی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز کے لئے نکلی تو راستے میں ایک آدمی نے اسے پکڑ لیا اور اپنی حاجت پوری کر کے چل دیا۔ وہ چیختی رہ گئی پھر اس کے پاس سے ایک دوسرا آدمی گزرا تو اس نے بتایا کہ اس شخص نے اس کے ساتھ اس طرح کیا ہے پھر مہاجرین کی ایک جماعت وہاں سے گزری تو انہیں بھی بتایا ان لوگوں نے دوڑتے ہوئے اس شخص کو پکڑ لیا جس کے متعلق اس عورت کا خیال تھا کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے جب اس آدمی کو اس عورت کے سامنے لائے تو اس نے کہا ہاں یہی ہے۔ پھر وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور آپ ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اسی وقت ایک اور آدمی کھڑا ہوا جس نے درحقیقت اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کے ساتھ زنا کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ جاؤ اللہ نے تمہیں بخش دیا پہلے آدمی سے اچھا کلام کیا اور زانی کے بارے میں فرمایا کہ اسے سنگسار کر دو۔ پھر فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ سب کے سب ایسی توبہ کریں تو بخش دیئے جائیں۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ علقمہ بن وائل بن حجر کو اپنے والد سے سماع حاصل ہے وہ عبدالجبار بن وائل سے بڑے ہیں عبدالجبار بن وائل نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا۔

تشریح: جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہو اس پر بالاتفاق حد نہیں البتہ زانی اگر محصن ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہے تو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ یہ حدیث مختصر ہے اگلی حدیث میں تفصیل آرہی ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ: اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے اس لئے کہ عبدالجبار کا اپنے والد وائل سے سماع ثابت نہیں ہے کہا جاتا ہے کہ عبدالجبار حمل کی حالت میں تھے ان کے والد انتقال فرما گئے تھے تو سماع کیسے ثابت ہوا البتہ ان کے دوسرے بھائی علقمہ ہیں جو ان سے بڑے ہیں ان کا سماع اپنے والد سے ثابت ہے چونکہ مضمون کو تلقی بالقبول حاصل ہے اس لئے یہ قابل استدلال ہے۔

موجودہ دور میں کہا جاتا ہے کہ زنا کی دو قسمیں ہیں۔ زنا بالرضا اور زنا بالجبر۔

بعض حکومتی قوانین کے مطابق زنا بالرضاء جرم نہیں اس پر کوئی سزا نہیں البتہ زنا بالجبر پر حکومت کی طرف سے سزا ہے۔ لیکن

شریعت میں زنا بالرضاء کی کوئی حیثیت نہیں اس پر وہی سزا نافذ ہوگی جو دوسرے زنا پر ثابت ہوتی ہے۔ زنا بالرضا پر استاد محترم حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری صاحب دامت برکاتہم نے پشاور کا ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک شخص نے عورت کے ساتھ زنا کیا عورت نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ اس شخص نے میرے ساتھ زبردستی زنا کیا ہے وہ شخص پریشان تھا اس شخص نے اپنا وکیل مقرر کیا تو وکیل نے اس شخص سے سارا ماجرا سنا پھر وکیل نے اس شخص سے کہا کہ جب جج صاحب تم سے بیان لینا چاہیں گے تو تم نہ بولنا میں خود ان کا جواب دوں گا۔ اس شخص نے کہا ٹھیک ہے جب عدالت میں گئے تو جج نے پوچھا خان صاحب کیا تم نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے تو وہ شخص خاموش رہا تو اس شخص کے وکیل نے کہا کہ جج صاحب اصل بات یہ ہے کہ جب اس نے اس عورت کو پکڑا تو اس نے بہت زور سے چیخ ماری جس کی وجہ سے اس کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اس لئے اب یہ بہرے ہو گئے ہیں تو عورت نے فوراً کہا کہ نہیں میں نے چیخ نہیں ماری تھی اس پر وکیل نے کہا کہ معلوم ہوا کہ زنا بالرضا تھا اور زنا بالرضا تو کوئی جرم نہیں انگریزی قانون میں۔ اس لئے اس کا مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

سوال: نبی کریم ﷺ نے بے قصور آدمی کے رجم کا کیسے فیصلہ فرمایا کیونکہ رجم تب ہوتا ہے جب زنا ثابت ہو جائے اور زنا کے ثبوت کے دو طریقے ہیں اقرار اور بینہ حالانکہ یہاں ان دونوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ **جواب:** یہ عبارت مؤول ہے مجاز کی قبیل سے ہے معنی یہ ہے کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ تحقیق حال کے بعد اس شخص کے رجم کا فیصلہ فرماتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقَعُ عَلَى الْبَهِيمَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ فَقِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا شَأْنُ الْبَهِيمَةِ فَقَالَ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ أَرٰى رَسُولَ اللهِ كَرِهَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْ لَحْمِهَا أَوْ يُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ عُمِلَ بِهَا ذٰلِكَ الْعَمَلُ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَرَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي رُزَيْنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَتٰى

محمد بن عمرو سواق، عبدالعزیز بن محمد، عمرو بن ابی عمرو، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو چوپائے سے بدفعلی کرتے پاؤ اسے قتل کر دو اور جانور بھی ہلاک کر دو حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا جانور کو کیوں قتل کیا جائے انہوں نے فرمایا کہ اس کے متعلق میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ نہیں سنا لیکن میرا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہتر نہیں سمجھا کہ جس جانور کے ساتھ ایسا فعل کیا گیا ہو اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے کوئی فائدہ حاصل کیا جائے اس حدیث کو ہم صرف عمرو ابن ابی عمرو کی روایت سے جانتے ہیں وہ عکرمہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ سفیان ثوری، عاصم سے وہ ابن رزین سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل

بِهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ. وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ جو آدمی چوپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں۔ ہم سے حدیث روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی عبدالرحمن بن مہدی نے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی سفیان ثوری نے اور یہ پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کے تحت دو مسائل کا بیان ہے۔

پہلا اختلافی مسئلہ: چوپائے کے ساتھ وطی کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

قول ثانی: احناف اور ائمہ اربعہ کے نزدیک اس کی حد شرعاً مقرر نہیں بلکہ اس پر تعزیر ہے اور حاکم کی صوابدید پر ہے۔

امام اسحاقؒ کی دلیل: یہی حدیث مذکورہ ہے اس میں ہے "من اتی بهيمة فاقتلوه واقتلوها"۔

احناف کی دلیل اول: جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے "من اتی بهيمة فلا حد عليه"۔

دوسری دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس جیسا مقدمہ پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری نہ فرمائی۔

تیسری دلیل: امام محمدؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انکے پاس بھی ایسا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حد جاری نہیں فرمائی۔

حدیث الباب کا جواب: یہ زجر و تشدید و تہدید پر محمول ہے۔

دوسرا مسئلہ: جس چوپائے کے ساتھ وطی کی گئی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

یعنی جس چوپائے کے ساتھ بدفعلی کی گئی اس کا کیا کریں؟ اسکے حکم میں تفصیل ہے احناف کے نزدیک اگر وہ بہیمہ واطی کا اپنا مملوک ہو تو اس جانور کو ذبح کر دیا جائے اس کے بعد دیکھا جائے کہ اگر غیر ماکول اللحم ہو تو جلا دیا جائے اور اگر وہ ماکول اللحم ہو تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک موطوءۃ جانور ماکول اللحم کو بھی جلا دیا جائے یہ تمام امور واجب نہیں بلکہ مستحب ہیں۔ اور اگر وہ جانور کسی اور کی ملکیت ہو تو قیمت سے خرید کر اسکے ساتھ وہی مذکورہ بالا معاملہ کرنا مستحب ہے اسکے مالک کو بیچنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اس جانور کو قتل کرنے کی کیا حکمت ہے۔ اسکی وجہ بعض فقہاء نے یہ لکھی ہیں کہ اگر وہ جانور زندہ رہے گا تو اس کو دیکھ کر فاحشہ کے یاد آنے یا اس کے تذکرے کا اندیشہ ہے اور اس سے برائی کی اشاعت ہوگی اسلئے اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور بعض حضرات نے یہ علت بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رکھا گیا تو ہو سکتا ہے جس شخص نے اسکے ساتھ بدفعلی کی ہے اس کا نطفہ اس کے رحم میں قرار پکڑ جائے اور اس کے نتیجہ میں ایک حیوان بصورت انسان پیدا ہو اس لئے اس صورتحال سے بچنے کیلئے اس کو مار ڈالنا ضروری ہے۔ یا بدفعلی کرنے والے شخص کو لوگ عار نہ دلائیں کہ دیکھو وہی جانور پھر رہا ہے اسلئے اس برائی کے چرچہ کو ختم کرنا ہی بہتر ہے۔

یا اس جانور کو ایسے علاقے میں فروخت کر دیا جائے جہاں پر لوگوں کو اس کے بارے میں پتہ بھی نہ ہو۔ امام ترمذیؒ دوسری سند میں فرماتے ہیں کہ "من اتی بهيمة فلا حدّ عليه" یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول وزنی قرینہ ہے کہ "فاقتلوه" کا حکم زجر علی وجہ المبالغۃ پر محمول ہے یا ضرب شدید کے کنایہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ اللُّوطِيِّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَإِنَّمَا يُعْرَفُ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو فَقَالَ مَلْعُونٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ الْقَتْلَ وَذَكَرَ فِيهِ مَلْعُونٌ مَنْ أَتٰى بَهِيمَةً وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ غَيْرَ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ وَعَاصِمُ بْنُ عُمَرَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي حَدِّ اللُّوطِيِّ فَرَأٰى بَعْضُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِ الرَّجْمَ أَحْصَنَ أَوْ لَمْ يُحْصِنْ وَهٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ وَعَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ وَغَيْرُهُمْ قَالُوا حَدُّ اللُّوطِيِّ حَدُّ الزَّانِي وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔ اس باب میں حضرت جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم ابن عباسؓ کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو عمرو بن ابی عمرو سے روایت کیا ہے اور فرمایا قوم لوط کا سا عمل کرنے والا ملعون ہے قتل کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی مذکور ہے کہ چوپائے سے بدفعلی کرنے والا بھی ملعون ہے۔ عاصم بن عمر، سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کو عاصم کے علاوہ کسی اور نے بھی سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہو عاصم بن عمر حفظ کے اعتبار سے حدیث میں ضعیف ہیں لوطی عمل کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسے سنگسار کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے بعض علماء وفقہاء تابعین، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر اسی طرح حد جاری کی جائے جس طرح زانی پر حد جاری کی جاتی ہے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الْوَاحِدِ الْمَكِّيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي عَمَلُ قَوْمِ لُوطٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ جَابِرٍ

حضرت عبداللہ بن عقیل کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابرؓ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف قوم لوط کے سے عمل کا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ یعنی عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب، حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: لواطت کی تعریف: "وطی الرجل بالرجل فی الدبر" اگر وطی دبر میں نہ ہو تو پھر لواطت نہ ہوگی۔ اس کا پسِ منظر کچھ یوں ہے کہ اس کام کی ابتداء خود ابلیس نے اپنے آپ سے کروائی تا کہ اولادِ آدم کو اس برے فعل کے ذریعے دوزخ میں لے جائے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں شیطان ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں آیا اور باغ کے درخت پر چڑھ کر پھل توڑنا شروع کر دیئے اور زمین پر بھی گرانے لگ گیا باغ کے مالک نے اس کو کہا کہ تم جتنے پھل کھا سکتے ہو کھاؤ لیکن نیچے نہ گراؤ لیکن شیطان نے اس کی ایک نہ سنی اور اپنے کام میں مشغول رہا اس پر باغ کے مالک کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا آخر تمہارا کیا مقصد ہے تم ایسا کیوں کرتے ہو اس پر شیطان نے کہا تم میرے ساتھ بدفعلی کرو تو میں تمہارا نقصان نہیں کروں گا اس شخص نے اللہ کی پناہ چاہی لیکن پھر بھی شیطان باز نہ آیا تو اس شخص نے شیطان کو نیچے بلایا اور اس سے بدفعلی کی جب یہ شخص لواطت سے فارغ ہوا تو اس نے جا کر دوسرے لڑکوں سے یہ کام کرنا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ یہ کام پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ عورتوں کو کوئی نہیں پوچھتا تھا جب لڑکوں کی داڑھیاں آنے لگیں تو ان کو منڈوانا شروع کر دیا پھر یہ کام کھلم کھلا شروع ہو گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود اس کام سے کوئی نہیں رکتا تھا اس کی سزا میں مختلف روایات آئی ہیں، حدیث الباب میں قتل کا حکم ہے اور آگے روایت آ رہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوطیوں کو آگ میں جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص پر دیوار گرائی اور بعض روایات میں ہے کہ پہاڑ سے نیچے گرانے کا حکم دیا اور بعض روایات میں سمندر میں غرق کرنے کا حکم ہے۔ ان روایات کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہو گیا۔

مسئلہ: لواطت کے عمل کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: صاحبین اور امام شافعیؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ فاعل کی وہی سزا ہے جو ایک زانی کی ہے وہ اگر محصن ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل و مفعول کو قتل کر دیا جائے۔ **قول ثانی:** بعض حضرات کے نزدیک فاعل کو بہر صورت سنگسار کیا جائے گا خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن۔

قول ثالث: امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں کو رجم کیا جائے گا۔

قول رابع: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے حاکم کی رائے کا اعتبار ہوگا خواہ وہ ان کو قتل کر دے یا اونچے پہاڑ سے اوندھا گرا کر پتھر سے مارے یا قید کر کے رکھ دے۔

صاحبین اور امام شافعیؒ کی دلیل: کوئی نقلی دلیل نہیں یہ حضرات لواطت کو زنا پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں قضاء شہوت فی المحل الحرام مثل الزنا ہے۔ **جواب:** یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ زنا میں دونوں طرف سے شہوت ہوتی ہے اور محل مشتہی میں وطی ہوتی ہے بخلاف لواطت کے اس میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہوتیں۔

امام شافعیؒ کے دوسرے قول کی دلیل: حضرت عکرمہ کی مذکورہ حدیث کے الفاظ ہیں "**فاقتلوا الفاعل والمفعول به**"

جواب: چونکہ انہوں نے "**فاقتلوا الفاعل والمفعول به**" سے استدلال کیا ہے اور اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے "**فارجموہما**" سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے درج بالا ارشاد تہدیداً فرمایا یا تعزیراً فرمایا اسی وجہ سے تو کبھی "**فاقتلوا**" کے الفاظ فرمائے ہیں اور کبھی "**فارجموہما**" کے الفاظ آئے ہیں۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: اسی حدیث کا دوسرا طریق ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "**فارجموا الاعلی والاسفل**"۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ کام انسانی طبیعت وفطرت کے خلاف ہے اس پر قانوناً کوئی حد جاری نہیں ہوگی نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بارے میں اختلاف تھا بعض ان کو آگ میں جلانے کے قائل تھے بعض دیوار گرا کر مار دینے کے قائل تھے اور بعض قتل کر دینے کے قائل تھے اس میں بہت ساری رائے تھیں جن کو مجتمع کرنا مشکل تھا اس لئے اس کو حاکم کی صوابدید پر موقوف رکھا جائے گا کہ موقع محل کی مناسبت سے حاکم جو سزا چاہے وہ دے دے۔

اس حدیث کی سند میں کچھ اختلاف ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ: اس کی سند میں کچھ بحث ہے کہ یہ حدیث "**فاقتلوا الفاعل والمفعول به**" سنداً بھی زیادہ وزنی نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حدیث اولاً تو دو صحابہؓ سے مروی ہے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، دوسرا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے عمرو بن ابی عمرو ہیں پھر ان سے روایت کرنے والے دو ہیں۔

① عبدالعزیز بن محمد۔ ② محمد بن اسحاق۔ عبدالعزیز بن محمد "**اقتلوا الفاعل والمفعول به**" کے جملہ کو نقل کر رہے ہیں۔

اور محمد بن اسحاق اس جملہ کو نقل نہیں کرتے صرف یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص ملعون ہے۔ "**ملعونٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ**" اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "**ملعون من اتی بهيمة**" یہ دوسری حدیث سنداً ضعیف ہے کیونکہ اسی کی سند میں عاصم بن عمر ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف تھے "**من قبل حفظه**" لہٰذا ضعیف حدیث سے حد کا ثبوت نہیں ہو سکتا لامحالہ قتل کا حکم حد کی حیثیت سے ثابت نہیں بلکہ تعزیراً ثابت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُرْتَدِّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ عَلِيًّا حَرَّقَ قَوْمًا ارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَقَتَلْتُهُمْ بِقَوْلِ

احمد بن عبد ضبی بصری، عبدالوہاب ثقفی، ایوب، حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک جماعت کو جو اسلام سے پھر چکی تھی جلا دیا یہ خبر حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی تو فرمایا کہ اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو میں انہیں رسول

رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ وَلَمْ أَكُنْ لِأُحَرِّقَهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللهِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْمُرْتَدِّ وَاخْتَلَفُوا فِي الْمَرْأَةِ إِذَا ارْتَدَّتْ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ تُقْتَلُ وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ تُحْبَسُ وَلَا تُقْتَلُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ .

اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق قتل کر دیتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔ پس میں انہیں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اللہ کے خاص عذاب کی طرح عذاب نہ دو۔ جب یہ خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباسؓ نے سچ کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے لیکن اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے امام اوزاعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اسے بھی قتل کیا جائے سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک عورت کو قید کیا جائے قتل نہ کیا جائے۔

تشریح: جو شخص اسلام کو چھوڑ دے اور ارتداد اختیار کر لے تو اس کے لئے پہلے یہ حکم ہے کہ جن شکوک وشبہات کی بناء پر اس نے اسلام کو چھوڑا ہے اس کے اُن شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے پاس ماہر عالم کو بٹھا دیا جائے تا کہ وہ اس کے سوالات کا جواب دے سکے۔ اگر وہ لاجواب ہونے کے باوجود پھر بھی اپنے ارتداد سے رجوع نہ کرے تو اس کے لئے حکم ہے کہ اس کو تین دن تک قید کیا جائے اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو فبہا و گرنہ حاکم وقت اس کو قتل کر دے۔

اور مرتد کا یہ قتل اس لئے نہیں ہے کہ اسے اسلام پر مجبور کیا گیا وہ اسلام نہیں لایا، اگر مرتد کا قتل اسلام پر مجبور کرنے کے لئے ہوتا تو مرتدہ کو بھی قتل کیا جاتا۔ بہر حال اس مرتد شخص کو کچھ مہلت دی جائے گی یہ مہلت دینا وجوبی طور پر نہیں۔

اگر عورت مرتد ہو جائے تو احناف، سفیان ثوری، اہل کوفہ کہتے ہیں کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے یا وہیں مر جائے۔ جمہور حضرات امام اوزاعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کہتے ہیں کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''من بدّل دینه فاقتلوهُ'' اسی طرح دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: ''لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث ① النفس بالنفس ② الثیب الزانی ③ التارك لدینه''۔

جمہور حضرات امام اوزاعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ کی دلیل اوّل: لا یحل دم امرء مسلم میں تیسری صورت ''التارك لدینه'' ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے ''من بدّل دینه فاقتلوهُ'' اس پر قصہ ذکر کیا کہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے ان کا تعلق فرقہ سبائیہ کے ساتھ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا لیکن وہ اپنے ارتداد سے باز نہ آئے تو حضرت علیؓ نے آگ جلا کر ان کو اس میں ڈال دیا جلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کو خدا مانتے تھے نعوذ باللہ۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو جلایا تو باقیوں نے کہا کہ پہلے علی کے خدا ہونے میں شک تھا اب یقین ہو گیا (نعوذ باللہ) کیونکہ خدا کے سوا کوئی بھی کسی کو آگ میں نہیں جلاتا۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما حضرت علیؓ کی جانب سے اس وقت بصرہ کے حاکم تھے جب ان کو اطلاع ملی تو فرمایا کہ اگر میں حضرت علیؓ کی جگہ ہوتا تو ان کو نہ جلاتا بلکہ ان کو قتل کر دیتا کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، فرمایا: "لا تعذبوا بعذاب الله" اور "تعذیب بعذاب الله" یہ آگ کے ساتھ عذاب دلانا ہے۔ جب یہ حدیث حضرت علیؓ کو پہنچی تو حضرت علیؓ نے فرمایا صدق ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

سوال: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ **جواب اوّل:** آپ ﷺ کی حدیث معلوم نہ ہونے کی وجہ سے۔

جواب ثانی: اگر آپ کو حدیث معلوم تھی تو پھر آپؓ نے اس حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو نہی تحریمی پر محمول کیا ہے۔ الغرض حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر میں حضرت علیؓ کی جگہ پر ہوتا تو ان کو قتل کر دیتا حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول مرتد کو قتل کرنے پر روزنی دلیل ہے۔ بہر حال مرتد کی سزا قتل ہے اور اسی پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

ملحدین زمانہ کہتے ہیں کہ یہ تو وحشت ناک سزائیں ہیں ان سے آزادی ہونی چاہیے یہ منکرین چند شبہات کرتے ہیں۔

پہلا شبہ: قرآن پاک میں آتا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" کہ دین میں زبردستی نہیں۔

دوسرا شبہ: آیت کریمہ میں ہے" و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئك حبطت اعمالھم" اس آیت کریمہ میں ہے "فیمت" کہ وہ طبعی موت مرے گا اس کو قتل نہ کیا جائے۔

تیسرا شبہ: نیز حبط اعمال بھی اُخروی سزا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیاوی سزا نہیں ہے آخرت میں سزا ہوگی۔

شبہ اوّل کا جواب: آیت کریمہ کا شان نزول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی کافر کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر نہیں کیا جائے گا تو دخول اسلام پر مجبور نہ کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ابقاء اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

شبہ ثانی کا جواب: اس آیت کریمہ میں زیادہ سے زیادہ اُخروی سزا بیان کی گئی ہے۔ دنیاوی سزا کی طرف کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ پس ارتداد اور قتل میں تلازم ہے۔ چنانچہ حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ پہلے یمن میں حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو حاکم بنا کر بھیجا پھر کسی دوسرے علاقے میں حضرت معاذ بن جبلؓ کو حاکم بنا کر بھیجا۔ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس حاضر ہوئے تو دیکھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو باندھ رکھا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کو کیوں باندھ کر رکھا ہوا ہے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ اصل میں یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا اور اب پھر مرتد ہو گیا اس لئے اس کو باندھ کر رکھا ہے۔ تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ جب تک تم اس کو قتل نہیں کرو گے میں اپنی سواری سے نہیں اتروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ (بخاری جلد ثانی)

درایت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب انسان کے مال و جان اور آبرو کی حفاظت کیلئے حد ہے تو دین کی حفاظت کیلئے بھی حد ہونی چاہیے۔

شبہ ثالث کا جواب: اُخروی سزا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں اس کو سزا نہیں دی جائے گی۔ ہاں اگر اس کو دنیا میں سزا نہ دی گئی تو آخرت میں ضرور سزا ملے گی۔ مثال کے طور پر اگر دنیا میں چوری کی سزا پر ہاتھ کاٹ دیا گیا تو آخرت میں اس کو سزا نہیں دی جائیگی جبکہ اس شخص نے ہاتھ کٹنے کے بعد توبہ کر لی ہو۔ ہاں اگر چور کو چوری کی سزا دنیا میں نہ دی گئی تو پھر آخرت میں اسکو سزا دی جائیگی

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَأَبُو السَّائِبِ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ حَدِيثُ أَبِي مُوسَى حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ابو کریب، ابوسائب، ابواسامہ، ابوبردہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے گا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن زبیر، ابوہریرہ اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ: "ولو للعب والهزل اولا دخال الروع والخوف" خواہ وہ ہنسی مذاق میں اسلحہ تانے یا کسی پر رعب وخوف دلانے کیلئے اس سے منع فرمایا گیا ہے اور جمع کی ضمیر اس لئے لائے تاکہ پوری امت اس میں احتیاط کرے۔

فَلَيْسَ مِنَّا: "ای من اہل طریقتنا او من سنتنا او من اہل ملتنا"۔ یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں کافر ہونا مراد نہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں "علینا السلاح" جار مجرور کو فعل کے متعلق بھی کر سکتے ہیں اس صورت میں "السلاح" منصوب بنزع الخافض ہوگا اور اس کو حال بنانا بھی جائز ہے اس صورت میں السلاح مفعول ہوگا۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۹۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ السَّاحِرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْمَكِّيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيُّ الْبَصْرِيُّ قَالَ وَكِيعٌ هُوَ ثِقَةٌ وَيُرْوٰى عَنِ الْحَسَنِ أَيْضًا وَالصَّحِيحُ عَنْ جُنْدَبٍ مَوْقُوفٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَقَالَ

احمد بن منیع، ابومعاویہ، اسماعیل بن مسلم، حسن، حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے اس حدیث کو ہم صرف اسماعیل بن مکی کی سند سے مرفوع جانتے ہیں اور وہ حافظے کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ اسماعیل بن مسلم عبدی بصری کو وکیع ثقہ کہتے ہیں۔ یہ روایت حسن بصری سے بھی منقول ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جندبؓ سے موقوفاً منقول ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ اور دوسرے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ امام مالکؒ کا بھی

الشَّافِعِيُّ إِنَّمَا يُقْتَلُ السَّاحِرُ إِذَا كَانَ يَعْمَلُ فِي سِحْرِهِ مَا يَبْلُغُ بِهِ الْكُفْرَ فَإِذَا عَمِلَ عَمَلًا دُونَ الْكُفْرِ فَلَمْ نَرَ عَلَيْهِ قَتْلًا .

یہی قول ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر جادوگر ایسا جادو کرے کہ کفر تک پہنچتا ہو تو اس صورت میں اسے قتل کیا جائے ورنہ نہیں۔

تشریح: حَدُّ السَّاحِرِ: اس بات میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ جادو کرنا حرام ہے۔ دوسرا مسئلہ جادو کی سزا کے بارے میں ہے۔ **مسئلہ:** ساحر کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک جادوگر کے قتل کرنے میں تفصیل ہے کہ اگر اس کا سحر کفر پر مشتمل ہو اور وہ توبہ بھی نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ساحر کی حد مطلقاً اس کا قتل ہے۔ لیکن اس میں کچھ تفصیل ہے کہ دیکھا جائے گا کہ اس کا سحر موجب کفر ہے یا نہیں۔ اگر اس کا سحر موجب کفر ہو تو وہ مرتد ہو جائے گا اور ارتداداً اس کو قتل کیا جائے گا اس صورت میں اس کی تفصیل وہی ہوگی جو مرتد کے قتل میں فقہاء نے بیان فرمائی ہے اور اگر اس کا سحر موجب کفر نہ ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا سحر لوگوں کی ہلاکت کا ذریعہ بنتا ہے یا نہیں اگر اس کا سحر لوگوں کی ہلاکت کا ذریعہ بنتا ہے تو اس پر قطاع الطریق والے احکام جاری ہوں گے اور اگر اس کا سحر نہ موجب کفر ہو اور نہ ہلاکت کا باعث ہو تو ایسی صورت میں اس کا قتل جائز نہیں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ساحر کے سحر سے کسی حرام کا ارتکاب ہو یا کسی فریضہ کے سقوط اور ترک کا ذریعہ ہو تو ایسا سحر حرام ہے اسی طرح اگر کسی نے سحر کے ذریعے کسی کو قتل کر ڈالا تو اس میں قصاص نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں ساحر کو قتل کیا جائے گا ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ ''حد الساحر ضربة بالسيف'' کہ جادوگر کو قتل کیا جائے گا۔

جواب اوّل: یہ اس صورت پر محمول ہے کہ جب اس کا سحر کفریہ عمل پر مشتمل ہو یا اتلاف نفس کو مشتمل ہو۔

جواب ثانی: یا پھر یہ سیاست پر محمول ہے یا عبرت پر محمول ہے۔

جواب ثالث: آخری درجہ یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے۔ اس کے بارے میں فرمایا ''يضعف في الحديث من قبل حفظه'' اور اسماعیل بن مسلم البصری ثقہ راوی ہیں۔ اور یہاں سند میں وہ موجود نہیں ہیں۔ اس لئے وجوب کے درجہ میں اس حدیث سے حد ثابت نہیں ہو سکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَالِّ مَا يُصْنَعُ بِهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَائِدَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمد بن عمرو، عبدالعزیز بن محمد، صالح بن محمد بن زائدہ، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی شخص کو غنیمت کا مال چوری کرتے ہوئے دیکھو تو اس کا سامان جلا دو۔ صالح کہتے ہیں کہ میں

قَالَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللهِ فَاحْرِقُوا مَتَاعَهُ قَالَ صَالِحٌ فَدَخَلْتُ عَلَى مَسْلَمَةَ وَمَعَهُ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَوَجَدَ رَجُلًا قَدْ غَلَّ فَحَدَّثَ سَالِمٌ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فَأَمَرَ بِهِ فَأُحْرِقَ مَتَاعُهُ فَوُجِدَ فِي مَتَاعِهِ مُصْحَفٌ فَقَالَ سَالِمٌ بِعْ هٰذَا وَتَصَدَّقْ بِثَمَنِهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ إِنَّمَا رَوٰى هٰذَا صَالِحُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَائِدَةَ وَهُوَ أَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ وَهُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَقَدْ رُوِيَ فِي غَيْرِ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَالِّ فَلَمْ يَأْمُرْ فِيهِ بِحَرْقِ مَتَاعِهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ .

مسلمہ کے پاس گیا تو ان کے ساتھ سالم بن عبداللہ بھی تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو مال غنیمت میں چوری کا مرتکب پایا تو یہ حدیث بیان کی اس پر سالم نے اس شخص کا سامان جلانے کا حکم دیا اس کا سامان جلایا گیا تو اس میں سے ایک قرآن مجید بھی ملا۔ حضرت سالم نے فرمایا کہ اسے فروخت کرو اور اس کی قیمت صدقہ کرو۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ امام اوزاعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہم سے یہ حدیث صالح بن محمد بن زائدہ (ابو واقد لیثی) نے بیان کی ہے اور وہ منکر الحدیث ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے خائن کے بارے میں اور بھی روایات مروی ہیں لیکن کسی میں بھی اس کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پہلے اگر کوئی شخص کوئی چیز لے لے تو اس کی کیا حد ہے۔

قول اوّل: **مسئلہ:** جمہور حضرات کے نزدیک اسکی حد امام کی رائے پر موقوف ہے امام اسکو جو سزا دینا چاہے دے سکتا ہے۔

قول ثانی: امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی سزا تحریق المتاع ہے کہ اس کے ساز و سامان کو جلا دیا جائے اگر کوئی جانور ہو یا دینی کتابیں ہوں تو ان کو نہ جلایا جائے بلکہ ان کو بیچ کر ان کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے۔

جمہور حضرات کی دلیل: جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں غزوات بھی کثیر تعداد میں ہوئے اور سرایا بھی کثیر تعداد میں ہوئے ان میں منافق بھی شامل ہو جاتے تھے اور پھر مال غنیمت میں خیانت کے مرتکب ہوتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں دیا۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل: حدیث الباب ہے "**من وجد تموہ غلّ فی سبیل اللہ فاحرقوا متاعه**" آگے صالح کہتے ہیں کہ میں مسلمہ بن عبدالملک کے پاس گیا اور ان کی مجلس میں سالم بن عبداللہ بھی تھے۔ مسلمہ بن عبدالملک نے ایک شخص کو پایا جس نے مال غنیمت میں چوری کی اب مسئلہ چلا کہ اس غالّ کے ساتھ کیا کیا جائے اور اس کو کیا سزا دی جائے تو سالم بن عبداللہ نے حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سنائی تو اس پر مسلمہ بن عبدالملک نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم دیا تو اس کے ساز و سامان کو جلا دیا گیا۔ پس اس غال کے سامان میں قرآن پاک کا ایک نسخہ بھی پایا گیا۔ اب مسلمہ بن عبدالملک پریشان ہو گئے کہ اس کا کیا کریں، تو پھر سالم بن عبداللہ سے پوچھا سالم بن عبداللہ نے کہا کہ اس کو بیچ دو اور اس کی قیمت کو صدقہ کر دو تو معلوم ہوا کہ غال کی سزا شریعت میں

تحریق المتاع ہے۔ لیکن یہ خیانت شدہ مال کے علاوہ ہے۔ کیونکہ مال تو وہ مجاہدین کا ہے۔

جواب اوّل: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اس کی سند میں صالح بن محمد بن عبداللہ بن زائدہ ہیں اور ابو واقد لیثی کے ساتھ انہی کی کنیت مشہور ہے اور یہ منکر الحدیث ہیں پس منکر الحدیث کی روایت سے استدلال بھی منکر ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ غال کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لیکن آپ علیہ السلام نے کہیں بھی متاع کے جلانے کا حکم نہیں فرمایا۔

جواب ثانی: یہ حکم بطور سیاسۃً یا تعزیراً ہے یا مصلحۃً ہے حد شرعی ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ وجہ وہی ہے کہ کسی صحیح حدیث میں تحریق المتاع کا حکم نہیں ہے۔

جواب ثالث: ابوداؤد شریف میں ہے کہ اصل میں یہ سالم بن عبداللہ کا فتویٰ ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقُولُ لِآخَرَ يَا مُخَنَّثُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي حَبِيبَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا يَهُودِيُّ فَاضْرِبُوهُ عِشْرِينَ وَإِذَا قَالَ يَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوهُ عِشْرِينَ وَمَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوهُ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ إِسْمَعِيلَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ رَوَاهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَقُرَّةُ بْنُ إِيَاسٍ الْمُزَنِيُّ أَنَّ رَجُلًا تَزَوَّجَ امْرَأَةَ أَبِيهِ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا قَالُوا مَنْ أَتَى ذَاتَ مَحْرَمٍ وَهُوَ يَعْلَمُ فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ وَقَالَ أَحْمَدُ مَنْ تَزَوَّجَ أُمَّهُ قُتِلَ وَقَالَ إِسْحٰقُ مَنْ وَقَعَ عَلَى ذَاتِ مَحْرَمٍ قُتِلَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اے یہودی کہہ کر پکارے تو اسے بیس درے مارو اور جب کوئی اے ہیجڑے کہہ کر پکارے تو اسے بھی بیس درے مارو اور جو شخص کسی محرم عورت سے زنا کرے تو اسے قتل کردو۔ اس حدیث کو ہم صرف ابراہیم بن اسماعیل کی سند سے جانتے ہیں اور ابراہیم بن اسماعیل کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے براء بن عازب، قرہ بن ایاس مزنی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ یہ حدیث کئی سندوں سے منقول ہے۔ ہمارے اصحاب کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جانتے ہوئے کسی محرم عورت سے جماع کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی ماں سے نکاح کرے اسے قتل کردیا جائے اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جو کسی محرم سے زنا کرے تو اس قتل کردیا جائے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی ماں سے نکاح کرے اسے قتل کردیا جائے اور امام اسحٰق فرماتے ہیں کہ جو کسی محرم سے زنا کرے تو اسے قتل کردیا جائے۔

تشریح: یَا یَھُوْدِیُّ : اے یہودی یا اے نصرانی کہے یا اے کافر کہے یا کسی کو مخنث کہے تو اس کو بیس کوڑے مارے جائیں۔ابن ہمامؒ فرماتے ہیں اگر کسی غلام نے یا لونڈی نے یا ام ولد نے یا کافر نے زنا کی تہمت لگائی تو "بالاجماع" تعزیر لگائی جائے کیونکہ یہ جنایات حد قذف والی ہیں لیکن یہاں پر جھوٹی تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کرنا ممکن نہیں کیونکہ ان میں احصان کی شرط نہیں ہے جب محصن نہیں تو لامحالہ اس پر تعزیر آئے گی۔اور اگر کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی اور برائی کی تہمت لگائی جائے مثلاً کوئی کسی کو کہے اے فاسق ، اے کافر یا اے خبیث یا اے سارق یا اے فاجر، اے زندیق ، اے مقبوح (زانیہ کے بیٹے)، اے لوطی، اے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے والے، اے سود خور، اے دیوث ، اے مخنث ، اے خائن ، اے زانی کو ٹھکانا دینے والے، اے چور کو ٹھکانا دینے والے، اے منافق، اے یہودی تو ان تمام صورتوں میں تعزیر لگائی جائیگی ۔(مرقاۃ ج ۷ ص ۱۸۶۔۱۸۷)
بہر حال جسکے اندر جو عیب موجود ہو اس کو اسکے ساتھ پکارنے میں مثلاً فاسق ،لوطی کہنے میں تعزیر نہیں ہوگی کیونکہ یہ عیب اس کے اندر پہلے سے موجود ہے ان الفاظ کے قائل نے ان الفاظ سے اس پر تہمت نہیں لگائی بلکہ اسکے گناہ کا اظہار کیا ہے جو گناہ ہے اسلئے تعزیر ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص کسی کو گدھا، سور اور کتا کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر تعزیر ہوگی کیونکہ یہ گالی ہے اور گالی پر تعزیر ہوتی ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک تعزیر نہیں ہوگی کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہ شخص نہ گدھا ہے نہ سور اور نہ کتا لہٰذا یہ عیب نہیں ہے۔

مسئلہ اختلافی: جو شخص اپنی محرم سے زنا کا مرتکب ہوا تو اس کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام احمدؒ کے نزدیک ایسے شخص کو قتل کر دیا جائیگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ جو معاملہ دوسرے زانیوں سے کیا جاتا ہے وہی معاملہ اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا ہاں اگر امام اس کے قتل میں مصلحت سمجھے تو سیاسۃً اس کو قتل کر سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: قرآن کریم کی آیت اور احادیث زنا کے بارے میں مطلق ہیں کہ ان میں محرم وغیر محرم کی کوئی قید نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے "ومن وقع علی ذات محرم فاقتلوہ"۔

جواب اوّل: یہ تہدید اور تشدید پر محمول ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے

جواب ثانی: سیاست پر محمول ہے کہ امام چاہے تو اس کو قتل کروادے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

جواب ثالث: یہ محمول ہے حلال جان کر زنا کرنے والے پر۔

اس کے متعلق تفصیلی مسئلہ ماقبل میں بھی گزر چکا ہے یہاں دوبارہ صرف یاد دھانی کے لئے اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّعْزِیْرِ

تعزیر کے لغوی معنی: تعزیر عزر سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا، دھمکی دینا ہے۔تعزیر کے ذریعہ انسان کو گناہ سے روکا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی: شریعت میں تعزیر ایسی سزا کو کہتے ہیں جو برائے تادیب وتہذیب دی گئی ہو اور کسی حد کے درجہ تک نہ پہنچے اس کا ثبوت قرآن حکیم اور حدیث نبوی اور اجماع امت سے ہے۔

قرآن کریم سے تعزیر کا ثبوت: جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے "فاضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" (النساء:۳۴) یہ مارنا بطور تادیب اور تہذیب اخلاق کے ہے۔

حدیث شریف سے تعزیر کا ثبوت: حدیث میں آتا ہے "لا ترفع عصاك عنهم ادبا"۔

تعزیر کا اجراء محض زجر وتوبیخ کے لئے ہے اب اس کی حد کتنی ہے اس میں اختلافی مسئلہ آنے والی حدیث کے تحت آجائے گا۔

مسئلہ: تعزیر ضروری ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک تعزیر ضروری نہیں بلکہ اس میں حاکم کو اختیار ہے چاہے تعزیر کا اجراء کرے یا نہ کرے۔

قول ثانی: امام احمدؒ کے نزدیک حاکم پر واجب ہے کہ وہ لوگوں پر تعزیر جاری کرے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے اگر کسی جرم کی نص کے اندر تعزیر موجود ہے تو اس جرم پر تعزیر واجب ہوگی اور اگر نص میں اس جرم کی کوئی تعزیر نہیں تو پھر تعزیر حاکم کی رائے پر موقوف ہوگی حاکم اگر سمجھے کہ مجرم بغیر تعزیر کے جرم سے باز نہیں آئے گا تو تعزیر واجب ہے اور اگر حاکم سمجھے کہ مجرم بغیر تعزیر جرم سے باز آسکتا ہے تو تعزیر واجب نہیں ہے، جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: مشہور حدیث ہے "ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اصبت من امرأة مادون ان اطأها" آپ ﷺ نے اس پر کوئی تعزیر نہیں فرمائی۔ **جواب:** وہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں ہے کیونکہ وہ شخص نادم ہوکر آیا تھا اور وہ بغیر تعزیر کے جرم سے باز آنے والا تھا اس لئے تعزیر کی ضرورت نہیں تھی۔

دلیل ثانی: آپ ﷺ نے انصار کے بارے میں فرمایا "واقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم"۔ یہاں پر آپ ﷺ نے ان کے برے افعال پر چشم پوشی کرنے کا حکم دیا تعزیر کا حکم نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ تعزیر ضروری نہیں۔

امام احمدؒ کی دلیل: قیاس ہے کہ تعزیر کا مقصد زجر ہے لوگوں کو برے کاموں سے روکنا اگر تعزیر کو واجب قرار نہ دیا جائے تو پھر مقصد فوت ہوجائے گا۔

جواب: قیاس کا جواب یہ ہے کہ فقط وعظ ونصیحت سے بھی زجر حاصل ہوجاتا ہے بنا بریں تعزیر کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب شریعت نے اس میں کوئی حد مقرر نہیں کی تو یہ امام کی رائے پر موقوف رہے گا اور جن کاموں میں شریعت نے حد مقرر کی ہے اس پر عمل واجب ہوگا ورنہ مقصد فوت ہوجائے گا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ بُكَيْرٍ فَأَخْطَأَ

قتیبہ، لیث، یزید بن ابی حبیب، بکیر بن عبداللہ بن اشج، سلیمان بن یسار، عبدالرحمن بن جابر بن عبداللہ، حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدود کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ یہ حدیث ابن لہیعہ، بکیر سے نقل کرنے میں غلطی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن جابر بن عبداللہ سے روایت ہے اور وہ اپنے والد سے

فِيهِ وَقَالَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ خَطَأٌ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ إِنَّمَا هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ بُكَيْرِ بْنِ الْأَشَجِّ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي التَّعْزِيرِ وَأَحْسَنُ شَيْءٍ يُرْوَى فِي التَّعْزِيرِ هٰذَا الْحَدِيثُ

مرفوعاً نقل کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ صحیح حدیث وہی ہے جولیث بن سعد سے منقول ہے۔ یعنی عبدالرحمن بن جابر بن عبداللہ، ابوبردہ بن نیار سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف بکیر بن اشج کی روایت سے جانتے ہیں۔ اہل علم کا تعزیر کے بارے میں اختلاف ہے اور اس باب میں مرفوع احادیث میں سے سب سے زیادہ بہتر یہی حدیث ہے۔

تشریح: لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ: اس کی دو توجیہات کی گئی ہیں۔

توجیہ اوّل: یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہے جو شرعاً فی نفسہٖ گناہ نہ ہو لیکن قانوناً اس کو جرم قرار دیا گیا ہو۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے مگر ایسے جرم میں جو شرعاً فی نفسہٖ بھی گناہ ہو لیکن جو اعمال شرعاً گناہ نہیں تھے بلکہ حاکم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے قانوناً گناہ بن گئے تو اس میں تعزیر کی سزا دس کوڑوں سے زیادہ نہ سنائی جائے

توجیہ ثانی: جب کسی پر شرعی اعتبار سے حد ثابت نہ ہو یا اس کے لئے معیار شہادت پورا نہ کیا گیا ہو یا اس میں شبہ ہو جس وجہ سے حد لازم نہ آتی ہو تو اس کو تعزیر دو جو حد سے کم ہو۔ شریعت نے تعزیر کے لئے اگرچہ کوئی حد متعین نہیں کی لیکن اس بات میں ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ تعزیر کی کم از کم حد تین کوڑے ہیں۔

توجیہ ثالث: یہ حکم منسوخ ہے...... دلیل نسخ عمل صحابہ ہے خلفاء راشدین سے دس کوڑوں سے زیادہ لگانے بھی ثابت ہے۔

توجیہ رابع: یہ حکم مخصوص ہے فقط آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ اس لئے کہ اس وقت دس کوڑے بھی کافی ہوتے تھے لیکن اس جواب کو زیادہ پسند نہیں کیا گیا۔

توجیہ خامس: لایجلد فوق عشر جلدات یہ مطلق نہیں بلکہ گھریلو جرائم کے اعتبار سے ہے کہ اگر کسی کو تادیبی سزا دی جائے تو دس کوڑوں سے زیادہ نہ دی جائے اس سے وہ جرائم مراد نہیں ہیں جن سے معاشرہ میں فساد پھیل جائے۔

توجیہ سادس: یہ سزا صرف اشراف کے اعتبار سے ہے جو تھوڑی سی سزا سے بھی منزجر ہو جاتے ہیں البتہ مجرموں کو تو روکنے کے لئے زیادہ کوڑے بھی لگائے جاسکتے ہیں۔

توجیہ سابع: فی حد من حدود اللہ کے دو معنی ہیں۔ ① حد اصطلاحی۔ ② ایسے جرائم جو اہم ہوں کہ جن کی وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو تو پھر اس میں زیادہ بھی سزا دے سکتے ہیں۔ علامہ عینی کا بھی یہی قول ہے۔

مسئلہ: تعزیر کی زیادہ سے زیادہ کتنی مقدار ہے؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اشہب مالکیؒ کے نزدیک تعزیر دس کوڑوں سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعزیر ہر قسم کی حدود سے کم ہونی چاہئے اور حد قذف کی حد میں غلام کی حد چالیس کوڑے ہیں لہٰذا اس سے ایک کم کر کے زیادہ سے زیادہ تعزیر انتالیس کوڑے ہونگے۔

قول رابع: امام طحاویؒ کے نزدیک تعزیر کی حد حاکم کی رائے پر موقوف ہے خواہ وہ حدودِ شرعی سے زیادہ سزا دے یا کم دے۔

قول خامس: امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ تعزیر کی اکثر حد پچھتر کوڑے ہیں۔

قول سادس: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تعزیر کی اکثر حد انتالیس کوڑے ہیں اور کم سے کم تین کوڑے ہیں۔

ان کی دلیل وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲۴۷)

امام مالکؒ کی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ ایک شخص نے بیت المال کی جعلی مہر بنا کر کچھ مال لے لیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سو دُرّے مار کر قید کیا تو معلوم ہوا کہ تعزیر کی کوئی معین تعداد نہیں بلکہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سو دُرّے مارنا اور قید کرنا ایک جرم کی وجہ سے نہیں بلکہ متعدد جرائم کی وجہ سے ایسی سزا دی گئی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "من بلغ حداً فی غیر حد فهو من المعتدین" اور تعزیر حد کا غیر ہے لہٰذا تعزیر کو حد کی مقدار تک نہیں پہنچنا چاہئے۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یجلد فوق عشر جلدات"۔ اس حدیث کی محدثین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ جو اوپر گزر چکی ہیں۔

سند پر کلام: اس کی سند میں بکیر بن عبداللہ کے تلامذہ کے درمیان اختلاف ہو رہا ہے لیث بن سعد بکیر سے نقل کرتے ہوئے جابر بن عبداللہ کے بعد ابو بردہ بن نیار کا واسطہ ذکر کر رہے ہیں، اور ابن لھیعہ وہ بکیر سے روایت کر رہے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ درمیان میں ابو بردہ بن نیار کا واسطہ ذکر نہ کرنا یہ ابن لھیعہ کی خطا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ درمیان میں ابو بردہ بن نیار کا واسطہ ہے۔

اَبْوَابُ الصَّیْدِ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صید مصدر بمعنی الاصطیاد شکار کرنا اور کبھی اسم مفعول "مصید" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے شکار کیا ہوا جانور یہاں صید کا دوسرا معنی مراد ہے۔

شکار کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ ① تیر کے ذریعے یا بندوق وغیرہ کے ساتھ شکار کرنا ② کسی جانور کے ذریعے سے شکار کرنا مثلاً کتا، چیتا وغیرہ ③ چرند پرند کے ذریعے شکار کرنا مثلاً باز وغیرہ۔

کتے کے ساتھ شکار کیا جائے تو اس کے لئے چند شرائط ہیں۔ **اوّل:** جب کتے کو شکار پر چھوڑا جائے تو وہ بھاگ کر جائے۔

ثانی: پوری روانگی سے بھاگتے ہوئے کتے کو روکا جائے تو وہ شکار سے رُک جائے اور آگے نہ بڑھے۔

ثالث: شکار پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے اور اس شکار سے خود بالکل نہ کھائے۔ مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اور اگر پرندہ اور باز وغیرہ سے شکار کیا جا رہا ہے تو اسکی دو شرطیں ہیں ① چھوڑا جائے تو وہ اڑ جائے ② جب واپس بلایا جائے تو فوراً واپس آ جائے شکار کو نہ کھانا پرندے کیلئے شرط نہیں کتے کے لئے شرط ہے نیز شکار کو چھوڑتے وقت بسم اللہ ضرور پڑھی جائے اگر وہ شکار زندہ پکڑ لائے تو اس کو حسب سنت ذبح کرنا ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُؤْكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نُرْسِلُ كِلَابًا لَنَا مُعَلَّمَةً قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ مِنْ غَيْرِهَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ قَالَ مَا خَزَقَ فَكُلْ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ الْمِعْرَاضِ

حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اپنے سکھائے ہوئے شکاری کتوں کو شکار کیلئے بھیجتے ہیں۔ فرمایا وہ جس شکار کو پکڑیں تم اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا اگر وہ اسے مار ڈالے تب بھی۔ فرمایا ہاں بشرطیکہ کوئی دوسرا کتا اسکے ساتھ شریک نہ ہو۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم معراض سے بھی شکار کو مارتے ہیں۔ فرمایا جو نوک سے پھٹ جائے اسے کھا لو اور جو اس کی چوٹ لگنے سے مرے اسے نہ کھاؤ۔ ہم سے روایت کی محمد بن یحییٰ نے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی محمد بن یوسف نے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی سفیان ثوری نے انہوں نے منصور سے اسی طرح کی حدیث نقل کی لیکن اس میں یہ الفاظ ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض کے

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. بارے میں سوال کیا گیا۔ ابوعیسیٰ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: بِالْمِعْرَاضِ: ''هو السهم الثقيل الذی لا ريش له ولا نصل'' وہ بھاری تیر جس کا کوئی پر نہ ہو اور وہ سیدھا جا کر نوک کی طرف سے نہیں لگتا بلکہ چوڑائی کی طرف سے لگتا ہے۔

مَا خَزَقَ: ''خزق'' گھسنے اور نافذ ہونے کو کہا جاتا ہے مراد نوک اور دھار سے زخم کرنا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بھاری پتھر یا لاٹھی سے یا لوہے وغیرہ سے شکار کیا یا تیر سے شکار کیا لیکن وہ تیر دھار کی طرف سے نہیں لگا تو کیا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام اوزاعیؒ، امام مکحولؒ کے نزدیک ایسا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے۔

قول ثانی: ائمہ اربعہ کے نزدیک تیر سے شکار کردہ جانور اگر دھار سے قتل ہو تو حلال ہوگا اور اگر تیر کی چوٹ سے قتل ہو تو حلال نہیں ہوگا۔

امام اوزاعیؒ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت اور حدیث کے الفاظ ''کل ما امسکن علیك'' سے ہے کہ اس میں زخمی کر کے خون بہا دینے کی کوئی قید نہیں ہے صرف امساک کا ذکر ہے لہٰذا بغیر زخم کے بھی حلال ہوگا۔

جواب: اس لفظ سے کلب معلم کی شرط کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مالک کے لئے پکڑے اپنے لئے نہ پکڑے اسی لئے تو فقط ''امساك'' پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ''علیکم'' کا اضافہ کیا۔ الحاصل لفظ امساک قیدِ جرح کا مخالف نہیں جو دوسرے جملہ میں موجود ہے لہٰذا اس سے جرح کے عدم شرط پر استدلال کرنا درست نہیں۔

جمہور ائمہ اربعہ کی دلیل: ابوداؤد شریف میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس میں ''کل ما خزق'' کے الفاظ ہیں اور ان میں زخم کی قید موجود ہے اگر صید کے اندر زخم ہو گیا تو کھانے کا حکم ہے ایک حدیث میں ہے ''وما اصاب بعرضه فقتل فانه وقيذ فلا تاكل'' (جلد ۲ ص ۸۳ باب فی الصید) اس میں صراحۃً ''وقیذ'' کی حرمت بیان کی گئی ہے اور ''وقیذ'' کہا جاتا ہے چوٹ سے جانور کو قتل کرنا۔

مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ مِنْ غَيْرِهَا: یہاں سے ایک اور اختلافی مسئلہ کا بیان ہے۔

مسئلہ: دوران شکار اگر شکاری کتے کے ساتھ دوسرا کتا آ کر شریک ہو گیا اور شکار کو مار دیا تو اسکا حکم؟

اکثر علماء کے نزدیک وہ شکار حلال نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ صرف اپنے کتے کے چھوڑنے کے وقت پڑھی گئی تھی اور یہاں معلوم نہیں کس کتے نے مارا ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا صحیح اور مشہور قول ہے۔

مسئلہ: بندوق سے شکار کیا ہوا جانور حلال ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ فقہاء متقدمین کی کتابوں میں موجود نہیں اس لئے کہ اس دور میں بندوق وغیرہ نہیں ہوتی تھی بلکہ بندوق کا سلسلہ اب رائج ہوا لہٰذا موجودہ دور کے علماء کی دو جماعتیں ہوگئی ہیں۔ ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ گولی سے مرنے والا شکار حلال ہے۔ دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ بندوق کی گولی سے مرنے والا شکار حلال نہیں۔

جو جماعت جواز کی قائل ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتی ہے کہ اس میں ''ما خزق'' کے الفاظ ہیں اور یہ صورت ''ما خزق'' میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب گولی لگتی ہے وہ جسم سے پار ہو جاتی ہے اور پار ہونے کی وجہ سے اتنا خون نکل جاتا

ہے جتنا خون بسا اوقات چھری سے ذبح کرتے وقت نہیں نکلتا لہٰذا ذبح کا اصل مقصد خون نکالنا ہے اور گولی لگنے سے وہ نکل جاتا ہے گویا اصل مقصد حل ہو گیا لہٰذا گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال ہے۔

اور جو جماعت ایسے شکار کو حرام قرار دیتی ہے وہ حضرات فرماتے ہیں کہ گولی بذات خود دھار دار نہیں ہوتی اور جب وہ شکار کو جا کر لگتی ہے تو اس کے نتیجے میں شکار کو چوٹ لگتی ہے چونکہ وہ گولی تیز رفتاری سے آتی ہے اور وہ جسم کو پھاڑ کر اندر گھس جاتی ہے ورنہ بذات خود اس میں جسم پھاڑنے کی صلاحیت موجود نہیں لہٰذا گولی دھار دار آلہ کے حکم میں داخل نہیں بلکہ چوٹ مارنے کے حکم میں داخل ہے اس لئے گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں۔

اس اختلاف کی بناء پر علامہ رافعیؒ نے ایک اصول لکھا ہے کہ جہاں اس بات کا شبہ پیدا ہو جائے کہ آیا اس جانور کی موت چوٹ سے واقع ہوئی ہے یا زخم لگنے سے واقع ہوئی ہے تو اس صورت میں شبہ پر عمل کیا جائے گا اور شبہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس جانور کو حرام کہا جائے حلال نہ کہا جائے اگر اس اصول کو مدنظر رکھا جائے تو جانب حرمت راجح معلوم ہوتی ہے۔ یہ سارا اختلاف اس وقت ہے جب گولی نوکدار نہ ہوا گر گولی نوکدار ہو تو بالاتفاق وہ جانور حلال ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ ح وَالْحَجَّاجُ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ أَبِي مَالِكٍ عَنْ عَائِذِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَهْلُ صَيْدٍ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَأَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلَ قَالَ وَإِنْ قَتَلَ قُلْتُ إِنَّا أَهْلُ رَمْيٍ قَالَ مَا رَدَّتْ عَلَيْكَ قَوْسُكَ فَكُلْ قَالَ قُلْتُ إِنَّا أَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسِ فَلَا نَجِدُ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ كُلُوا فِيهَا وَاشْرَبُوا وَفِي الْبَاب عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَائِذُ اللَّهِ هُوَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ.

احمد بن منیع، یزید بن ہارون، حجاج، مکحول، ابوثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم شکاری لوگ ہیں۔ فرمایا اگر تم نے اپنا کتا بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰه پڑھی اور کتے نے پکڑ لیا تو تم اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا اگر وہ اسے قتل کر دے تو؟ فرمایا تب بھی کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہم تیر انداز لوگ ہیں۔ فرمایا جو چیز تمہارے تیر سے مر جائے وہ کھا سکتے ہو۔ پھر میں نے عرض کیا ہم سفر بھی زیادہ کرتے ہیں اور ہم یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے پاس سے گزرتے ہیں ان کے برتنوں کے علاوہ ہمیں کوئی برتن نہیں ملتا۔ فرمایا اگر ان کے علاوہ اور برتن نہ ہوں تو انہیں پانی سے دھو کر ان میں کھاؤ اور پیو۔ اس باب میں حضرت عدی بن حاتمؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عائذ اللہ، ابو ادریس خولانی ہیں۔

تشریح: مسئلہ: اگر شکاری کتے نے شکار کر کے اس سے کچھ کھا لیا اور شکار مر گیا تو اسکے حلال و حرام ہونے کا حکم؟

اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک اس شکار کا کھانا حلال ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اس شکار کا کھانا حلال نہیں ہے۔
امام مالکؒ کی دلیل: عمرو بن شعیب کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ابی ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ "کل مما امسك عليك الكلب قال فان اكل منه قال وان اكل منه"۔ اس حدیث میں کتے کے شکار کو کھانے کی صورت میں بھی کھانے کی اجازت دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شکار حلال ہے۔
جواب اوّل: قرآن کریم اور حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں یہ حدیث مرجوح ہے۔
جواب ثانی: فلا تاکل میں نہی ہے اور اصول ہے کہ جب حلت وحرمت میں تعارض آجائے تو اس وقت حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔
قول ثانی والوں کی دلیل اوّل: یہی حدیث باب ہے کہ "ان ادركته قد قتل ولم يأكل منه فكله وان اكل فلا تأكل فانما امسك على نفسه"۔
دلیل ثانی: قرآن کریم کی آیت "امسكن عليكم" ہے۔ اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ حلت کے لئے شرط ہے کہ وہ مالک کے لئے اسماک کرے اور اگر اس نے خود کھالیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس نے مالک کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے ایسے شکار کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔
وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ: مسئلہ: متروک التسمیۃ عامداً اور ناسیاً کا حکم؟ جس کی صورت یہ ہے کہ کتا چھوڑتے وقت یا تیر پھینکتے وقت یا ذبح اختیاری میں اگر کسی نے قصداً یا ناسیاً بسم اللہ چھوڑ دی تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔
قول اوّل: داؤد ظاہریؒ اور امام شعبیؒ اور ابن سیرینؒ کے نزدیک اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے خواہ وہ تسمیہ عامداً چھوڑے یا ناسیاً۔
قول ثانی: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال ہے۔
قول ثالث: ان دونوں کے بین بین ہے۔
قول رابع: احناف، سفیان ثوریؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک تسمیہ اگر جان بوجھ کر چھوڑی تو اس صورت میں ذبیحہ کا کھانا حرام ہے اور اگر بھول کر چھوڑ دی تو اس ذبیحہ کا کھانا حلال ہے۔
داؤد ظاہری کی دلیل: قرآن پاک کی آیت ہے "ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق" تو یہاں مطلقاً اللہ کا نام نہ لینے پر کھانے کی ممانعت کی گئی عمداً و نسیاناً کی کوئی قید نہیں ہے۔
جواب: آیت میں "وانه لفسق" کا لفظ عمداً کی قید پر دلالت کرتا ہے اور اسی طرح "رفع عن امتى الخطاء والنسيان" کے تحت بھی عمد کی قید لگانا ضروری ہے ورنہ قرآن اور حدیث میں تعارض لازم آئے گا۔
امام شافعیؒ کی دلیل: قرآن کریم اور احادیث میں اللہ کے نام کو ذکر کرنے کا جو حکم ہے وہ عام ہے خواہ زبان سے ہو یا دل سے ہو اور ذکر قلبی نیت کرنے سے متحقق ہو جاتا ہے چونکہ ہر مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہوتا ہے اس لئے زبان سے تسمیہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔
جواب: آپ کا ذکر قلبی مراد لینا خلاف ظاہر ہے ہاں نسیان کی صورت میں معذور ہونے کی بناء پر ذکر قلبی پر اکتفا کرلیا جائیگا۔
احناف کی دلیل: آیت مبارکہ "ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق" ہے اس آیت میں اس ذبیحہ کے کھانے سے نہی کی گئی ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو نہی کا اصل مقتضاء تحریم ہے اس لئے متروک التسمیۃ عامداً کا کھانا حرام ہوگا اور

نسیان اس میں داخل نہ ہوگا کیونکہ نسیان اس امت سے معاف کر دیا گیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے " رفع عن امتی الخطاء والنسیان " نیز انسان کثیر النسیان ہے بالخصوص ذبح کے وقت دل میں ڈر ہوتا ہے ایسی حالت میں سہو ونسیان زیادہ ہوتا ہے اگر ایسی حالت میں ذبیحہ کو حرام قرار دیا جائے تو حرج لازم آئے گا لہٰذا امام ابوحنیفہؒ نے دونوں صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے درمیانی صورت اختیار کی کہ عمداً متروک التسمیہ کی صورت میں ذبیحہ کا کھانا حرام ہے اور نسیان کی صورت میں کھانا جائز ہے۔

الحاصل شکار کے حلال ہونے کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا مسلمان ہو کافر کا شکار حرام ہے ② شکاری کتے اور باز کو شکاری نے خود چھوڑا ہوا گر شکاری کتے یا باز نے اپنے طور پر شکار کر لیا تو وہ حلال نہیں ③ شکاری نے چھوڑتے وقت عمداً تسمیہ کا ترک نہ کیا ہو ورنہ شکار حلال نہیں ہوگا ④ کتا یا باز وغیرہ معلم ہوں غیر معلم کا شکار حرام ہے ⑤ کتا اس شکار سے خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لئے اس شکار کو پکڑ کر لے آئے اگر کتے نے اس سے کھا لیا تو شکاری کیلئے باقی حرام ہوگا ⑥ معلم کتے یا باز کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس شکار کو زخمی کرے اگر بغیر زخمی کئے وہ شکار ذبح ہونے سے پہلے مر گیا تو حلال نہ ہوگا ⑦ شکار گم ہونے کی صورت میں اگر متغیر ہو جائے یا پانی میں غرق ہو جائے تو حرام ہے اگر متغیر نہ ہو تو حلال ہے۔

باقی حدیث شریف میں نصاریٰ اور مجوس کے برتنوں کے استعمال کا ذکر کر رہے ہیں کہ دھو کر استعمال کر سکتے ہیں لیکن یہ غسل کا حکم تب ہے کہ جب ظن غالب یہ ہو کہ وہ ان برتنوں کو ناپاک چیزوں کے لئے استعمال کرتے ہیں مثلاً شراب، خمر، خنزیر وغیرہ کے گوشت کے لئے اگر ظن غالب یہ ہو کہ وہ ان برتنوں کو ناپاک چیزوں کے لئے استعمال نہیں کرتے تو پھر غسل ضروری نہیں ہے۔

یہاں پر ایک اور قید موجود ہے کہ اگر ان کے علاوہ اور برتن موجود ہوں تو کیا ہم ان کے برتنوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کا استعمال کرنا جائز ہے؟ تو دیکھا جائے گا کہ وہ لوگ ان برتنوں کو حرام اشیاء کے لئے استعمال کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر کرتے ہیں تو غسل کا حکم وجوبی ہے اور اگر ظن غالب یہ ہے کہ وہ ان برتنوں کو حرام چیزوں کے لئے استعمال نہیں کرتے تو پھر غسل ضروری نہیں ہے تو دوسرے برتنوں کے ہوتے ہوئے بھی ان برتنوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ عَنْ سُلَيْمَانَ الْيَشْكُرِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ نُهِينَا عَنْ صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُرَخِّصُونَ فِي صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ وَالْقَاسِمُ بْنُ أَبِي بَزَّةَ هُوَ الْقَاسِمُ بْنُ نَافِعٍ الْمَكِّيُّ

یوسف بن عیسیٰ، وکیع، شریک، حجاج، قاسم بن ابی بزہ، سلیمان یشکری، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں مجوسی کے کتے کے شکار سے منع کیا گیا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اکثر اہل علم اسی پر عمل کرتے ہوئے مجوسی کے کتے سے شکار کی اجازت نہیں دیتے۔ ان میں سے قاسم بن ابو بزہ، قاسم بن نافع مکی ہیں۔

تشریح: مجوسی کے کتے کے ذریعے شکار کیا جائے تو کیا یہ شکار حلال ہوگا یا نہیں؟

اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اولاً مجوسی جس کتے کے ذریعے شکار کرے گا وہ کتا غیر معلم ہوگا اور اگر کتا معلم ہوتو پھر مجوسی نے تسمیہ نہیں پڑھی ہوگی اور اگر وہ تسمیہ پڑھ بھی لے تو اس کی تسمیہ کا کوئی اعتبار نہیں اس پر سب اہل علم کا اتفاق ہے۔ برخلاف مسلمان شخص کے کہ مجوسی کا کتا ہو لیکن معلم ہو تو مسلمان شخص بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے تو اس کا شکار حلال ہے۔
الحاصل کتے کے شکار کی حلت وحرمت کا دارومدار مرسل پر ہے مالک کا اعتبار نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبُزَاةِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَهَنَّادٌ وَأَبُو عَمَّارٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَيْدِ الْبَازِي فَقَالَ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِصَيْدِ الْبُزَاةِ وَالصُّقُورِ بَأْسًا وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْبُزَاةُ هُوَ الطَّيْرُ الَّذِي يُصَادُ بِهِ مِنَ الْجَوَارِحِ الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ) فَسَّرَ الْكِلَابَ وَالطَّيْرَ الَّذِي يُصَادُ بِهِ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي صَيْدِ الْبَازِي وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ وَقَالُوا إِنَّمَا تَعْلِيمُهُ إِجَابَتُهُ وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَالْفُقَهَاءُ أَكْثَرُهُمْ قَالُوا يَأْكُلُ وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ.

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز وہ تمہارے لئے پکڑ رکھے اسے کھالو۔ اس حدیث کو ہم صرف مجالد کی روایت سے جانتے ہیں اور وہ شعبی سے نقل کرتے ہیں۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باز اور صقور (شکرے) کے شکار میں کوئی حرج نہیں۔ مجالد کہتے ہیں کہ باز، وہ پرندہ ہے جو شکار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ان جوارح میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور "جن جوارح کو تم سکھاؤ" اس سے مراد وہ کتے اور پرندے ہیں جن سے شکار کیا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے شکار کردہ جانور میں سے کچھ کھا جانے کی صورت میں بھی باز کا شکار جائز رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ باز کا سکھانا یہ ہے کہ وہ حکم کی تعمیل کرے۔ بعض اہل علم نے اس صورت میں شکار کو مکروہ کہا ہے اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ باز کا شکار کھائے۔ اگرچہ باز اس میں سے کچھ کھا بھی جائے۔

تشریح: الْبُزَاةِ: بازی کی جمع ہے خاص قسم کا پرندہ۔ عمومی طور پر جن پرندوں سے شکار کیا جاتا ہے ان پرندوں میں سے یہ انتہائی قیمتی پرندہ ہے اس کے ذریعے شکار جائز ہے بشرطیکہ معلم ہو۔
باز کی تعلیم یہ ہے کہ شکار کے لئے بھیج دینے کے بعد اس کو درمیان سے واپس بلایا جائے تو وہ واپس آجائے اور اس کا شکار سے کھانا اس کے معلم ہونے کے منافی نہیں کیونکہ باز کا شکار سے نہ کھانا اس کی تعلیم کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔
جبکہ کلب کے شکار میں یہ شرط ہے کہ وہ شکار کو نہ کھائے۔ ان دونوں کی تعلیم میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ کلب کو یہ تعلیم دینا کہ وہ شکار میں سے کچھ نہ کھائے ممکن ہے اور باز کو یہ تعلیم نہیں دی جاسکتی کیونکہ جب شکاری جانور کو یہ ٹریننگ دی جائے گی اور خلاف ورزی کرے گا تو استاد اس کو مارے گا اور باز کا جسم تو کمزور ہے اس کو کوئی مار نہیں سکتا اس لئے اس کو یہ تعلیم بھی نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے

اس کی تعلیم دوسری ہے کہ اڑانے کے بعد بلانے پر آجائے اور اگر باز شکار میں سے کچھ کھالے تو بھی شکار حلال ہے۔
البتہ شوافع حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ باز کے معلّم ہونے کے مفہوم میں عدم اکل داخل ہے۔ اگر باز خود کھالے تو شکار حلال نہیں ہوگا۔
احناف کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے جو کہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر طبری کے اندر نقل کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باز کے "معلّم" ہونے کیلئے نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ اگر کھالے تو بھی معلم سمجھا جائے گا بشرطیکہ اجابت ہو۔
شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے "قال ما امسکت علیک فکل" اسکا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر رو کے نہ تو پھر نہ کھاؤ۔
جواب اوّل: یہ استدلال بطور مفہوم مخالف کے ہے اور مفہوم مخالف احناف کے ہاں کوئی حجت نہیں ہے۔
جواب ثانی: یہ قید بیان واقع کے لئے ہے احترازی نہیں۔
جواب ثالث: سنداً ابھی زیادہ وزنی نہیں ہے کیونکہ اس میں مجالد متکلم فیہ راوی ہیں۔
جانور کے اندر تعلیم کے لئے اصل یہ ہے کہ جانور اپنی مالوف اور مانوس چیز کو چھوڑ دے اور کتے کے اندر گوشت خاص طور پر مالوف اور مانوس ہے کتے کے اندر تعلیم یہ ہوگی کہ گوشت کھانا چھوڑ دے تو کتے کو معلّم سمجھا جائے گا اور پرندوں کے اندر مالوف چیز انسانوں سے دور رہنا ہے۔ اب یہاں اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بلائے تو آجائے اور جب چھوڑے تو چلا جائے۔ لہٰذا کلب اور باز کے درمیان فرق ہونا چاہیے۔
وَ قَالَ مُجَاهِدٌ الْبُزَاةُ هُوَ الطَّيْرُ الَّذِي يُصَادُ بِهِ: یہ مجموعہ مبتدأ ہے اور عن الجوارح اس کی خبر ہے۔ یہ ان جوارح میں سے ہے جنکا ذکر اللہ تعالیٰ نے "وما علمتم من الجوارح" کے اندر فرمایا ان جوارح کا مصداق باز اور کلب وغیرہ ہیں۔
فَسَّرَ الْكِلَابَ وَالطَّيْرَ الَّذِي يُصَادُ بِهِ: فسّر کو معروف پڑھنا بھی جائز ہے اور مجہول پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور اگر معروف پڑھا جائے تو اس کا فاعل مجاہد ہوگا تو معنی یہ ہوں گے کہ مجاہد نے اس آیت کریمہ کے اندر من الجوارح کی تفسیر کی ہے کلاب کے ساتھ تقدیری عبارت یوں ہوگی "فسر المجاهد الجوارح بالكلاب والطير الذى يصاد"۔
اور اگر فسّر کو مجہول پڑھیں تو اس کا معنی یہ ہوا "فسر قوله تعالىٰ" یعنی حق تعالیٰ شانہ کے فرمان "وما علمتم من الجوارح" میں جوارح کی تفسیر کی گئی ہے کلاب کے ساتھ اور ان پرندوں کیساتھ کہ جن کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے۔ "من الجوارح" کے اندر تعمیم ہے نجس العین جو جانور ہیں انکے علاوہ جانور معلّم ہو تو اس سے شکار کرنا بھی جائز ہے۔ باقی یہاں پر صرف کلاب اور باز کا ذکر کیا کیونکہ عمومی طور پر جو شکار کیا جاتا ہے یا تو کلاب کے ذریعے کیا جاتا ہے یا باز کے ذریعے اس لئے ان دونوں کو ذکر کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَغِيبُ عَنْهُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ

محمود بن غیلان، ابوداود، شعبہ، ابی بشر، سعید بن جبیر، حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے شکار کو تیر مارا پھر وہ شکار

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِي قَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ وَعَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ بها وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ .

مجھے اگلے دن ملا اس حال میں کہ تیر اس کے جسم میں پیوست تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تجھے معلوم ہے کہ وہ شکار تیرے تیر سے مرا ہے اور اس پر کسی درندہ کا نشان نہیں ہے تو تم اس کو کھا سکتے ہو۔ اسی پر بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہی حدیث شعبہ ان راویوں سے روایت کرتے ہیں ابی بشر، عبدالمالک بن میسرہ، سعید بن جبیر، وہ عدی بن حاتم سے یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور اس کا باب میں ابی ثعلبہ خشنی سے بھی روایت ہے۔

تشریح: کسی جانور کو تیر مارا پھر وہ غائب ہو گیا پھر وہ کچھ دنوں کے بعد ملا اور تیر اس میں پیوست تھا اگر ظن غالب یہ ہو کہ وہ میرے اس تیر کی وجہ سے مرا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے اور اگر تردد پیدا ہو جائے تو پھر جائز نہیں ہے۔ سب ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بدبودار گوشت کھانے سے نہی، یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے نہ کہ تحریمی پر۔

سند پر کلام: شعبہ ابو بشر سے روایت کرتے ہوئے کبھی تو صرف ابو بشر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کبھی ابو بشر کے ساتھ ساتھ عبدالملک بن میسرہ کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ کے دونوں استاد ہیں لہٰذا دونوں حدیثیں صحیح ہیں یعنی شعبہ کو یہ حدیث ابو بشر سے بھی حاصل ہے۔ اور عبدالملک بن میسرہ سے بھی حاصل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَجِدُهُ مَيِّتًا فِي الْمَاءِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ أَخْبَرَنِي عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّيْدِ فَقَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ فَكُلْ إِلَّا أَنْ تَجِدَهُ قَدْ وَقَعَ فِي مَاءٍ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي الْمَاءُ قَتَلَهُ أَوْ سَهْمُكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم تیر چلاؤ تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لیا کرو۔ پھر اگر شکار اس سے مر جائے تو اسے کھاؤ لیکن اگر وہ شکار پانی میں مردہ حالت میں پاؤ تو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے تیر سے ہلاک ہو یا پانی میں گرنے کی وجہ سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَيْدِ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ

حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سکھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر اپنا سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑ دو تو جو کچھ تمہارے لئے اٹھا لائے اسے کھاؤ اور

وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ خَالَطَتْ كِلَابَنَا كِلَابٌ أُخْرَى قَالَ إِنَّمَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تَذْكُرْ عَلَى غَيْرِهِ قَالَ سُفْيَانُ كُرِهَ لَهُ أَكْلُهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي الصَّيْدِ وَالذَّبِيحَةِ إِذَا وَقَعَا فِي الْمَاءِ أَنْ لَا يَأْكُلَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ فِي الذَّبِيحَةِ إِذَا قُطِعَ الْحُلْقُوْمُ فَوَقَعَ فِي الْمَاءِ فَمَاتَ فِيهِ فَإِنَّهُ يُؤْكَلُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْكَلْبِ إِذَا أَكَلَ مِنَ الصَّيْدِ فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ فَلَا يَأْكُلْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي الْأَكْلِ مِنْهُ وَإِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ.

اگر وہ خود (یعنی کتا) اس میں سے کھانے لگے تو مت کھا؛ کیونکہ اس نے شکار اپنے لئے پکڑا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ اور کتے بھی شامل ہو جائیں تو کیا کیا جائے۔ فرمایا تم نے اپنے کتے کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھی تھی دوسرے کتوں پر نہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ اس شکار کا کھانا صحیح نہیں۔ بعض صحابہ اور دوسرے علماء اس پر عمل ہے کہ جب شکار اور ذبیحہ پانی میں گر جائیں تو اسے کھانا صحیح نہیں۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کئے جانے والے جانور کا حلقوم کٹ جانے کے بعد وہ پانی میں گر کر مرے تو اس کا کھانا جائز ہے ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ کتا شکار سے کچھ کھائے تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اگر کتا شکار سے کچھ کھائے تو اب اسے نہ کھاؤ۔ سفیان ثوری ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم نے اس کی اجازت دی اگر چہ کتے نے اس سے کھایا ہو۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ فرما رہے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک شکار کو تیر مارا پھر وہ پانی میں جا گرا اس کے بعد مرا ہوا پایا گیا تو اب اس کا اکل جائز نہیں ہے۔ یہاں اس کے لئے گویا ایک اصول کو بیان کر رہے ہیں۔

کہ جب کسی جانور کی موت کیلئے دو اسباب جمع ہو جائیں جن میں سے ایک مشروع اور دوسرا غیر مشروع ہو تو اس صورت میں وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ مثلاً کوئی جانور نہر کے کنارے پانی پی رہا تھا اس کو تیر مارا تو وہ پانی میں گر کر مر گیا تو اب یہاں موت کے دو سبب جمع ہو گئے ایک تیر کا لگنا دوسرا پانی میں گرنا ان میں سے اوّل تو مشروع ہے اور ثانی غیر مشروع ہے پس وہ شکار حلال نہیں۔

کیونکہ اس میں تردد پیدا ہو گیا کہ آیا یہ تیر لگنے کی وجہ سے مرا ہے یا پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہے اور جب حلت و حرمت دونوں کے سبب جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔

سوال: فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ: اس حدیث کے برخلاف حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے جس کے یہ الفاظ ہیں "کل وان اکل" کھا اگرچہ کتے نے کھا لیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

جواب اوّل: حدیث عدی بن حاتمؓ جیسے سنن میں ہے ایسے ہی صحیحین میں ہے اور حدیث ابی ثعلبہ خشنی صرف سنن میں ہے صحیحین

میں نہیں ہے لہٰذا اس کو ترجیح نہیں ہوگی۔ عدی بن حاتمؓ والی روایت کو ترجیح ہوگی۔ دوسرا یہ کہ اصح سنداً اور اقوی سنداً ہونے کی وجہ سے حدیث عدی بن حاتم کو ترجیح ہوگی۔

جواب ثانی: یہ حدیث ابی ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ مؤول ہے اصل میں تھا "کل، وان اکل فلا تأکل" راوی سے "فلا تاکل" کا لفظ چھوٹ گیا "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"۔

جواب ثالث: حدیث عدی بن حاتمؓ محرم ہے کہ جب کتا کھالے اور حدیث ابی ثعلبہ خشنی مبیح ہے اور جب محرم و مبیح میں تعارض ہو جائے تو ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔

جواب رابع: عقل وفہم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حدیث عدی بن حاتمؓ راجح ہو اسلئے کہ تعلیم کہتے ہیں اپنی مالوف چیز کو چھوڑ دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْمِعْرَاضِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ مَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ وَمَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَهُوَ وَقِيذٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے معراض سے شکار کا حکم پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر شکار اسکی نوک سے مرے تو اسے کھا سکتے ہو اور اگر معراض کی چوٹ سے مرے تو وہ مردہ ہے۔ ہم سے روایت کی ابن ابی عمرؒ نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے زکریا سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے عدی بن حاتمؓ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی کی مانند یہ حدیث صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

تشریح: معراض کے متعدد معنی کئے گئے ہیں۔ ① ایسا تیر جس کے ساتھ پر اور پھالا لگا ہوا نہ ہو۔ ② ایسی لکڑی جس کے ایک سرے پر لوہا لگا ہوا ہو۔ ③ ایک خاص قسم کا تیر ہوتا ہے جب اس کو پھینکا جائے تو وہ عرضاً جا کر لگتا ہے۔ ④ ایسی لکڑی جسکے دونوں سرے باریک ہوں اور درمیانی حصہ موٹا ہو ⑤ بعض حضرات نے مطلقاً بھاری لکڑی بھی اسکا معنی لیا ہے۔

وَقِیذٌ: "ای موقوذ مضروب ضربا شدیدا بعصا اوحجر حتی مات" یعنی کسی شکار کو ضرب شدید مارنا خواہ کسی لاٹھی کے ساتھ ہو یا پتھر کے ساتھ یہاں تک کہ وہ شکار مر جائے۔

اس کے شکار میں بعض کی رائے یہ ہے کہ مطلقاً حلال ہے جیسے امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ مطلقاً حرام ہے جیسے حسن بصریؒ کہتے ہیں۔ ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر دھار کی طرف سے لگے اور شکار کو زخمی کردے تو شکار حلال ہے اور اگر عرضاً لگے اور دباؤ اور ثقل کی وجہ سے شکار مرا ہو تو وہ حرام ہے۔ یہ بھی وقیذ کے حکم میں ہے چونکہ عموماً یہ عرضاً جاتا ہے اس لئے اس کو معراض کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبْحِ بِالْمَرْوَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ قَوْمِهِ صَادَ أَرْنَبًا أَوْ اثْنَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمَرْوَةٍ فَتَعَلَّقَهُمَا حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهِمَا وَفِي الْبَاب عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَفْوَانَ وَرَافِعٍ وَعَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُذَكِّيَ بِمَرْوَةٍ وَلَمْ يَرَوْا بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُهُمْ أَكْلَ الْأَرْنَبِ وَاخْتَلَفَ أَصْحَابُ الشَّعْبِيِّ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ فَرَوَى دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَفْوَانَ وَرَوَى عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ أَوْ مُحَمَّدِ بْنِ صَفْوَانَ وَمُحَمَّدُ بْنُ صَفْوَانَ أَصَحُّ وَرَوَى جَابِرٌ الْجُعْفِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ نَحْوَ حَدِيثِ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ الشَّعْبِيُّ رَوَى عَنْهُمَا جَمِيعًا قَالَ مُحَمَّدٌ حَدِيثُ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ

محمد بن یحییٰ، عبدالاعلیٰ، سعید، قتادہ، شعبی، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ان کی قوم کے ایک شخص نے ایک یا دو خرگوشوں کا شکار کیا اور انہیں پتھر سے ذبح کیا اور انہیں لٹکا دیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ سے اس کا حکم پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے کھا سکتے ہو۔ اس باب میں محمد بن صفوان، رافع اور عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ بعض اہل علم پتھر سے ذبح کرنے اور خرگوش کا گوشت کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم خرگوش کے گوشت کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس حدیث کی روایت میں شعبی کے ساتھیوں کا اختلاف ہے۔ داؤد بن ابی ہند، شعبی سے بحوالہ محمد بن صفوان اور عاصم احول بحوالہ صفوان بن محمد یا محمد بن صفوان نقل کرتے ہیں اور محمد بن صفوان زیادہ صحیح ہیں۔ جابر جعفی بھی شعبی سے وہ جابر بن عبداللہؓ سے قتادہ ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے شعبی نے ان دونوں سے نقل کیا ہو۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ شعبی کی جابر سے منقول حدیث غیر محفوظ ہے۔

تشریح: مروہ خاص قسم کا پتھر جو دھاری دار اور سفید ہوتا ہے اس سے اگر جانور کو ذبح کیا جائے تو حلال ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو چیز خون بہا دے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے۔ اسی طرح اگر بانس وغیرہ کے ذریعے سے جانور ذبح کیا جائے تو پھر بھی وہ جانور حلال ہو جائے گا۔

باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ایک شخص نے پتھر کے ساتھ خرگوش کو ذبح کیا تو اس پر آپ ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت دے دی۔ خرگوش کے کھانے کے متعلق بحث جلد ثانی کتاب الاطعمۃ میں آجائے گی۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَفْوَانَ: سند پر کلام، روایت میں محمد بن صفوان کا ذکر ہے ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ محمد بن صفوان ہے یا صفوان بن محمد ہے۔ شعبی کے تلامذہ میں سے داود بن ابی ہند محمد بن صفوان نقل کرتے ہیں اور عاصم احول تردد کے ساتھ نقل کر رہے ہیں کہ صفوان بن محمد ہے یا محمد بن صفوان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح نام محمد بن صفوان ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تخطیہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عامر شعبیؒ کو یہ روایت جابر بن عبداللہ سے بھی حاصل ہو اور محمد بن صفوان سے بھی حاصل ہو۔ لیکن امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ روایت شعبی عن جابر بن عبداللہ غیر محفوظ ہے اور روایت شعبی عن داؤد بن ابی ہند یہ صحیح ہے جیسا کہ عاصم احول روایت کررہے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْمَصْبُورَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَفْرِيقِيِّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِي تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ أَبِي الدَّرْدَاءِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ .

ابو کریب، عبدالرحیم بن سلیمان، ابوایوب افریقی، صفوان بن سلیم، سعید بن مسیب، حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا اور یہ وہ جانور ہے جسے باندھ کر تیر چلائے جائیں یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اس باب میں حضرت عرباض بن ساریہ، انس، ابن عمر، ابن عباس، جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابودرداءؓ غریب ہے۔

تشریح: أَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ: اس جانور کو کہتے ہیں جس کو باندھ کر نشانہ کی مانند کھڑا کردیا جائے اور پھر اس پر تیر مارا جائے۔ شریعت محمدی نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسے جانور کے گوشت کھانے کو منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس طرح بے رحمی اور بے دردی سے قتل کرنے سے ذبح کا مقصد حاصل نہیں ہوتا لہٰذا جو جانور شرعی طور پر ذبح نہیں ہوگا اس کا کھانا بھی حرام ہوگا۔ چونکہ یہاں ذبح اختیاری ہوسکتا ہے اس لئے ذبح اختیاری کی بجائے ذبح اضطراری اختیار کرنا جائز نہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ وَهْبٍ أَبِي خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ الْعِرْبَاضِ وَهُوَ ابْنُ سَارِيَةَ عَنْ أَبِيهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِيسَةِ وَأَنْ تُوطَأَ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقُطَعِيُّ سُئِلَ أَبُو عَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ قَالَ أَنْ يُنْصَبَ الطَّيْرُ أَوِ الشَّيْءُ فَيُرْمَى وَسُئِلَ عَنِ الْخَلِيسَةِ فَقَالَ

وہب بن خالد سے روایت ہے کہ مجھے ام حبیبہ بنت عرباض بن ساریہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر ہر نو کیلے دانتوں والے درندے، ہر پنجوں والے پرندے، پالتو گدھوں، مجثمہ اور خلیسہ کے کھانے سے منع فرمایا اور حاملہ باندیوں کے ساتھ بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے سے بھی منع فرمایا۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ قطعی ممانعت ہے۔ ابوعاصم سے مجثمہ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجثمہ یہ ہے کہ شکار یا کسی اور چیز کو سامنے باندھ کر تیر چلائے جائیں پھر ان سے خلیسہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا خلیسہ وہ جانور

الذِّئْبُ أَوِ السَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ فَيَأْخُذُهُ مِنْهُ فَيَمُوتُ فِي يَدِهِ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهَا.

ہے جسے کوئی شخص بھیڑیے یا درندے وغیرہ سے چھین لے اور وہ اس کے ذبح کرنے سے پہلے ہی مرجائے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَّخَذَ شَيْئٌ فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن عبدالاعلی، عبدالرزاق، ثوری، سماک، عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی جاندار چیز کو پکڑ کر نشانہ بنانے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ: "ای عامه اووقت فتحه" خیبر کے دن کی مراد میں تین احتمال ہیں۔ ① خیبر کے سال اس کا اعلان فرمایا ② عین خیبر کے فتح کے وقت یہ اعلان جاری فرمایا ③ جن دنوں میں خیبر میں جہاد جاری تھا انہی دنوں میں سے کسی ایک دن یہ حکم جاری فرمایا۔

ذِي نَابٍ: ناب نوکدار دانت کو کہتے ہیں جسکے ذریعے پھاڑنے چیرنے کا کام ہوتا ہے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ: "ذی مخلب" اس پرندے کو کہتے ہیں کہ جو اپنے پنجے سے شکار کرے جیسے باز، شکرا، چیل اور گدھ وغیرہ ان دونوں کے متعلق مسلم شریف میں ابن عباس ﷺ کی روایت نقل کی گئی ہے جس میں "نهى عن اكل ذى مخلب من الطيور وكل ذى ناب من السباع" ان دونوں کے ساتھ "من السباع" کی قید مذکور ہے یعنی پرندوں میں جو کچلی والا اور پھاڑنے چیرنے والا ہو وہ حرام ہے لہٰذا فقط جس کی کچلی ہو اور پھاڑنے چیرنے والا نہ ہو تو وہ حرام نہیں ہے۔ اسی طرح ذی ناب کا حکم ہے کہ جو چیرنے پھاڑنے والا ہو وہ حرام ہوگا فقط ناب والا حرام نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ سبع سے وہ جانور و پرندے مراد ہیں جن میں پانچ اوصاف ذمیمہ موجود ہوں۔ حملہ کرنا، قتل کرنا، اچک لینا، غارت کرنا، زخمی کرنا اور ان کا گوشت حرام ہونے کی حکمت یہ ہے کہ انکے گوشت کے کھانے سے انسانوں میں یہ اوصاف ذمیمہ پیدا نہ ہوں کیونکہ اخلاق میں غذا کا قوی اثر ہوتا ہے۔

وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ: گھر کے پالتو گدھوں سے وہ گدھے مراد ہیں جو رہائشی آبادی میں رہتے ہیں چنانچہ جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے حدیث میں ممانعت گھریلو گدھوں کی آئی ہے۔

وَأَنْ تُوطَأَ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ: جہاد میں جو عورتیں قید ہو کر آئیں ان کو لونڈیاں بنایا جائے گا اگر وہ حاملہ ہوں تو ان سے جماع کرنا حرام ہے اگر حاملہ نہ ہوں تو ایک حیض کا انتظار کر کے ان سے جماع کرنا درست ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَّخَذَ شَيْئٌ فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا: اس جملہ سے کسی جانور کو نشانہ بنانے کے لئے باندھنے کی ممانعت کا ذکر ہے کیونکہ بے ضرورت جانور کو تکلیف پہنچانا ہے، نشانہ بازی کے لئے تو اور کئی طریقے ہیں ان کو اختیار کیا جائے۔ خواہ مخواہ کسی جانور کو تکلیف پہنچانا قساوت قلبی کا سبب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذَكَاةِ الْجَنِينِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُجَالِدٍ ح حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ أَبِي الْوَدَّاكِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَأَبُو الْوَدَّاكِ اسْمُهُ جَبْرُ بْنُ نَوْفٍ.

محمد بن بشار، یحیٰی بن سعید، مجالد، سفیان بن وکیع، حفص بن غیاث، مجالد، ابو وداک، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ (جنین) بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اس باب میں جابر ابو امامہ، ابو درداء اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ابو وداک کا نام جبیر بن نوف ہے۔

تشریح: **ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ:** اس کی ترکیب میں کئی احتمال ہیں ① دونوں جگہ ذکوۃ مرفوع ہو ② پہلا ذکوۃ مرفوع اور دوسرا ذکوۃ منصوب ہو (۳) اور ایک روایت میں دونوں جگہ نصب ہے اگر مرفوع پڑھیں تو عبارت یوں ہوگی "ذکاۃ الام ھی ذکوۃ الجنین"۔ اس صورت میں مسئلہ یہ ہوگا کہ ماں کا ذبح کرنا اس کے جنین کیلئے کافی ہے۔ اگر دوسری صورت ہو تو عبارت یوں ہوگی "ذکاۃ الجنین کذکاۃ امہ" یہاں پر حرف جار کو حذف کیا تو یہ منصوب بنزع الخافض ہو گیا۔ تیسری صورت میں دو صورتیں ہیں ① آپس میں بدل مبدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں ② فعل محذوف (اغراء) کی وجہ سے منصوب ہو۔

اور ایک چوتھی صورت بھی ہے اول کے نصب اور ثانی کے رفع کے ساتھ یہ ترکیب امام شافعیؒ کے قول کے خلاف ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ محکوم علیہ محکوم بہ پر مقدم ہوتا ہے جبکہ یہاں اس کے برعکس ہے۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۲۲)

مسئلہ: زکوۃ الجنین کا کیا حکم ہے؟ اس حدیث میں ذبح شدہ جانور کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کا مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی حاملہ جانور کو ذبح کیا گیا اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلا تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ بچہ زندہ ہو تو اس صورت میں بچہ کو مستقلا ذبح کرنا پڑے گا ورنہ وہ حلال نہیں ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ جس وقت وہ بچہ ماں کے پیٹ سے نکلا ہے تو اس وقت وہ مردہ تھا تو اس کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہوا ہے۔

قول اوّل: صاحبینؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اس کی ماں کا ذبح اس کا ذبح سمجھا جائے گا۔

قول ثانی: امام صاحبؒ کے نزدیک ایسے جنین کا کھانا جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں "ذکوۃ الجنین ذکوۃ امہ" کے الفاظ ہیں یعنی جنین کا ذبح اس کی ماں کے ذبح کے ساتھ متحقق ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: ایسا بچہ جو ماں کے پیٹ سے مردہ نکلا ہو وہ منخنقہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ اغلب یہی ہے کہ ماں کے ذبح کے بعد بچے کی موت سانس گھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے اور منخنقہ کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ دوسرا یہ کہ جنین کی حیات ایک مستقل حیات ہے یہی وجہ ہے کہ ماں سے انفصال کی صورت میں بچہ زندہ رہتا ہے اسی طرح کبھی ماں کے مرنے کے بعد بھی بچہ زندہ رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیات دونوں میں مستقل ہے۔ لہٰذا دونوں کے مستقل ذبح کی ضرورت ہے۔ ایک کا ذبح دوسرے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے ''لا تکون ذکوة نفس ذکاة نفسین''۔

زکوٰة الجنین ذکاة امه والی حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہی مضمون پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ جمہور اس کا معنی کرتے ہیں کہ ماں کو ذبح کرنا یہ قائم مقام ہے اس کے جنین کے ذبح کرنے کے جیسا کہ محاورہ ہے ''لسان الوزیر لسان الامیر'' وزیر کا کلام امیر کے کلام کے قائمقام ہے جیسے اس جملہ کے اندر نیابت کو بتلانا ہے ایسے ہی حدیث پاک میں اس بات کو بتلانا ہے کہ ماں کا ذبح یہ جنین کے ذبح کے قائمقام ہے۔

جواب: اس حدیث کے مدلول میں دو احتمال ہیں۔ ① نیابت کا بیان ہو۔ ② تشبیہ کا بیان ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا مدلول بیان تشبیہ ہے بیان نیابت نہیں ہے اور یہ تشبیہ بلیغ کی قبیل سے ہے جیسے ''زیدًا اسدٌ'' کا معنی ہے زیدٌ کالاسد یعنی زید شیر کی طرح ہے اسی طرح ''ذکاة الجنین ذکاة امه'' کا معنی ہے ''ذکوٰة الجنین کذکوة امه'' (ذبح کرنا) جنین کا ذکوة ایسے ہی مستقل ہے جیسے اس کی ماں کا ذکوٰة (ذبح کرنا) مستقلاً ہے۔

بیان تشبیہ پر قرینہ یہ ہے کہ یہ حدیث دو طرح سے مروی ہے۔ ① رفع کے ساتھ ② نصب کے ساتھ ''ذکوة الجنین ذکاة امه'' نصب والی روایت کا مدلول تو متعین ہے کہ یہ تشبیہ پر محمول ہے تو جس طرح ''القرآن یفسر بعضه بعضًا'' اسی طرح ''الحدیث یفسر بعضها بعضًا'' بھی ہے لہٰذا جو نصب والی روایت ہے یہ مفسر ہے کہ رفع والی روایت بھی تشبیہ پر محمول ہے۔

② اگر رفع والی روایت کو بیان تشبیہ پر محمول کریں تو کوئی تعارض لازم نہیں آتا اور اگر اس کو بیان نیابت پر محمول کریں تو یہ حدیث ''حرمت علیکم المیتة'' کے معارض ہو جائے گی اور ظاہر ہے کسی روایت کا وہ معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے جو کسی نص کے خلاف نہ ہو۔ بنسبت اس معنی کو مراد لینے سے کہ جو نص کے معارض ہو۔

باقی ان کے محاورہ کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی احناف کا مؤید ہے کیونکہ نائب کا ذکر پہلے اور منوب عنہ کا ذکر بعد میں ہے اگر نیابت بیان کرنا مقصود ہوتا تو منوب عنہ پہلے ہوتا اور نائب بعد میں ہوتا عبارت یوں ہوتی ''ذکاة ام الجنین ذکاة الجنین''۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كُلِّ ذِي نَابٍ وَذِي مِخْلَبٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ

احمد بن الحسن، عبداللہ بن مسلمة، مالک بن انس، ابن شہاب، ادریس خولانی حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ اسْمُهُ عَائِذُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ .

سعید بن عبدالرحمٰن اور دیگر حضرات سفیان سے وہ زہری سے اور وہ ابو ادریس خولانی سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوادریس خولانی کا نام عائذ اللہ بن عبداللہ ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي يَوْمَ خَيْبَرَ الْحُمُرَ الْإِنْسِيَّةَ وَلُحُومَ الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

محمود بن غیلان، ابوالنضر، عکرمہ بن عمار، یحییٰ بن ابی کثیر، ابی سلمہ، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں خچروں کے گوشت، کچلی والے درندے اور پنجوں والے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، عرباض بن ساریہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت جابرؓ کی حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، محمد بن عمرو، ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والا درندہ حرام کیا ہے (مثلاً شیر اور کتا وغیرہ) یہ حدیث حسن ہے اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے۔ عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح گزشتہ سے پیوستہ باب میں گزر چکی ہے کہ ہر کچلی دار درندے اور ہر پنجے دار پرندے کے کھانے سے منع فرمایا۔ باقی گدھوں اور خچروں کے گوشت کے متعلق بحث کتاب الاطعمۃ میں آجائے گی۔

بَابُ مَا قُطِعَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيِّتٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَجُبُّونَ أَسْنِمَةَ

محمد بن عبدالاعلیٰ صنعانی، سلمہ بن رجاء، عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار، زید بن اسلم، عطاء بن یسار، حضرت ابوواقد لیثیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کے کوہان اور زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹ لیتے تھے۔

الْإِبِلِ وَيَقْطَعُونَ أَلْيَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ

آپ ﷺ نے فرمایا زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ الْجُوزَجَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَأَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ

ہم سے روایت کی ابراہیم بن یعقوب نے انہوں نے ابوالنضر سے انہوں نے عبدالرحمن بن عبداللہ سے اسی کی مثل۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف زید بن اسلم کی روایت سے پہچانتے ہیں اہل کا اسی پر عمل ہے ابوواقد لیثی کا نام حارث بن عوف ہے۔

تشریح: یَجُبُّوْنَ: اَحبَّ سے ہے کوہان بریدہ اونٹ۔ اونٹ کی کوہان کاٹ لینا۔

زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ اونٹوں کو ذبح کئے بغیر اونٹوں کی کوہان کا گوشت کاٹ لیا جاتا تھا اور ''الیات'' اسی طرح دنبوں کی چکیوں کا گوشت ذبح کئے بغیر کاٹ لیا جاتا تھا پھر اس کو پکا کر کھا لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا غنم کا اطلاق بکری پر بھی ہوتا ہے، بھیڑ اور دنبہ پر بھی ہوتا ہے۔ ابوواقد اللیثی کا نام حارث بن عوف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّكَاةِ فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْعُشَرَاءِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَا تَكُونُ الذَّكَاةُ إِلَّا فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ قَالَ لَوْ طَعَنْتَ فِي فَخِذِهَا لَأَجْزَأَ عَنْكَ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ هٰذَا فِي الضَّرُورَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ وَلَا نَعْرِفُ لِأَبِي الْعُشَرَاءِ عَنْ أَبِيهِ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَاخْتَلَفُوا فِي اسْمِ أَبِي الْعُشَرَاءِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اسْمُهُ أُسَامَةُ بْنُ قِهْطِمٍ وَيُقَالُ اسْمُهُ يَسَارُ بْنُ بَرْزٍ وَيُقَالُ ابْنُ بَلْزٍ وَيُقَالُ اسْمُهُ عُطَارِدُ.

ھناد، محمد بن علاء، وکیع، حماد بن سلمہ، احمد بن منیع، یزید بن ھارون، حمد بن سلمہ، حضرت ابوالعشراء اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جانوروں کو صرف حلق اور لبہ ہی سے ذبح کیا جا سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اس کی ران میں بھی نیزہ مار دو تو بھی کافی ہے۔ احمد بن منیع، یزید بن ہارون کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف ضرورت کے وقت کا ہے اس باب میں رافع بن خدیج سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف حماد بن سلمہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ ابوعشراء کی اپنے والد سے اس کے علاوہ کوئی حدیث منقول نہیں۔ ابوعشراء کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوعشراء کا نام اسامہ بن قہطم ہے جب کہ بعض یسار بن برز اور بعض ابن بلز اور بعض عطارد کہتے ہیں۔

تشریح: محل ذکاۃ حلق اور لبہ کے درمیان میں ہے لبہ سینے کا منتہی ہے اور ٹھوڑی کی جانب کا حصہ حلق کہلاتا ہے۔ ذبح اختیاری مختص ہے حلق اور لبہ کے درمیان۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ذکوۃ اختیاری مابین اللبة والحلق میں منحصر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں یہ ایسے ہی ہے جیسے تم سمجھ رہے ہو لیکن اس کے ساتھ فائدہ زائدہ بھی بتلادیا کہ ذبح اضطراری میں جہاں کہیں بھی زخم ہو جائے تو کفایت کر جائے گی۔ چنانچہ فرمایا" لو طعنت فی فخذها لأجزأعنك " ذبح "اضطراری مابین اللبة والحلق" کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ "هذا فی الضرورة" یہ اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ حالت اضطراری کا یہ حکم ہے اور اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو پھر یہ سنداً زیادہ وزنی نہیں ہے۔ دوسری نصوص جو حالت اختیاری میں مابین اللبة والحلق کے ذبح پر دلالت کرتے ہیں وہ راجح ہیں اسلئے کہ ابوالعشراء سے روایت کرنیوالے صرف حماد بن سلمہ ہیں اگرچہ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن سند میں غرابت ہے پھر ابوالعشراء کون ہیں اور انکے والد کون ہیں؟ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ گویا کہ یہ مجہول راوی ہوئے۔ چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ انکا نام اسامہ بن قھطم ہے۔ بعض نے کہا یسار بن برز اور بعض نے کہا ابن بلز اور بعض نے کہا انکا نام عطارد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْوَزَغِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً بِالضَّرْبَةِ الْأُولَى كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً فَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ كَانَ لَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَعْدٍ وَعَائِشَةَ وَأُمِّ شَرِيكٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چھپکلی کو ایک ہی ضرب میں مار دیا اس کے لئے اتنی نیکیاں ہیں۔ اور جس نے دوسری ضرب میں مارا اس کے لئے اتنا اجر ہے۔ اور تیسری ضرب میں مارنے پر بھی اتنا ثواب ہے (یعنی دوسری چوٹ میں پہلی مرتبہ سے کم اور تیسری میں دوسری سے بھی کم) اس باب میں حضرت ابن مسعود، سعد، عائشہ اور ام شریک رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابوہریرہ ؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: وزغة يقال له سام ابرص اردو زبان میں اس کو گرگٹ کہتے ہیں۔ یہ چھپکلی سے کچھ بڑا ہوتا ہے اس کی دم لمبی ہوتی ہے اور اس کا رنگ بدلتا رہتا ہے اکثر اوقات یہ سبزیوں میں ہوتا ہے اس کی گردن سرخ اور باقی جسم کا رنگ چھپکلی کے رنگ سے ہٹ کر ہوتا ہے۔

حدیث الباب میں پہلی بار مارنے سے جو ثواب حاصل ہوتا ہے اس کا ذکر نہیں جبکہ مشکوۃ شریف 'کتاب الصید والذبائح باب ما یحل اکلہ وما یحرم" فصل اوّل میں حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت ہے جو مسلم کے حوالے سے نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو ایک ضرب کے ساتھ گرگٹ مار ڈالے اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دوسری چوٹ میں اس سے کم اور تیسری چوٹ میں اس سے کم......

ایک روایت میں آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو فویسقہ کہا ہے کہ یہ شرارتی جانور ہے۔ اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "کان ینفخ علی ابراهیم" کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو پھونکتا تھا۔ یعنی جس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا وہ اس آگ کو مزید بھڑکا رہا تھا......

نیز اس کو مارنے کا حکم اس جرم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس جانور کی ایذاء رسانی کی وجہ سے ہے اور اس جانور کا پھونک مارنا ایذاء رسانی کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ یہ انسان کو ہر طرح سے نقصان پہنچاتی ہے۔ برتن میں تھوکتی ہے، نمک میں رال ٹپکاتی ہے جس کی پاداش میں برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور اگر اس کا اور کچھ بس نہ چلے تو چھت پر چڑھ کر کھانے وغیرہ پر بیٹ کرتی ہے پس یہ حکم اس کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی ذات میں خباثت پائی جاتی ہے اور جس چیز میں خباثت پائی جائے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ جلدی مار دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْحَيَّاتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَاقْتُلُوا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ فَإِنَّهُمَا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ وَيُسْقِطَانِ الْحَبَلَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي لُبَابَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ قَتْلِ جِنَانِ الْبُيُوتِ وَهِيَ الْعَوَامِرُ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ أَيْضًا و قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ إِنَّمَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَيَّاتِ قَتْلُ الْحَيَّةِ الَّتِي تَكُونُ دَقِيقَةً كَأَنَّهَا فِضَّةٌ وَلَا تَلْتَوِي فِي مِشْيَتِهَا

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سانپوں کو قتل کرو اس سانپ کو بھی قتل کر دو جسکی پشت پر سیاہ نقطے ہوتے ہیں اسی طرح چھوٹی دم والے سانپ کو بھی قتل کرو کیونکہ یہ دونوں بینائی کو زائل کرتے اور حمل کو گرا دیتے ہیں۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ، ابو ہریرہ اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت ابن عمر ابولبابہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتلے پتلے سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا جو گھروں میں رہتے ہیں۔ انہیں عوامر کہا جاتا ہے۔ بواسطہ ابن عمرؓ، حضرت زید بن خطابؓ سے بھی روایت مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ان سانپوں کو مارنا مکروہ ہے جو پتلے ہوں چاندی کی طرح چمکتے ہوں اور چلنے میں بل نہ کھاتے ہوں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

ھناد، عبدہ، عبیداللہ بن عمر، صیفی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے گھروں میں گھریلو سانپ رہتے ہیں۔

لِبُيُوتِكُمْ عُمَّارًا فَحَرِّجُوا عَلَيْهِنَّ ثَلَاثًا فَإِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَاقْتُلُوهُ هٰكَذَا رَوَى عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي السَّائِبِ مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنْ صَيْفِيٍّ نَحْوَ رِوَايَةِ مَالِكٍ

انہیں تین مرتبہ متنبہ کرو اور اگر اس کے بعد بھی نظر آئیں تو انہیں قتل کر دو۔ عبیداللہ بن عمرؓ، صیفی سے اور وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث اسی طرح نقل کرتے ہیں مالک بن انس بھی صیفی سے وہ ہشام بن زہرہ کے مولیٰ ابوسائب سے اور وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔ ہم سے یہ حدیث روایت کی انصاری نے انہوں نے معن سے انہوں نے کہا ہم سے روایت کی مالک نے۔ یہ روایت عبیداللہ بن عمر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے محمد بن عجلان بھی صیفی سے مالک کی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ أَبُو لَيْلَى قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُولُوا لَهَا إِنَّا نَسْأَلُكِ بِعَهْدِ نُوحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ أَنْ لَا تُؤْذِينَا فَإِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى

ھناد، ابن ابی زائدہ، ابن ابی لیلیٰ، ثابت بنانی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حضرت ابولیلیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے گھر میں سانپ نظر آ جائے تو اس سے کہو کہ ہم تجھ سے حضرت نوحؑ اور سلیمان بن داؤدؑ کے عہد کا واسطہ دے کر یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں اذیت نہ پہنچا۔ اگر وہ اس کے بعد بھی نظر آئے تو اسے قتل کر دو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو ثابت بنانی کی روایت سے صرف ابن ابی لیلیٰ کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: ذوالطفیتین دو دھاری والے اور ابتر (دم کٹے) کو ضرور مار ڈالو اور ذوالطفیتین وہ سانپ ہیں جن کے سر پر دو لکیریں سی ہوتی ہیں ان میں یہ نشانی ہوتی ہے ان میں زہر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی اس پر نگاہ پڑ جائے تو بینائی ختم ہو جاتی ہے اگر وہ حاملہ عورت کی طرف دیکھ لے تو اس کا حمل گر جاتا ہے یہ ان کی تاثیر ہے۔

عوامر عامرؓ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں آباد کرنے والا یہ ایک قسم کا سانپ ہوتا ہے جو مدینہ منورہ کے گھروں میں پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو مارنے سے منع کیا کیونکہ ان کی شکلوں میں جنات بھی ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ان کی نشانی یہ بتلائی ہے کہ وہ باریک ہوتے ہیں اور ان کا رنگ چاندی جیسا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے سانپ چلتے وقت بل نہیں کھاتے بلکہ سیدھے چلتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے سانپ سے اس وقت عہد لیا تھا جب انہوں نے اپنی کشتی میں حیوانات کو داخل کیا تھا۔

أَنْ لَا تُؤْذِيْنَا: ترکیبی احتمال میں دو قول ہیں ① ان مصدریہ اور لا نافیہ ہو ② ان تفسیر یہ ہو تو اس صورت میں لا نہی کا ہوگا۔
''حیاۃ الحیوان'' میں سانپ کے متعلق عجیب باتیں لکھی ہوئی ہیں کہ یہ ننگے آدمی کو دیکھ کر بھاگ جاتا ہے اس کی آنکھ نکل جائے تو دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اسکا دانت گر جائے تو تین دن کے بعد پیدا ہو جاتا ہے اس کو آگ بہت پسند ہے، یہ آگ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے، دودھ کو پسند کرتا ہے جب یہ اندھا ہو جاتا ہے تو خاص قسم کی جڑی بوٹی راز یانج کو تلاش کرتا ہے اس سے اسکی نظر ٹھیک ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ)

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ: اس حدیث میں قصہ ہے وہ قصہ یہ ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر ایک نوجوان گھر آیا تو دیکھا کہ میری اہلیہ دروازے پر کھڑی ہے اس نے برداشت نہیں کیا اسکے پاس نیزہ تھا اس نے نیزہ سیدھا کیا تو بیوی نے کہا کہ حملہ کرنے سے پہلے میری بات تو سنو کہ دیکھو گھر میں کیا ہے۔ اس نے اندر دیکھا تو بہت بڑا اژدھا ہے نوجوان نے اس پر حملہ کیا اس طور پر کہ سانپ نے اسکو لپیٹ لیا۔ راوی کہتے ہیں ہمیں پتہ نہیں چلا کہ وہ نوجوان پہلے مرا یا سانپ پہلے مرا۔ حدیث میں اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْكِلَابِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ مَنْصُورُ بْنُ زَاذَانَ وَيُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيمٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَأَبِي رَافِعٍ وَأَبِي أَيُّوبَ حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوَى فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ أَنَّ الْكَلْبَ الْأَسْوَدَ الْبَهِيمَ شَيْطَانٌ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ الْبَهِيمُ الَّذِي لَا يَكُونُ فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْبَيَاضِ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ صَيْدَ الْكَلْبِ الْأَسْوَدِ الْبَهِيمِ

احمد بن منیع، ہشیم، منصور بن زاذان، یونس، حسن، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی امتوں میں سے ایک امت (گروہ) نہ ہوتے تو میں ان سب کے قتل کا حکم دیتا۔ لیکن ہر کالے سیاہ کتے کو قتل کردو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، جابر، ابو رافع، ابو ایوب رضی اللہ عنہم نے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض روایات میں ہے کہ خالص سیاہ رنگ کا کتا شیطان ہے یعنی جس میں بالکل سفیدی نہ ہو۔ بعض اہل علم نے خالص کالے رنگ کے کتے کے شکار کردہ جانور کو مکروہ کہا ہے۔

تشریح: أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ: گروہوں میں سے ایک گروہ۔ گویا اس سے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ مقصود ہے ''ومامن دابة فی الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم'' (الانعام:۳۸) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان ایک امت اور ایک جنس ہیں اسی طرح جانور بھی ایک امت اور ایک جنس ہیں خواہ وہ زمین پر چلنے والے ہوں یا فضا میں اڑنے والے ہوں لہٰذا مخلوق خداوندی میں جتنے گروہ اور جتنی جماعتیں ہیں ان میں ایک گروہ اور امت کتے بھی ہیں اور کسی امت کے گروہ کو فنا کر دینا اللہ کی اُس حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے جو ہر جاندار کی تخلیق میں کارفرما ہے لہٰذا بے ضرر کتوں کو قتل نہ

کیا جائے اور ضرر والے کتوں بالخصوص دیوانے کتوں کا قتل ضروری ہے اور بلا ضرورت کتوں کا پالنا ممنوع ہے۔

بہیم ایسے کالے بھجنگے کتے کو کہتے ہیں جس میں ذرہ برابر سفیدی نہ ہو اس کو مارنے کا حکم دیا گیا بعض فقہاء کرام تو ایسے سیاہ کتے کے شکار کو بھی جائز نہیں کہتے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا مَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا أَوِ اتَّخَذَ كَلْبًا لَيْسَ بِضَارٍ وَلَا كَلْبَ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَسُفْيَانَ بْنِ أَبِي زُهَيْرٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کرنے والے کتے کے علاوہ کتا پالا اس کے ثواب میں سے ہر روز دو قیراط کم کئے جاتے ہیں۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مغفل، ابوہریرہ اور سفیان بن ابوزہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے نبی اکرم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یا پھر کھیتی کی حفاظت والا کتا (یعنی اس کا پالنا بھی جائز ہے)۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ قَالَ قِيلَ لَهُ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ أَوْ كَلْبَ زَرْعٍ فَقَالَ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ لَهُ زَرْعٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتوں اور جانوروں کی حفاظت کیلئے رکھے جانے والے کتوں کے علاوہ سب کتوں کو مارنے کا حکم دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ ابوہریرہ کھیت کے کتے کا بھی استثناء کرتے ہیں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا اسلئے کہ ابوہریرہ کے کھیت تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوٰى عَنْ عَطَاءِ

حسن بن علی حلوانی، عبدالرزاق، معمر، زہری، ابی سلمہ بن عبدالرحمن، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کتا پالتا ہے اس کے اجر میں سے روزانہ ایک قیراط کم ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ کتا جانوروں یا کھیتی باڑی کی حفاظت کیلئے نہ ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ

بْنِ أَبِي رَبَاحٍ أَنَّهُ رَخَّصَ فِي إِمْسَاكِ الْكَلْبِ وَإِنْ كَانَ لِلرَّجُلِ شَاةٌ وَاحِدَةٌ حَدَّثَنَا بِذَلِكَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ بِهٰذَا

انہوں نے اس شخص کو بھی کتا پالنے کی اجازت دی ہے جس کے پاس ایک بکری ہو۔ اسحاق بن منصور، حجاج بن محمد، ابن جریج، عطاء یہ حدیث اسحاق بن منصور، حجاج بن محمد سے وہ ابن جریج سے اور وہ عطاء سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ إِنِّي لَمِمَّنْ يَرْفَعُ أَغْصَانَ الشَّجَرَةِ عَنْ وَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا فَاقْتُلُوا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيمٍ وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُونَ كَلْبًا إِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبید بن اسباط بن محمد قرشی، اعمش، اسماعیل بن مسلم، حسن، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے خطبہ دیتے وقت آپ ﷺ کے چہرے سے درخت کی ٹہنیاں اٹھا رکھی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو انہیں ہلاک کرنے کا حکم دے دیتا۔ لہٰذا تم کالے سیاہ کتے کو قتل کردو۔ کوئی گھر والے ایسے نہیں کہ وہ کتا باندھ کر رکھیں اور انکے اجر میں سے روزانہ ایک قیراط کم نہ ہوتا ہو۔ لیکن کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کیلئے یا شکاری کتے کی اجازت ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اور کئی سندوں سے حسن سے ہی منقول ہے وہ عبداللہ بن مغفلؓ سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے شکاری اور مویشی کی حفاظت کے کتے کو مستثنیٰ کر کے سب کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کھیتی کے کتے کا بھی استثناء کرتے ہیں۔ آپؓ فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس کھیتی ہے۔

یعنی مویشی کی حفاظت کے ساتھ ساتھ کھیتی کی حفاظت کے لئے کتے کے رکھنے کا استثناء کیا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ کو کہا گیا کہ آپ تو کلب زرع کا استثناء نہیں کرتے اور حضرت ابو ہریرہؓ کلب زرع کا استثناء کرتے ہیں۔

ملحدین کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ چونکہ کھیتی باڑی والے تھے اپنی ضرورت تھی اس لئے اس کا استثناء کرلیا گویا حضرت ابن عمرؓ نے ان پر طعن کیا کہ انہوں نے اپنی ضرورت کی وجہ سے ایسا کہا۔ حالانکہ حضرت ابن عمرؓ کا ان پر طعن کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ خود کھیتی باڑی میں مبتلا تھے۔ اس لئے انہیں رسول کریم ﷺ کا ایسے کتے کا استثناء یاد ہے اور ہم چونکہ کھیتی باڑی میں مبتلا نہیں اس لئے ہمیں رسول کریم ﷺ کا ایسے کتے کا استثناء یاد نہیں۔

بہر حال طعن مقصود نہیں تھا بلکہ یاد رہنے اور نہ رہنے کی بات بتلا رہے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو ضرورت تھی اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور ہمیں ضرورت نہ تھی اس لئے نہ ہم نے سوال کیا اور

نہ ہی آپ ﷺ نے ہمارے سامنے اس کے استثناء کو بیان فرمایا۔

سوال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہاں کاشتکاری کرتے تھے وہ تو اصحاب صفہ میں سے تھے اگر کاشتکار ہوتے تو ان کی وہ حالت کیسے بیان کی جاتی ہے کہ وہ بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔

جواب اوّل: یہ واقعہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ پہلے یہ اپنے قبیلہ دوس میں رہتے تھے وہاں کاشتکاری کرتے تھے۔

جواب ثانی: یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ دوس کے لئے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی نیز اتخذ اور اقتنی دونوں کا معنی ایک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّكَاةِ بِالْقَصَبِ وَغَيْرِهِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ مَا لَمْ يَكُنْ سِنًّا أَوْ ظُفُرًا وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کل دشمن سے مقابلہ کریں گے اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے (یعنی جانور ذبح کرنے کے لئے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو کھالو جب تک دانت یا ناخن نہ ہوں۔ عنقریب میں اس کے بارے میں تمہیں بیان کروں گا، دانت (اس لئے کہ) ہڈی ہیں اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ عَبَايَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَبَايَةُ عَنْ أَبِيهِ وَهٰذَا أَصَحُّ وَعَبَايَةُ قَدْ سَمِعَ مِنْ رَافِعٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ أَنْ يُذَكّٰى بِسِنٍّ وَلَا بِعَظْمٍ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، سفیان ثوری، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس کے ہم معنی حدیث بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس حدیث میں عبایہ کے بعد انکے والد کا ذکر نہیں۔ اور یہ اصح ہے اور عبایہ کو رافع سے سماع حاصل ہے۔ اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ ہڈی اور دانت سے ذبح کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

تشریح: ہر وہ چیز جس کے ساتھ جانور کو ذبح کیا جائے اور جانور کی کھال کٹ جائے اور خون بہہ جائے اور اس جانور کی رگیں بھی کٹ جائیں تو وہ جانور حلال ہے کاٹنے والی چیز خواہ تیز دھاری لکڑی ہو یا پتھر یا بانس۔ ہاں ناخن اور دانت سے ذبح کرنا درست نہیں۔ حدیث میں لفظ مدیٰ کا ذکر ہے اس کا معنی ہے چھریاں یہ مدیہ کی جمع ہے اس کو چھری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ جانور کی عمر کو ختم کر دیتی ہے اور مدی عمر کو کہتے ہیں اس لئے اس آلہ کا نام بھی مدی رکھا گیا ہے۔

مَا لَمْ يَكُنْ سِنًّا أَوْ ظُفُرًا: یہ دونوں مرفوع ہوں تو کان تامہ ہوگا اور اگر منصوب ہوں تو کان ناقصہ ہوگا۔ ان دونوں چیزوں سے ذبح کی ممانعت اس لئے ہے کہ دانت ہڈی ہے اور ہڈی کے ذریعے ذبح حلال نہیں ہے کیونکہ اس کے ساتھ ذبح کرنے کی وجہ سے ہڈی متاثر ہوگی تو اس سے جنات کی غذا متاثر ہوگی اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں اور حبشہ کے رہنے والے اس وقت کافر تھے اور کافروں کے ساتھ مشابہت جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: سن اور ظفر کے ساتھ ذبح کی کیا حیثیت ہے؟

اس بات پر تو اجماع ہے کہ اگر یہ قائم فی محلہ ہوں تو مذبوحہ حرام ہوگا۔ منخنقہ میں داخل ہونے کی وجہ سے، کیونکہ وہ دباؤ کی وجہ سے مرے گا اگر قائم فی محلہ نہ ہوں بلکہ منفصل فی محلہ ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ کیا یہ ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حلال ہوگا مع الکراھۃ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سرے سے حلال ہی نہیں ہوگا۔ اور مالکیہ کی روایات مختلف ہیں اور یہ روایت بظاہر شوافع کی دلیل ہے۔

یہ حدیث محمول ہے اس صورت پر کہ جب یہ متصل فی محلہ ہوں اور اگر منفصل عن محلہ ہوں تو جواز مع الکراہت ہے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فَافْعَلُوا بِهِ هَكَذَا حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَبَايَةَ عَنْ أَبِيهِ وَهَذَا أَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهَكَذَا رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ نَحْوَ رِوَايَةِ سُفْيَانَ.

حضرت رافعؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ ایک اونٹ بھاگ گیا۔ ہمارے پاس گھوڑے بھی نہیں تھے کہ اسے پکڑ سکیں۔ پس ایک شخص نے تیر چلایا تو اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو روک دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان چوپایوں میں سے بعض وحشی جانوروں کی طرح بھگوڑے ہوتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی جانور اس طرح کرے تو تم بھی اسکے ساتھ ایسا ہی کرو۔ (یعنی اسے تیر مار دیا جس طرح قابو پایا جاسکے)

ہم سے روایت کی محمود بن غیلان نے وکیع سے انہوں نے سفیان سے وہ اپنے والد سے، وہ عبایہ بن رفاعہ سے وہ اپنے دادا رافع بن خدیج سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں لیکن اس میں عبایہ کی ان کے والد سے روایت کا ذکر نہیں کرتے۔ یہی زیادہ صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے شعبہ بھی یہ حدیث سعید بن مسروق سے اور وہ سفیان سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

تشریح: مانوس جانوروں میں سے اگر کوئی جانور بدک جائے یعنی وحشی بن جائے اور اس کو پکڑنے اور ذبح کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی ہو یا وہ کہیں کنویں میں یا کھائی میں گر جائے اور اسکو ذبح کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ جانور وحشی کہلائے گا اور اس کیلئے ذبح اضطراری کفایت کر جائے گا جیسا کہ وحشی جانوروں میں ذبح اضطراری کفایت کر جاتا ہے اسی کو بتلانے کیلئے امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا۔

اس کے لئے ذبح اضطراری یہ ہے کہ اس کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا جائے گا اور اس کو زخمی کیا جائے گا پھر جب وہ گر جائے تو ذبح کر دیا جائے اسی طرح کنویں یا کھائی میں گرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھ کر تیر امارا جائے وہ زخمی ہو جائے، پھر جب وہ مر جائے تو اس کو کاٹ کر نکالا جائے وہ حلال ہے۔

اور اگر کوئی وحشی جانور مانوس ہو جائے یا اس پر قابو پالیا جائے تو اس سے بھی ذبح اضطراری ختم ہو جائے گا اور ذبح اختیاری ضروری ہو گا جیسا کہ کسی نے نیل گائے کو پکڑ لیا تو پھر ذبح اختیاری ضروری ہو گا۔

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا اور بھاگنا شروع کر دیا اور ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں تھے کہ ان پر سوار ہو کر بھاگتے ہوئے اونٹ کو پکڑا جائے پس ایک شخص نے اس پر تیر پھینکا تیر لگنے کی وجہ سے وہ مر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان چوپایوں میں سے بھی بعض سرکش ہیں جیسے وحشی جانوروں میں بعض سرکش ہیں جو ایسا کرے ان کے ساتھ ایسا کرو۔

سند پر کلام: کیا سند میں عن ابیہ کا واسطہ ہے یا نہیں؟ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ عن ابیہ کا واسطہ نہ ہو۔

✱○✱○✱

أَبْوَابُ الْأَضَاحِيِّ

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْأُضْحِيَّةِ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِيْنِيُّ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ الصَّائِغُ عَنْ أَبِي الْمُثَنَّى عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ إِنَّهَا لَتَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ مِنَ الْأَرْضِ فَطِيبُوا بِهَا نَفْسًا وَفِي الْبَاب عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو الْمُثَنَّى اسْمُهُ سُلَيْمَانُ بْنُ يَزِيدَ رَوَى عَنْهُ ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ وَيُرْوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْأُضْحِيَّةِ لِصَاحِبِهَا بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ وَيُرْوَى بِقُرُونِهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یوم نحر (دس ذوالحجہ) کو اللہ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں (یعنی قربانی سے) قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام قبولیت حاصل کر لیتا ہے پس دل کی خوشی سے قربانی کیا کرو۔ اس باب میں حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے ہشام بن عروہ کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ابو مثنی کا نام سلیمان بن یزید ہے ان سے ابن ابی فدیک روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ قربانی کرنیوالے جانور کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی دی جاتی ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہر سینگ کے بدلے نیکی ہے۔

تشریح: پہلے ان جانوروں کا ذکر تھا جن کا ذبح کرنا جائز اور مباح تھا لیکن عبادت نہیں تھا اب ان جانوروں کا ذکر ہے جن کا ذبح کرنا عبادت بھی ہے۔ **قربانی کا حکم:** قربانی واجب ہے یا سنت؟

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اضحیہ کرنا سنت ہے واجب نہیں۔

قول ثانی: ائمہ احناف کے نزدیک صاحب استطاعت مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قول ثالث: امام طحاویؒ کا قول ہے کہ قربانی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' **اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی** ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو ارادہ پر معلق کیا اور تعلیق وجوب کے منافی ہے۔

جواب: لفظ اراد کے اطلاق سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی اور جن روایات میں قربانی پر سنت کا اطلاق ہوا ہے وہ اصطلاحی سنت نہیں ہے بلکہ سنت کو طریقہ کے معنی میں لیا گیا ہے جو وجوب کے منافی نہیں۔

دلیل ثانی: بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یا دو سال قربانی نہیں کی اگر قربانی واجب ہوتی تو یہ حضرات قربانی کو ترک نہ کرتے۔

جواب: حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس مذکورہ سالوں میں نصاب کے برابر مال نہیں ہوا ہوگا اس لئے انہوں نے قربانی نہیں کی۔

دلیل ثالث: وہ احادیث جن میں قربانی پر سنت کا اطلاق ہوا ہے جیسا کہ حدیث میں آرہا ہے **سنة ابیکم ابراهیم** اس میں بھی سنت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ **جواب:** یہاں سنت واجب کے مقابلے میں نہیں بلکہ سنت سے مراد طریقہ سلوکہ فی الدین ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک میں آیت ہے'' **فصل لربّك وانحر** '' یہاں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور یہاں پر قرینہ صارفہ موجود نہیں ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' **انه علیه السلام قال من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا** '' اس قسم کی وعید ترک وجوب پر ہی ہوتی ہے۔

دلیل ثالث: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ '' **من کان ذبح قبل أن یصلی او نصلی فلیذبح مکانها الاخری** '' اگر قربانی واجب نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے ذبح کی جانے والی قربانی کے اعادہ کا حکم نہ دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعادہ کا حکم دینا وجوب قربانی کی دلیل ہے بشرطیکہ نصاب کا مالک ہو۔

دلیل رابع: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے،'' **قال اقام رسول الله صلی الله علیه وسلم بالمدینة عشر سنین یضحی** '' یہ حدیث بھی وجوب قربانی کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں مواظبت کے ساتھ قربانی کی۔

یوم النحر سے مراد دسویں ذی الحجہ ہے۔ اس کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے اس لئے اس کی تخصیص کی ورنہ کوئی حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ گیارہویں ذی الحجہ بھی یوم النحر ہے اور بارہویں ذی الحجہ بھی یوم النحر ہے۔

إِنَّهَا لَتَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَأَشْعَارِهَا: یعنی جن اشیاء کو ہم ناکارہ سمجھتے ہیں قربانی کے جانور کی مذکورہ اشیاء پر بھی ثواب ملے گا اور جانور ہمارے ہاں اہم ہیں، ان پر تو بطریق اولیٰ ثواب ملے گا۔ پس خوش دلی کے ساتھ قربانی کرنے کے بارے میں آگے حدیث آرہی ہے کہ قربانی کرنے والے کے لئے اضحیہ کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأُضْحِيَةِ بِكَبْشَيْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِي أَيُّوبَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي رَافِعٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي بَكْرَةَ أَيْضًا وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي الْحَسْنَاءِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ أَمَرَنِي بِهِ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُضَحّٰى عَنِ الْمَيِّتِ وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُضَحّٰى عَنْهُ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُتَصَدَّقَ عَنْهُ وَلَا يُضَحّٰى عَنْهُ وَإِنْ ضَحّٰى فَلَا يَأْكُلُ مِنْهَا شَيْئًا وَيَتَصَدَّقُ بِهَا كُلِّهَا.

نے دو مینڈھوں کی قربانی کی جن کے سینگ تھے اور ان کا رنگ سفید وسیاہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذبح کرتے وقت تکبیر (بِسْمِ اللّٰهِ ، اللّٰهُ أَكْبَرُ) کہی اور اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھا۔ اس باب میں حضرت علی، عائشہ، ابوہریرہ، جابر، ابوایوب، ابودرداء، ابورافع، ابن عمر اور ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا ہے پس میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف شریک کی روایت سے جانتے ہیں۔ بعض اہل علم میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جب کہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک میت کی طرف سے صدقہ دینا زیادہ افضل ہے اور میت کی طرف سے قربانی نہ کی جائے۔ اور اگر میت کی طرف سے قربانی کرے تو اس میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ پورا گوشت صدقہ کردے۔

تشریح: دو دنبے حضور ﷺ نے قربانی کئے جو سینگوں والے تھے اور سیاہ وسفید تھے۔ سَمّٰى و كَبَّرَ میں واو مطلق جمع کیلئے ہے ترتیب کیلئے نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے قربانی کرنا جائز ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ایصال ثواب برحق ہے۔

مسئلہ: میت کی جانب سے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جمہور حضرات کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ وہ مال صدقہ کردے لیکن اگر قربانی کردی تو تب بھی جائز ہے۔ البتہ اس صورت میں وہ خود نہیں کھا سکتا بلکہ صدقہ کردے۔

احناف کہتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر میت نے وصیت کی ہو تو پھر میت کی طرف سے قربانی کا سارا گوشت صدقہ کردے اور اگر میت نے قربانی کی وصیت نہیں کی بلکہ یہ اپنی طرف سے کر رہا ہے تو میت کی طرف سے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔

باب کی حدیث کی مزید تفصیل ترجمہ سے واضح ہے۔

سند پر کلام: باب کی دوسری حدیث ضعیف ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوالحسناء مجہول راوی ہے۔ اور دوسرا ضعف یہ ہے

کہ اس میں راوی حنش ہے یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے اسی وجہ سے غیر مقلدین اس حدیث کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ضعیف روایت موضوع کے برابر ہوتی ہے مگر ان کے علاوہ ائمہ کرام کے نزدیک ضعیف حدیث قابل استدلال ہوتی ہے۔ اس لئے فقہاء کرام اس حدیث کی بنیاد پر ایصال ثواب کے لئے قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَضَاحِيِّ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيلٍ يَأْكُلُ فِي سَوَادٍ وَيَمْشِي فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ

ابوسعید اشج، حفص بن غیاث، جعفر بن محمد، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی جو نر تھا، اس کا منہ، چاروں پیر اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف حفص بن غیاث کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: کبش کسی بھی عمر کے مذکر مینڈھے کو کہتے ہیں اس کی مؤنث کو ضان کہتے ہیں اگر اس کی دم گول چکی کی طرح ہو تو اس کو دنبہ کہتے ہیں عربی میں اس کو خروف کہتے ہیں۔ فحیل اس کو کہتے ہیں جس کو خصی نہ کیا گیا ہو خصی بکرے کی قربانی جائز ہے بلکہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے۔

حدیث الباب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مینڈھا قربانی کیا جس کا منہ، پیر اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور باقی بدن پر سفیدی تھی ایسا بکرا اتفاق ہی سے ملتا ہے اگر کسی خوش نصیب کو مل جائے تو کیا خوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا مینڈھا اتفاقاً آیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد نہیں خریدا تھا اس لئے جیسا مینڈھا مل جائے اس میں کوئی عیب وغیرہ نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ حدیث کی بناء پر ایسے مینڈھے کی قید نہیں لگائی جا سکتی بلکہ ایسے مینڈھے کی قربانی جو فربہ اور خوبصورت ہو مستحب ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جس جانور کا گوشت عمدہ ہو اور موٹا ہو اس کی قربانی مستحب ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر غیر خصی جانور کی قربانی کی اور بعض موقعوں پر خصی جانور کی قربانی کی۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ الْأَضَاحِيِّ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ فَيْرُوزَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَفَعَهُ قَالَ لَا يُضَحّٰى بِالْعَرْجَاءِ بَيِّنٌ ظَلَعُهَا وَلَا بِالْعَوْرَاءِ بَيِّنٌ

علی بن حجر، جریر، محمد بن اسحاق، یزید بن ابی حبیب، سلیمان بن عبدالرحمن، عبید بن فیروز، حضرت براء بن عازبؓ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ ایسے لنگڑے جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسے کانے جانور کی جس کا کانا پن ظاہر ہو قربانی نہ کی جائے۔ اسی طرح مریض اور بالکل کمزور جانور کی بھی قربانی نہ

عَوَرُهَا وَلَا بِالْمَرِيضَةِ بَيِّنٌ مَرَضُهَا وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِي لَا تُنْقِي

کی جائے جس کا مرض ظاہر ہو یا دوسری صورت میں اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ فَيْرُوزَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ بْنِ فَيْرُوزَ عَنِ الْبَرَاءِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ہناد ابوزائدہ سے وہ شعبہ سے وہ سلیمان بن عبدالرحمن سے وہ عبید بن فیروز سے وہ براءؓ سے وہ نبی اکرم ﷺ سے اسی کی ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عبید بن فیروز کی روایت سے جانتے ہیں۔ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔

تشریح: **بِالْعَرْجَاءِ:** لنگڑا پن کے شکار جانور کو کہتے ہیں اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جو اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہو چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو یا چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں وہ واضح طور پر لنگڑا ہے البتہ وہ جانور جو لنگڑا پاؤں زمین پر ٹیک لگا کر چلتا ہو اور چلتے وقت اس سے سہارا لیتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ یہ واضح لنگڑا نہیں ہے۔

بِالْعَوْرَاءِ: ایسا جانور جو کانا ہو یعنی جس جانور کی آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی چلی گئی ہو تو اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

وَلَا بِالْمَرِيضَةِ بَيِّنٌ مَرَضُهَا وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِي لَا تُنْقِي: وہ جانور جس کی بیماری واضح ہو اور وہ گھاس نہ کھاتا ہو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِي لَا تُنْقِي: عجفاء کہتے ہیں ''ای لا مخ لها من العجف'' وہ جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو یعنی ایسا جانور جو بیماری کی وجہ سے سوکھ کر دبلا ہو گیا ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ یہ اپنے پیروں کے بل کھڑا نہیں ہو سکتا اس کی قربانی درست نہیں۔

حدیث الباب میں سینگ کا ذکر نہیں ہے جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے اکھڑ گیا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اگر اس جانور کے سینگ کے اوپر سے خول اتر گیا ہو یا سینگ ٹوٹ گئے ہوں یا اس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْأَضَاحِيِّ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ وَأَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ

حسن بن علی حلوانی، یزید بن ھارون، شریک بن عبداللہ، ابی اسحاق، شریح بن نعمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیں تا کہ کوئی نقص نہ ہو اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کے کان آگے یا پیچھے سے کٹے ہوئے ہوں یا پھٹے ہوئے ہوں یا ان میں سوراخ ہو۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَزَادَ قَالَ الْمُقَابَلَةُ مَا قُطِعَ طَرَفُ أُذُنِهَا وَالْمُدَابَرَةُ مَا قُطِعَ مِنْ جَانِبِ الْأُذُنِ وَالشَّرْقَاءُ الْمَشْقُوقَةُ وَالْخَرْقَاءُ الْمَثْقُوبَةُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَشُرَيْحُ بْنُ النُّعْمَانِ الصَّائِدِيُّ كُوفِيٌّ وَشُرَيْحُ بْنُ الْحَارِثِ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِي الْقَاضِي يُكَنّٰى أَبَا أُمَيَّةَ وَشُرَيْحُ بْنُ هَانِئٍ كُوفِيٌّ وَ هَانِئٌ لَهُ صُحْبَةٌ وَكُلُّهُمْ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ

حسن بن علی، عبیداللہ بن موسیٰ، اسرائیل، ابی اسحاق، شریح بن نعمان، حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں لیکن اس میں یہ اضافہ ہے (کہ راوی نے کہا) مقابلہ وہ جانور ہے جس کا کان کنارے سے کٹا ہوا ہو مدابرہ وہ ہے جس کے کان کو پچھلی طرف سے کاٹا گیا ہو۔ شرقاء وہ ہے جس کا کان پھٹا ہوا ہو اور خرقاء وہ ہے جس کے کان میں سوراخ ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے شریح بن نعمان صائدی کوفی ہیں اور شریح بن حارث کندی کوفی ہیں اور قاضی ہیں۔ ان کی کنیت ابوامیہ ہے۔ شریح بن ہانی کوفی ہیں۔ اور ہانی کو شرف صحبت حاصل ہے (یعنی صحابی ہیں) یہ تینوں حضرات ایک ہی زمانے کے حضرت علیؓ کے اصحاب ہیں۔

تشریح: اس باب میں ان جانوروں کا ذکر ہے جن کی قربانی مکروہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھوں اور کانوں کو غور سے دیکھیں۔ حدیث کی وضاحت خود امام ترمذی نے کر دی ہے۔

بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ

بِمُقَابَلَةٍ: ماقطع طرف اذنها جس کا کان اگلی جانب سے کٹا ہوا ہو اور لٹک رہا ہو۔

وَلَا مُدَابَرَةٍ: ماقطع من جانب الاذن جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور لٹک رہا ہو۔

وَلَا شَرْقَاءَ: المشقوقة جس کا کان طولاً کٹا ہوا ہو یا پھٹا ہوا ہو۔

وَلَا خَرْقَاءَ: المثقوبة: جسکے کان میں گول سوراخ ہو۔ بعض نے کہا کہ جو عرضاً پھٹا ہوا ہو اس قسم کے عیوب کو دیکھیں گے کہ اگر عیب یسیر (تھوڑا) ہے تو پھر کوئی مانع نہیں ہے قابل برداشت ہے اور اگر عیب کثیر ہے تو قابل برداشت نہ ہونے سے قربانی سے مانع ہے۔

عیب کثیر اور قلیل کے درمیان فرق ہے: ① ثلث یا مافوق الثلث کثیر ہے اور مادون الثلث یسیر (قلیل) ہے۔ ② ربع اور مافوق الربع کثیر ہے اور مادون الربع یسیر ہے۔ ③ نصف اور مافوق النصف کثیر ہے۔ اور مادون النصف یسیر ہے۔ راوی حدیث شریح بن نعمان ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ شریح کل تین ہیں۔ ① شریح بن نعمان ساعدی کوفی۔ ② شریح بن الحارث ان کی نسبت کندی ہے یہ کوفہ میں علاقہ ہے۔ یہ قاضی بھی ہیں اور ان کی کنیت ابوالیسر ہے۔ ③ شریح بن ھانی یہ بھی کوفی ہیں البتہ ان کے والد ھانی صحابی ہیں۔ ان تینوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ تینوں اصحاب علیؓ (حضرت علیؓ کے شاگردوں) میں سے ہیں اور ایک ہی زمانے کے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَذَعِ مِنَ الضَّأْنِ فِي الْأَضَاحِيِّ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا

حضرت ابوکباش کہتے ہیں کہ میں چھ چھ ماہ کے دنبے مدینہ

عُثْمَانُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ كِدَامِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي كِبَاشٍ قَالَ جَلَبْتُ غَنَمًا جُذْعَانًا إِلَى الْمَدِينَةِ فَكَسَدَتْ عَلَيَّ فَلَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نِعْمَ أَوْ نِعْمَتِ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ قَالَ فَانْتَهَبَهُ النَّاسُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ بِلَالٍ بِنْتِ هِلَالٍ عَنْ أَبِيهَا وَجَابِرٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفًا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْجَذَعَ مِنَ الضَّأْنِ يُجْزِئُ فِي الْأُضْحِيَّةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا فِي أَصْحَابِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ أَوْ جَدْيٌ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهِ أَنْتَ قَالَ وَكِيعٌ الْجَذَعُ يَكُونُ ابْنَ سَبْعَةِ أَوْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الضَّحَايَا فَبَقِيَتْ جَذَعَةٌ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهَا أَنْتَ

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَأَبُو دَاوُدَ قَالَا حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ بَعْجَةَ

منورہ قربانی کے موقع پر فروخت کرنے کے لئے لے گیا لیکن وہ نہ بک سکے۔ پھر اچانک میری ملاقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوگئی تو میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ بہترین قربانی چھ ماہ کی بھیڑ کی ہے۔ ابوکباش کہتے ہیں (یہ سن کر) لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔ راوی کو شک ہے کہ ''نعم'' فرمایا یا ''نعمت'' دونوں کے معنی ایک ہیں اس باب میں حضرت ابن عباس، ام بلال بنت ہلال (یہ اپنے والد سے نقل کرتی ہیں) جابر، عقبہ بن عامر ایک اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابوہریرہؓ ہی سے موقوفاً بھی منقول ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم حضرات کا اس حدیث پر عمل ہے کہ چھ ماہ کی بھیڑ کی قربانی درست ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بکریاں دیں کہ انہیں صحابہ میں قربانی کے لئے بانٹ دیں ان میں سے ایک بکری باقی رہ گئی جو عتود یا جدی تھی (یعنی ایک سال کی تھی یا چھ ماہ کا بچہ تھا) میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم خود اس کی قربانی کرلو حضرت وکیع نے فرمایا کہ جذعہ (دنبہ کا) چھ یا سات ماہ کا بچہ ہوتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث اسکے علاوہ اور سند سے بھی حضرت عقبہ بن عامرؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے جانور تقسیم کئے تو ایک جذعہ باقی رہ گیا۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم خود اس کی قربانی کرو۔

عقبہ بن عامر ہم سے یہ حدیث محمد بن بشار نے یزید بن ہارون اور ابوداؤد سے بیان کی یہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم سے ہشام دستوائی نے بواسطہ یحییٰ بن کثیر، بعجہ بن عبداللہ بن بدر انہوں

بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَدْرٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ .

نے عقبہ بن عامر سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

تشریح: جذع الضان بھیڑ ہو یا دنبہ ہو جس کی عمر چھ مہینے پوری ہو اور سال سے کم ہو تو اس کی قربانی جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال والے بکرے کے برابر معلوم ہوتا ہو۔

اگر جذع من المعز ہو یعنی بکری کا بچہ ہو جس کی عمر سال سے کم ہو اور چھ ماہ پوری ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے باقی جہاں کہیں حدیث میں جواز آیا ہے تو یہ اس صحابی کی خصوصیت ہے اور جذع من الضان کی قربانی ساری امت کے لئے جائز ہے۔ نیز غنم کا اطلاق بھیڑ بکری دونوں پر ہوتا ہے۔ ضان کا اطلاق بھیڑ، دنبہ پر ہوتا ہے اور معز کا اطلاق صرف بکری پر ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے باب کے شروع میں حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابو کباش کہتے ہیں کہ میں بھیڑوں کے چھوٹے چھوٹے بچے مدینہ منورہ میں قربانی کے لئے تجارت کی غرض سے لایا تھا لوگوں نے خریداری نہیں کی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان کی عمر کم ہے شاید ان کی قربانی جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو کباش کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "نعم او نعمت" کہ چھ ماہ کے بھیڑ کی قربانی بہترین قربانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اپنی ذات کے اعتبار سے چھوٹا ہے لیکن اس کی قربانی جائز ہے تو یہ بھی مدح ہے اگرچہ بڑی عمر والے جانوروں کی قربانی افضل ہوگی۔ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا تو لوگوں نے مجھے لوٹ لیا (یعنی جلدی سے جانور خرید لئے) صحابہ کرامؓ کا یہ عمل تقلید شخصی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے فوراً جذع کو خریدنے لگ گئے۔ پس معلوم ہوا کہ جذع من الضان کی قربانی پوری امت کے لئے جائز ہے۔

جذعؓ بکری کا وہ بچہ جو نر ہو جس کی عمر چھ ماہ مکمل ہو اور سال سے کم ہو عتود بکری کے بچہ کو کہتے ہیں۔ اس کی عمر میں اہل لغت کے دو قول ہیں: ① سال کا ہو۔ ② چھ یا سات مہینے کا ہو۔ پہلے قول کے مطابق تو کوئی اشکال نہیں البتہ دوسرے قول پر اعتراض ہوگا کہ یہ جذع من المعز ہے اور جذع من المعز کی قربانی سال سے کم میں ہو تو جائز نہیں۔

جواب: یہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی خصوصیت ہے اس پر کسی دوسرے کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِشْتِرَاكِ فِي الْأُضْحِيَّةِ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيرِ عَشَرَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الْأَشَدِّ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ

ابو عمار حسین بن حریث، فضل بن موسیٰ، حسین بن واقد، علباء بن احمر، عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ آ گئی۔ پس ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔ اس باب میں ابو اشد سلمی بواسطہ اپنے والد، دادا سے روایت کرتے ہیں اور حضرت ابو ایوبؓ سے بھی روایت منقول ہیں۔ حضرت ابن

جَدِّهٖ وَأَبِي أَيُّوبَ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْفَضْلِ بْنِ مُوسَى

عباسؓ کی حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف فضل بن موسیٰ کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ إِسْحٰقُ يُجْزِئُ أَيْضًا الْبَعِيرُ عَنْ عَشَرَةٍ وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ

قتیبہ، مالک بن انس، ابی زبیر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی تو گائے اور اونٹ دونوں میں سات سات آدمی شریک ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اسحاق فرماتے ہیں کہ اونٹ دس آدمیوں کے لئے بھی کافی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجَيَّةَ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ قُلْتُ فَإِنْ وَلَدَتْ قَالَ اذْبَحْ وَلَدَهَا مَعَهَا قُلْتُ فَالْعَرْجَاءُ قَالَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَنْسِكَ قُلْتُ فَمَكْسُورَةُ الْقَرْنِ قَالَ لَا بَأْسَ أُمِرْنَا أَوْ أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَيْنِ وَالْأُذُنَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گائے کی قربانی سات آدمیوں کے لئے راوی نے عرض کیا اگر وہ خریدنے کے بعد بچہ جنے فرمایا اس کو بھی ساتھ ذبح کرو۔ میں نے عرض کیا لنگڑی گائے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا اگر قربانی گاہ تک پہنچ جائے (تو جائز ہے) میں نے عرض کیا اگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ ہمیں حکم دیا گیا یا فرمایا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم کانوں اور آنکھوں کو اچھی طرح دیکھ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سفیان ثوری اسے سلمہ کہیل سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جُرَيِّ بْنِ كُلَيْبٍ النَّهْدِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُضَحَّى بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ قَالَ قَتَادَةُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ الْعَضْبُ مَا بَلَغَ النِّصْفَ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹے ہوئے سینگ اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا سینگ اگر نصف یا نصف سے زائد ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی ممانعت ہے۔ ورنہ نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: قربانی کے جانور میں شرکاء کی حد: ایک جانور میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام اسحاقؒ کے نزدیک گائے وغیرہ میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قول ثانی: جمہور ائمہؒ کے نزدیک گائے کے شرکاء کی طرح اونٹ کے شرکاء بھی سات ہیں اونٹ میں سات آدمی سے زائد شریک نہیں ہو سکتے۔

امام مالکؒ اور امام اسحاقؒ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب میں یہ الفاظ ہیں "**فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ... الخ**"۔

جمہور حضرات کی دلیل: یہی حدیث جابر ہے کہ گائے اور اونٹ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

امام مالکؒ اور امام اسحاقؒ کی دلیل کے جوابات: **اوّل:** اونٹ کے بارے میں احادیث متعارض ہیں بعض میں سات کا ذکر ہے اور بعض میں دس کا ذکر ہے احتیاط سات ہی میں ہے۔ **ثانی:** حدیث ابن عباسؓ کو بعض نے موقوف کہا ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔ **ثالث:** حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اضحیہ واجبہ کے بارے میں نہیں بلکہ اس سے ثواب حاصل کرنا مراد ہے یا صرف گوشت کھانے کیلئے کہا گیا تھا۔ **رابع:** ابتداءً یہ حکم تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ **خامس:** دس آدمیوں کا ایک اونٹ میں شریک ہو جانا یہ صحابہ کرامؓ کا اپنا اجتہاد ہے ممکن ہے کہ انہوں نے اس واقعہ پر قیاس کیا ہو کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے معاملے میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا اور اس سے اجتہاد کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ باقی حدیث کی وضاحت ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تُجْزِي عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي عُمَارَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ سَأَلْتُ أَبَا أَيُّوبَ كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّي بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ حَتَّى تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَتْ كَمَا تَرَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعُمَارَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ هُوَ مُدِينِيٌّ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَاحْتَجَّا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ضَحّٰى بِكَبْشٍ فَقَالَ هٰذَا عَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوبؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانیاں کیسے ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتا تھا۔ وہ اس سے خود بھی کھاتے اور لوگوں کو بھی کھلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ فخر کرنے لگے اور اس طرح ہو گیا جو تم آج کل دیکھ رہے ہو۔ (یعنی ایک گھر میں کئی قربانیاں کی جاتی ہیں) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عمارہ بن عبداللہ مدینی ہیں۔ مالک بن انسؒ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی حدیث ہے کہ آپ نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا یہ میری امت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے

أُمَّتِي وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا تُجْزِئُ الشَّاةُ إِلَّا عَنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ہے جس نے قربانی نہیں کی۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک بکری صرف ایک آدمی کے لئے کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: ایک بکری پورے گھرانہ کی طرف سے قربانی کے لئے کافی ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص پورے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا ہے تو سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہی تنہا اس بکری کا مالک ہو اور سب گھر والے ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔

قول ثانی: حنفیہ اور شوافع حضرات کے نزدیک ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے قربانی کے لئے کافی نہیں ہوگی بلکہ گھر میں موجود افراد جو صاحب نصاب ہوں ان پر علیحدہ سے قربانی واجب ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قربانی عبادت ہے اور عبادت ہر شخص پر علیحدہ سے لازمی ہے اس میں ایک شخص دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

امام مالکؒ کی دلیل اوّل: امام مالکؒ کا مستدل یہی حدیث الباب ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ایک گھر کے افراد صاحب نصاب ہوں اور سب کی طرف سے ایک بکری ذبح کر دی جائے تو سب کی قربانی ہو جائے گی۔ سب پر علیحدہ علیحدہ قربانی کرنا واجب نہیں۔

جواب اوّل: احناف فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ عام طور پر غریب ہوتے تھے اور گھر کے ایک شخص پر ہی قربانی واجب ہوتی تھی وہی قربانی کرتا تھا اور ایک ہی قربانی کرتا تھا جس کو سب کھاتے تھے پھر لوگ ایک دوسرے پر مفاخرت کرنے لگ گئے اور لوگ کئی کئی قربانیاں کرنے لگ گئے۔ لہٰذا اس حدیث سے امام مالکؒ کا استدلال درست نہیں۔

دلیل ثانی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اس میں امت کے ان لوگوں کو شریک کیا جو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی میں دوسرے کو شریک کر سکتے ہیں۔

جواب: یہ روایت مختصر ہے طویل روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی کئے ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی اور دوسری قربانی نفل کی تھی جس میں امت کو شامل کیا تھا اور نفل میں توسع ہوتی ہے نفل میں جتنے افراد کی بھی نیت کی جائے جائز ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

عمارہ بن عبداللہ: عمارہ کے دادا کا نام صیاد ہے یہ صیاد وہی ہیں جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ دجال ہیں لیکن یہ [illegible] وہ ایمان لائے اور حج کیا۔ انکے بیٹے عمارہ ہیں یہ اعلیٰ درجہ کے راوی ہیں۔ تقریب میں ان کو ثقہ فاضل لکھا ہے۔ یہ [illegible] رہنے والے تھے اور مدینہ کی طرف نسبت مدنی آئی ہے اور کبھی ان کی نسبت مدینی بھی لکھتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاریؒ کے [illegible] استاذ محدث علی بن المدینی اصل میں مدینہ منورہ کے باشندے تھے پھر بصرہ چلے گئے تھے اس لئے مدینی کہلاتے تھے اور مدنی بھی [illegible] ہے۔

بَابُ (بِلَا تَرْجُمَةٍ)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْأُضْحِيَّةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ فَقَالَ أَتَعْقِلُ ضَحَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْأُضْحِيَّةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَلٰكِنَّهَا سُنَّةٌ مِنْ سُنَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْمَلَ بِهَا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ

احمد بن منیع، هشیم، حجاج جبلہ بن سحیم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے قربانی کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ واجب ہے انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی۔ اس نے دوبارہ پوچھا کہ کیا یہ واجب ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم سمجھتے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی۔ یہ حدیث حدیث حسن ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ سنت ہے اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔ سفیان ثوریؒ اور ابن مبارکؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

احمد بن منیع، هناد، ابن ابی زائدہ، حجاج بن ارطاۃ، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال قربانی کی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: مصری نسخہ میں یہاں باب کا نام "باب الدليل على ان الاضحية سنةٌ" ہے۔ اس کے متعلق وضاحت ابواب الاضاحی کے شروع میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ لَا يَذْبَحَنَّ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ قَالَ فَقَامَ خَالِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا يَوْمٌ اللَّحْمُ فِيهِ مَكْرُوهٌ وَإِنِّي عَجَّلْتُ نُسُكِي لِأُطْعِمَ أَهْلِي وَأَهْلَ دَارِي أَوْ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر (قربانی) کے دن خطبہ دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی نماز سے پہلے جانور ذبح نہ کرے۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میرے ماموں کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایسا دن ہے کہ لوگ اس دن گوشت سے جلدی اکتا جاتے ہیں میں نے یہ سوچ کر اپنی قربانی جلدی کر لی کہ اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو کھلا دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم دوبارہ قربانی کرو۔

جِيرَانِي قَالَ فَأَعِدْ ذَبْحَكَ بِآخَرَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ عِنْدِي عَنَاقُ لَبَنٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ أَفَأَذْبَحُهَا قَالَ نَعَمْ وَهِيَ خَيْرُ نَسِيكَتَيْكَ وَلَا تُجْزِئُ جَذَعَةٌ بَعْدَكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَجُنْدَبٍ وَأَنَسٍ وَعُوَيْمِرِ بْنِ أَشْقَرَ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي زَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا يُضَحَّى بِالْمِصْرِ حَتَّى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِأَهْلِ الْقُرَى فِي الذَّبْحِ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ لَا يُجْزِئَ الْجَذَعُ مِنَ الْمَعْزِ وَقَالُوا إِنَّمَا يُجْزِئُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ

انہوں نے عرض کیا میرے پاس ایک بکری ہے جو دودھ بھی دیتی ہے لیکن اس کی عمر ایک سال سے کم ہے اس کے باوجود وہ گوشت میں دو بکریوں سے بہتر ہے کیا میں اسے ذبح کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ تیری اچھی قربانی ہے اور تیرے بعد کسی کے لئے (بکری کا) سال سے کم عمر کا بچہ جائز نہیں۔ اس باب میں حضرت جابر، جندب، انس، عویمر بن اشقر، ابن عمر اور ابوزید انصاری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ شہر میں عید کی نماز ادا کرنے سے پہلے قربانی نہ کی جائے جب کہ بعض علماء گاؤں میں رہنے والوں کو طلوع فجر کے بعد قربانی کی اجازت دیتے ہیں۔ ابن مبارکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ چھ مہینے کا صرف دنبہ ہی قربانی میں ذبح کیا جا سکتا ہے بکری وغیرہ نہیں۔

تشریح: شہر ہو یا بڑا قصبہ ان میں قربانی تب جائز ہوگی جب امام نماز عید سے فارغ ہو جائے چھوٹی بستیاں جن میں نماز جمعہ جائز نہیں ان میں طلوع فجر کے بعد قربانی کرنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ”لا یذبحن احدکم حتی یصلی“۔

هٰذَا يَوْمُ اللَّحْمُ فِيهِ مَكْرُوهٌ: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت مکروہ ہے طبیعت کو مرغوب نہیں۔ اس جملہ کے مطلب میں کئی توجیہات کی ہیں۔

توجیہ اوّل: اے اللہ کے پیغمبر یہ قربانی کا دن ایسا ہے جس کے ابتدائی حصہ میں گوشت مرغوب ہوتا ہے ہر شخص کی رغبت ہوتی ہے اور دن کے اخیر حصہ میں اتنی رغبت نہیں رہتی بار بار کھا لینے کی وجہ سے یا بار بار دیکھنے کی وجہ سے اس لئے یہاں مکروہ بمعنی غیر مرغوب ہے۔ اس وجہ سے میں نے یہ خیال کیا کہ دن کے ابتدائی حصہ میں قربانی کر لوں تا کہ میرے اہل و عیال اور ہمسائے رغبت کے وقت گوشت کھا لیں۔ اس لئے میں نے قربانی کا جانور نماز سے پہلے پہلے ذبح کر لیا۔

توجیہ ثانی: یہاں مضاف محذوف ہے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ایسا دن ہے کہ جس میں دوسرے سے گوشت کا سوال کرنا یا گوشت کا لالچ کرنا کہ فلاں گھر سے آئے گا اور پکایا، کھایا جائے گا یہ ناپسندیدہ ہے تو میں نے یہ خیال کیا کہ نماز سے پہلے قربان کر لوں تا کہ میرے بچوں کو دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے تو عبارت یوں بنے گی ”هٰذا یوم سوال اللحم فیه مکروہ“۔

الغرض نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جو بھی ارادہ ہو نماز سے پہلے اگر قربانی کا جانور ذبح کر دیا تو پھر بھی تمہیں دوبارہ قربانی کرنا ہوگی پہلے والی کفایت نہیں کریگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہری آدمی کیلئے یا ایسے قصبہ والے کیلئے جو شہر کے حکم میں ہے نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہوگی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس عناق لبن ہے۔ عناق لبن سے مراد بکری کا بچہ ہے جو مادہ ہے اور ابھی تک دودھ پی رہا ہے۔ میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قربانی کر لو عناق لبن کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ

اس قسم کی نسل کی ہے جو بڑی ہو کر دودھ زیادہ دیتی ہے۔ عناق جس کی عمر سال سے کم ہو اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا یہ صرف تیرے لئے ہی جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْأُضْحِيَةِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ مِنْ لَحْمِ أُضْحِيَّتِهِ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِنَّمَا كَانَ النَّهْيُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَقَدِّمًا ثُمَّ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ

قتیبہ، لیث، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھائے۔ اس باب میں حضرت انسؓ اور عائشہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے منع فرمایا تھا پھر اجازت دے دی۔

تشریح: اس باب میں قربانی کے گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے جبکہ اگلے باب میں اسکی اجازت دی ہے۔ پہلے باب میں قربانی کے ایام یعنی تین دن تک کھانے کی اور رکھنے کی اجازت ہے تین دن کے بعد کھانے اور ذخیرہ کرنے کی اجازت نہیں ابتداءً یہ حکم تھا جب لوگ غریب تھے اور کوئی کوئی قربانی کرتا تھا اس وقت اگر قربانی کرنے والا شخص اپنا گوشت ذخیرہ کر کے رکھ لیتا تو جن لوگوں نے قربانی نہیں کی ان تک گوشت نہ پہنچتا لیکن بعد میں جب لوگوں میں وسعت آ گئی تو تین دن کے بعد بھی گوشت رکھنے کی اجازت مل گئی۔ گویا یہ نسخ الحدیث کی قبیل سے ہے۔

روایات میں تعارض: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال ہوا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نہیں۔ تو بظاہر احادیث میں تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

جواب اوّل: ممکن ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہی کا علم نہ ہوا لیکن یہ جواب مستبعد ہے۔

جواب ثانی: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے اور لا سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہی تحریمی کے طور پر منع نہیں فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِهَا بَعْدَ ثَلَاثٍ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ النَّبِيلُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ

محمد بن بشار، محمود بن غیلان، حسن بن علی خلال، ابو عاصم نبیل، سفیان، علقمہ بن مرثد، حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے

عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ لِيَتَّسِعَ ذُوْ الطَّوْلِ عَلَى مَنْ لَا طَوْلَ لَهُ فَكُلُوْا مَا بَدَا لَكُمْ وَأَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَنُبَيْشَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَقَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ وَأَنَسٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ بُرَيْدَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ.

سے منع فرمایا تھا تاکہ استطاعت والے لوگ اپنے سے غریب لوگوں پر کشادگی کریں لیکن اب تم جس طرح چاہو کھا بھی سکتے ہو۔ لوگوں کو بھی کھلا سکتے ہو اور رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ، نبیشہ، ابوسعید، قتادہ بن نعمان، انس اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت بریدہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قُلْتُ لِأُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ قَالَتْ لَا وَلَكِنْ قَلَّ مَنْ كَانَ يُضَحِّي مِنَ النَّاسِ فَأَحَبَّ أَنْ يُطْعَمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي وَلَقَدْ كُنَّا نَرْفَعُ الْكُرَاعَ فَنَأْكُلُهُ بَعْدَ عَشَرَةِ أَيَّامٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأُمُّ الْمُؤْمِنِينَ هِيَ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهَا هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

قتیبہ، ابوالاحوص، ابی اسحاق، حضرت عابس بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرماتے تھے۔ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت بہت کم لوگ قربانی کیا کرتے تھے اسلئے آپ ﷺ نے چاہا کہ قربانی کرنیوالے لوگ قربانی نہ کرنے والوں کو بھی کھلائیں۔ ہم لوگ تو ایک ران رکھ دیا کرتے تھے اور اسے دس دن بعد کھایا کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ام المومنین سے مراد حضرت عائشہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ یہ حدیث ان سے کئی سندوں سے منقول ہے۔

تشریح: اس باب میں قربانی کے گوشت کو تین دن سے زائد کھانے کی اجازت دی گی ہے۔ مزید حدیث کی وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَرَعِ وَالْعَتِيرَةِ

عتیرہ ماخوذ ہے "عترۃ" سے بمعنی ذبیحہ کے۔ اصطلاح میں "عتیرہ" وہ ذبیحہ ہے جس کو اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام پر رجب کے پہلے عشرے میں ذبح کیا جاتا تھا اور اسلام کے بعد اس کو اللہ کی رضا کے لئے ذبح کیا جانے لگا۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيرَةَ وَالْفَرَعُ

محمود بن غیلان، عبدالرزاق، معمر، زہری، ابن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں فرع ہے اور نہ عتیرہ۔ فرع جانور کے پہلے بچے کو کہتے ہیں جسے کافر

أَوَّلُ النِّتَاجِ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ فَيَذْبَحُونَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ نُبَيْشَةَ وَمِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَتِيرَةُ ذَبِيحَةٌ كَانُوا يَذْبَحُونَهَا فِي رَجَبٍ يُعَظِّمُونَ شَهْرَ رَجَبٍ لِأَنَّهُ أَوَّلُ شَهْرٍ مِنْ أَشْهُرِ الْحُرُمِ وَأَشْهُرُ الْحُرُمِ رَجَبٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَأَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ كَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ

(اپنے بتوں کے لئے) ذبح کیا کرتے تھے اس باب میں حضرت نبیشہ اور مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عتیرہ وہ جانور جسے رجب کے مہینے میں اس کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جاتا تھا کیونکہ یہ حرمت والے مہینوں میں سب سے پہلا مہینہ ہے۔ حرمت والے مہینے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں۔ حج کے مہینے شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر حضرات سے حج کے مہینوں میں اسی طرح مروی ہے۔

تشریح: **فَرَعَ:** اس کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں۔ ① وہ پہلا بچہ جس کو اس نیت سے ذبح کیا جائے تا کہ جانور میں برکت ہو اور وہ کثیر النسل ہو ② جب کسی کے ہاں جانور کا سب سے پہلے والا بچہ پیدا ہوتا تو اس کو مشرکین اپنے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے ③ بعض نے کہا کہ جب کسی کے اونٹ سو ہو جاتے تو اس کے بعد ایک جوان اونٹ کو مشرکین ذبح کر دیتے تھے اس کو فرع کہا جاتا ہے۔ ابتداء اسلام میں مسلمان اس فرع کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے چونکہ اس عمل سے اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اس لئے اسلام میں اس کو منع قرار دیا۔ (تعلیق الصبیح ج ۲ ص ۲۷۷)

وَلَا عَتِيرَةَ: ① اشہر حرم رجب، ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں ان میں پہلے ماہ رجب کی تعظیم کی وجہ سے جانور کو ذبح کرتے تھے اس کو عتیرہ کہا جاتا ہے ② بعض نے کہا کہ عتیرہ وہ جانور ہے جس کو اہل جاہلیت اپنے اصنام کے نام پر ذبح کر کے خون کو اس کے سر پر ڈالتے تھے۔

مسئلہ: فرع وعتیرہ کا حکم: قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک فرع وعتیرہ کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا مستحب ہے۔

قول ثانی: جمہور اہل سنت کے نزدیک یہ منسوخ ہے اور ناسخ حدیث الباب "لا فرع ولا عتيرة" ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: "عن ابي قلابة عن ابي مليح الهذلي قال قال نبيشة قال رجل يارسول الله انّا كنا نعتر عتيرة في الجاهلية في رجب فما تامرنا قال اذبحوا الله في اي شهر" (رواه ابوداؤد)

دلیل ثانی: ترمذی شریف میں مخنف بن سلیم کی حدیث ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "يا ايها الناس على كل اهل بيت في كل عام اضحية وعتيرة... الخ"۔

دلیل ثالث: ابی رزین عقیلی سے روایت ہے "قالت قلت يا رسول الله انا كنا نذبح ذبائح الجاهلية فناكل ونطعم من جارنا فقال النبي عليه السلام لا بأس به" (رواه النسائي)۔ ان احادیث سے جواز معلوم ہو رہا ہے۔

جمہور اہل سنت کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرح منقول ہے "نهى عن الفرع والعتيرة" اور ایک اور روایت میں

حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی طرح کے الفاظ مذکور ہیں۔ امام شافعیؒ نے ان احادیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔
اوّل: ان احادیث میں نفی سے وجوب کی نفی مراد ہے۔ **ثانی:** اہل جاہلیت اپنے بتوں کے لئے جو ذبح کرتے تھے اس سے نہی آئی ہے۔ **ثالث:** قربانی کی طرح نہ اس میں ذبح کا ثواب ملتا ہے اور نہ ہی مساکین میں تقسیم کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح کہ قربانی میں مساکین وفقراء پر گوشت تقسیم کرنے سے ثواب ملتا ہے۔
احناف پر اعتراض: علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر احادیث نہی متاخر نہ ہوں تو نسخ ثابت نہیں ہوگا۔ **جواب:** ابن المنذر نے جواب دیا ہے کہ اہل عرب فرع وغیرہ کا معاملہ پہلے کرتے تھے پھر مسلمانوں نے اس کو رائج کر دیا پھر منع کیا گیا۔ اصول اور ضابطہ یہی ہے کہ نہی کسی شی کے فعل کے بعد ہوتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ فعل پایا ہی نہ جائے اور نہی پہلے آجائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرع وغیرہ پہلے موجود تھا پھر اس پر نہی وارد ہوئی۔ امام شافعیؒ کے دلائل کے جوابات بھی اسی میں آگئے کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَقِيقَةِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ أَنَّهُمْ دَخَلُوا عَلَى حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَسَأَلُوهَا عَنِ الْعَقِيقَةِ فَأَخْبَرَتْهُمْ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأُمِّ كُرْزٍ وَبُرَيْدَةَ وَسَمُرَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَنَسٍ وَسَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَ حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَفْصَةُ هِيَ اِبْنَةُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ

یحییٰ بن خلف، بشر بن مفضل، عبداللہ بن عثمان بن خثیم حضرت یوسف بن ماہک سے روایت ہے کہ ہم حفصہ بنت عبدالرحمن کے ہاں داخل ہوئے اور عقیقہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقے میں لڑکے کی طرف سے ایسی دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم دیا جو عمر میں برابر ہوں اور لڑکی کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس باب میں حضرت علی، ام کرز، بریدہ، سمرہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو، انس، سلمان بن عامر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور حضرت حفصہ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر کی صاحبزادی ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ عَنْ سِبَاعِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ ثَابِتِ بْنِ سِبَاعٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ كُرْزٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حسن بن علی خلال، عبدالرزاق، ابن جریج، عبیداللہ بن ابی یزید، سباع بن ثابت، محمد بن ثابت بن سباع، حضرت ام کرزؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا لڑکے کے عقیقے

وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيقَةِ فَقَالَ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْأُنْثَى وَاحِدَةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ أَمْ إِنَاثًا هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

میں دو اور لڑکی کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی جائے خواہ وہ بکرے ہوں یا بکریاں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى

حسن بن علی، عبدالرزاق، ھشام بن حسان، حفصہ بنت سیرین، رباب، حضرت سلمان بن عامر ضبیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرلڑکے کے لئے عقیقہ ہے۔ لہٰذا جانور ذبح کر کے خون بہاؤ اور اسے ہر تکلیف کی چیز سے دور کر دو (یعنی بال وغیرہ منڈادو)

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حسن، عبدالرزاق، ابن عیینہ، عاصم بن سلیمان، حفصہ بنت سیرین، رباب کی سند سے حضرت سلمان بن عامر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مثل روایت کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: **یوسف بن ماھک:** ماھک کے لفظ کے آخر میں کوئی اعراب نہیں پڑھا جاتا۔ یہ فارسی کا لفظ ہے اور فارسی میں جب کسی لفظ کی تصغیر بنانی ہوتو اس کے آخر میں ''ک'' لگا دیتے ہیں۔ یہ اصل میں ''ماہ'' تھا فارسی میں اس کا ترجمہ چاند سے کرتے ہیں اب اس کے ساتھ ''ک'' لگایا تو ''ماھك'' ہوگیا پھر اس کا ترجمہ ہوگا چھوٹا چاند۔

ماھک کی وجہ تسمیہ: جب یہ پیدا ہوئے تو بہت خوبصورت تھے اس لئے ان کے والد نے محبت میں انکا نام ماھک رکھ دیا تھا۔

یہ کلام عرب غیر منصرف پڑھا جائے گا کیونکہ اس میں منع صرف کے دو اسباب موجود ہیں ایک عجمہ اور ایک معرفہ۔

عقیقہ عق سے مشتق ہے لغت میں عق کے معنی ہیں الگ کرنا، کاٹنا۔ اس لئے والدین کی نافرمانی کو عقوق کہتے ہیں اور نافرمان اولاد کو عاق کیونکہ نافرمان بھی والدین سے بلکہ اللہ پاک کی رحمت سے کٹ جاتا ہے۔ عقیقہ بچے کے بال صاف کرنے، نام رکھنے اور بکرا ذبح کرنے کو کہا جاتا ہے مستحب یہ ہے کہ ساتویں دن نومولود کے بالوں کو اتارا جائے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی جائے اور بچہ کا نام رکھا جائے چونکہ اسی دن بچہ کی طرف سے جانور ذبح کیا جاتا ہے اس لئے اسکو عقیقہ کہتے ہیں۔

عقیقہ کی تعریف: وہ ذبیحہ جس کو نومولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جائے۔ اسکو عقیقہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بال جو شکم مادر میں پیدا ہوتے ہیں یہ بال ساتویں دن کاٹے جاتے ہیں۔ اور اس دن بچے کے فدیہ کے طور پر قربانی کی جاتی ہے چنانچہ اسکو عقیقہ کہا جانے لگا۔ چونکہ اسکے مادہ میں نافرمانی کے معنی پائے جاتے ہیں اسلئے نبی کریم ﷺ اس لفظ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

مسئلہ: **عقیقہ کا حکم کیا ہے اور عقیقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟** اس کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں عقیقہ مستحب ہے۔ **قول ثانی:** شوافع اور مالکیہ کے نزدیک عقیقہ مسنون ہے۔

قول ثالث: حنابلہ کے نزدیک عقیقہ سنت یا واجب ہے۔
پھر مالکیہ کے ہاں لڑکی اور لڑکے کے لئے عقیقہ ایک ہی جانور سے کیا جائے گا یعنی دونوں کا عقیقہ ایک بکری سے کیا جائے گا۔
باقی ائمہ کے نزدیک لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ مستحب ہے۔
بعض حضرات نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ عقیقہ بدعت ہے لیکن علامہ عینیؒ نے اس کی سخت تردید کی ہے اور فرمایا کہ "ھذا افتراء فلا یجوز نسبته الی ابی حنیفة وحاشاہ ان یقول مثل ھذا"۔ اگر بالفرض اس نسبت کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ امام صاحبؒ نفس عقیقہ کو بدعت نہیں کہتے بلکہ امام صاحبؒ ان رسوم قبیحہ اور التزامات زائدہ کو بدعت کہتے ہیں جو جہالت کی وجہ سے عقیقہ کے موقع پر لوگوں میں رائج ہیں کہ بعض اوقات ایک چیز مسنون ہوتی ہے لیکن جاہل لوگ اس کے ساتھ بعض منکرات کا اضافہ کرلیتے ہیں ایسی صورت میں امام صاحبؒ ان منکرات کی تردید کرتے ہیں۔
اہل ظواہر و امام احمدؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے اس میں "فاھریقوا عنه دما" کے الفاظ ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔
جمہور حضرات کی دلیل اوّل: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے "قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن العقیقة فقال لا یحب اللہ العقوق کانه کرہ الاسم وقال من ولد له فاحب ان ینسك عنه فلینسك عن الغلام شاتین وعن الجاریة شاة" اس روایت میں "فاحب ان ینسك" کے لفظوں سے یہ معلوم ہوا کہ عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے اگر کرنا چاہے تو کرلے۔
دلیل ثانی: نبی کریم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ نہیں کیا تھا اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔
اہل ظواہر اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل کا جواب: ہر جگہ امر وجوب کے لئے نہیں آتا بلکہ کبھی استحباب کیلئے بھی ہوتا ہے۔
حدیث الباب جمہور کی دلیل ہے۔
شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ: بحکم شرعی دونوں مساوی ہوں اور بعض میں متقاربتان کے بھی لفظ ہیں یعنی قربانی کے جانور کے مقارب ہوں۔ جس جانور کی قربانی جائز ہو اس جانور سے عقیقہ بھی ادا ہو جائے گا اور جس جانور کی قربانی نہیں ہوتی اس کا عقیقہ بھی ادا نہیں ہوگا۔

بَابُ الْأَذَانِ فِي أُذُنِ الْمَوْلُودِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ فِي أُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِينَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلَاةِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، عاصم بن حضرت عبیداللہ بن ابی رافع اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حسن بن علی کی ولادت کے وقت ان کے کان میں اذان دیتے ہوئے دیکھا جس طرح نماز میں اذان دی جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے

وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقِيقَةِ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا أَنَّهُ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بِشَاةٍ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ

عقیقے کے باب میں کئی سندوں سے منقول ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کافی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ دیا۔ بعض اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔

تشریح: فقہاء کہتے ہیں کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان دی جائے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے یہ اذان واقامت بچے کی پیدائش کے فوراً بعد کہنی چاہیے اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت بھی اذان دے سکتی ہے۔ یا کوئی بھی نہ ہو تو زچہ ہی اذان دے دے۔ اذان کے لئے طہارت شرط نہیں البتہ وہاں اگر کوئی نیک آدمی موجود ہو تو اس سے اذان کہلوانی چاہیے۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی تھی اگر کوئی نیک آدمی موجود نہ ہو تو پھر بھی اذان میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

اذان کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلا کلمہ جو بچہ کے کان میں پڑے وہ اللہ کا نام ہونا چاہیے اور اذان واقامت کی تخصیص اس لئے ہے کہ بچہ کے دل ودماغ میں نماز کی اہمیت اجاگر ہو۔ دوسرا یہ کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے اور حدیث میں ہے کہ بچہ کو ولادت کے وقت شیطان ستاتا ہے جس سے بچہ چیختا ہے لہٰذا ولادت کے فوراً بعد اذان دینا شیطان کو بھگانے کے لئے بھی ہے تاکہ وہ بچہ کو تنگ نہ کرسکے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نومولود کے کان میں اذان واقامت اشارہ ہے انسان کی مختصر زندگی کی طرف کہ یہ اذان واقامت نماز جنازہ کے لئے کہی جارہی ہے۔ پس ابھی اذان واقامت کہی جارہی ہے مرگ پر نماز ادا کی جائے گی گویا یہ اذان واقامت جنازہ کی نماز کے لئے ہے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَہ)

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ عَنْ عُفَيْرِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْأُضْحِيَّةِ الْكَبْشُ وَخَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعُفَيْرُ بْنُ مَعْدَانَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ.

سلمہ بن شبیب، ابومغیرہ، عفیر بن معدان، سلیم بن عامر، حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین قربانی مینڈھے کی قربانی ہے اور بہترین کفن حلہ ہے (یعنی ایک تہبند اور ایک چادر قمیص کے علاوہ) یہ حدیث غریب ہے اسلئے کہ عفیر بن معدان ضعیف ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ بہترین قربانی مینڈھے کی ہے کیونکہ عرب میں لوگ زیادہ تر اسی کو پسند کرتے ہیں جبکہ ہمارے دیار میں بکرا زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ بہترین کفن دو کپڑے ہیں یہ کفن کفایہ کا بیان ہے ورنہ مسنون کفن مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی عفیر ضعیف ہے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَه)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا أَبُو رَمْلَةَ عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوفًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَاتٍ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةٌ وَعَتِيرَةٌ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْعَتِيرَةُ هِيَ الَّتِي تُسَمُّونَهَا الرَّجَبِيَّةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيثَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَوْنٍ.

احمد بن منیع، روح بن عبادہ، ابن عون، ابو رملہ، حضرت مخنف بن سلیمؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقوف کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ کیا تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ یہ وہی ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف ابن عون کی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: قربانی کے وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں مسئلہ اختلافی اوّل پہلے گزر چکا ہے۔

اس حدیث میں ایک راوی ابو رملہ مجہول ہیں ان کا نام عامر ہے لیکن ان کے نزدیک یہ کوئی خرابی نہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ امام ترمذیؒ کے ہاں جس روایت میں تھوڑا سا بھی ضعف ہو تو اس کو بھی حسن کہتے ہیں۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَه)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقُطَعِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ احْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَتْهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ وَأَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

محمد بن یحییٰ قطعی، عبدالاعلیٰ، محمد بن اسحاق، عبداللہ بن ابی بکر، محمد بن علی بن حسین، حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ اس کے سر کے بال منڈواؤ اور ان کے برابر چاندی تول کر صدقہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے تولا تو وہ (یعنی حضرت حسنؓ کے بال) ایک درہم کے برابر یا اس سے کچھ کم تھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اس کی سند متصل نہیں کیونکہ ابوجعفر محمد بن علی نے حضرت علیؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

تشریح: نومولود کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے اسکی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیان فرمائی ہے کہ بچہ کا پیٹ سے باہر آنا ایسی نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ بچہ جب تک پیٹ میں تھا اس وقت تک والدہ اسکی دید سے محروم تھی۔ اور جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس کو دیکھ کر آنکھ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور شکر یہ ادا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ نعمت سے موازنہ کر کے شکر بجالایا جائے۔ اور چونکہ نومولود کے بال پیٹ کی زندگی کا بقیہ ہیں ان کا دور کرنا نئی زندگی کے آغاز کی

طرف اشارہ ہے۔ اسلئے جب وہ بال کاٹے جائیں اور نئی زندگی کا آغاز ہو تو بہترین طریقہ پر شکر بجالانے کیلئے ان کو چاندی سے تولنے کا حکم دیا اور چاندی کی تخصیص اسلئے کی کہ سونا زیادہ گراں ہے اور اگر دوسرے غلوں سے تولا جائے تو وہ بے قدر مال ہے۔ عام طور پر بال چار گرام ہوتے ہیں اتنا گیہوں خیرات کرنا کیا معنی رکھتے ہیں اسکے مقابلے میں اگر چاندی کو دیکھا جائے تو وہ کچھ معنی رکھتی ہے۔

سند پر کلام: یہاں سند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے محمد باقر ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتوں میں سے ہیں ان کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں کیونکہ حضرت علیؓ کی شہادت کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئے ہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔ الکوکب الدری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بکری نواسے کی پیدائش کی خوشی میں ذبح کی تھی یہ ان کا عقیقہ نہیں تھا ان کا عقیقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ساتویں روز ہی کر دیا تھا۔

بَابٌ (بِلا تَرجَمَة)

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ السَّمَّانُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِكَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حسن بن علی خلال، ازہر بن سعد سمان، ابن عون، محمد بن سیرین، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور پھر منبر سے نیچے تشریف لا کر دو مینڈھے منگوائے اور انہیں ذبح کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنِ الْمُطَّلِبِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهُ نَزَلَ عَنْ مِنْبَرِهِ فَأُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ إِذَا ذَبَحَ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالْمُطَّلِبُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ يُقَالُ إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ جَابِرٍ

قتیبہ، یعقوب بن عبدالرحمن، عمرو بن ابی عمرو، مطلب، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ میں تھا۔ جب آپ خطبے سے فارغ ہوئے تو منبر سے نیچے آ گئے۔ پھر ایک دنبہ لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور پڑھا (ترجمہ) شروع اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ کہ ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللهِ و اللهُ أَكْبَرُ پڑھا جائے۔ ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں حضرت جابرؓ سے سماع حاصل نہیں۔

تشریح: **خُطْبَتَهُ نَزَلَ**: اس سے بظاہر تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ منبر سے اترے حالانکہ عیدگاہ میں تو منبر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ منبر سے مراد عرفی منبر نہیں بلکہ عیدگاہ میں اونچی جگہ مراد ہے جس کو منبر سے تعبیر کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے عیدگاہ میں قربانی کیوں کی؟ اسکی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ **اوّل:** لوگوں کو قربانی کا طریقہ آ جائے کہ جانور کو کیسے لٹایا جاتا ہے اور اس کو کس طرح ذبح کیا جاتا ہے اور ذبح کے بعد کیا امور بجا لانے ہیں مسائل قربانی کا سکھانا مقصود ہے۔

ثانی: لوگوں کو ترغیب دلانے کے لئے تا کہ وہ بھی قربانی کریں۔ کیونکہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔ عربی کا محاورہ ہے ''**الناس علی دین ملوکھم**'' کہ لوگ بڑوں کی پیروی کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے امت کی طرف سے نفلی قربانی کی اس میں جسکی بھی نیت کی جائے معتبر ہے اسکی وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ

علی بن حجر، علی بن مسہر، اسماعیل بن مسلم، حسن، حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقے کے ساتھ مرتبط ہے (یعنی رہن ہے) لہذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کا عقیقہ کر دیا جائے اور پھر اس کا نام رکھ کر سر منڈوایا جائے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُذْبَحَ عَنِ الْغُلَامِ الْعَقِيقَةُ يَوْمَ السَّابِعِ فَإِنْ لَمْ يَتَهَيَّأْ يَوْمَ السَّابِعِ فَيَوْمَ الرَّابِعَ عَشَرَ فَإِنْ لَمْ يَتَهَيَّأْ عُقَّ عَنْهُ يَوْمَ إِحْدٰى وَعِشْرِينَ وَقَالُوا لَا يُجْزِئُ فِي الْعَقِيقَةِ مِنَ الشَّاةِ إِلَّا مَا يُجْزِئُ فِي الْأُضْحِيَّةِ

حسن بن علی، یزید بن ہارون سے وہ سعید ابن ابی عروبہ سے وہ قتادہ سے وہ حسن سے وہ سمرہ بن جندب سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کرنا مستحب ہے اگر ساتویں دن جانور میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر اس دن بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں دن کیا جائے۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ عقیقے میں اسی قسم کی بکری جائز ہے جو قربانی میں جائز ہے۔

تشریح: **الْغُلَامِ الْعَقِيقَةُ**: اصل میں لفظ رھن ہے بعض نے اسکو مرتھن سے تعبیر کیا ہے۔ اسکا مطلب کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ نومولود بچہ اپنے عقیقہ کی وجہ سے محبوس رہتا ہے۔ جب تک بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے بچہ اس وقت تک آفات کی زد میں رہتا ہے۔ جب عقیقہ اس کا فدیہ بن جاتا ہے تو بچہ سے آفات دور ہو جاتی ہیں لڑکے پر چونکہ بلائیں زیادہ آتی ہیں اسلئے اسکا عقیقہ دو بکروں کے ساتھ کرتے ہیں اور لڑکی پر بلائیں نسبۃً کم آتی ہیں اسلئے اس کی طرف سے ایک بکری ہی دی جاتی ہے۔

نیز "الغلام مرتهن بعقیقته" کی اور بھی توجیہات کی ہیں۔

توجیہ اوّل: امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ ہر نومولود بچہ جو بچپن میں ہی وفات پا جائے وہ قیامت کے دن والدین کے حق میں سفارش کرے گا تو فرمایا کہ بچہ محبوس رہتا ہے یعنی والدین کے حق میں سفارش تب کرے گا جب والدین نے بچہ کا عقیقہ کیا ہو اگر عقیقہ نہ کیا جائے تو وہ بچہ والدین کے حق میں سفارش نہیں کرے گا اور سب سے عمدہ مطلب یہی ہے۔

توجیہ ثانی: جس طرح شئ مرہونہ اور حبس عند المرتہن میں تلازم ہے۔ بالکل ایسے ہی نومولود بچہ اور عقیقہ میں بھی تلازم ہے یعنی عقیقہ بھی ضروری ہے۔

توجیہ ثالث: یعنی بچہ کما ینبغی نشوونما پانے سے محبوس رہتا ہے اگر عقیقہ کیا جائے تو انتہائی عمدہ طریقے سے بچہ کی نشوونما ہوتی ہے۔

توجیہ رابع: مس شیطان کے اثر میں بچہ محبوس رہتا ہے تاوقتیکہ اس کا عقیقہ کر دیا جائے اگر عقیقہ کر دیا جائے تو مس شیطانی جو بوقت ولادت ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔

توجیہ خامس: نومولود بچہ نئی زندگی میں محبوس رہتا ہے تاوقتیکہ اس کا عقیقہ کیا جائے اس لئے کہ جس دن اس کا عقیقہ کیا جائے گا اسی دن اس کے بالوں میں حلق ہوگا تو بالوں کی گندگی دور ہوگی اور نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔

بَابٌ (بِلا تَرجَمَه)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَكَمِ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عَمْرٍو أَوْ عُمَرَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالصَّحِيحُ هُوَ عَمْرُو بْنُ مُسْلِمٍ قَدْ رَوَى عَنْهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ نَحْوَ هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ كَانَ يَقُولُ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَإِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ ذَهَبَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَرَخَّصَ بَعْضُ

احمد بن حکم بصری، محمد بن جعفر، شعبہ، مالک بن انس، عمرو یا عمر بن مسلم، سعید بن مسیب، حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیا اور اس کا قربانی کا ارادہ ہے تو وہ اپنے بال اور ناخن قربانی تک نہ کاٹے۔ یہ حدیث حسن ہے صحیح نام اس سند میں عمرو بن مسلم ہے (عمر بن مسلم نہیں) ان سے محمد بن عمرو بن علقمہ اور کئی دوسرے افراد نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث سعید بن مسیب، ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے علاوہ بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا یہی قول ہے۔ سعید بن مسیب کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں بعض اہل علم بال منڈوانے اور ناخن تراشنے کی ان ایام میں بھی اجازت

أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ذٰلِكَ فَقَالُوا لَا بَأْسَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ شَعْرِهٖ وَأَظْفَارِهٖ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْعَثُ بِالْهَدْيِ مِنَ الْمَدِينَةِ فَلَا يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ مِنْهُ الْمُحْرِمُ

دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی مدینہ سے بھیجا کرتے تھے اور کسی ایسی چیز سے پرہیز نہیں کیا کرتے تھے جس سے محرم پرہیز کرتے ہیں۔

تشریح: جب کوئی شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو۔ خواہ وہ قربانی وجوب کے طور پر ہو یا تطوعاً ہو پس وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ رہی یہ بات کہ یہ حکم استحبابی ہے یا وجوبی ہے تو جمہور حضرات کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔

اب اس کے خلاف میں کراہت ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آ گیا "فلا یأخذن من شعره ولا من اظفاره"۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سو بکریاں قربانی کے لئے مدینہ سے مکہ بھیجی اور جن اشیاء کو محرم ترک کرتا ہے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی ترک نہیں کیا تھا یعنی سلا ہوا کپڑا اور خوشبو وغیرہ نہیں چھوڑی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا ارادہ کرنے سے محرم نہیں ہو جاتا۔ اس لئے اگر وہ بال وغیرہ کاٹنا چاہے تو اس کے لئے بال کاٹنا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس لئے نہیں کہ قربانی کرنے والا آدمی محرم ہو جاتا ہے بلکہ اس میں حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہے اس میں کون سا بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجیوں کو جن نعمتوں سے نوازے اس مشابہت کی وجہ سے اس کو بھی انہی انعامات سے نواز دے اس لئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کا مہینہ شروع ہوتے ہی بال اور ناخن کا نہ کاٹنا مستحب ہے۔ ان کا ترک کرنا بھی ضروری نہیں اور ان پر عمل کرنا واجب بھی نہیں۔ الحاصل حنفیہ نے درمیانی راستہ لیا ہے۔ نہ ہی افراط والا راستہ لیا ہے اور نہ ہی تفریط والا۔

امام ترمذیؒ نے ابواب الاضاحی کے آخر میں یہ حدیث لا کر قربانی کی فضیلت اور حاجیوں کے ساتھ مشابہت کی فضیلت کی طرف اشارہ کر دیا کہ قربانی بہت ہی افضل کام ہے ہر شخص کو چاہیے کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے میں پیچھے نہ رہے۔

أَبْوَابُ النُّذُوْرِ وَالْأَيْمَانِ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

النذور: جمع ہے نذر کی۔ جس کے معنی ڈر، خوف کے ہیں اسی سے نذیر ہے چونکہ منت ماننے سے بھی دل میں ڈر وخوف پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کو نذر کہا جاتا ہے۔

اصطلاح شرع میں نذر کی تعریف: جو چیز اپنے اوپر واجب نہ ہو اس کو اپنے نفس پر واجب کرنا کسی مقصد کے حصول کے لئے، پھر بعض اوقات یمین اور نذر کا حکم ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "من نذر نذرا لم یسمه فکفارته کفارة یمین" نیز طاعات کے بارے میں قسم یا نذر مانی جائے تو بالاتفاق اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

الایمان: ایمان جمع ہے یمین کی۔ لغت میں یمین دائیں ہاتھ کو کہتے ہیں پھر اس کا اطلاق حلف پر ہونے لگا۔ عرب میں یہ عادت تھی کہ جب وہ قسم اٹھاتے تو ایک دوسرے کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے اسلئے اس قسم کو یمین کہتے ہیں نیز یمین کے ایک معنی قوت کے بھی ہیں اور قسم سے بھی اس شخص کے موقف کی مضبوطی مقصود ہوتی ہے اسلئے اس کو یمین کہا جاتا ہے پھر یمین کی تین اقسام ہیں (۱) یمین لغو (۲) یمین غموس (۳) یمین منعقدہ۔ یمین کا حکم بیان کرنے سے پہلے یمین کی ہر قسم کی تعریف بھی آجائے۔ یمین لغو میں نہ گناہ ہوتا ہے نہ کفارہ۔ یمین غموس میں گناہ ہوتا ہے کفارہ نہیں۔ یمین منعقدہ میں قسم توڑنے پر کفارہ ہوتا ہے بشرطیکہ اللہ کے نام کی قسم کھائی گئی ہو۔

اصطلاح شرع میں یمین کی تعریف: "توکید الشئ بذکر اسم اللّٰه او صفته" اللہ تعالیٰ کے نام یا صفت کے ذریعے کسی چیز کو مضبوط و مؤکد کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ لِأَنَّ الزُّهْرِيَّ لَمْ يَسْمَعْ هٰذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَمِعْتُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر ماننا صحیح نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، جابر، عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ ابوسلمہ سے زہری نے یہ حدیث نہیں سنی۔ (امام ترمذیؒ کہتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث

مُحَمَّدًا يَقُولُ رَوَى عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَابْنُ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَرْقَمَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَالْحَدِيثُ هُوَ هٰذَا

کئی حضرات سے منقول ہے جن میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن ابی عتیق بھی شامل ہیں۔ ابن ابی عتیق، زہری سے وہ سلیمان بن ارقم سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابوسلمہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں حدیث یہی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو إِسْمٰعِيلَ التِّرْمِذِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ يُوسُفَ وَاسْمُهُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَرْقَمَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ وَقَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَاحْتَجَّا بِحَدِيثِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ وَلَا كَفَّارَةَ فِي ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ

ابو اسماعیل ترمذی، محمد بن اسماعیل بن یوسف، ایوب بن سلیمان بن بلال، ابوبکر بن ابی اویس، سلیمان بن بلال، موسیٰ بن عقبہ، عبداللہ بن ابی عتیق، زہری، سلیمان بن ارقم، یحییٰ بن ابی کثیر، ابوسلمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر پوری نہیں کی جائے گی اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور ابوصفوان بواسطہ یونس کی روایت سے اصح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے کہ گناہ سے متعلق نذر پوری نہیں کی جائے گی اور اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْأَيْلِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے اطاعت کرنی چاہیے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے (یعنی اسے پورا نہ کرے بلکہ کفارہ ادا کرے)۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ

حسن بن علی عبداللہ بن نمیر سے وہ عبیداللہ بن عمر سے وہ طلحہ بن عبدالملک ایلی سے وہ قاسم بن محمد سے وہ حضرت

عَبْدِ الْمَلِكِ الْأَيْلِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ قَالُوا لَا يَعْصِي اللهَ وَلَيْسَ فِيهِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ إِذَا كَانَ النَّذْرُ فِي مَعْصِيَةٍ

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مثل حدیث نقل کرتی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔یحییٰ بن ابی کثیر نے اسے قاسم بن محمد سے روایت کیا ہے۔بعض صحابہ کرامؓ اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔لیکن اگر کوئی نافرمانی کی نذر مانتا ہے تو اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔

تشریح: **مسئلہ: اگر کوئی شخص معصیت کی نذر مانے تو منعقد ہوگی یا نہیں؟** اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک معصیت کی نذر منعقد ہی نہیں ہوگی اور نہ ہی کفارہ واجب ہوگا۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک معصیت کی نذر منعقد تو ہو جائیگی لیکن اس کا پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ اسکے بدلے میں قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: ان کے پاس سوائے قیاس کے اور کوئی دلیل نہیں وہ کہتے ہیں کہ معصیت سے دور رہنا واجب ہے لہٰذا اس کو اپنے اوپر واجب کرنا صحیح نہیں بلکہ یہ تو اور زیادہ گناہ کا سبب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے "انه علیه السلام قال لا نذر فی معصیة وکفارته کفارة یمین" اس میں واضح طور پر بتلادیا کہ نذرِ معصیت کی صورت میں کفارہ یمین واجب ہے تو اب صریح حدیث کے مقابلے میں کسی کا قیاس معتبر نہیں۔

نیز تین الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے۔ ① واؤ جیسے واللہ ② باء جیسے باللہ ③ تاء جیسے تاللہ اور بعض اوقات ان تین لفظوں کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ یہ محذوف ہوتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہے "اللہ افعله"۔

ان ناموں کے ساتھ قسم کھانا بھی جائز ہے جن اسماء کے ساتھ عام طور پر قسم کھائی جاتی ہے جیسے اللہ کی عزت وجلال کی قسم۔

اللہ کے اسماء کے سوا قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟۔ جیسے باپ دادا کی قسم، قرآن کی قسم، فرشتوں کی قسم اور ما قبل انبیاء کی قسم یا عام طور پر کہتے ہیں فلاں کے سر کی قسم تو یہ سب ناجائز ہیں لیکن اس طرح کی اگر کوئی شخص قسم کھالے تو سخت گناہگار ہوگا۔

سند پر کلام: اس حدیث میں ابن شہاب زہری، ابوسلمہ سے براہ راست روایت کرتے ہیں یا ان کے درمیان کسی اور راوی کا واسطہ موجود ہے۔ یونس بن یزید کوئی واسطہ بیان نہیں کررہے۔ جبکہ موسیٰ بن عقبہ اور عبداللہ بن ابی عتیق۔ سلیمان بن ارقم اور یحییٰ بن ابی کثیر کا واسطہ ذکر کرتے ہیں تو اس صورت میں اصل سند یوں تھی۔" عن ابن شہاب عن سلیمان بن ارقم عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمة عن عائشة ؓ" تو امام زہری نے ان کو چھوڑ کر ۔ ں سے کام لیا۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ صحیح سند وہ ہے جس میں دو واسطوں کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا نَذْرَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، اسحاق بن یوسف ازرق، ہشام دستوائی، یحیٰی بن ابی کثیر، ابی قلابہ، حضرت ثابت بن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز انسان کی ملکیت میں نہ ہو اس کی نذر نہیں ہوتی اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: بنی آدم میں سے کوئی شخص ایسی چیز کی نذر نہ مانے جس کا وہ مالک نہیں۔ البتہ اپنی مملوکہ چیز کی نذر ماننا بالا جماع جائز ہے البتہ بوقت نذر غیر مملوک کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اگر نسبت الی الملک ہو یا الی سبب الملک ہو تو نذر جائز ہوگی ورنہ جائز نہیں ہوگی۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی اور فلاں غلام کو میں نے خرید لیا تو وہ آزاد ہے اور اگر نہ ملک کی طرف نسبت ہے اور نہ سبب ملک کی طرف تو یہ بالا جماع جائز نہیں مثلاً یہ کہا کہ اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو فلاں کا غلام آزاد ہے۔

شوافع کے نزدیک ایسی نذر منعقد نہیں ہوگی ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے "**لیس علی العبد نذر فیما لا یملك**"۔

جواب: یہ اس صورت پر محمول ہے جس میں نہ ملک کی طرف نسبت ہو اور نہ ہی سبب ملک کی طرف۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي كَعْبُ بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمِّ كَفَّارَةُ يَمِينٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

احمد بن منیع، ابوبکر بن عیاش، محمد مولی المغیرۃ بن شعبۃ، کعب بن علقمہ، ابی الخیر وہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر معین نذر کا کفارہ بھی وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اگر کسی نے نذر مانی لیکن اس میں نذر کی تعیین نہیں کی مثال کے طور پر اس نے نذر مانی کہ اگر میں شفایاب ہوگیا تو کوئی چیز منت دوں گا۔ اب شفا ملنے پر قسم کا کفارہ کیسے ادا کرے یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اس پر یمین کا کفارہ آئے گا لہٰذا اس شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس کو کپڑا پہنائے یا ایک غلام آزاد کرائے اور اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أَتَتْكَ عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنَّكَ إِنْ أَتَتْكَ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْتُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَنَسٍ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِي مُوسَى حَدِيثُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

محمد بن عبدالاعلیٰ، معتمر بن سلیمان، یونس، حسن، حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبدالرحمن امارت مت مانگو اس لئے کہ اگر یہ تمہارے مانگنے سے عطا کی جائیگی تو تم تائید الٰہی سے محروم رہو گے اور اگر تمہارے طلب کئے بغیر ملے گی تو اس پر اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم کسی کام کے کرنے کی قسم کھالو اور پھر معلوم ہو کہ اس قسم کو توڑ دینے میں ہی بھلائی ہے تو اسے توڑ دو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔ اس باب میں حضرت عدی بن حاتم، ابودرداء، انس، عائشہ، عبداللہ بن عمرو، ابوہریرہ، ام سلمہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ:** کہ سرداری (امارت) کی خواہش نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ سرداری (امارت) وغیرہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری اور مشکل کام ہے ہر انسان کے بس کی بات نہیں اور اگر امارت وسرداری کی خواہش کی اور تمہاری طلب سے وہ تمہیں مل بھی گئی تو اس کام کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف۔ سے تمہاری کوئی مدد نہیں ہوگی اور ہر طرف سے شروفساد برپا ہوگا جس وجہ سے تمہاری بے آبروئی کے ساتھ تمہیں اس سرداری سے نااہل قرار دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں اس کی مذمت آئی ہے ہاں اگر بغیر طلب وکوشش سے کوئی ذمہ داری مل جائے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائیگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات درست ہوں گے اور مخلوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت ووقعت ہوگی۔ اسی وجہ سے جمہوریت کے نظام کی وجہ سے ملک میں تبدیلی نہیں آتی کیونکہ اس میں وزارت، امارت وعہدہ کو عموماً خریدا جاتا ہے۔

فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ مثلاً یہ کہ نماز نہیں پڑھوں گا روزہ نہیں رکھوں گا تو اس قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کرو اور جو تمہارے لئے بہتر ہے وہی کام کرو۔

اس حدیث کی مزید وضاحت اگلے باب کے ذیل میں آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

قتیبہ، مالک بن انس، سہیل بن ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَفْعَلْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْكَفَّارَةَ قَبْلَ الْحِنْثِ تُجْزِئُ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُكَفِّرُ إِلَّا بَعْدَ الْحِنْثِ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ إِنْ كَفَّرَ بَعْدَ الْحِنْثِ أَحَبُّ إِلَيَّ وَإِنْ كَفَّرَ قَبْلَ الْحِنْثِ أَجْزَأَهُ.

نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کام کی قسم کھائے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام اسے بہتر نظر آجائے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور وہ بہتر کام کرلے۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہ کرے۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر بعد میں کفارہ دے تو میرے نزدیک مستحب ہے لیکن قسم توڑنے سے پہلے دینا بھی جائز ہے۔

تشریح: **مسئلہ اختلافی: حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟**

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے البتہ امام شافعیؒ صوم کے کفارہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک حانث ہونے کے بعد کفارہ دینا واجب ہے حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا معتبر نہیں۔

اصل میں یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ کفارہ کا سبب کیا چیز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ کا سبب یمین ہے اسلئے انکے نزدیک حانث ہونے سے پہلے کفارہ معتبر ہے جب کہ احناف کے نزدیک کفارہ کا سبب یمین نہیں بلکہ حانث ہونا ہے کیونکہ کفارہ کسی جرم پر ہوتا ہے اور حانث ہونا بھی جرم ہے لہٰذا کفارہ کا سبب حانث ہونا ہے اس سے پہلے کفارہ معتبر نہیں۔ اب احادیث بھی اسکے بارے میں مختلف ہیں کہیں پہلے کفارے کا ذکر ہے پھر حانث کا ذکر ہے کہیں پہلے حانث ہونے کا ذکر ہے اور پھر کفارہ کا کہیں حرف عطف ”واؤ“ ہے اور کہیں حرف عطف ”ثم“ ہے اس طرح مختلف روایات کے ہوتے ہوئے ائمہ کا بھی اس میں اختلاف ہوگیا۔ اب اختصار کے ساتھ دلائل ملاحظہ ہوں۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی آیت ”ذلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم“ یہاں کفارہ کا سبب حلف کو قرار دیا گیا لہٰذا قسم کے بعد کفارہ دینے سے کفارہ ادا ہو جائیگا۔

دلیل ثانی: قرآن پاک کی آیت ”ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته۔ الاية“ تو یہاں حنث کے بغیر ایمان کے بعد فاء تعقیب کے ذریعے کفارہ لایا گیا تو معلوم ہوا کہ یمین کے بعد بھی کفارہ دینا جائز ہے۔ حانث ہونا ضروری نہیں۔

دلیل ثالث: اگلے باب کی حدیث ہے کہ اس میں ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِيْنٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ“ کفارہ کا ذکر ہے۔

دلیل رابع: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس میں ہے ”من حلف علی یمین فرأى غيرها خيرا منها فليكفر عن

یمینه ولیفعل" یہاں بھی پہلے کفارے کا ذکر ہے پھر حانث ہونے کا ذکر ہے ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل کے جوابات: آپ نے جو آیات پیش کی ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ ہم نے نص اور قیاس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ نفس یمین کفارہ کا سبب نہیں بلکہ حانث ہونا سبب ہے اور تم نے جو آیت پیش کی اس میں "اذا حنثتم" محذوف ماننا پڑے گا۔ مطلب یہ ہوگا "ای بما عقدتم الایمان واذا حنثتم فیها فکفارته" اور دوسری آیت میں یوں ہوگا "وذلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم وحنثتم" جیسا کہ اس آیت میں سب محذوف مانتے ہیں "فمن كان منكم مريضا اوعلى سفر فعدة من ايام اخر" تو یہاں سب کہتے ہیں کہ "اوعلی سفر" کے بعد "افطرتم" کا لفظ محذوف ہے نیز جن احادیث میں کفارہ "قبل الحنث" ہے تو ان کا جواب یہ ہے کہ دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض آ گیا کہ بعض احادیث میں "قبل الحنث" اور بعض میں "بعد الحنث" کا ذکر ہے ہم کہتے ہیں کہ جو احادیث قیاس کے مطابق ہوں گی ان کو راجح قرار دینگے اور یہ وہ احادیث ہیں جن میں "بعد الحنث" والی احادیث میں کفارہ ہونا قیاس کے موافق ہے لہٰذا ہم کہیں گے کہ کفارہ "بعد الحنث" والی احادیث راجح ہیں۔

احناف کی دلیل اول: حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ "اذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيرا منها فكفر عن يمينك الذى هو خير" اس حدیث میں پہلے حانث ہونے کا حکم دیا پھر کفارے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حانث ہو پھر کفارہ ہوگا۔

دلیل ثانی: اللہ کے نام کی بے حرمتی کا جو گناہ ہوا ہے اس کو زائل کرنے کیلئے کفارہ ہوتا ہے اور جب صرف قسم اٹھائی اور اسکو پورا نہیں کیا تو اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہوئی جب بے حرمتی نہ ہوئی تو کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاسْتِثْنَاءِ فِي الْيَمِينِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفًا وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

محمود بن غیلان، عبدالصمد بن عبدالوارث، حماد بن سلمہ، ایوب، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے اور ساتھ ہی ان شاء اللہ بھی کہہ دے تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کی قسم نہیں ہوتی لہٰذا اس کے خلاف عمل کر لینے سے کفارہ واجب نہیں ہوگا) اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی روایت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن ہے عبیداللہ بن عمر وغیرہ نافع سے اور وہ ابن عمرؓ سے یہی حدیث نقل

مَوْقُوفًا وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَقَالَ إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أَيُّوبُ أَحْيَانًا يَرْفَعُهُ وَأَحْيَانًا لَا يَرْفَعُهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ إِذَا كَانَ مَوْصُولًا بِالْيَمِينِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمْ يَحْنَثْ سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيهِ عَبْدُ الرَّزَّاقِ اخْتَصَرَهُ مِنْ حَدِيثِ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ قَالَ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلَامًا فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَلِدِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ نِصْفَ غُلَامٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَكَانَ كَمَا قَالَ هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ هٰذَا الْحَدِيثُ بِطُولِهِ وَقَالَ سَبْعِينَ امْرَأَةً وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى مِائَةِ امْرَأَةٍ.

کرتے ہیں۔ سالم بھی اسی طرح موقوف ہی نقل کرتے ہیں۔ ہم ایوب سختیانی کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں جانتے جس نے مرفوعاً روایت کی ہو۔ اسماعیل بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ایوب کبھی مرفوع بیان کرتے ہیں اور کبھی غیر مرفوع۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ قسم کے ساتھ ملا کر ان شاء اللہ کہنے پر حانث نہ ہوگا۔ سفیان ثوری، اوزاعی، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کی قسم منعقد نہیں)۔ (امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس حدیث میں خطا ہے۔ اور وہ خطا عبدالرزاق سے سرزد ہوئی۔ وہ اسے معمر سے مختصر روایت کرتے ہیں۔ وہ ابن طاؤس سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت ابوہریرہؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد نے کہا آج کی رات میں ستر بیویوں سے جماع کروں گا۔ ان میں سے ہر عورت ایک بچہ جنے گی۔ پھر وہ ان عورتوں کے پاس گئے لیکن ان میں سے ایک کے علاوہ کسی کے ہاں بیٹا پیدا نہ ہوا اور وہ بھی نصف۔ پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر حضرت سلیمانؑ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو جیسے انہوں نے کہا تھا ویسے ہی ہو جاتا۔ عبدالرزاق بھی معمر وہ ابن طاؤس سے اور وہ اپنے والد سے یہی طویل حدیث نقل کرتے ہیں اور اس میں ستر عورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے کئی سندوں سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد نے فرمایا کہ میں آج کی رات ایک سو عورتوں کے پاس جاؤں گا۔

تشریح: استثناء فی الیمین کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھاتے وقت اس کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہنا اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی یہ اجماعی مسئلہ ہے اور یہی حکم طلاق عتاق نکاح وغیرہ کا ہے۔ جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ **انت طالق ان شاء اللہ** تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی غلام کو کہے ''**انت حرٌ ان شاء اللہ**'' تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ ان الفاظ سے یمین منعقد ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ: یمین کے آخر میں اگر ان شاء اللہ کہہ دیا تو یمین منعقد ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک یمین منعقد ہو جائے گی۔

قول ثانی: جمہور علماء وائمہ ثلثہ کے نزدیک اگر متصلاً ان شاء اللہ کہا تو یمین نہیں ہوگی اور اگر متصلاً نہ کہا تو یمین منعقد ہو جائے گی۔

امام مالکؒ کی عقلی دلیل: تمام چیزیں جب اللہ کی مشیت سے ہوتی ہیں تو اسکے ذکر سے یمین کا حکم نہیں بدلے گا بلکہ یمین منعقد ہو جائیگی۔

جمہور علماء کی دلیل: جمہور حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس میں ''**فقال**'' تعقیب بلاتراخی کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا متصلاً ان شاء اللہ کہنے سے یمین منعقد نہیں ہوگی۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: نص کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں نیز طلاق، عتاق، نکاح میں اگر متصلاً ان شاء اللہ کہا تو طلاق، عتاق، نکاح میں سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔

باقی ان شاء اللہ کے متصل اور منفصل ہونے کی حد کیا ہے تو عند الاحناف مجلس میں سلسلہ کلام جاری رہنے تک اس کا وقت ہے۔ جب کلام ختم تو ان شاء اللہ کا اثر بھی ختم ہو گیا اور عند الشوافع مجلس کے قیام تک ان شاء اللہ مؤثر رہیگا مجلس ختم ہونے کے بعد ان شاء اللہ کا اثر ختم ہو جائیگا۔

سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ: اس باب میں عبد الرزاق نے ایک حدیث مختصر طور پر ذکر کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بار اپنے درباریوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے مگر درباریوں میں سستی تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا اور غصہ میں فرمایا کہ تم جہاد میں جانے سے کتراتے ہو میں آج رات اپنی تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ہر بیوی سے لڑکا عنایت فرمائیں گے۔ پھر میں اور میرے لڑکے مل کر جہاد کرینگے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات کہی تو وزیر نے کہا کہ ان شاء اللہ کہہ دیں مگر حضرت سلیمان علیہ السلام غصہ میں ان شاء اللہ نہ کہہ سکے پھر حسب فرمان اپنی تمام بیویوں کے پاس گئے (جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق ستر تھی اور دوسری روایت کے مطابق سو تھی) مگر کسی بیوی کو حمل قرار نہیں پایا۔ ایک بی بی صاحبہ کو حمل ہوا وہ بھی ناتمام بچہ گر گیا۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مراد پوری کرتے اور ہر بیوی سے اللہ تعالیٰ لڑکا عنایت کرتے جن کے ساتھ یہ مل کر جہاد کرتے۔

اب اس حدیث میں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے قسم نہیں کھائی بلکہ ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر اس کو قسم مان لیا جائے تو حضرت سلیمانؑ نے اس رات تمام بیویوں سے صحبت کر کے اپنی قسم پوری کر لی۔ اب آگے بچے دینا نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس لئے قسم ٹوٹنے کا بھی سوال نہیں۔ بہر حال یہ حدیث مختصر ہو کر کے اس میں ردوبدل ہو گیا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو کامیاب ہو جاتے۔ یہی بات روایت بالمعنی بن کر **لم یحنث** ہو گئی۔ حالانکہ قسم ٹوٹنے کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ باقی اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ قسم کے ساتھ اگر متصلاً ان شاء اللہ کہہ دیا جائے تو قسم نہیں ٹوٹتی یہ

مضمون تو اس حدیث میں ہے ہی نہیں۔ اسی لئے امام بخاریؒ اس حدیث کے بارے میں فرما رہے ہیں۔ "هٰذا حديث خطأ" کہ عبدالرزاق سے اس حدیث میں غلطی ہوگئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلِفِ بِغَيْرِ اللهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ وَهُوَ يَقُولُ وَأَبِي وَأَبِي فَقَالَ أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ فَقَالَ عُمَرُ فَوَاللهِ مَا حَلَفْتُ بِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا وَفِي الْبَابِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَقُتَيْلَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ مَعْنَى قَوْلِهِ وَلَا آثِرًا يَقُولُ لَا آثُرُهُ عَنْ غَيْرِي يَقُولُ لَمْ أَذْكُرْهُ عَنْ غَيْرِي

حضرت سالم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا خبردار اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اس کے بعد کبھی بھی میں نے اپنے باپ کی قسم نہیں کھائی نہ اپنی طرف سے اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے۔ اس باب میں ثابت بن ضحاک، ابن عباس، ابوہریرہ، قتیلہ اور عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو عبید کہتے ہیں کہ لا اثرا کا مطلب یہی ہے کہ میں نے کسی اور سے بھی باپ کی قسم نقل نہیں کی۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ عُمَرَ وَهُوَ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ لِيَحْلِفْ حَالِفٌ بِاللهِ أَوْ لِيَسْكُتْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ھناد، عبدہ، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک قافلے میں باپ کی قسم کھاتے ہوئے پایا تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے اگر کوئی قسم کھانا چاہے تو اللہ ہی کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حلف بغیر اللہ بالاتفاق ممنوع ہے نیز قرآن کی قسم کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے صحیح ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی تین اقسام ہیں۔ ① حقیقۃً غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تو صاف شرک اور حرام ہے۔ ② کسی آدمی کی عادت ہو بطور تکیہ کلام کے غیر اللہ کی قسم کھانا۔ ③ اپنے دعویٰ پر دلیل کو بطور قسم کے پیش کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہو وہ حقیقت میں قسم نہ ہو بلکہ دلیل ہو قرآن پاک میں جن قسموں کے کھانے کا ذکر ہے وہ اسی قبیل سے ہیں یعنی وہ سب دلیلیں ہیں جو قسم کی صورت میں لائی گئی ہیں۔ مثلاً سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ پھر فرمایا ہے "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" چار اقسام اس مقسم بہ کی دلیل ہیں۔

سوال: اس حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے سے ممانعت فرمائی گئی ہے جب کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے یوں

ارشاد فرمایا ''افلح وابیہ'' یعنی آپ ﷺ نے باپ کی قسم کھائی جب کہ یہ حدیث مذکور کے سراسر خلاف ہے۔

جواب اوّل: آپ ﷺ کا اس طرح قسم کھانے کا فعل تحریم سے پہلے کا ہے اب دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں

جواب ثانی: آپ ﷺ نے یہ کلمات بطور قسم ارشاد نہیں فرمائے بلکہ تاکید کے لئے فرمائے جیسا کہ ملاعلی قاریؒ نے فرمایا ''ان ہذہ کلمۃ تجری علی اللسان لا یقصد بھا الیمین'' جبکہ ممانعت شرعی قسم سے ہے۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۳)

جواب ثالث: بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ ''افلح وابیہ'' میں مضاف محذوف ہے ''افلح وابیہ ای ورب ابیہ''

جواب رابع: ''افلح وابیہ'' والی حدیث بیان جواز کیلئے ہے اور حدیث الباب بیان کراہت کے لئے ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے بھی مخلوقات میں سے کئی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں جیسے ''والصافات، والتین، والسماء'' وغیرہ تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ خالق جس کی چاہے قسمیں اٹھا سکتا ہے لیکن مخلوق صرف اللہ کی ذات کی قسمیں اٹھا سکتی ہے کسی اور کی نہیں۔ باقی اللہ نے ان اشیاء کی جو قسمیں اٹھائی ہیں یہ شرعی قسمیں نہیں ہیں بلکہ ان اشیاء کی عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے ہیں۔

بَابٌ (بِلا ترجمه)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لَا وَالْكَعْبَةِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُحْلَفُ بِغَيْرِ اللهِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَتَفْسِيرُ هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ قَوْلَهُ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ عَلَى التَّغْلِيظِ وَالْحُجَّةُ فِي ذٰلِكَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ عُمَرَ يَقُولُ وَأَبِي وَأَبِي فَقَالَ أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَالَ فِي حَلِفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ هٰذَا مِثْلُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ

قتیبہ، ابوخالد احمر، حسن بن عبیداللہ، سعد بن عبیدہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ۔ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔ یہ حدیث حسن ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ کفر وشرک کہنا تغلیظاً ہے۔ اس باب میں حجت حدیث ابن عمرؓ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا خبردار! اللہ تعالیٰ تمہیں باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھائے اسے چاہیے کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہے یہ بھی اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ریاکاری شرک ہے۔ بعض اہل علم نے اس

الرِّيَاءُ شِرْكٌ وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذِهِ الْآيَةَ (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا) الْآيَةَ قَالَ لَا يُرَائِي .

آیت، (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا) (الکھف: 110) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد ریا کاری ہے۔ یعنی یہ بھی تنبیہ کے طور پر فرمایا گیا۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یوں قسم اٹھاتے ہوئے سنا''لا والكعبة'' اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ غیر اللہ کی قسم مت کھا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا فرمایا شرک کیا۔ اس حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے کو کفر وشرک کہا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حقیقت پر محمول نہیں بلکہ یہ زجر وتوبیخ پر محمول ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا''الا ان الله ينهاكم ان تحلفوا بأبائكم''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا۔ اگر غیر اللہ کی قسم کھانا حقیقۃً کفر یا شرک ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم دیتے معلوم ہوا کہ یہ حدیث باب تغلیظ وتشدید کی قبیل سے ہے۔ اگلی حدیث میں اس وضاحت کے بعد اشکال وارد ہوتا ہے۔

سوال: اگلی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھائے۔ وہ''لا اله الا الله'' کہے اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے والا حقیقۃً کافر ہو جاتا ہے اس لئے اس کو تجدید ایمان کا حکم دیا ورنہ تجدید ایمان کا حکم نہ دیتے۔

جواب اوّل: یہ جواب امام ترمذیؒ نے دیا ہے کہ یہ حکم تجدید ایمان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ الریاء شرک کی قبیل سے ہے یعنی عبادت میں دکھاوا کرنا شرک ہے ظاہر ہے حقیقی شرک تو نہیں بلکہ بڑا گناہ ہے جس کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی ہا گیا کہ جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھائے وہ لا الہ الا اللہ کہے۔

جواب ثانی: یہ حدیث علاج بالاضداد کی قبیل سے ہے زمانہ جاہلیت میں لوگ لات وعزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے اور اسکی انکو عادت بن چکی تھی۔ اور عادت فی الفور نہیں چھوٹتی رفتہ رفتہ چھوٹتی ہے۔ پس اگر اسلام لانے کے بعد کسی کے منہ سے جلدی میں لات وعزیٰ کا نام نکل آئے تو اس کا علاج بتلادیا کہ فوراً''لا اله الا الله'' کہے یہ کلمہ اس کا کفارہ بن جائے گا اور غلط بات کی عادت بھی چھوٹ جائیگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ وَلَا يَسْتَطِيْعُ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ عَنْ عِمْرَانَ الْقَطَّانِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ نَذَرَتِ امْرَأَةٌ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ فَسُئِلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِهَا مُرُوهَا فَلْتَرْكَبْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

عبد القدوس بن محمد عطار بصری، عمرو بن عاصم، عمران قطان، حمید، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے قسم کھائی کہ وہ بیت اللہ تک چل کر جائے گی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے پرواہ ہے۔ اسے کہو کہ سوار ہو کر جائے۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، عقبہ بن عامر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْخٍ كَبِيرٍ يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوا نَذَرَ يَارَسُولَ اللهِ فَقَالَ أَنْ يَمْشِيَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ قَالَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک بوڑھے کے پاس سے گزرے جو (کمزوری کے سبب) اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہا تھا۔ فرمایا اسے کیا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اسکے اپنے نفس کو تکلیف میں مبتلا کرنے سے بے نیاز ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سوار ہو کر جانے کا حکم دیا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا فَذَكَرَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالُوا إِذَا نَذَرَتِ الْمَرْأَةُ أَنْ تَمْشِيَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ شَاةً.

ہم سے روایت کی محمد بن مثنی نے انہوں نے ابن ابی عدی سے انہوں نے حمید سے انہوں نے حضرت انسؓ سے اسی طرح کی حدیث نقل کی یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر عورت پیدل جانے کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ ایک بکری ذبح کرے یعنی قربانی کرے اور سوار ہو کر جائے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ شخص چلنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے اپنے دو بیٹوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر گھسٹتا ہوا حج کرنے جارہا تھا تو رسول کریم ﷺ کے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے تو رسول کریم ﷺ نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے پیادہ بیت اللہ کی زیارت کی نذر مانی تو اسکا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر اس شخص کو پیدل جانے کی قدرت ہے تو پیدل جانا ضروری ہے اگر قدرت نہ ہو تو ایک دم (بکری ذبح کرے) دے اور سوار ہو کر حج کا سفر پورا کرے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طاقت ہو یا نہ ہو پیدل جانا ضروری نہیں بلکہ سوار ہو کر جانا چاہیے اور ایک دم لازم ہوگا جس کی کم از کم مقدار ایک بکری ہے اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے اور امام مالکؒ بعض صورتوں میں وجوب دم کے قائل ہیں اور بعض صورتوں میں وجوب دم کے قائل نہیں امام احمدؒ کا مختار قول یہی ہے کہ اس پر کفارہ یمین لازم آئے گا۔

امام احمدؒ کی دلیل: عبداللہ بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے پیدل بغیر دوپٹہ حج کی نذر مانی تو آپ ﷺ نے ان کو دوپٹہ اوڑھنے اور سوار ہونے کی اجازت دی اور کفارہ یمین یعنی تین روزے رکھنے کا حکم فرمایا۔

جواب: آپ ﷺ کا کفارہ کا ذکر کرنا یہ سواری پر سوار ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان دو چیزوں کی وجہ سے جن کی نذر مانی تھی۔ ① وہ دوپٹہ نہیں اوڑھیں گی ② پیدل حج کریں گی۔ پہلی نذر چونکہ معصیت ہے اور معصیت کی نذر میں چونکہ کفارہ یمین لازم آتا ہے۔ اس لئے کفارہ یمین کا حکم دیا اور ترک مشی پر ہدی کا حکم فرمایا۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن کو ھدی بھیجنے کا حکم فرمایا۔

دلیل ثالث: مستدرک حاکم میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "**فمن نذر ان یحج ماشیا فلیهد هدیا ولیرکب**" اس میں ہدی کا حکم ہے امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے جب کہ علامہ ذھبی نے اسکی توثیق کی ہے۔

مسئلہ: اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں پیدل بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں تو اس پر حج اور عمرہ واجب ہوتا ہے ان میں سے جس کو چاہے پورا کرے جس کی نیت کی ہے اس نیت کے اعتبار سے پورا کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں پیادہ حرم جانا یا پیادہ مسجد حرام جانا لازم کرتا ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی مگر امام ابویوسف وامام احمدؒ کے نزدیک اس پر حج وعمرہ واجب ہوجاتا ہے۔

سوال: جب نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے تو پھر اس مسئلہ میں دم کیوں لازم آتا ہے؟

جواب: یہاں پر نذر کا معاملہ حج وعمرہ سے متعلق ہے اور حج وعمرہ میں کوئی نقصان پیش آئے تو اسکو دم سے ہی پورا کیا جاتا ہے۔

سوال: نذر کی شرائط میں یہ شرط ہے کہ نذر تو اس چیز کی طرف کی جاتی ہے جس کی جنس میں سے کوئی فعلِ شرعی واجب ہو جب کہ بیت اللہ کی طرف پیدل سفر کرنا تو کوئی واجب فعل نہیں ہے لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس شخص پر کوئی چیز لازم نہ ہو حالانکہ بعض علماء کے نزدیک اس نذر کے توڑنے میں اس پر دم لازم آئے گا؟ **جواب:** قیاس کا تقاضا تو یہی ہے لیکن استحساناً اس نذر کو معتبر مانا گیا کیونکہ عرفِ عام میں اس طرح کے الفاظ ادا کرنے سے حج یا عمرہ لازم سمجھا جاتا ہے لہٰذا قسم اور نذر میں عرف کا دخل ہے۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ النُّذُورِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوا النَّذْرَ وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ مَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ فِي النَّذْرِ فِي الطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ فَإِنْ نَذَرَ الرَّجُلُ بِالطَّاعَةِ فَوَفَّى بِهِ فَلَهُ فِيهِ أَجْرٌ وَيُكْرَهُ لَهُ النَّذْرُ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، علاء بن عبدالرحمن، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نذر نہ مانو کیونکہ اس سے تقدیر کی کوئی چیز دور نہیں ہوسکتی البتہ بخیل کا کچھ مال ضرور خرچ ہو جاتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ نذر مکروہ ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں طرح کی نذر مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص اطاعت الٰہی کی نذر مانے پھر اسے پوری کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا اگرچہ اس کے لئے نذر مکروہ ہے۔

تشریح: لَا تَنْذِرُوا: بات بات پر نذر ماننے کے عادی نہ بنو کہ پھر نذر کو پورا کرنا مشکل ہو جائے۔
یا مطلب یہ ہے کہ نذر میں یہ اعتقاد نہ رکھو کہ نذر سے تقدیر الٰہی وحکم الٰہی تبدیل ہو جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات صرف نذر کی صورت میں ہی نہ کیا کرو کہ جب کوئی کام اٹک جائے تو نذر مان لو اور کام پورا ہو جانے پر صدقہ کرو بلکہ بلاغرض ہی صدقہ کرنے کی عادت ڈالو لہٰذا حدیث مبارک سے مقصود مطلقا نذر سے ممانعت نہیں بلکہ مذکورہ صورتوں میں نذر ماننے سے ممانعت ہے کیونکہ نذر ماننے کا ایسا طریقہ بخیل لوگوں کا ہے اور بخیل لوگ بخوشی صدقہ خیرات نہیں کرتے بلکہ مصیبت پڑ جانے پر معاوضہ کی شکل میں صدقہ خیرات کرتے ہیں جبکہ سخی اللہ کی رضا کے لئے ہر حال میں خیرات کرتے ہیں لہٰذا حدیث الباب اُن روایات کے معارض نہیں جن میں نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ کما فی القرآن "**یوفون بالنذر... انی نذرت لک مافی بطنی۔ انی نذرت للرحمن صوما**"۔
قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ نذر ماننے والا جب یہ کہتا ہے کہ اللہ نے میرا فلاں کام کر دیا تو اتنا پیسا دوں گا تو گویا یہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرط لگا دی، شرط لگانے سے اخلاص ختم ہو جاتا ہے تو نذر مکروہ ہو جاتی ہے تو غلط اعتقاد کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔
فلیطعه: اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت تو ویسے بھی کرنی چاہیے اور جب نذر مان لی تو بطریق اولیٰ کرنی چاہیے۔
ومن نذران یعصیه فلا یعصه: جو کام بذات خود گناہ ہو اس کی نذر باطل ہے جیسے شراب پینے، جوا کھیلنے، کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی نذر۔ ایسی نذر درست نہیں بلکہ باطل ہے کیونکہ اس میں معصیت ہے اسلئے ایسی نذر کا پورا کرنا حرام ہے۔
مسئلہ اختلافی: معصیت کی نذر میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔
قول اوّل: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہ معصیت کی نذر جائز ہے اور نہ ہی اسکا پورا کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس پر کفارہ واجب ہوگا۔
قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ معصیت کی دو قسمیں ہیں۔ ① **معصیت لعینها** ② **معصیت لغیرها**۔ اگر "**معصیت لعینها**" کی نذر مانی تو وہ نذر سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگی۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں گناہ کرونگا یا کسی مزار پر چادر چڑھاؤں گا تو یہ نذر سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگی اور اگر "**معصیت لغیرها**" ہو تو اس کو پورا نہ کرے لیکن اس پر کفارہ یمین آئے گا مثلا یہ کہا کہ میں عید کے دن روزہ رکھوں گا تو اسکو پورا نہ کرے بلکہ کفارہ دیدے۔
امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب یعنی حضرت عائشہ ؓ والی روایت ہے "**من نذران یطیع اللہ فلیطعه ومن نذران یعصیه فلا یعصه**"۔
جواب: حدیث الباب میں کفارہ کے ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا جبکہ ہماری پیش کردہ احادیث میں صراحۃً کفارہ کا ذکر ہے۔
دلیل ثانی: حضرت عمران بن حصین کی حدیث ہے "**لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فی ما لا یملك العبد**"۔ دیکھئے اس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں اگر نذرِ معصیت منعقد ہوتی تو کفارہ ضرور ہوتا۔
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: آگے حضرت عقبہ بن عامر ؓ کی حدیث ہے "**قال کفارة النذر کفارة الیمین**" یہاں مطلق کفارہ کا ذکر ہے جو بھی نذر ہوگی اس میں کفارہ لازم ہوگا۔

دلیل ثانی: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "ومن کان نذر فی معصیة فذلك للشیطان ولا وفاء فیه ویکفره ما یکفر الیمین"۔

دلیل ثالث: "وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ لا نذر فی المعصیة وکفارته کفارة الیمین"۔

دلیل رابع: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں "قال من نذر نذرًا لم یسمه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرًا فی معصیة فکفارته کفارة یمین"۔

سوال: نذر مت مانو کیونکہ نذر تقدیر کو ٹال نہیں سکتی ماقبل کی احادیث اور آیت کریمہ ولیوفوا نذورهم سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر جائز ہے اور یہاں پر منع آ گیا۔

جواب اوّل: یہاں مطلقاً نذر سے نہی نہیں ہے بلکہ خاص نذر سے نہی مقصود ہے جبکہ نذر ماننے والا نذر کو تقدیر کے ٹل جانے میں مؤثر بالذات سمجھ رہا ہو تو یہ عقیدہ فاسدہ اس عقیدہ کے ساتھ نذر نہ مانو اس صورت میں یہ نہی تحریمی ہوگی۔

جواب ثانی: عمومی طور پر نذر ماننے والے کا مقصود نذر سے جلب منفعت ہوتا ہے یا دفع مضرت ہوتا ہے اور یہ ایک قسم کا معاوضہ بن جاتا ہے اور معاوضہ میں کام کرنا بخیلوں کا کام ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محض جلب منفعت اور دفع مضرت کی وجہ سے نذر ماننی مناسب نہیں ہے۔ اس صورت میں نہی تنزیہی ہوگی۔

جواب ثالث: نذر دو قسم پر ہے ① نذر مطلق کوئی یہ نذر مانے لله علی أن اصوم یوم الجمعة کسی مقصد کے حصول کے ساتھ معلق نہیں۔ ② نذر معلق کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو اتنا مال صدقہ کروں گا حدیث کا مدلول نذر مطلق سے روکنا نہیں ہے بلکہ نذر معلق سے روکنا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ عمومی طور پر لوگ اس کو ردِ تقدیر میں مؤثر بالذات سمجھتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَفَاءِ النَّذْرِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ قَالُوا إِذَا أَسْلَمَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ نَذْرُ طَاعَةٍ فَلْيَفِ بِهِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ

اسحاق بن منصور، یحییٰ بن سعید قطان، عبید اللہ بن عمر، نافع، ابن عمر، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا۔ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمرو اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام لائے اور اس پر اللہ کی اطاعت ہی میں نذر ہو تو وہ اسے پورا کرے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ

الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وقَالَ آخَرُونَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صَوْمٌ إِلَّا أَنْ يُوجِبَ عَلَى نَفْسِهِ صَوْمًا وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ عُمَرَ أَنَّهُ نَذَرَ أَنْ يَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوَفَاءِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ .

اعتکاف کرنے والے کے لئے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ لیکن بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ معتکف کے ذمہ روزہ نہیں البتہ یہ کہ وہ خود اپنے ذمہ واجب کرے۔ انہوں نے حدیث عمرؓ سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور جاہلیت میں مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پورا کرنے کا حکم دیا۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اسی باب میں دو مسائل کا بیان ہے۔ ① اگر کسی شخص نے حالت کفر میں کوئی منت مانی پھر اس منت کو پورا کرنے سے پہلے پہلے وہ مسلمان ہو گیا تو اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ ② منذور اعتکاف کے لئے صوم کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟

مسئلہ اولیٰ: اگر کسی کافر نے قسم اٹھائی اور وہ قسم میں حانث ہو گیا یا اسلام لانے کے بعد وہ حانث ہو گیا تو اس پر کفارہ نہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کسی کافر نے کسی عبادت کی نذر مانی تو اس پر قبول اسلام سے پہلے یا بعد میں کوئی چیز لازم ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ اسلئے نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ارشاد باری تعالیٰ ہے "انهم لا ایمان لهم" جب ان میں ایمان نہیں تو ان کی قسم بھی معتبر نہیں باقی اس آیت کے شروع میں ہے "ان نکثوا ایمانهم" اس سے مراد صورۃ الایمان ہے لہٰذا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

دلیل ثانی: آپ ﷺ کا ارشاد "الاسلام یهدم ما کان قبله" ہے کہ اسلام پہلے کی تمام چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جب اس نے نذر مانی تو چونکہ اس کا عقیدہ درست نہیں تھا اس لئے نذر لازم نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین سے واپسی پر جعرانہ مقام پر مقیم ہوئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا تو آپ ﷺ نے نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ **جواب:** ہوسکتا ہے ان کی تسلی کے لئے اعتکاف کی اجازت دیدی۔

دلیل ثانی: مقاسمہ کے بارے میں صحیحین میں حدیث ہے "تبرئکم یهود بخمسین یمینا" کہ یہود کو پچاس قسموں نے بری کر دیا۔

جواب: خمسین یمینا سے مراد صورۃ الایمان ہے اصل مقصود اس سے رجاء النکول ہے کافر کے حق میں اگرچہ معتبر نہیں لیکن چونکہ کافر بھی اپنے نفس میں رب کے نام کی تعظیم اور یمین کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے اسلئے اس سے مقصود حق کو ظاہر کرنا ہے۔

مسئلہ ثانیہ: منذور اعتکاف میں روزہ شرط ہے یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک اگر اعتکاف نذر کیلئے صوم شرط ہے اور اگر اعتکاف نفلی ہو تو ایک روایت یہ ہے کہ جس روایت کے

مطابق اعتکاف ایک دن سے کم نہیں ہوتا اس میں صوم شرط ہے اور جس روایت کے مطابق ایک ساعت کا بھی نفلی اعتکاف ہوتا ہے تو وہاں پر صوم شرط نہیں ہے۔ **قول ثانی:** مالکیہ حضرات کے نزدیک مطلقاً صوم شرط ہے۔ **قول ثالث:** حنابلہ کے نزدیک مطلقاً صوم شرط نہیں۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں رات کے اعتکاف کی نذر مانی تو یہ اعتکاف نذری تھا اور ات محل صوم نہیں، معلوم ہوا کہ اعتکاف نذری میں بھی صوم شرط نہیں۔ جب اعتکاف نذری میں صوم شرط نہیں تو اعتکاف نفلی میں بطریق اولیٰ صوم شرط نہیں ہوگا۔ **جواب:** درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نذر دن اور رات کے مجموعہ کی تھی بعض نے صرف لیل کا ذکر کیا اور بعض نے صرف نہار کا ذکر کیا اسی وجہ سے بعض روایات میں وصم کا بھی ذکر ہے۔

احناف کی دلیل: لا اعتکاف الا بصوم ہے یعنی روزے کے بغیر اعتکاف نہیں اس حدیث کا مصداق اعتکاف منذور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَ يَمِينُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَثِيرًا مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ بِهٰذِهِ الْيَمِينِ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

علی بن حجر، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن جعفر، موسیٰ بن عقبہ، حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ قسم کھایا کرتے تھے، (لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ) دلوں کو پھیرنے والے کی قسم۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے کا بیان ہے جس طرح قسم اللہ کے اسماء کی کھانا جائز ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم کھانا بھی جائز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کی صفات کی بھی قسم اٹھائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اس طرح قسم اٹھاتے تھے لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللهُ مِنْهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰى يُعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ وَابْنِ

قتیبہ، لیث، ابن ھاد، عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، سعید بن مرجانہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے مومن غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہر عضو کو اس غلام (یا باندی وغیرہ) کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے آزاد فرمائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے بدلے اس کی شرمگاہ کو بھی آزاد کرے

عَبَّاسٍ وَوَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ وَأَبِي أُمَامَةَ وَكَعْبِ بْنِ مُرَّةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَابْنُ الْهَادِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ وَهُوَ مَدِينِيٌّ ثِقَةٌ قَدْ رَوَى عَنْهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

گا۔ اس باب میں حضرت عائشہ، عمرو بن عبسہ، ابن عباس، واثلہ بن اسقع، ابوامامہ، کعب بن مرہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔ ابن ہاد کا نام یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن ہاد مدینی ہے۔ وہ ثقہ ہیں۔ ان سے مالک بن انس اور کئی علماء احادیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: ابواب النذ ور والایمان کے ساتھ اس باب کا بظاہر تعلق نہیں بن رہا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یمین کے کفارہ میں چونکہ غلام آزاد کیا جاتا ہے اور غلام کے آزاد کرنے کی منت بھی مانی جاتی ہے۔ اس مناسبت کی بناء پر امام ترمذیؒ اس باب کو یہاں لائے ہیں۔

من اعتق رقبة: یہاں رقبہ سے مراد خاص عضو ہے جسے بول کر انسان کی پوری ذات مراد لی جا سکتی ہے گویا یہ اطلاق الجزء واراد الکل کی قبیل سے ہے۔ کہ رقبہ جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے یا یہ انسان کی ذات سے کنایہ ہے گویا یہ "تسمية الشى ببعضه" کی قبیل سے ہے۔ **مسلمة:** اسکی قید کثرت ثواب کی وجہ سے لگائی کہ غلام آزاد کرنا ہی باعث ثواب ہے لیکن مسلمان غلام کو آزاد کرنا زیادہ ثواب ہے۔

حتی فرجه بفرجه: **سوال:** حدیث کے اندر "فرجه بفرجه" کا ذکر کیوں کیا؟

جواب: شرمگاہ کا ذکر مبالغہ کے طور پر ہے کیونکہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے لہٰذا اس کی وضاحت کردی کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اس حصے کو بھی نجات دے گا یا سب سے حقیر عضو فرج ہے تو جب اللہ تعالیٰ اس کو آگ سے نجات دیں گے تو دیگر اعضاء کو بطریق اولیٰ نجات دیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَلْطِمُ خَادِمَهُ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا سَبْعَ إِخْوَةٍ مَا لَنَا خَادِمٌ إِلَّا وَاحِدَةٌ فَلَطَمَهَا أَحَدُنَا فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُعْتِقَهَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَذَكَرَ بَعْضُهُمْ فِي الْحَدِيثِ قَالَ لَطَمَهَا عَلَى وَجْهِهَا.

ابوکریب، محاربی، شعبہ، حصین، ھلال بن یساف، حضرت سوید بن مقرن مزنیؒ کہتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے۔ اور ہمارا ایک ہی خادم تھا۔ ہم میں سے ایک نے اسے طمانچہ مار دیا اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اسے آزاد کردیں۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہی حدیث کئی راوی حصین بن عبدالرحمن سے بھی نقل کرتے ہیں لیکن اس میں باندی کو طمانچہ مارنے کا ذکر ہے۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ ہم سنات بھائیوں کا ایک غلام تھا یا ایک باندی تھی تو بھائیوں میں سے کسی نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا تو آپ ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ حکم بالاتفاق استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ تاکہ غلام کی جو دل آزاری ہوئی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے ملازم کو کوئی سخت بات کہہ دے تو پھر اپنے ملازم کو کوئی ہدیہ وغیرہ دے اس کی دل آزاری کا ازالہ کرنا چاہیے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا إِذَا حَلَفَ الرَّجُلُ بِمِلَّةٍ سِوَى الْإِسْلَامِ فَقَالَ هُوَ يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ إِنْ فَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ الشَّيْءَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ قَدْ أَتَى عَظِيمًا وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَإِلَى هٰذَا الْقَوْلِ ذَهَبَ أَبُو عُبَيْدٍ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ الْكَفَّارَةُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

احمد بن منیع، اسحاق بن یوسف ازرق، ھشام دستوائی، یحیٰی بن ابی کثیر، ابی قلابہ، حضرت ثابت بن ضحاکؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اسی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کی قسم کھائے اور یہ کہے کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی یا نصرانی ہو جائے گا اور بعد میں وہی کام کرے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس نے بہت بڑا گناہ کیا لیکن اس پر کفارہ نہیں۔ یہ قول اہل علم مدینہ کا ہے۔ ابو عبیدہؒ اور مالک بن انسؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ ہوگا۔ سفیان ثوریؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: غیر ملت پر قسم کھانے کا حکم؟** جو آدمی ملت غیر اسلام پر قسم کھائے تو وہ ویسے ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا یعنی اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں یہ کام کروں تو میں یہودی ہو جاؤں یا نصرانی اگر اسکی یہ قسم جھوٹی ہوئی تو وہ یہودی یا نصرانی ہو جائیگا یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **قول اوّل:** بعض شوافع کے نزدیک ایسا کہنے والا یہودی یا نصرانی ہو جائیگا کیونکہ اس نے اسلام کی تحقیر کر کے رضا بالکفر کا ارتکاب کیا۔ **قول ثانی:** جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ ایسا شخص کافر یا یہودی وغیرہ نہیں ہوگا۔

جمہور کی دلیل: کفر کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہے جبکہ اس کا مقصد نفس کو زجر کرنا اور اس کو اس کام سے روکنا تھا اعتقادِ کفر نہ تھا لہٰذا کافر نہ ہوگا البتہ سخت گنہگار ہوگا اس کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اس میں ہے "فھو کما قال" اس سے معلوم ہوا کہ جیسا اس نے کہا ویسے ہی ہو گیا۔

جواب: یہاں اس سے تہدید اور وعید مراد ہے کہ وہ یہود جیسی سزا کا مستحق ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "من ترك الصلوٰة متعمدا فقد كفر" اس میں عقوبت کفر مراد ہے۔

درمختار میں ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے برعکس کام کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کے قسم کھانے کا مقصد کافر بننا نہ ہو ہاں اگر وہ جانتا ہے کہ اس قسم کی خلاف ورزی کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور پھر بھی اس نے جان بوجھ کر خلاف ورزی کی تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ اس صورت میں کفر پر راضی ہے۔

مسئلہ: اس قسم کی یمین کو یمین شرعی کہا جائے گا یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ شخص سخت گناہگار ہوگا اور توبہ لازم ہوگی مگر یمین نہیں بنے گی خواہ قسم میں سچا ہو یا جھوٹا ہو لہٰذا کفارہ بھی واجب نہیں۔

قول ثانی: احناف، امام احمدؒ، اسحاقؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک یہ یمین بن جائیگی اور حانث ہونے کی صورت میں کفارہ لازم آئیگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: گزشتہ حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہے "انه عليه السلام قال من حلف فقال فی حلفه باللات والعزى فليقل لا اله الا الله" اس میں صرف توبہ اور تجدید ایمان کا ذکر ہے کفارہ کا ذکر نہیں۔

جواب: یہ حدیث یمین ہونے نہ ہونے میں ساکت ہے اور اسی طرح کفارہ لازم ہونے اور نہ ہونے میں بھی ساکت ہے۔

احناف کی دلیل: تحریم مباح پر قرآن کریم سے لزوم کفارہ کا ثبوت ہوتا ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں تحریم حلال ہے بنابریں اس کو یمین قرار دیا جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں "ولو قال ان فعلت كذا فهو يهودی او نصرانی او كافر يكون يمينًا۔ فاذا فعله لزمة كفارة يمين"۔

بَابٌ (بِلا ترجمه)

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زَحْرٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الرُّعَيْنِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ الْيَحْصَبِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُخْتِي نَذَرَتْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

محمود بن غیلان، وکیع، سفیان، یحییٰ بن سعید، عبید اللہ بن زحر، ابی سعید رعینی، عبد اللہ بن مالک یحصبی، حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ بیت اللہ ننگے پاؤں اور بغیر چادر کے چل کر جائیگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کی اس سختی کو جھیلنے کی ضرورت نہیں۔ اسے چاہیے کہ سوار ہو اور چادر اوڑھ کر جائے اور تین روزے رکھے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علماء کا اس پر عمل ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اگر کوئی بیت اللہ کی طرف ننگے پاؤں پیدل چلنے کی نذر مانے تو ایسی صورت میں حج وعمرہ میں سے اس پر ایک واجب ہوگا۔ ننگے پاؤں چلنے کی منت مانے اور چپل پہن کر جائے تو اس پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ ننگے پاؤں چلنا نہ خود کوئی عبادت ہے اور نہ ہی اس کی جنس سے کوئی عبادت واجب ہے اور جس کی جنس سے کوئی واجب عبادت نہ ہو اس کی منت بھی درست نہیں البتہ پیدل چلنے کی منت ماننا درست ہے کیونکہ اس کی جنس سے عبادت واجب ہے اور وہ طواف ہے۔ طوافِ زیارت پیدل کرنا واجب ہے اب پیدل جانے کی منت ماننے والا اگر سوار ہو کر جائے تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسی صورت میں اضطراری حالت ہو تو سوار ہونا بھی جائز ہے لیکن چونکہ نذر کے مطابق حج نہیں ہوا اس لئے اس کے تدارک کے لئے ہدی پیش کرے اور ہدی کا اعلیٰ درجہ بدنہ ہے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے۔ مالکیہ حضرات کہتے ہیں کہ آئندہ سال اس پر حج لازم ہو جائے گا جتنی مقدار وہ سوار ہو کر گیا ہے اتنی مقدار وہ پیدل چلے گا اگر غریب ہے ہدی نہیں دے سکتا تو تین روزے رکھے۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْمُغِيرَةِ هُوَ الْخَوْلَانِيُّ الْحِمْصِيُّ وَاسْمُهُ عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ الْحَجَّاجِ

اسحاق بن منصور، ابومغیرہ، اوزاعی، زہری، حمید بن عبدالرحمن، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس نے قسم کھاتے ہوئے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اسے چاہیے کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، کہے اور اگر کوئی کسی سے کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اسے صدقہ دینا چاہیے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابومغیرہ خولانی حمصی ہیں ان کا نام عبدالقدوس بن حجاج ہے۔

تشریح: فلیقل لا الہ الا اللہ: "ای فلیتب الی اللہ" اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ① کسی مسلمان کی زبان پر سہواً غفلت سے ایسے کلمے جاری ہو گئے تو وہ فوراً "لا الہ الا اللہ" کہے تاکہ یہ کلمات ان الفاظ کا کفارہ بن جائیں "کما فی قولہ تعالیٰ ان الحسنات یذھبن السیات۔ الآیۃ" تو یہ اپنی غفلت سے توبہ کرنا ہے ② اگر کسی مسلمان کی زبان سے لات وعزیٰ کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں تو یہ صراحۃً ارتداد اور کفر ہے لہٰذا ایسے شخص کے لئے تجدید ایمان ضروری ہے اور تجدید ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ "لا الہ الا اللہ" پڑھے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے کفر سے توبہ ہوگی۔

فلیتصدق: چونکہ اس شخص نے اپنے بھائی کو جوا کھیلنے کی دعوت دیکر ایک بڑی برائی کی ترغیب دی۔ لہٰذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا "انما الخمر والمیسر والانصاب" الآیۃ اس آیت میں قمار کا ذکر اصنام کے ساتھ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے آیت کے پیش نظر اپنے کلام میں یہ اسلوب اختیار کیا کہ جس نے بتوں کی قسم اٹھائی تو اس نے شرک فی التعظیم کیا اور کلمہ توحید کو چھوڑ دیا لہٰذا اس

کا تدارک کلمہ توحید کے ذریعہ ضروری ہے اور جس شخص نے مقامرہ یعنی جوا کھیلنے کی دعوت دی تو اس نے زمانہ جاہلیت کے موافق "والمیسر" کی تصدیق کی چنانچہ اس پر اسی کے بقدر صدقہ واجب ہے اور جس قدر جوا کھیلنے کا ارادہ کا تھا یا جتنی مقدار میں اس نے جوا دستیاب کیا تھا اسی قدر مال صدقہ کرے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ نے جمہور کا مسلک بیان کیا کہ معصیت پر عزم کرنا یا دل میں معصیت کو جگہ دینا یا زبان سے معصیت کا کلام کر لینا بھی مسلمان کے نامہ اعمال میں بطور گناہ لکھا جاتا ہے۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۴)

مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْضِهِ عَنْهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ نے نذر مانی تھی اور وہ اسے پورا کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی طرف سے وہ نذر پوری کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: کسی نے نذر مانی لیکن وہ نذر پوری کرنے سے پہلے پہلے مرگیا اس صورت میں اس کے ورثاء پر اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ عند الاحناف اس میں تفصیل ہے کہ وہ نذر بدنی عبادت کی ہوگی یا مالی عبادت کی ہوگی۔ بدنی عبادت کی ہو مثلاً اتنی رکعات نماز پڑھوں گا یا اتنے روزے رکھوں گا تو پھر ورثاء پر پورا کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ بدنی عبادت میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

اگر مالی نذر ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے وصیت کی ہوگی یا نہیں؟ اگر وصیت کی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ ثلث مال تک پوری ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو پورا کرنا ضروری ہے اگر وصیت کی ہی نہیں یا ثلث مال سے پوری نہیں ہو سکتی تو ان دونوں صورتوں میں تبرع ہوگا یعنی ادا کرنا جائز ہوگا واجب نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ حضرت ام سعدؓ نے جو نذر مانی ہے وہ نذر کیا تھی۔ اس بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

① عند البعض وہ صوم کی نذر تھی ② عند البعض وہ صدقہ کی نذر تھی ③ عند البعض عتق کی نذر تھی لیکن راجح قول یہی ہے کہ وہ نذر مبہم تھی اسکی تائید دارقطنی کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے انکی طرف سے ایک کنواں کھود کر وقف کرنے کیلئے فرمایا تھا۔

مسئلہ: میت کی طرف سے نذر کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک میت کی طرف سے وارث پر ایفاء نذر ضروری ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک اگر نذر مال کی ہے اور میت نے مال چھوڑا ہے اور وصیت بھی کی ہے تو وارث پر اس کے ثلث مال سے نذر پورا کرنا واجب ہے اور اگر عبادت بدنیہ۔ مثلاً نماز۔ روزہ وغیرہ کی نذر مانی تھی تو میت کی طرف سے اس کے ورثاء پر اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل: وہی حدیث جو دار قطنی میں ہے جس کا اوپر تذکرہ گزر چکا ہے اور یہ حدیث الباب ہے۔

جواب: اس میں جو ایفاء کا ذکر ہے وہ استحباب پر محمول ہے یا حضرت ام سعدؓ نے اپنے مال کے بارے میں وصیت کی تھی۔

جمہور حضرات کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت نہیں چلتی "حیث قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد" اور عبادت مالیہ میں بغیر مال چھوڑنے یا وصیت کے بغیر ایفاء ضروری نہیں البتہ مستحب ہے۔

الحاصل عبادتِ مالیہ کا ثواب مُردوں تک پہنچانے میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ عبادت بدنیہ میں فرائض وسنن اور واجبات کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں بھیج سکتے کیونکہ یہ ہر آدمی کا اپنا ذاتی عمل ہوتا ہے اسلئے اس کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچتا البتہ نوافل، نماز، روزہ، قرآن پاک کی تلاوت کے ایصال ثواب کے جمہور قائل ہیں البتہ امام شافعیؒ قرآن پاک کے ایصال ثواب کے قائل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هُوَ أَخُو سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا كَانَ فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ وَأَيُّمَا امْرِئٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُمَا عُضْوًا مِنْهُ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فَكَاكَهَا مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

محمد بن عبد الاعلیٰ، عمران بن عیینہ، سفیان بن عیینہ، حصین، عالم بن ابی جعد، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا اس کے بدلے اس آزاد کرنے والے کا ہر عضو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیا جائے گا اور جو شخص دو مسلمان باندیوں کو آزاد کرے گا ان کے تمام اعضاء اس شخص کے ہر عضو کا دوزخ کی آگ سے فدیہ ہو جائیں گے اور کوئی عورت کسی مسلمان عورت کو آزاد کرے گی تو اس آزاد کی جانے والی عورت کا ہر عضو اس عورت کے ہر عضو کا دوزخ کی آگ سے فدیہ ہوگا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس باب کی شرح ماقبل میں گزر چکی ہے باقی وضاحت ترجمہ سے واضح ہے۔

أَبْوَابُ السِّيَر

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

سِیَر: سیرت کی جمع ہے جسکے معنی عادت، خصلت اور طریقے کے ہیں۔ جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو نبی کریم ﷺ کی سیرت ہوتی ہے ابتداءً جب لوگوں نے آپ ﷺ کی سیرت لکھنی شروع کی تو اس میں غالب حصہ مغازی اور سرایا کا تھا اس لئے مغازی، سرایا اور جہاد پر سِیَر کا اطلاق ہونے لگا اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے جہاد کے احکامات کو ابواب السیر کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

غزوہ اور سریہ کی تعریف: آپ ﷺ کے زمانے میں جتنے جہاد ہوئے وہ علماء سیر کے نزدیک دو قسم پر تھے۔ ایک وہ جہاد جس میں حضور اکرم ﷺ بنفس نفیس خود شریک ہوئے اس کو غزوہ کہا جاتا ہے اور جس جہاد میں آپ ﷺ نے خود شرکت نہ فرمائی مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کفار کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا اس کو سریہ کہتے ہیں۔ بعض روایت کے مطابق غزوات کی تعداد ستائیس ذکر کی گئی ہے جبکہ سعید بن المسیب نے چوبیس اور جابر بن عبداللہؓ نے اکیس اور زید بن ارقمؓ نے انیس نقل کی ہے۔

ابن سعد نے سرایا کی تعداد چالیس اور ابن عبدالبر نے پینتیس اور محمد بن اسحاق نے اڑتیس اور واقدی نے اڑتالیس اور ابن جوزی سے ستاون منقول ہے۔ مذکورہ اختلاف کی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ بعض حضرات نے چند غزوات کو مکاناً یا زماناً قریب قریب ہونے کی وجہ سے یا ایک سفر میں ہونے کی وجہ سے اکٹھا شمار کیا ہے اس لئے ان کے نزدیک ان کی تعداد کم ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حضرات کو بعض غزوات کا علم ہی نہ ہوا ہو۔ اس لئے انہوں نے کم ذکر کئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ أَنَّ جَيْشًا مِنْ جُيُوشِ الْمُسْلِمِينَ كَانَ أَمِيرَهُمْ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ حَاصَرُوا قَصْرًا مِنْ قُصُورِ فَارِسَ فَقَالُوا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ دَعُونِي أَدْعُوهُمْ كَمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوهُمْ فَأَتَاهُمْ سَلْمَانُ فَقَالَ لَهُمْ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ فَارِسِيٌّ تَرَوْنَ الْعَرَبَ يُطِيعُونِي

ابوبختری کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کی قیادت میں ایک لشکر نے فارس کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا تو لوگوں نے عرض کیا اے ابوعبداللہ ان پر دھاوا نہ بول دیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا مجھے ان کو اسلام کی دعوت دے لینے دو جس طرح میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام دیتے سنا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں تم ہی میں سے ایک فارسی آدمی ہوں تم دیکھ رہے ہو کہ عرب میری اطاعت کر رہے ہیں۔ پس اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمہارے لئے بھی وہی کچھ ہوگا۔ جو ہمارے لئے ہے اور تم پر بھی وہی بات لازم ہوگی جو ہم پر لازم ہے اور اگر تم اپنے دین پر قائم رہو

فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِي لَنَا وَعَلَيْكُمْ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْنَا وَإِنْ أَبَيْتُمْ إِلَّا دِينَكُمْ تَرَكْنَاكُمْ عَلَيْهِ وَأَعْطُونَا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُونَ قَالَ وَرَطَنَ إِلَيْهِمْ بِالْفَارِسِيَّةِ وَأَنْتُمْ غَيْرُ مَحْمُودِينَ وَإِنْ أَبَيْتُمْ نَابَذْنَاكُمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالُوا مَا نَحْنُ بِالَّذِي يُعْطِي الْجِزْيَةَ وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُكُمْ فَقَالُوا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ أَلَا نَنْهَدُ إِلَيْهِمْ قَالَ لَا فَدَعَاهُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَى مِثْلِ هٰذَا ثُمَّ قَالَ انْهَدُوا إِلَيْهِمْ قَالَ فَنَهَدْنَا إِلَيْهِمْ فَفَتَحْنَا ذٰلِكَ الْقَصْرَ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ وَالنُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَحَدِيثُ سَلْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ لَمْ يُدْرِكْ سَلْمَانَ لِأَنَّهُ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيًّا وَسَلْمَانُ مَاتَ قَبْلَ عَلِيٍّ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هٰذَا وَرَأَوْا أَنْ يُدْعَوْا قَبْلَ الْقِتَالِ وَهُوَ قَوْلُ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِنْ تُقُدِّمَ إِلَيْهِمْ فِي الدَّعْوَةِ فَحَسَنٌ يَكُونُ ذٰلِكَ أَهْيَبَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا دَعْوَةَ الْيَوْمَ وَقَالَ أَحْمَدُ لَا أَعْرِفُ الْيَوْمَ أَحَدًا يُدْعَى وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يُقَاتَلُ الْعَدُوُّ حَتَّى يُدْعَوْا إِلَّا أَنْ يُعْجِلُوا عَنْ ذٰلِكَ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَقَدْ بَلَغَتْهُمُ الدَّعْوَةُ .

گے تو ہم تمہیں اسی پر چھوڑیں گے لیکن تمہیں ذلت قبول کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں جزیہ دینا ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ نے یہ تقریر فارسی زبان میں کی اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ انکار کرو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر نہیں ہے ہم تم لوگوں کو آگاہ کرنے کے بعد جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو تمہیں جزیہ دے دیں بلکہ ہم جنگ کریں گے۔ لشکر والوں (یعنی مسلمانوں) نے کہا اے ابوعبداللہ۔ کیا ہم ان سے لڑائی نہ لڑیں۔ آپ نے فرمایا نہیں راوی کہتے ہیں آپ نے وہیں تین دن تک اسی طرح اسلام کی دعوت دی پھر فرمایا جہاد کے لئے بڑھو۔ پس ہم ان کی طرف بڑھے اور وہ قلعہ فتح کرلیا۔ اس باب میں حضرت بریدہ، نعمان بن مقرن، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عطاء بن سائب کی روایت سے جانتے ہیں۔ (امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابوالبختری نے حضرت سلمانؓ کو نہیں پایا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ان کا سماع ثابت نہیں اور حضرت سلمانؓ، حضرت علیؓ سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ لڑائی سے پہلے اسلام کی طرف بلایا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر انہیں پہلے دعوت دی جائے تو یہ اچھا ہے اور رعب کا باعث ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس دور میں دعوت اسلام کی ضرورت نہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں مجھے علم نہیں کہ آج بھی کسی کو دعوت اسلام کی ضرورت ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دشمن کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ لڑی جائے جب تک کہ وہ جلدی نہ کریں اور اگر انہیں دعوت نہ دی گئی تو انہیں پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے اس باب کو ابتداءً یہ مسئلہ بیان کرنے کے لئے قائم کیا کہ قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ دیکھیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری سمجھا اور تین دن تک دعوت دیتے رہے

پھر اس کے بعد حملہ کیا۔

جمہور فقہاء کے نزدیک قتال سے قبل دعوت دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور جمہور حضرات فقہاء حضرت سلیمان فارسیؓ کے واقعہ کو بھی استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ کفار دو حال سے خالی نہیں ان کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے یا نہیں؟ اگر انہیں پہلے دعوت پہنچ چکی ہے تو پھر دعوت اسلام قبل القتال ضروری نہیں۔ اگر انہیں پہلے دعوت نہیں پہنچی تو پھر دعوت اسلام قبل القتال واجب ہے۔

موجودہ دور میں کیا ہر ملک میں تبلیغ کرنا ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تمام ملکوں میں فرض دعوت پہنچ چکی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں فرداً فرداً دعوت دینا ضروری نہیں۔ اجتماعی دعوت سب کو پہنچ چکی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں آج کے دن دعوت دینے کو نہیں جانتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دشمن سے اس وقت تک قتال نہیں کریں گے جب تک اس کو دعوت نہ دے دیں اگر وہ جنگ کرنے میں جلدی کریں تو پھر ان سے بغیر دعوت دیے جنگ شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجُمَةٍ)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْعَدَنِيُّ الْمَكِّيُّ وَيُكْنَى بِأَبِي عَبْدِ اللهِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ هُوَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ مُسَاحِقٍ عَنِ ابْنِ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ جَيْشًا أَوْ سَرِيَّةً يَقُولُ لَهُمْ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ حَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ

محمد بن یحییٰ عدنی مکی، عبداللہ، سفیان بن عیینہ، عبدالملک بن نوفل بن مساحق، حضرت ابن عصام مزنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور یہ صحابی رسول ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کو بھیجتے تو ان سے فرماتے اگر تم لوگ کہیں مسجد دیکھ لو یا اذان کی آواز سن لو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ابن عیینہ سے منقول ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کیا کہ اگر لشکر اسلام کسی آبادی یا شہر پر حملہ کرنا چاہتا ہو اور اس آبادی یا شہر میں کوئی اسلامی علامت موجود ہو یا اذان کی آواز آ رہی ہو تو ان پر ایک دم حملہ نہ کرے بلکہ مسلمانوں کو کہا جائے کہ وہ علاقہ خالی کر دیں تاکہ مسلمان کے ہاتھوں میں مسلمان نہ مارے جائیں۔

بَابٌ فِي الْبَيَاتِ وَالْغَارَاتِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر کے لئے نکلے تو وہاں رات کو پہنچے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ خَرَجَ إِلَى خَيْبَرَ أَتَاهَا لَيْلًا وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ عَلَيْهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَافَقَ وَاللهِ مُحَمَّدٌ الْخَمِيسَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ (فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ)

اگر کسی قوم کے پاس رات کو پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے حملہ نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے وغیرہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بے خبر کھیتی باڑی کے لئے نکل کھڑے ہوئے لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے محمد آگئے۔ اللہ کی قسم محمد لشکر لے کر آ گئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللهُ أَكْبَرُ خیبر برباد ہو گیا۔ ہم لوگ جب کسی قوم کے میدان جنگ میں اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی بری ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ بِعَرْصَتِهِمْ ثَلَاثًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْغَارَةِ بِاللَّيْلِ وَأَنْ يُبَيِّتُوا وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ لَا بَأْسَ أَنْ يُبَيَّتَ الْعَدُوُّ لَيْلًا وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَافَقَ مُحَمَّدٌ الْخَمِيسَ يَعْنِي بِهِ الْجَيْشَ

قتیبہ، محمد بن بشار، معاذ بن معاذ، سعید بن ابی عروبہ، قتادہ، انس، حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم پر فتح حاصل کر لیتے تو ان کی سرزمین پر تین دن تک قیام کرتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض علماء رات کو حملہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں جب کہ بعض اسے مکروہ کہتے ہیں۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کہتے ہیں کہ دشمن پر شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں وَافَقَ مُحَمَّدٌ الْخَمِيسَ کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لشکر بھی ہے۔

تشریح: مساحی: مسحاۃ کی جمع ہے اس کا معنی کدال ہے اور مکاتل جمع ہے مکتل کی اس کے معنی ہیں بورا یا ٹوکرا خیبر والے لوگ چونکہ کاشتکار تھے اس لئے رسول کریم ﷺ کی آمد سے بے خبر زمین کی صفائی اور کھدائی کے لئے چل پڑے۔ بہر حال جب یہود نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے یہ محمد ہیں۔ اللہ کی قسم یہ لشکر کے ساتھ آ گئے لشکر کو خمیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ عام طور پر لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا۔ آپ ﷺ نے یہ تفاؤلاً فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ صبح کے وقت لوگ اپنے ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر جا رہے ہیں اور یہ دونوں چیزیں تخریب کی علامت ہیں۔ دوسری وجہ لفظی مناسبت خیبر کا مادہ ہے۔ خ، ب، ر،۔۔۔۔ خراب کا مادہ بھی یہی حروف ہیں معنی یہ ہوگا کہ خیبر عنقریب خراب ہونے والا ہے۔

بَابُ فِي التَّحْرِيقِ وَالتَّخْرِيبِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ (مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ) وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَلَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِقَطْعِ الْأَشْجَارِ وَتَخْرِيبِ الْحُصُونِ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَنَهَى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ أَنْ يَقْطَعَ شَجَرًا مُثْمِرًا أَوْ يُخَرِّبَ عَامِرًا وَعَمِلَ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَهُ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا بَأْسَ بِالتَّحْرِيقِ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ وَقَطْعِ الْأَشْجَارِ وَالثِّمَارِ وَ قَالَ أَحْمَدُ وَقَدْ تَكُونُ فِي مَوَاضِعَ لَا يَجِدُونَ مِنْهُ بُدًّا فَأَمَّا بِالْعَبَثِ فَلَا تُحَرَّقُ وَ قَالَ إِسْحٰقُ التَّحْرِيقُ سُنَّةٌ إِذَا كَانَ أَنْكَى فِيهِمْ.

قبیلہ بنونضیر کے کھجوروں کے درخت جلا دے اور کٹوا دیے۔ جو بویرا کے مقام پر تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (جو کھجور کے درخت آپ نے کاٹ ڈالے یا انہیں ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا تاکہ نافرمانوں کو اللہ ذلیل ورسوا کرے۔) اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء کی ایک جماعت قلعوں کو برباد کرنے اور درختوں کو کاٹنے کی اجازت دیتی ہے جب کہ بعض کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے۔ امام اوزاعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پھل دار درخت کو کاٹنے اور گھروں کو برباد کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ان کے بعد مسلمانوں نے اسی پر عمل کیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں درخت وپھل کاٹنے اور آگ لگا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ بوقت ضرورت ایسا کرنے کی اجازت ہے بلاضرورت نہیں۔ امام اسحاق کہتے ہیں کہ اگر کافر اس سے ذلیل ہوں تو آگ لگانا سنت ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ حالت جنگ میں باغات اور درختوں کو جلانے کے بارے میں ذکر کر رہے ہیں کہ جنگ میں اگر مصلحت ہو تو پھر گھر، باغات اور کھیتیاں جلانا جائز ہے۔ غزوہ خیبر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درخت کاٹنے شروع کیے تاکہ قلعوں میں بند لوگ اپنے باغات کو بچانے کے لئے باہر نکلیں تو لڑائی شروع ہو جائے۔ جب انہوں نے باغات کو کاٹنا شروع کیا تو دوسرے صحابہؓ نے ان کو روکا کہ کل یہ ہمارے ہی کام آئیں گے ان کو نہ کاٹا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپس میں اختلاف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے تو اس وقت سورہ حشر کی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ ارشاد پاک ہے کہ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑے رہنے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل اور رسوا کریں۔

بعض اہل علم کے نزدیک دشمن کے درخت کاٹنے میں اور ان کی کھیتیاں برباد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور بعض علماء اس کو مکروہ سمجھتے ہیں یہ قول امام اوزاعیؒ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ دشمن کے باغات کاٹنا اور ویران کرنا مکروہ ہے اور دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک لشکر روانہ کیا اور یزید نامی ایک شخص کو امیر مقرر کیا اور ان کو نصیحت کی کہ دشمن کے پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں اور ان کی بستیوں کو ویران نہ کیا جائے۔ اور اس نصیحت پر بعد کے مسلمانوں نے عمل کیا۔ مگر مطلقاً ممانعت کی بات صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے ان لوگوں کے عمل پر جنہوں نے بنونضیر کے باغات کاٹے تھے، نکیر نہیں فرمائی لہٰذا امام اوزاعیؒ اس کو مطلقاً مکروہ نہیں کہہ سکتے۔
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور درختوں اور پھلوں کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بعض جگہ دشمن کے درخت وغیرہ کاٹنا اور برباد کرنا ضروری ہوتا ہے تو وہاں تو اس کی گنجائش ہے البتہ کھیل تماشا کے طور پر اس طرح نہ کاٹے جائیں اور نہ ہی جلائے جائیں۔
امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک اگر اسکی وجہ سے دشمن پر زد پڑتی ہو تو درخت وغیرہ جلانا مسنون ہے ورنہ یہ عمل درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَنِيمَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ سَيَّارٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ فَضَّلَنِي عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ أُمَّتِي عَلَى الْأُمَمِ وَأَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي ذَرٍّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي مُوسَى وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَيَّارٌ هٰذَا يُقَالُ لَهُ سَيَّارٌ مَوْلَى بَنِي مُعَاوِيَةَ وَرَوَى عَنْهُ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ بَحِيرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت بخشی یا فرمایا میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا۔ اس باب میں حضرت علی، ابوذر، عبداللہ بن عمرو، ابوموسیٰ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابوامامہؓ حسن صحیح ہے۔ یہ سیار بنو معاویہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سلیمان تیمی، عبداللہ بن بحیر اور کئی دوسرے حضرات ان سے احادیث نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں۔ پہلی مجھے جامع کلام عطا کیا گیا۔ دوسری یہ کہ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ تیسری یہ کہ مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا چوتھی یہ کہ پوری زمین میرے لئے مسجد اور طہور (پاک کرنے والی) بنادی گئی۔ پانچویں یہ کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور چھٹی یہ کہ مجھ پر انبیاء کا خاتمہ کردیا گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مال غنیمت کا حلال ہونا یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ مال غنیمت ماقبل امتوں کے لئے حلال نہیں تھا بلکہ اگر ان کے پاس مال غنیمت آجاتا تو وہ ایک جگہ پر رکھ دیتے اور آسمان سے آگ آتی اور اس کو کھا جاتی اگر وہ مال غنیمت میں خیانت کرتے ہوتی تو وہ آگ اس کو نہ کھاتی۔

ماقبل امتوں کے لئے مال غنیمت حلال اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت خاص علاقہ اور خاص قوم کے لئے ہوتی تھی اس لئے ان کا جہاد وقتی ہوتا تھا۔ اور ان کا جہاد ہمیشہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک بار یا دو بار جہاد کر کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے اور کھانے، کمانے میں لگ جاتے ان کو کمانے کے لئے وقت مل جاتا تھا، اس لئے ان کے لئے غنیمت کے مال کو حلال نہیں کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ اگر ان کے زمانے میں اس کو حلال کیا جاتا تو لوگ خالص اللہ کی رضا کے لئے نہ جہاد کرتے بلکہ غنیمت کے حصول کے لئے جہاد کرتے جو کہ درست نہیں جبکہ جہاد میں خالص اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت ہونی چاہیے۔

جبکہ امت محمدیہ کیلئے جہاد خاص علاقہ یا خاص وقت کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک جہاد جاری رہے گا اس امت کے مجاہدین کے پاس کمانے کا وقت نہیں اس لئے ان کے لئے غنیمت کو حلال کر دیا گیا تا کہ اس سے مجاہدین کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

اگلی حدیث میں اس امت کی بقیہ امتوں پر چھ باتوں میں فضیلت کا ذکر ہے جو کہ حدیث الباب سے واضح معلوم ہو رہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَهْمِ الْخَيْلِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ وَحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَا حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمَ فِي النَّفَلِ لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ بِسَهْمٍ

احمد بن عبدضبی، حمید بن مسعد، سلیم بن اخضر، عبید اللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کرتے وقت گھوڑے کو دو اور آدمی کو ایک حصہ دیا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ أَخْضَرَ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ أَبِيهِ وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالُوا لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ سَهْمٌ لَهُ وَسَهْمَانِ لِفَرَسِهِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ.

ہم سے روایت کی کہ محمد بن بشار نے انہوں نے عبد الرحمن بن مہدی سے انہوں نے سلیم بن اخضر سے اسی طرح کی حدیث نقل کی۔ اس باب میں حضرت مجمع بن جاریہ، ابن عباس اور ابن ابی عمرہ عن ربیہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، اوزاعی، مالک بن انس، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گھڑ سوار کو تین حصے دیے جائیں ایک اس کا اور دو گھوڑے کے۔ جب کہ پیدل کو ایک حصہ دیا جائے۔

تشریح: اس حدیث میں غنیمت کے مال کی تقسیم کا ذکر ہے کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا چنانچہ اس بات میں اتفاق ہے کہ راجل کو ایک حصہ ملے گا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ **مسئلہ: گھوڑ سوار کو کتنے حصے ملیں گے؟** اس میں ائمہ کا اختلاف ہے

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ، صاحبین اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک فارس کو تین حصہ ملیں گے ایک حصہ اس کا اور دو حصے گھوڑے کے۔
قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فارس کو دو حصے ملیں گے ایک مالک کا اور دوسرا گھوڑے کا۔
بخاری شریف میں ابن عمرؓ کی روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ جعل للفرس سهمين ولصاحبه سهمًا (باب سہام الفرس)
جواب اوّل: اس واقعہ کے بارے صحیح علم نہیں کہ خیبر سے پہلے ہوا یا بعد میں ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کے واقعہ سے پہلے ہوا ہو اور خیبر کے موقع پر منسوخ ہو گیا ہو
جواب ثانی: آپ کو پہلے اختیار تھا جس کو جتنا چاہیں دیدیں کوئی ضابطہ مقرر نہیں تھا لیکن بعد میں ضابطہ مشروع ہوا کہ فارس کے دو حصے اور راجل کو ایک حصہ ملے گا۔
جواب ثالث: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مختلف روایات ہیں بعض روایات میں گھوڑ سوار کیلئے دو حصے اور پیدل کیلئے ایک حصہ اور بعض روایات میں گھڑ سوار کیلئے تین حصے اور پیدل کیلئے ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اب ان دونوں روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جائیگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت "للفارس سهمين" کے معنی ہیں "للفرس مع صاحبه سهمين" یا "للفرس" اصل میں کھڑی زبر کے ساتھ تھا "ای للفارس" کیونکہ راجل کے مقابلے میں فارس ہوتا ہے اور راوی نے فرس سمجھ کر "للفرس" کہہ دیا۔ بہر حال جس روایت میں اتنے احتمالات ہوں اس بناء پر عمل احتیاط کے خلاف ہے لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو ترجیح حاصل ہوگی۔
جواب رابع: فارس اصل مستحق تو دو حصوں کا تھا اور تیسرا حصہ بطور نفل کے دیدیا اور اس کا اختیار امیر لشکر کو ہے۔
دلیل ثانی: یہی حدیث الباب ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قسم في النفل للفرس بسهمين وللراجل بسهم
جواب اوّل: ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس موقع پر فارس کو تین حصے دیے دو حصے تو بطور استحقاق کے اور ایک حصہ بطور انعام کے اور ایسا کر سکتا ہے۔ **جواب ثانی:** اس حدیث میں فرس سے مراد فارس ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اسکو راجل کے مقابلے میں ذکر کیا ہے اور راجل کے مقابلے میں فارس ہوگا نہ کہ فرس۔ پس معلوم ہوا کہ فارس کے دو حصے ہیں۔ باقی وہ روایات جن میں تین حصوں کی تصریح ہے یہ روایات بالمعنی کی قبیل سے ہے کہ نافع نے فرس کو حقیقی معنی پر محمول کر کے ایک حصہ مالک کا سمجھ کر کہہ دیا للفارس ثلاثة اسهم۔
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت جس کو امام رازی نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے "عن نافع عن ابن عمر انه اعطى للفارس سهمين وللراجل سهما"۔
دلیل ثانی: مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "ثم قسم بين المسلمين فاخرج للفارس سهمين وللراجل سهما"۔
دلیل ثالث: مشہور روایت ہے ابوداؤد شریف میں بھی منقول ہے جو مجمع بن جاریہؓ کی روایت ہے "قسمت خيبر اى اموال خيبر على اهل الحديبية على ثمانية عشر سهما فاعطى الفارس سهمين واعطى الراجل سهما" اور دوسرا یہ کہ صحیح روایت کے مطابق خیبر میں لشکر پندرہ سو آدمی کا تھا اور غنیمت کے مال کے اٹھارہ حصے کئے گئے اور کل راجل بارہ سو تھے اور فارس تین سو تو اٹھارہ حصے پر تقسیم اس وقت صحیح ہوگی جبکہ فارس کیلئے دو حصے ہوں اور راجل کیلئے ایک ایک حصہ اس طرح بارہ سو راجل کیلئے بارہ حصے اور تین سو فارس کیلئے چھ حصے ہوں گے اگر فارس کیلئے تین حصے ہوتے تو مال غنیمت کے کل حصے اکیس کئے جاتے۔

دلیل رابع: قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ جہاد میں راجل اصل ہے اور فرس آلہ اور تابع ہے بغیر فرس آدمی جہاد کرسکتا ہے لیکن فرس بغیر رجل کے جہاد نہیں کرسکتا لہٰذا فرس کو راجل کے برابر حصہ دینا بھی خلاف قیاس ہے چہ جائیکہ رجل سے زیادہ فرس کو حصے دیئے جائیں۔

سوال: امام ابوداؤد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ ہذا وھم" کہ تین سو سوار کہنا یہ وہم راوی ہے۔ حالانکہ سوار دو سو تھے لہٰذا اب غزوہ خیبر میں اہل حدیبیہ والوں پر تقسیم کیا ان کی تعداد چودہ سو ہوگئی اب جمہور کے مطابق بھی تفسیر آسانی کے ساتھ منطبق ہوجائے گی کہ ۱۸۰۰ حصوں میں بارہ سو حصے راجلین کو اور سوار دو سو ہیں اور ہر سوار کو تین حصے ملیں گے تو یہ چھ سو حصے مکمل ہوں گے اور یہ اٹھارہ حصوں میں پورے ہوجائیں گے۔

جواب: پندرہ سو کے عدد کو وھم کہنا خود ایک وہم ہے کیونکہ اس کے خلاف پر دلیل موجود ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں تصریح ہے کہ اہل حدیبیہ کی تعداد پندرہ سو تھی اور اس پر اتفاق ہے کہ راجل بارہ سو تھے تو لامحالہ فارس تین سو ہوں گے۔

سوال: بخاری شریف میں اسی صفحہ پر چودہ سو کی بھی روایت موجود ہے۔

جواب: عدد اقل اکثر کے منافی نہیں نیز مثبت للزیادۃ روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّرَايَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْأَزْدِيُّ الْبَصْرِيُّ وَأَبُو عَمَّارٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ السَّرَايَا أَرْبَعُ مِائَةٍ وَخَيْرُ الْجُيُوشِ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَلَا يُغْلَبُ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا يُسْنِدُهُ كَبِيرُ أَحَدٍ غَيْرُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ وَإِنَّمَا رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَقَدْ رَوَاهُ حِبَّانُ بْنُ عَلِيٍّ الْعَنَزِيُّ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا .

محمد بن یحییٰ ازدی بصری، ابوعمار، وہب بن جریر، یونس بن یزید، زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین رفقائی چار ہیں، بہترین لشکر چار سو اور بہترین فوج چار ہزار جوانوں کی ہے۔ بارہ ہزار آدمی قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھاسکتے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اسے جریر بن حازم کے علاوہ کسی بڑے محدث نے مرفوع روایت نہیں کیا۔ زہری یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً بھی نقل کرتے ہیں۔ حبان بن علی العنزی بھی یہ حدیث عقیل سے وہ زہری سے وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ لیث بن سعد نے یہ حدیث بواسطہ عقیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً نقل کی ہے۔

تشریح: غزوہ اور سریہ کے متعلق تفصیلی بحث ابواب الجہاد کے شروع میں گزر چکی ہے۔

حدیث الباب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین ساتھی چار ہیں اگر سفر میں جانا ہو تو کم از کم تین ہونا ضروری ہے اور اگر چار ساتھی ہو جائیں تو یہ بہتر ہے اور لشکروں میں سے بہترین لشکر چار سو کا ہے اور بہترین بڑا لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کا لشکر اگر کم بھی ہو تو پھر بھی وہ شکست نہیں کھا سکتا۔ یہ ارشادِ گرامی آپ ﷺ کے زمانے پر محمول تھا۔

خیر الصحابة اربعة: چار کو بہتر اس اعتبار سے کہا گیا ہے فرض کیجئے کہ چاروں میں کوئی ایک بیمار ہو جائے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر ایک کو وصیت کرے تو باقی دو ساتھی گواہ ہوں گے بعض علماء نے لکھا ہے پانچ ساتھی چار سے بہتر ہیں یعنی جتنے ساتھی زیادہ ہوں گے اتنے ہی بہتر ہوں گے۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۴۴)

ولن یغلب اثنا عشر الفًا من قلة: بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوتا اس کا مطلب یہ ہے کہ بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کی طاقت بڑی طاقت ہوتی ہے اتنے زیادہ مجاہدین دشمن کے مقابلے پر کبھی مغلوب نہیں ہونگے اور اگر مغلوب بھی ہوں تو تعداد کی وجہ سے نہیں ہونگے کیونکہ بارہ ہزار کی تعداد کمی کی حد سے نکل جاتی ہے البتہ کسی اور سبب سے مغلوب ہو سکتے ہیں اور وہ سبب اپنی تعداد پر فخر و غرور و تکبر وغیرہ کرنا ہے۔

سند پر کلام: اس روایت کے بارے میں ہے کہ یہ روایت مرسل ہے یا متصل؟ اس میں اختلاف ہے حبان بن علی مرفوع روایت بیان کرتے ہیں جبکہ لیث بن سعد مرسل بیان کرتے ہیں۔

بَابُ مَنْ يُعْطَى الْفَيْءَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ أَنَّ نَجْدَةَ الْحَرُورِيَّ كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبْتَ إِلَيَّ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ وَكَانَ يَغْزُو بِهِنَّ فَيُدَاوِينَ الْمَرْضَى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيمَةِ وَأَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأُمِّ عَطِيَّةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ

قتیبہ، حاتم بن اسماعیل، جعفر بن محمد، یزید بن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے حضرت ابن عباسؓ کو لکھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے عورتوں کو ساتھ لے کر جایا کرتے اور انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے انہیں لکھا کہ تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں شریک فرماتے تھے یا نہیں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جہاد میں شریک کرتے تھے اور یہ بیماروں کی مرہم پٹی اور علاج وغیرہ کیا کرتی تھی اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے کوئی خاص حصہ مقرر نہیں کیا گیا۔ اس باب میں حضرت انسؓ اور ام عطیہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل

وَقَالَ بَعْضُهُمْ يُسْهَمُ لِلْمَرْأَةِ وَالصَّبِيِّ وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَأَسْهَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصِّبْيَانِ بِخَيْبَرَ وَأَسْهَمَتْ أَئِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ لِكُلِّ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَأَسْهَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنِّسَاءِ بِخَيْبَرَ وَأَخَذَ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَهُ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ بِهٰذَا وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيمَةِ يَقُولُ يُرْضَخُ لَهُنَّ بِشَيْءٍ مِنَ الْغَنِيمَةِ يُعْطَيْنَ شَيْئًا.

ہے۔سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ عورت اور بچے کا بھی حصہ مقرر کیا جائے۔امام اوزاعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں بچوں کا بھی حصہ مقرر کیا۔پس مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس پر عمل کیا۔

یہ قول علی بن خشرم نے عیسیٰ بن یونس سے انہوں نے اوزاعی سے یہ قول روایت کیا ہے اور اس قول **وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيمَةِ** کا مطلب یہ ہے کہ انہیں مال غنیمت میں سے بطور انعام کچھ دے دیا جاتا تھا۔

تشریح: کتب نجدۃ: ''بفتح النون وسکون جیم رئیس الخوارج'' یہ وہ شخص تھا جو خوارج کا سردار تھا۔اور قاموس میں ہے کہ یہ نجدہ بن عامر الحنفی خارجی تھا۔

الحروری: یہ حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے ایک علاقے کی ایک آبادی کا نام ہے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کر کے اس بستی میں اجتماع کیا تھا۔اب حروری سے مراد خارجی ہی ہیں۔

مسئلہ: اگر عورتیں، بچے اور غلام جہاد میں شریک ہوں تو غنیمت کا پورا حصہ ملے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **قول اوّل:** امام اوزاعیؒ کے نزدیک ان کو حصہ ملے گا۔ **قول ثانی:** جمہور ائمہ کے نزدیک ان کی خاطرداری کے لئے حصہ نہیں ملے گا۔امام اگر مناسب سمجھے تو کچھ مال اپنی طرف سے دے سکتا ہے۔

امام اوزاعی کی دلیل: یہ حشرج بن زیاد کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ''ام ابیه خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة خيبر ... اسهم لنا كما اسهم للرجال''۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو حصہ دیا جائے گا۔

جواب: اس میں حشرج نامی راوی مجہول ہے۔امام خطابیؒ فرماتے ہیں ''اسناده ضعيف لا يقوم به حجة''۔اور بعض نے کہا ''انه لجهالة رافع وحشرج من رواته'' اگر ان کی دلیل کو صحیح مان لیا جائے تب بھی اس سے مستقلاً حصہ دینا مراد نہیں ہے بلکہ نفس اعطاء میں مردوں کے ساتھ شریک کرنا مراد ہے لہٰذا برابری حصہ میں شرکت مراد نہیں ہے۔

جمہور ائمہ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں اور بچوں کو حصے نہیں دیتے تھے بلکہ مناسب مقدار کے مطابق کچھ دے دیتے تھے۔دوسرا یہ کہ یہ لوگ چونکہ اہل جہاد میں سے نہیں ہیں اس لئے عورتیں اور بچے اگر کچھ خدمت وغیرہ کرلیں تو انکو کچھ دینا مناسب ہے۔

بَابُ هَلْ يُسْهَمُ لِلْعَبْدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِي فَكَلَّمُوا فِيَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمُوهُ أَنِّي مَمْلُوكٌ قَالَ فَأَمَرَ بِي فَقُلِّدْتُ السَّيْفَ فَإِذَا أَنَا أَجُرُّهُ فَأَمَرَ لِي بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ أَرْقِي بِهَا الْمَجَانِينَ فَأَمَرَنِي بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُسْهَمُ لِلْمَمْلُوكِ وَلٰكِنْ يُرْضَخُ لَهُ بِشَيْءٍ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ .

ابی لحم کے مولیٰ عمیر سے روایت ہے کہ میں خیبر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ شریک تھا۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق بات کی اور بتایا کہ میں غلام ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (لڑائی میں شریک ہونے کا) حکم دیا اور میرے بدن پر ایک تلوار لٹکا دی گئی تھی)۔میں کوتاہ قامت ہونے کی وجہ سے اسے کھینچتا ہوا چلتا تھا۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے مال غنیمت میں سے کچھ گھریلو اشیاء دینے کا حکم دیا۔پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دَم بیان کیا جو میں مجنون لوگوں کو پڑھ کر پھونکا کرتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس میں سے کچھ الفاظ چھوڑ دینے اور کچھ باقی رکھنے کا حکم دیا۔اس باب میں حضرت ابن عباس سے بھی حدیث منقول ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ غلام کو بطور انعام کچھ دے دیا جائے۔سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ غلام کیلئے مال غنیمت کا ذکر کررہے ہیں اگر غلام فوج میں شامل ہوکر با قاعدہ جنگ لڑے تو اس کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ غلام کا مال اس کا اپنا نہیں ہوتا بلکہ آقا کا ہوتا ہے اور اگر آقا بھی جہاد میں شریک ہے تو اس کو اپنا حصہ از خود مل جائے گا۔اگر حاکم خود غلام کو مال غنیمت میں سے دیدے تو یہ اس کی صوابدید پر موقوف ہے۔نیز اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ حضرت عمیرؓ ایک جھاڑ پھونک جانتے تھے جس سے وہ آسیب زدہ کا علاج کرتے تھے انہوں نے آپ ﷺ کو وہ دم کرنے والا اورد سنایا۔آپ ﷺ نے ان سے کچھ کلمات کی نفی فرمادی اور باقی سے دم کرنے کی اجازت دی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الذِّمَّةِ يَغْزُونَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ هَلْ يُسْهَمُ لَهُمْ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى بَدْرٍ حَتَّى إِذَا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرِ لَحِقَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يُذْكَرُ مِنْهُ جُرْأَةٌ وَنَجْدَةٌ فَقَالَ لَهُ

انصاری، معن، مالک بن انس، فضیل بن ابی عبداللہ، عبداللہ بن دینار اسلمی، عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کیلئے نکلے اور حرۃ الوبر (پتھریلی زمین) کے مقام پر پہنچے تو ایک مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو دلیری میں مشہور تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم اللہ

النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهٖ قَالَ لَا قَالَ ارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا لَا يُسْهَمُ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ وَإِنْ قَاتَلُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ الْعَدُوَّ وَرَاٰى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُسْهَمَ لَهُمْ إِذَا شَهِدُوا الْقِتَالَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ وَيُرْوٰى عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهَمَ لِقَوْمٍ مِنَ الْيَهُودِ قَاتَلُوا مَعَهٗ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَزْرَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر جاؤ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لینا چاہتا۔ اس حدیث میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مشرک اگر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں شریک بھی ہو تب بھی اس کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک اسے حصہ دیا جائے گا۔ امام زہری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی ایک جماعت کو حصہ دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک تھی۔ یہ حدیث قتیبہ، عبدالوارث بن سعید سے وہ عروہ سے اور وہ زہری سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: **غیر مسلم اہل ذمہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کر سکتے ہیں یا نہیں؟** اگر ان کو شریک کیا جائے تو کیا مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا جائے گا یا نہیں۔

قول اوّل: ائمہ اربعہ کے نزدیک اہل ذمہ کو جہاد میں شامل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔

قول ثانی: بعض تابعین کے نزدیک ان کو مستقل حصہ دیا جائے گا اور ان کو جہاد میں شامل بھی کیا جائے گا۔

دلیل: زہری کی مرسل روایت ہے کہ کسی جنگ میں کچھ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے اور نبی کریم ﷺ نے ان کو غنیمت میں سے حصہ دیا۔ **جواب:** یہ بطور حصہ کے نہیں تھا بلکہ بطور عطیہ کے تھا۔

جمہور حضرات کی دلیل: یہی حدیث الباب یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اس میں تفصیل سے ہے کہ آپ ﷺ نے مشرک سے پوچھا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اس نے کہا نہیں آپ ﷺ نے اس کو فرمایا ارجع **فلن استعین بمشرك** کہ تم لوٹ جاؤ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے۔ جب آپ ﷺ نے اس کو جہاد میں شریک نہیں کیا تو حصہ بطریق اولیٰ نہیں دیا جائے گا۔

باقی اہل ذمہ سے تعاون لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مصلحت ہو تو جائز ہے جبکہ انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اگر مصلحت نہ ہو بلکہ الٹا نقصان ہو تو پھر تعاون لینا جائز نہیں۔

و فی الحدیث کلام اکثر من هذا : امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کلام ہے وہ یہ کہ یہاں حدیث مختصر ہے اس سے طویل حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ مشرک پھر چلا گیا جب ہم شجرہ نامی جگہ پر پہنچے تو وہ شخص پھر ہمارے پاس آیا اور اس نے پہلے والی بات دہرائی۔ آپ ﷺ نے وہی سوال پوچھا جو پہلے پوچھا تھا پھر وہ مشرک چلا گیا پھر تیسری بار بیداء مقام پر آ کر ملا۔ نبی کریم ﷺ نے پھر وہی پہلی والی بات دہرائی کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے کہا ہاں پس آپ ﷺ نے فرمایا تو چل۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین سے جہاد میں مدد لینا درست نہیں۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا یہ جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بار بار اس لئے لوٹایا کہ آپ ﷺ کو اس کے ایمان کی امید تھی جیسے قبیلہ کے ایک سردار نے ہدیہ میں اونٹنی پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مشرکین کے مکھن سے روکا گیا ہے۔ تو آپ ﷺ کا یہ فرمانا اس کے لئے ایمان لانے کا سبب بن گیا اس لئے اس سے یہ استدلال کرنا کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، درست نہیں۔

باقی آپ ﷺ نے اس مشرک کو جہاد سے اس لئے روکا کہ یہ اسلام کا پہلا غزوہ تھا اگر اس پہلے غزوہ میں مشرکین کو شامل کیا جاتا تو مشرکین قیامت تک احسان جتلاتے کہ ہماری وجہ سے تمہارے مذہب کو فتح نصیب ہوئی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے بدر کے میدان میں کسی مشرک کو شامل نہیں ہونے دیا البتہ بعد میں غزوہ حنین میں مشرکین بھی شریک ہوئے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ خَيْبَرَ فَأَسْهَمَ لَنَا مَعَ الَّذِينَ افْتَتَحُوهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ مَنْ لَحِقَ بِالْمُسْلِمِينَ قَبْلَ أَنْ يُسْهَمَ لِلْخَيْلِ أُسْهِمَ لَهُ

ابوسعید اشج، حفص بن غیاث، برید بن عبداللہ بن ابی بردہ، حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں خیبر کے اشعریوں کی جماعت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بھی خیبر فتح کرنے والوں کے ساتھ حصہ مقرر کیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ جو مسلمانوں سے غنائم کی تقسیم سے پہلے ملے اسے بھی حصہ دیا جائے۔

تشریح: اس حدیث سے پہلے بعض حضرات نے باب کو ذکر کیا ہے جبکہ پاک و ہند میں موجود جامع ترمذی کے نسخوں میں باب نہیں ہے۔ مناسب اور بہتر یہی ہے کہ یہاں باب ہونا چاہیے **باب ماجاء فی من لحق بالمسلمین هل یسهم لهم** وجہ اس کی یہ ہے کہ اس حدیث الباب کا گزشتہ باب سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا یہاں سے الگ مستقل مسئلہ ہے اگر باب ایک ہوتو چونکہ امام ترمذیؒ باب کے آخر میں **والعمل علی هذا** لکھتے ہیں کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک باب میں یہ بات دو بار کہی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں ایک باب حذف ہے۔

مسئلہ: مجاہدین کی مدد کیلئے کوئی دوسری جماعت پہنچے تو کیا ان کو بھی مال غنیمت سے دیا جائیگا یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے

قولِ اوّل: عندالشوافع کفار کے مال پر غلبہ کے بعد ہی غانمین کا حق ثابت ہوتا ہے احراز الی دارالاسلام شرط نہیں اور انکے نزدیک اگر امدادی فوج لڑائی ختم ہو جانے کے بعد پہنچے تو غنیمت میں شریک نہیں ہونگے کیونکہ پہلے مجاہدین اس مال کے مالک ہو گئے ہیں۔

قولِ ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک احراز الی دارالاسلام سے پہلے غانمین کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ یعنی احراز سے پہلے جو لوگ میدان جہاد میں پہنچ گئے وہ مالِ غنیمت میں سے حصہ پائیں گے ورنہ نہیں۔

امام شافعیؒ کی پہلی دلیل: وہ اصول جو ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ ملک کا سبب استیلاء علی مال الکفار ہے اور دارالحرب میں وہ پایا

گیا ہے لہٰذا وہی مالک ہونگے۔ **جواب:** حدیث کے مقابلے میں قیاس حجت نہیں ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری دلیل: بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**بعث النبی ﷺ ابانا علی سریۃ قبل نجد فقدم ابان واصحابہ علی النبی ﷺ بعدما افتتحہا ولم یقسم لھم**"۔ اس حدیث میں ہے کہ ابان اور ان کے ساتھیوں کو غنیمت کا مال نہیں دیا۔ حالانکہ وہ قبل الاحراز الی دارالاسلام پہنچ گئے تھے۔

جواب: خیبر فتح کرنے کے ساتھ ہی دارالاسلام بن گیا اور ساتھ ساتھ احراز الی دارالاسلام بھی ہو گیا بنابریں غانمین کی ملک ثابت ہو گئی اور ابان اور ان کے ساتھیوں کو اسی وجہ سے غنیمت نہیں دی گئی تھی لہٰذا اس سے دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔

نیز حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو جو کچھ دیا گیا تھا وہ امدادی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کو خوش اور مائل کرنے کیلئے دیا تھا اور دیا بھی غازیوں کی اجازت سے جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے حنین کے غازیوں کی اجازت سے ہوازن کو ان کے قیدی واپس کر دیئے تھے نیز ان کو غنیمت میں سے نہیں دیا گیا بلکہ حضور ﷺ نے اپنے حصہ خمس سے دیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: وہ مشہور حدیث ہے کہ جس میں مال غنیمت کو دارالحرب میں بیچنے کی ممانعت ہے اس سے معلوم ہوا کہ احراز سے قبل مال غنیمت کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔

باقی یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھی فتح مکہ کے بعد آئے تھے تو ان کو مستقل حصہ نہیں ملنا چاہیے تھا حالانکہ ان کو مستقل حصہ دیا گیا۔ **جواب اوّل:** یہ حصہ خمس میں سے دیا تھا اور خمس سے دینا جائز ہے۔

جواب ثانی: ممکن ہے غنیمت سے حصہ دیا ہو لیکن دیگر مجاہدین کی رضامندی کے ساتھ تو یہ بھی جائز ہے۔

جواب ثالث: یا پھر عطیہ کے طور پر دیا تھا "**اسھم**" کا یہاں یہی معنی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِانْتِفَاعِ بِآنِيَةِ الْمُشْرِكِينَ

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قُدُورِ الْمَجُوسِ فَقَالَ أَنْقُوهَا غَسْلًا وَاطْبُخُوا فِيهَا وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِي نَابٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ وَرَوَاهُ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ وَأَبُو قِلَابَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ

زید بن اخزم طائی، ابوقتیبہ سلم بن قتیبہ، شعبہ، ایوب، ابوقلابہ، حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسیوں کے برتن استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں دھو کر صاف کر لو اور پھر ان میں پکاؤ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث ابوادریس خولانی بھی ابوثعلبہ سے نقل کرتے ہیں۔ ابوقلابہ کو ابوثعلبہ سے سماع نہیں۔ وہ اسے ابواسماء کے واسطے سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ

ھناد، ابن مبارک، حیوۃ بن شریح، ربیعہ بن یزید دمشقی،

شُرَيْحٍ قَالَ سَمِعْتُ رَبِيعَةَ بْنَ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيَّ يَقُولُ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ عَائِذُ اللهِ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ يَقُولُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ نَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ قَالَ إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوادریس خولانی عائذ اللہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوثعلبہ خشنیؓ سے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم اہل کتاب کی زمین پر رہتے ہیں اور انہی کے برتنوں میں کھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے علاوہ اور برتن موجود ہوں تو ان میں نہ کھایا کرو۔ لیکن اگر اور برتن نہ ہوں انہیں دھوکر ان میں کھا سکتے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مشرکین کے برتنوں کے استعمال کے بارے میں تفصیلی بحث ماقبل ابواب الصید کے شروع میں گزر چکی ہے۔

اس باب کی اوّل حدیث کی سند میں انقطاع ہے ابوقلابہ کا سماع ابوثعلبہ سے ثابت نہیں کیونکہ وہ ابواسماء رحبی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔

بَابُ فِي النَّفَلِ

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ فِي الْبَدْأَةِ الرُّبُعَ وَفِي الْقُفُولِ الثُّلُثَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَحَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَمَعْنِ بْنِ يَزِيدَ وَابْنِ عُمَرَ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَحَدِيثُ عُبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، عبدالرحمن بن حارث، سفیان بن موسیٰ، مکحول، ابی سلام، ابی امامہ، حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء جہاد میں چوتھائی مال غنیمت بطور نفل تقسیم کردیا کرتے تھے اور واپس لوٹتے وقت تہائی تقسیم کرتے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، حبیب بن مسلمہ، معن بن یزید، ابن عمر اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے اور ابوسلام سے بھی ایک صحابی کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفَقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ الَّذِي رَأَى فِيهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ أُحُدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر اپنی تلوار ذوالفقار اپنے حصے سے زیادہ لی۔ اور اس کے متعلق آپ ﷺ نے احد کے موقع پر خواب دیکھا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف ابوزناد کی روایت سے جانتے ہیں۔ اہل علم کا خمس (پانچویں

مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي النَّفَلِ مِنَ الْخُمُسِ فَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ لَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ فِي مَغَازِيهِ كُلِّهَا وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّهُ نَفَّلَ فِي بَعْضِهَا وَإِنَّمَا ذٰلِكَ عَلَى وَجْهِ الِاجْتِهَادِ مِنَ الْإِمَامِ فِي أَوَّلِ الْمَغْنَمِ وَآخِرِهِ قَالَ ابْنُ مَنْصُورٍ قُلْتُ لِأَحْمَدَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ إِذَا فَصَلَ بِالرُّبُعِ بَعْدَ الْخُمُسِ وَإِذَا قَفَلَ بِالثُّلُثِ بَعْدَ الْخُمُسِ فَقَالَ يُخْرِجُ الْخُمُسَ ثُمَّ يُنَفِّلُ مِمَّا بَقِيَ وَلَا يُجَاوِزُ هٰذَا وَهٰذَا الْحَدِيثُ عَلَى مَا قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ النَّفَلُ مِنَ الْخُمُسِ قَالَ إِسْحٰقُ هُوَ كَمَا قَالَ

حصے) کے دینے میں اختلاف ہے۔ امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر جہاد میں نفل (زائد مال) تقسیم کیا ہو۔ البتہ بعض غزوات میں ایسا ہوا۔ لہٰذا یہ امام کے اجتہاد پر موقوف ہے چاہے لڑائی کے شروع میں تقسیم کرے یا آخر میں۔ منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں نکلنے کے وقت خمس کے بعد چوتھائی تقسیم کیا اور واپس لوٹتے وقت خمس کے بعد تہائی مال تقسیم کیا؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی میں سے تہائی حصہ تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث ابن مسیبؒ کے قول کی تائید کرتی ہے کہ خمس میں سے انعام دیا جاتا ہے۔ امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: نفل کا معنی انعام اور ایک معنی غنیمت بھی ہے۔ انعام کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر مجاہد، غازی جتنے حصے کا مستحق بنتا ہے اس استحقاقی حصہ سے زائد بطور انعام کے دیا جائے باقی تنفل جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی حاکم کسی مجاہد کو یا پوری جماعت کو اس کے حصہ سے زائد دے تو یہ دینا بالا جماع جائز ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مال غنیمت کے کونسے حصہ سے نفل دیا جائے گا۔

احناف کے نزدیک مال غنیمت کو دارالاسلام میں لانے سے پہلے اور خمس نکالنے کے بعد مجاہدین کے لئے جو چار حصے ہیں ان سے انعام کے طور پر دیا جائے اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کیا جائے اگر دارالاسلام میں مال غنیمت کو لانے کے بعد انعام کے طور پر دینا چاہیں تو خمس سے دے سکتے ہیں باقی چار حصوں سے نہیں دے سکتے۔

اور حنابلہ کے نزدیک ہر حال میں خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں میں سے انعام کے طور پر دیا جائے گا اور ایک قول امام مالکؒ کا ہے کہ یہ انعام ہر صورت میں خمس سے ہوگا یعنی اولاً خمس نکالا جائے گا پھر اس میں سے انعام کے طور پر دیا جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفل خمس الخمس سے دیا جائے گا۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ نفل کی مقدار کتنی ہوگی؟

احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے کہا کہ ثلث یا ربع دیا جا سکتا ہے اور یہ پورے مال غنیمت سے دیا جائے گا۔

بعض اہل علم کی دلیل یہی حدیث الباب ہے ان النبی ﷺ کان ینفل فی البدأة الربع و فی القفول الثلث بڑا لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا ہے تو بعض اوقات امیر جہاد اس بڑے لشکر سے ایک چھوٹی جماعت ایک خاص مہم پر روانہ کر دیتے ہیں اس جماعت کو بدأ کہتے ہیں ان کے لئے بطور انعام کے ربع مقرر کیا جاتا کہ اس مہم میں جتنا مال غنیمت تمہیں حاصل ہوگا اس کا

ربع تمہیں بطور تنفیل کے ملے گا اور باقی پورے لشکر کو قاعدہ شرعیہ کے مطابق ملے گا اور اسی طرح جب بڑا لشکر اپنی مہم سے فارغ ہو کر دار الحرب سے واپس آ رہا ہوتا اور واپسی کے موقع پر آپ ﷺ اس لشکر سے ایک چھوٹی جماعت پیچھے چھوڑ دیتے اس کو رجعت کہتے ہیں۔ نیز چونکہ بدء والوں کی جنگ آسان ہوتی ہے کہ لشکر پیچھے آ رہا ہوتا ہے ان کو مدد ملنے کی امید بلکہ یقین ہوتا ہے مگر رجعت والوں کی لڑائی بہت مشکل ہوتی ہے کہ ان کو بقیہ لشکر سے مدد ملنے کی امید نہیں ہوتی کیونکہ لشکر جا چکا ہوتا ہے اس لئے رسول کریم ﷺ نے بدء والوں کو کم نفل دیا جبکہ رجع اور رجعت والوں کو زیادہ دیا یعنی کل کا ثلث۔ یعنی رسول کریم ﷺ ان کے لئے نفل ثلث مقرر کر دیتے۔ اور باقی مال تمام لشکر میں تقسیم کرتے نیز بدأ اور رجعت والوں کے دینے میں تفاوت اس لئے ہے کہ ابتداء میں مشقت نہیں ہوتی سب کا جوش ہوتا ہے اور جب پورا لشکر واپس آ رہا ہوتا ہے تو ہر شخص تھکا ماندہ ہوتا ہے اور ایسی صورت میں بڑے لشکر کو چھوڑ کر پیچھے رہ جانا یہ بڑی بات ہے کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ جلدی اپنے بیوی بچوں میں جاؤں۔

دوسری حدیث میں تنفل سیفه ذالفقار یوم بدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفل دینا جائز ہے۔

جواب: یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپ ﷺ کے بعد کسی امیر یا کسی بادشاہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ نفل کا ایک معنی غنیمت بھی ہو گیا۔ دوسرا معنی نفل کا انعام ہے۔ تیسرا نبی کریم ﷺ کا اپنے لئے انتخاب کر لینا اس کو عام اصطلاح میں صفی کہتے ہیں۔ الحاصل یہ ذو الفقار تلوار جنگ بدر میں مال غنیمت میں آئی تھی یہ ایک کافر منبہ بن حجاج کی ملکیت تھی وہ جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا آپ ﷺ کو یہ تلوار پسند آگئی تو بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے حصہ سے زائد اس کو رکھ لیا تھا یہ تلوار آپ ﷺ کے پاس کئی جنگوں میں رہی پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی اور اس طرح تلوار لینا یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے رہی یہ بات کہ اس تلوار کا نام ذو الفقار کیوں تھا۔ فقار اصل میں پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں چونکہ اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے منکے موتی تھے یا پشت میں ہڈیوں کی طرح جوڑ تھے اس لئے اس کو ذو الفقار کہا جاتا ہے۔

فیه الرؤیا یوم احد: امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی پھر دوبارہ اس کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی چنانچہ غزوہ احد کے دن اس خواب کی تعبیر سامنے آئی کہ پہلے مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا پھر اللہ نے اپنی مدد کے ساتھ فتح و کامرانی نصیب فرمائی۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۵۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرِ بْنِ أَفْلَحَ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى

انصاری، معن، مالک بن انس، یحییٰ بن سعید، عمر بن کثیر بن افلح، ابو محمد، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس پر اس کے پاس گواہ بھی ہوں تو مقتول کا سامان اسی کا ہے۔ اس حدیث میں ایک واقعہ ہے۔

ابن ابی عمر، سفیان، یحییٰ بن سعید کی سند سے اسی کی مثل مروی

بْنِ سَعِيدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَأَنَسٍ وَسَمُرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مُحَمَّدٍ هُوَ نَافِعٌ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلْإِمَامِ أَنْ يُخْرِجَ مِنَ السَّلَبِ الْخُمُسَ وَقَالَ الثَّوْرِيُّ النَّفَلُ أَنْ يَقُولَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ شَيْئًا فَهُوَ لَهُ وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَيْسَ فِيهِ الْخُمُسُ وَ قَالَ إِسْحٰقُ السَّلَبُ لِلْقَاتِلِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ شَيْئًا كَثِيرًا فَرَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُخْرِجَ مِنْهُ الْخُمُسَ كَمَا فَعَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ

ہے۔اس باب میں حضرت عوف بن مالک، خالد بن ولید، انس اور سمرہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ابومحمد کا نام نافع ہے اور وہ ابوقتادہ کے مولیٰ ہیں۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔امام اوزاعی، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ امام سلب (یعنی اس کے چھینے ہوئے مال) میں سے خمس نکال لے۔سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ نفل یہ ہے کہ امام کہہ دے کہ جسے جو چیز مل جائے وہ اسکی ہے اور جو کسی (کافر) کو قتل کرے تو مقتول کا سامان قاتل کیلئے ہے تو یہ جائز ہے۔اس میں خمس نہ ہوگا۔اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سامان قاتل کا ہوگا لیکن اگر وہ مال بہت زیادہ ہو تو امام اس میں سے خمس (یعنی پانچواں حصہ) لے سکتا ہے جیسے کہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔

تشریح: من قتل قتيلًا له اى للقاتل عليه بينة اى على قتله المقتول ، له ضمیر کا مرجع قاتل ہے اور علیہ کی ضمیر کا مرجع مقتول کا قتل ہے کہ مقتول کے قتل پر کوئی گواہ بھی موجود ہو۔

فله سلبه: اس کیلئے انعام ہے سلب مصدر بمعنی مسلوب کے ہے یعنی کفار سے چھینا ہوا مال لیکن اصطلاح میں سلب سے مقتول کے ہتھیار کپڑے وغیرہ مراد ہیں کہ اگر امیر نے یہ اعلان کیا کہ من قتل قتيلًا فله سلبه تو بالاتفاق مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا۔

اس باب کے ذیل میں دو مسائل کا بیان ہے۔ ① اگر امیر جیش نے سلب کا اعلان نہ کیا ہو تو کیا قاتل کو سلب ملے گا؟ ② سلب میں سے خمس لیا جائے گا یا نہیں؟

مسئلہ اولیٰ: اگر امیر جیش نے اعلان نہ کیا ہو تو پھر مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا اگرچہ امیر اعلان کرے یا نہ کرے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک امیر جیش کے اعلان کے بغیر مقتول کا سلب قاتل کو نہیں ملے گا۔

منشاء اختلاف: نبی کریم ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا من قتل قتيلًا له عليه بيّنة فله سلبه اس ارشاد کی کیا حیثیت ہے۔

احناف کے نزدیک اس ارشاد کی حیثیت تنفیل کی ہے یعنی آپ ﷺ نے یہ جو ارشاد فرمایا یہ امیر المسلمین امیر جہاد ہونے کی حیثیت سے ہے یہ شارع ہونے کی حیثیت سے نہیں لہٰذا کسی امیر جہاد کی طرف سے یہ اعلان ہوگا تو پھر قاتل مقتول کے سلب کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد قاعدہ شرعیہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔احناف کے قول کی وجوہ ترجیح آگے آرہی ہیں۔

شوافع کے قول کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ اعلان بطور امیر جیش کے تھا نہ کہ قیامت تک بطور قانون کے ورنہ

جو بھی جس کو قتل کرتا اس مقتول کا سلب قاتل کو دیا جاتا حالانکہ اس طرح ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث تنفیل پر محمول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے "وا علموا انما غنمتم من شیء" اسی طرح قوله تعالیٰ "فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا" پہلی آیت میں شیء اور دوسری آیت میں ما عام ہے کہ جو کچھ حاصل ہو سب غنیمت کے مال میں شمار ہوگا۔ ہاں اگر امام خصوصی طور پر کسی کو کچھ دے دے تو وہ الگ بات ہے۔

دلیل ثانی: حدیث ہے "انما للمرء ما طابت به نفس امامه" اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام خوشی سے کچھ نہ دے یا دینے کا اعلان نہ کرے تو کسی کے لئے کچھ حلال نہیں لہٰذا بغیر اعلان امیر یا حاکم کے قاتل کو مقتول کے سلب میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

دلیل ثالث: ابوجہل کے قتل کا واقعہ ہے کہ حضرت معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما دونوں نے ابوجہل کو قتل کیا لیکن ابوجہل کا سامان ان دونوں میں سے ایک کو ملا۔

احناف کی وجوہِ ترجیح: **اوّل:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد من قتل قتیلًا خاص موقع پر فرمایا ہے ایک غزوہ بدر کے موقع پر اور ایک غزوہ حنین کے موقع پر اور یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں موقعوں پر تحریض علی القتال مقصود تھا۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں فرماتے تو پھر یہ قاعدہ شرعیہ سمجھا جاتا۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المسلمین ہونے کی حیثیت سے جہاد پر ابھارنے کے لئے فرمایا من قتل قتیلًا فله سلبه جبکہ مسجد نبوی میں نہیں فرمایا بلکہ غزوہ بدر اور غزوہ حنین کے موقع پر فرمایا۔

ثانی: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کی ساری عمر جہاد میں گزری جہاد کے متعلق احکام کا علم ان کو زیادہ ہوگا۔ چنانچہ بعض مواقع میں جھگڑا ہوا کہ قاتل نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے سلب کا مطالبہ کیا لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے نہیں دیا۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پہنچا شکایت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ لہٰذا حضرت خالد بن ولیدؓ کا قاتل کے بارے میں بدلہ نہ دینے کا فیصلہ کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور تنفیل کے تھا شارع ہونے کی حیثیت سے نہیں تھا۔

ثالث: مسند اسحاق بن راہویہ میں مفصل روایت موجود ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک قاتل کا جھگڑا ہوا اور وہ سلب کا مطالبہ کر رہا تھا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس اللمرأ الا ماطابت له نفس امامه تو حضرت معاذؓ کا اس حدیث کو پیش کرنا اور سامان کا نہ دینا وزنی قرینہ ہے کہ یہ ارشاد بطور تنفیل کے تھا۔

الحاصل ان مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی من قتل قتیلًا کو قاعدہ شرعیہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ تنفیل ہونے کی حیثیت سے مانتے تھے۔

مسئلہ: قاتل کا مستحق سلب مقتول ہونے کے لئے بیّنة کا پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

- احناف کے نزدیک اولیٰ اور افضل تو ہے لیکن ضروری نہیں۔

شوافع حضرات کہتے ہیں کہ بینہ کے بغیر قاتل مقتول کے سلب کا مستحق نہیں ہوگا دلیل یہی حدیث ہے له علیه بیّنة۔

جواب: یہ افضلیت پر محمول ہے۔

مسئلہ ثانیہ: مقتول کے سلب سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ بعض اہل علم کے نزدیک سلب سے خمس نکالا جائے گا۔

امام ثوریؒ کے نزدیک مقتول کے بعد میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔

امام اسحاقؒ نے فرمایا کہ سلب مقتول قاتل کا حق ہے مگر یہ کہ وہ بہت زیادہ مال ہو۔ پس امام اس میں سے خمس نکالنا مناسب سمجھے جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

احناف فرماتے ہیں کہ سلب مقتول مفوض الی رأی الامام ہے۔ اگر امام مناسب سمجھے تو نکال لے اور اگر معمولی مال ہو خمس نکالنے سے معتد بہ فائدہ نہ ہو تو سارا ہی قاتل کو دے دے خمس نہ نکالے۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقَسَّمَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ جَهْضَمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقَسَّمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ .

ھناد، حاتم بن اسماعیل، جہضم بن عبداللہ، محمد بن ابراہیم، محمد بن زید، شہر بن حوشب، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے غنیمت کی چیزیں خریدنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: عن شراء المغانم: ''ای عن بیعھا'' یعنی اس کو بیچنا یا خریدنا۔ امام مظہر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر مجاہدین میں سے کوئی اپنا حصہ بیچے تو اس کا بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا حصہ مجہول ہے اور مجہول کی بیع ممنوع ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ فروخت کرنے والے غازی کو غنیمت کا حصہ ملتا بھی ہے یا نہیں بسا اوقات غازی کسی وجہ سے غنیمت سے محروم بھی کر دیا جاتا ہے۔ نیز چونکہ تقسیم سے قبل کوئی غازی اپنے حصہ کا مالک ہی نہیں ہوتا اور غیر مالک کو فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ (کمافی المرقاۃ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ وَطْءِ الْحَبَالٰى مِنَ السَّبَايَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ النَّبِيلُ عَنْ وَهْبِ بْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ أَبَاهَا أَخْبَرَهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ تُوطَأَ السَّبَايَا حَتّٰى يَضَعْنَ مَا فِي بُطُونِهِنَّ وَفِي الْبَابِ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ وَحَدِيثُ عِرْبَاضٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ إِذَا اشْتَرَى الرَّجُلُ الْجَارِيَةَ مِنَ

محمد بن یحییٰ نیساپوری، ابوعاصم نبیل، وھب بن ابی خالد، ام حبیبہ بنت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قید ہو کر آنے والی حاملہ عورتوں سے ان کے بچہ جننے سے پہلے صحبت کرنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت رویفع بن ثابتؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ عرباضؓ کی حدیث غریب ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے منقول ہے کہ اگر کوئی باندی خریدی جائے اور وہ حاملہ ہو تو

النَّبِي وَهِيَ حَامِلٌ فَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَأَمَّا الْحَرَائِرُ فَقَدْ مَضَتِ السُّنَّةُ فِيهِنَّ بِأَنْ أُمِرْنَ بِالْعِدَّةِ كُلُّ هٰذَا حَدَّثَنِي بِذَلِكَ عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ

اس سے بچہ پیدا ہونے سے پہلے صحبت نہ کی جائے۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد عورتوں کے بارے میں سنت یہ ہے کہ انہیں عدت گزارنے کا حکم دیا جائے۔ (امام ترمذیؒ کہتے ہیں) کہ یہ حدیث علی بن خشرم عیسیٰ بن یونس سے اور وہ اوزاعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب کی وضاحت ابوب النکاح باب ماجاء فی الرجل یسبی الامة و لھازوج ھل یحل له وطیھا میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَعَامِ الْمُشْرِكِينَ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ شُعْبَةَ أَخْبَرَنِي سِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ قَبِيصَةَ بْنَ هُلْبٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارَى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِي صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيهِ النَّصْرَانِيَّةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ سَمِعْتُ مَحْمُودًا وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ قَبِيصَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ قَالَ مَحْمُودٌ وَقَالَ وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ مُرَيِّ بْنِ قَطَرِيٍّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي طَعَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ

محمود بن غیلان، ابوداؤد طیالسی، شعبہ، سماک بن حرب، حضرت قبیصہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کوئی کھانا تمہارے دل میں خلجان پیدا نہ کرے کہ تو اس بارے میں نصاریٰ کے مشابہ ہو جائے (کہ نصاریٰ بلاوجہ یہ شک شبہ کرتے ہیں)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمود اور عبید اللہ بن موسیٰ بھی اسرائیل سے وہ سماک سے وہ قبیصہ سے اور وہ اپنے والد سے اسی طرح کی حدیث مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ محمود، وہب سے وہ شعبہ سے وہ سماک سے وہ مری بن قطری سے وہ عدی بن حاتمؓ سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے اسی کے مثل روایت بیان کرتے ہیں۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اہل کتاب کے طعام کا کھانا جائز ہے۔

تشریح: اصل میں یہ بات مشرکین کے ذبیحہ کے متعلق ہے چونکہ اس کتاب کے ذیل میں جو احادیث مذکور ہیں وہ ذبیحہ کے متعلق ہیں اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے اس باب میں مسئلہ بھی اہل کتاب کے ذبیحہ کا بیان کیا ہے۔ مشرکین کے ذبیحہ سے کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ مشرکین کا ذبیحہ بالاجماع حرام ہے یہی حکم مشرکین اور ہندوؤں کے ذبیحہ کا ہے اور اہل کتاب اور یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ قرآن کی آیت کے مطابق حلال ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں آیت (۵) میں ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے البتہ اگر وہ لوگ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیں تو پھر ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ عُمَرَ الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي حُيَيٌّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوا التَّفْرِيقَ بَيْنَ السَّبْيِ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا وَبَيْنَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدِ وَبَيْنَ الْإِخْوَةِ.

عمر بن حفص بن عمر شیبانی، عبداللہ بن وہب، حیی، ابو عبدالرحمن حبلی، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ماں اور بیٹے کے درمیان تفریق کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اس باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ وہ قیدی ماں اور بیٹے باپ اور بیٹے نیز بھائیوں کے درمیان تفریق کو مکروہ جانتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت ابواب البیوع "باب ماجاء فی کراھیة ان یفرق بین الاخوین او بین الوالدة وولدھا فی البیع" میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْأُسَارٰى وَالْفِدَاءِ

حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي السَّفَرِ وَاسْمُهُ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْهَمْدَانِيُّ الْكُوفِيُّ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ جِبْرَائِيلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ خَيِّرْهُمْ يَعْنِي أَصْحَابَكَ فِي أُسَارٰى بَدْرٍ الْقَتْلَ أَوِ الْفِدَاءَ عَلَى أَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَاءَ وَيُقْتَلُ مِنَّا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي بَرْزَةَ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

ابوعبیدہ بن ابوسفر، احمد بن عبداللہ ہمدانی کوفی، محمود بن غیلان، ابوداود حفری، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، سفیان بن سعید، ہشام، ابن سیرین، عبیدہ، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جرائیل آئے اور فرمایا کہ اپنے صحابہ کو بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیے کے متعلق اختیار دے دیجئے۔ اگر یہ لوگ فدیہ اختیار کریں تو آئندہ سال ان میں سے ان قیدیوں کے برابر آدمی قتل ہو جائیں گے چنانچہ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ہمیں فدیہ لینا اور اپنا قتل ہونا پسند ہے۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، انس، ابوبرزہ اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث ثوری کی روایت سے حسن غریب ہے۔ ہم

مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ وَرَوَى أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَرَوَى ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَأَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ اسْمُهُ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَمِّهِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَمُّ أَبِي قِلَابَةَ هُوَ أَبُو الْمُهَلَّبِ وَاسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو وَيُقَالُ مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو وَأَبُو قِلَابَةَ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ الْجَرْمِيُّ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَمُنَّ عَلَى مَنْ شَاءَ مِنَ الْأُسَارَى وَيَقْتُلَ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ وَيَفْدِي مَنْ شَاءَ وَاخْتَارَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْقَتْلَ عَلَى الْفِدَاءِ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ بَلَغَنِي أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ مَنْسُوخَةٌ قَوْلُهُ تَعَالَى (فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً) نَسَخَتْهَا (وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ) حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ قُلْتُ لِأَحْمَدَ إِذَا أُسِرَ الْأَسِيرُ يُقْتَلُ أَوْ يُفَادَى أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ إِنْ قَدَرُوا أَنْ يُفَادَوْا فَلَيْسَ بِهِ بَأْسٌ وَإِنْ قُتِلَ فَمَا أَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا قَالَ إِسْحٰقُ الْإِثْخَانُ أَحَبُّ إِلَيَّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعْرُوفًا فَأَطْمَعَ بِهِ الْكَثِيرَ.

اسے صرف ابن ابی زائدہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ ابواسامہ، ہشام سے وہ ابن سیرین سے وہ عبیدہ سے وہ علی سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں۔ ابن عون بھی ابن سیرین سے وہ عبیدہ سے وہ حضرت علیؓ سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔ ابوداؤد حفری کا نام عمر بن سعد ہے۔

ابن ابی عمر، سفیان، ایوب، ابوقلابہ، حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے بدلے دو مسلمانوں کو قید سے آزاد کرا دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوقلابہ کے چچا کی کنیت ابوالمہلب اور ان کا نام عبدالرحمن بن عمرو ہے۔ انہیں معاویہ بن عمرو بھی کہتے ہیں۔ ابوقلابہ کا نام عبداللہ بن زید جرمی ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قیدیوں میں سے جس کو چاہے قتل کر دے اور جس کو چاہے (فدیہ لئے بغیر) چھوڑ دے اور جس کو چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ بعض اہل علم نے قتل کو فدیہ پر ترجیح دی ہے۔ اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ یعنی اس کی ناسخ قتال کا حکم دینے والی آیت ہے کہ ہناد نے بواسطہ ابن مبارکؒ، اوزاعیؒ سے ہمیں اس کی خبر دی۔ اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ جب کفار قیدی بن کر آئیں تو آپ کے نزدیک ان کو قتل کرنا بہتر ہے یا فدیہ لینا۔ انہوں نے فرمایا اگر کفار فدیہ دینے پر قادر ہوں تو کوئی حرج نہیں اور اگر قتل کر دیئے جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اسحاق کہتے ہیں کہ خون بہانا میرے نزدیک افضل ہے البتہ یہ کہ وہ کافر کوئی مشہور شخص ہو جس کے بدلے کثیر مال کی امید ہو۔

تشریح: کافر قیدی مسلمانوں کے پاس قید ہو جائیں ان کے بارے میں چار احکام نصوص میں منقول ہیں۔

① **منّ:** بغیر فدیہ کے قیدی کو چھوڑ دینا اسکا ذکر سورۂ محمد آیت ۶ میں موجود ہے۔

② **فداءً:** اپنے قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کیا جائے یا مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔

③ جس قیدی کا قتل کرنا قرین مصلحت ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ ④ **استرقاق:** یعنی ان کو غلام، باندی بنا کر فوج میں تقسیم کیا جائے۔

آخری دو اقسام بالا جماع جائز ہیں امیر المسلمین اپنی صوابدید پر عمل کرے پہلی دو قسمیں جائز ہیں یا نہیں؟ احناف کے مشہور قول کے مطابق پہلی دونوں قسمیں جائز نہیں جبکہ دیگر ائمہ کے ہاں پہلی دونوں قسمیں جائز ہے ں۔ احناف کہتے ہیں **فاما منًا واما فداءً** منسوخ ہے **فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم** اس کے لئے ناسخ ہے۔ دیگر ائمہ کے ہاں پہلی دو قسمیں چونکہ جائز ہیں اس لئے وہ منسوخ نہیں سمجھتے۔

امام محمدؒ کا قول سیر کبیر میں نقل کیا گیا ہے کہ جہاں ضرورت شدیدہ ہو تو وہاں پر **منًّا** بھی جائز ہے جب جائز ہے تو **فداءً** تو بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ **سوال:** غزوہ بدر میں تو فدیہ لیا گیا۔

جواب: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب **فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم** والی آیت نازل نہ ہوئی تھی۔

سوال: جب اختیار دیا گیا تو پھر عتاب کیوں نازل ہوا؟

جواب: یہ تخییر بطور امتحان کے تھی بطور اباحت کے نہیں تھی۔ اس کی نظیر جیسے ازواج مطہرات کو تخییر دی گئی کہ اگر چاہو تو دنیا اختیار کرلو اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا اور اگر چاہو تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہنا اختیار کرو تو ازواج مطہرات کے لئے یہ تخییر بطور امتحان کے تھی اسی طرح غزوہ بدر میں بھی تخییر بطور امتحان کے تھی۔

اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ قیدیوں کو قتل کرنا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے مگر یہ کہ کوئی قیدی مشہور آدمی ہو اور مجھے ان کے بدلے بڑا مال ملنے کی امید ہو تو پھر مال لے کر چھوڑا جا سکتا ہے۔

سند پر کلام، وروى ابن عون عن ابن سيرين: یہ روایت مرسل کیسے ہو سکتی ہے؟ حالانکہ راوی ”حضرت علی رضی اللہ عنہ“ کا ذکر موجود ہے۔ **جواب اوّل:** اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح نسخوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود نہیں جبکہ اس نسخہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے یہ کاتب کی خطاء ہے۔ مصری نسخوں میں روایت اس طرح ہے **عن عبيدة عن النبي** ﷺ۔

جواب ثانی: یہاں مرسل کا اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ مرسل بمعنی منقطع ہے انقطاع یوں ہے کہ ابن عون کی جتنی بھی روایات ہیں ابن سیرین سے وہ سب ہشام کے واسطے سے ہیں یہاں پر ابن عون براہ راست ابن سیرین سے روایات کر رہے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَةً فَأَنْكَرَ

قتیبہ، لیث، نافع، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت ایک مرتبہ جہاد میں مقتول پائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند کیا اور بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ وَرَبَاحٍ وَيُقَالُ رِبَاحُ بْنُ الرَّبِيعِ وَالْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوا قَتْلَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْبَيَاتِ وَقَتْلِ النِّسَاءِ فِيهِمْ وَالْوِلْدَانِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَرَخَّصَا فِي الْبَيَاتِ

فرمایا۔ اس باب میں بریدہ، رباح (انہیں رباح بن ربیعہ بھی کہا گیا ہے) اسود بن سریع، ابن عباسؓ اور صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ ان کے نزدیک عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام ہے۔ سفیان ثوری اور امام شافعیؒ کا بھی یہ قول ہے۔ بعض علماء نے شب خون مارنے میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت دی ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الصَّعْبُ بْنُ جَثَّامَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ خَيْلَنَا أَوْطَئَتْ مِنْ نِسَاءِ الْمُشْرِكِينَ وَأَوْلَادِهِمْ قَالَ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

نصر بن علی جہضمی، سفیان بن عیینہ، زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صعب بن جثامہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے گھوڑوں نے کفار کی عورتوں اور بچوں کو روند ڈالا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بھی اپنے باپ داداہی میں سے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ جو عورتیں اور بچے فوج کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے ہوں ان کو مارنا ٹھیک ہے اگر اسلامی فوج نے رات کو شب خون مارا تو پھر عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اور اسی طرح جو بچے اور عورتیں فوجیوں کے ساتھ ویسے آئے ہوں قتال کے لئے نہ آئے ہوں تو پھر بھی ان کو قتل کرنا جائز نہیں۔ جنگ کی یہ صورتحال اس وقت تھی جب تلواروں سے جنگ لڑی جاتی تھی لیکن موجودہ دور میں گولے اور ٹینک اور میزائل ہیں ان میں تو نہ کسی کو کوئی بچا سکتا ہے اور نہ ہی تفریق کر سکتا ہے اس وجہ سے ان جنگوں میں پہلے سے زیادہ تباہی ہوتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے دو قول نقل کئے ہیں۔ سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا مکروہ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز ہے یہی قول امام اسحاقؒ کا ہے۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْثٍ

قتیبہ، لیث، بکیر بن عبداللہ، سلیمان بن یسار، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا اور حکم دیا کہ اگر قریش

فَقَالَ إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ فَأَحْرِقُوهُمَا بِالنَّارِ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللهُ فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَحَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ ذَكَرَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَقَ بَيْنَ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَبَيْنَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَجُلًا فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِثْلَ رِوَايَةِ اللَّيْثِ وَحَدِيثُ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ أَشْبَهُ وَأَصَحُّ

کے فلاں فلاں شخص کو پاؤ تو انہیں جلا دینا پھر جب ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں فلاں اور فلاں کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تھا لیکن آگ کے ساتھ عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لہٰذا تمہیں یہ آدمی مل جائیں تو انہیں قتل کر دینا۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ محمد بن اسحاق اپنی حدیث میں سلمان بن یسار اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک راوی کا اضافہ کرتے ہیں اور کئی راوی لیث کی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں۔ لیث بن سعد کی روایت اشبہ اور اصح ہے۔

تشریح: جنگ کے دوران کافروں کو جلانا بھی جائز ہے یا نہیں؟ تو حدیث میں نہی معلوم ہوتی ہے اور یہ نہی تنزیہی ہے یا پھر تواضعاً کہا ہے ورنہ اگر حاکم وقت ضرورت سمجھے تو جلانا جائز ہے۔ اس پر دلیل اکابر صحابہ کرامؓ کا عمل ہے جیسے حضرت علیؓ نے خوارج کو آگ میں جلایا تھا مذکورہ حدیث میں منع فرمایا ہے جبکہ پہلے حکم دیا تھا پھر احتیاط کی بناء پر یا وحی کی وجہ سے منع فرمایا۔

سند پر کلام: سلیمان بن یسار اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ بعض حضرات واسطے کو ذکر کرتے ہیں اور بعض حضرات واسطے کو ذکر نہیں کرتے لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ واسطہ ہے ہی نہیں۔ لہٰذا جن حضرات نے واسطہ ذکر کیا وہ بھی رجل مجہول کا ہے اس کی وجہ سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُلُولِ

حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُولِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ

قتیبہ، ابوعوانہ، قتادہ، سالم بن ابی جعد، حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تکبر، قرض اور غلول (یعنی خیانت) سے بری ہو کر فوت ہوا وہ جنت میں داخل ہوا گا۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن خالد جہنیؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ

محمد بن بشار، ابن ابی عدی، سعید، قتادہ، سالم بن ابی جعد، معدان بن ابی طلحہ، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الرُّوحُ الْجَسَدَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلَاثٍ الْكَنْزِ وَالْغُلُولِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ هٰكَذَا قَالَ سَعِيدٌ الْكَنْزُ وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ فِي حَدِيثِهِ الْكِبْرُ وَلَمْ يَذْكُرْ عَنْ مَعْدَانَ وَرِوَايَةُ سَعِيدٍ أَصَحُّ .

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی روح اس کے جسم سے اس حالت میں جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں کنز (خزانہ) خیانت اور قرض سے پاک ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ سعید نے اسی طرح کنز (خزانہ) فرمایا اور ابوعوانہ نے اپنی روایت میں کبر (تکبر) کا لفظ نقل کیا اور معدان کا واسطہ بھی ذکر نہیں کیا۔ سعید کی روایت اصح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سِمَاكٌ أَبُو زُمَيْلٍ الْحَنَفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ فُلَانًا قَدِ اسْتُشْهِدَ قَالَ كَلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ بِعَبَاءَةٍ قَدْ غَلَّهَا قَالَ قُمْ يَا عُمَرُ فَنَادِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

حسن بن علی، عبدالصمد بن عبدالوارث، عکرمہ بن عمار، سماک ابو زمیل حنفی، ابن عباس، حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص شہید ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت سے ایک چادر چرائی تھی۔ پھر فرمایا اے عمر اٹھو اور تین مرتبہ اعلان کرو کہ جنت میں صرف مومن لوگ داخل ہونگے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس باب کی حدیث اوّل میں آپ ﷺ نے اس شخص کے لئے جنت کی بشارت دی ہے جس میں چند باتیں نہیں ہوں گی۔ تکبر سے، مال غنیمت میں خیانت سے، قرض سے پاک ہو۔ ایسا شخص ضرور جنت میں جائے گا۔

اس باب کی پہلی دونوں احادیث میں تھوڑا سا فرق ہے کہ سالم بن ابی الجعد اور ثوبان کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ ابوعوانہ کوئی واسطہ نہیں بیان کرتے جبکہ سعید معدان بن ابی طلحہ کا واسطہ بڑھاتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں لفظ کبر ہے اور سعید کی حدیث میں کبر کی جگہ کنز ہے کنز اس مال کو کہا جاتا ہے جسکی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔ امام ترمذیؒ نے واسطہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔

اگلی حدیث میں جنگ خیبر کے موقع پر ایک صاحب کے شہید ہونے کا واقعہ ہے اس کا نام کرکرہ تھا اس کی شہادت پر کسی نے کہا فلاں شہید ہو گیا یعنی جنت میں چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے، ایک عباءہ (چوغہ) کے چوری کرنے کی وجہ سے جو اس نے مال غنیمت میں چرایا ہے۔ نیز یہاں عذاب کے بارے میں فرمایا کہ ان کو عذاب دکھایا گیا حالانکہ عذاب دیکھا نہیں تھا بلکہ سنا تھا۔ یہاں رؤیت سے مراد سماع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الْحَرْبِ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ

بشر بن ہلال صواف، جعفر بن سلیمان ضبعی، ثابت، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مَعَهَا مِنَ الْأَنْصَارِ يَسْقِينَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى وَفِي الْبَابِ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علیہ وسلم جہاد میں ام سلیم اور بعض انصاری عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے تا کہ وہ پانی وغیرہ پلائیں اور زخمیوں کا علاج کریں۔ اس باب میں حضرت ربیع بنت معوذؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور دیکھ بھال کرنے کی غرض سے زیادہ عمر والی عورتوں کو جنگ میں اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے اور اگر مباشرت یا صحبت کی غرض سے لے جانا ہو تو پھر آزاد عورتوں کی بنسبت لونڈیوں کو لے جانا زیادہ بہتر ہے یہ حکم اس وقت تھا جب لونڈیوں کا رواج تھا نیز زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہوئے عورت کے لئے پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے اور غیر محرم کے جسم کے زخمی حصہ کے علاوہ جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتی نیز عورتوں کو جنگ میں لے جانے کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ ایک تو مرد بے جگری سے لڑتے تھے اور بھاگنے کا نام نہیں لیتے تھے دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اگر مرد بھاگنے بھی لگ جاتے تو عورتیں ان کو عار دلاتیں جس کی وجہ سے وہ میدانِ جہاد چھوڑ کر نہیں بھاگتے تھے نیز عورتوں سے جنگ نہ لڑائی جائے کیونکہ یہ اہل اسلام کی ذلت ہے ہاں اگر سخت ضرورت پڑ جائے تو عورت قتال بھی کر سکتی ہے جیسے غزوہ حنین میں حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے خود جنگ میں حصہ لیا۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۳۵۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِي قُبُولِ هَدَايَا الْمُشْرِكِينَ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ ثُوَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ كِسْرَى أَهْدَى لَهُ فَقَبِلَ وَأَنَّ الْمُلُوكَ أَهْدَوْا إِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَثُوَيْرُ بْنُ أَبِي فَاخِتَةَ اسْمُهُ سَعِيدُ بْنُ عِلَاقَةَ وَثُوَيْرٌ يُكْنٰى أَبَا جَهْمٍ

حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحائف بھیجے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائے اسی طرح دیگر بادشاہوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحائف بھیجے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمایا۔ اس باب میں حضرت جابرؓ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ثویر، ابوفاختہ کے بیٹے ہیں۔ ان کا نام سعید بن علاقہ اور کنیت ابوجہم ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ عِمْرَانَ الْقَطَّانِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الشِّخِّيرِ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ أَنَّهُ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً لَهُ أَوْ نَاقَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ قَالَ لَا قَالَ فَإِنِّي نُهِيتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِينَ قَالَ أَبُو

محمد بن بشار، ابوداود، عمران قطان، قتادہ، یزید بن عبداللہ شخیر، حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ یا اونٹ بطور ہدیہ بھیجا (راوی کو شک ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مشرکین کے تحائف قبول کرنے سے روکا گیا ہے۔ امام

عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَى قَوْلِهٖ إِنِّي نُهِيتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِينَ يَعْنِي هَدَايَاهُمْ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ كَانَ يَقْبَلُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ هَدَايَاهُمْ وَذُكِرَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ الْكَرَاهِيَةُ وَاحْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ هٰذَا بَعْدَ مَا كَانَ يَقْبَلُ مِنْهُمْ ثُمَّ نَهٰى عَنْ هَدَايَاهُمْ

ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے تحائف قبول کیا کرتے تھے۔ اور اس حدیث میں کراھیت مذکور ہے۔ چنانچہ احتمال ہے کہ شروع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبول کر لیتے ہوں لیکن بعد میں منع کر دیا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ الشُّكْرِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ أَمْرٌ فَسُرَّ بِهٖ فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ بَكَّارِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ رَأَوْا سَجْدَةَ الشُّكْرِ

حضرت ابو بکرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خوشخبری سنائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور سجدے میں گر گئے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ سجدہ شکر جائز ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ سجدہ شکر کو بیان کر رہے ہیں کہ انسان کو جب کسی کام سے خوشی حاصل ہو اس کے لئے اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے پھر شکر بجالانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک کامل اور دوسرا اس سے کم درجہ کا شکر۔ کامل شکر بجالانا یہ ہے کہ کم از کم دو نفلیں پڑھے اور زیادہ سے زیادہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس سے کم شکر یہ ہے کہ صرف سربسجود ہو جائے جیسا کہ سجدہ تلاوت کے لئے کیا جاتا ہے۔ سجدہ شکر احناف کے نزدیک بھی مشروع ہے۔ باقی فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو آٹھ نفلیں پڑھی تھیں انکے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نفلیں فتح مکہ کے شکریہ کی پڑھی ہوں۔ نیز سجدہ شکر ہو یا نماز شکر یہ اس وجہ سے مشروع ہے کہ انسان کو جب نعمت ملتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے اور اس خوشی پر اترانے لگتا ہے۔ تکبر کرتا ہے اور یہ کیفیت بری ہے اس کا علاج یہ بتایا کہ خوشی کے موقع پر اللہ کے سامنے عاجزی کرے تا کہ تکبر سے بچ جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمَانِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ يَعْنِي تُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

یحییٰ بن اکثم، عبدالعزیز بن ابی حازم، کثیر بن زید، ولید بن رباح، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت بھی کسی قوم کو پناہ دینے کا حق رکھتی ہے یعنی مسلمانوں سے پناہ دلوا سکتی ہے۔ اس باب میں حضرت ام

وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ أَنَّهَا قَالَتْ أَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَائِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَجَازُوا أَمَانَ الْمَرْأَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ أَجَازَا أَمَانَ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ أَجَازَ أَمَانَ الْعَبْدِ وَأَبُو مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَيُقَالُ لَهُ أَيْضًا مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ وَاسْمُهُ يَزِيدُ وَرُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ وَمَعْنَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ مَنْ أَعْطَى الْأَمَانَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ جَائِزٌ عَلَى كُلِّهِمْ

ہانیؓ سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

ابوولید دمشقی، ولید بن مسلم، ابن ابی ذئب، سعید مقبری، ابی مرہ، عقیل بن ابی طالب، حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر کے عزیزوں میں سے دو اشخاص کو پناہ دلوائی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم نے بھی اسے پناہ دی جسے تم نے دی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ انہوں نے عورت کا کسی کو پناہ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں انہوں نے عورت اور غلام کا پناہ دینا جائز رکھا ہے۔ ابومرہ عقیل بن ابی طالب کے مولیٰ ہیں۔ انہیں ام ہانی کا مولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام یزید ہے۔ حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے غلام کے پناہ دینے کو جائز قرار دیا۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے جس کے ساتھ ہر ادنی شخص بھی چلتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی نے بھی کسی شخص کو امان دیا تمام مسلمانوں کو اس شخص کو امان دینا ضروری ہے۔

تشریح: اگر کوئی مسلمان عورت کسی کافر وغیرہ کو اپنے گھر میں امان دے دے تو اس کا امان دینا قابل قبول ہے۔ لہٰذا اس کافر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح وہ غلام جس کو آقا نے جنگ میں شامل ہونے کی اجازت دی ہے اگر وہ غلام کسی کافر کو پناہ دے دے تو وہ پناہ بھی معتبر ہوگی اگر وہ غلام جنگ میں شامل نہیں ہوا تو اس کا امان دینا قابل قبول نہ ہوگا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام مکہ والوں کو امان دے دی تھی صرف بارہ افراد کو پناہ نہیں دی تھی۔ ان کے لئے یہ حکم دیا تھا کہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ملیں ان کو قتل کر دو۔ ان میں سے دو نے حضرت ام ہانیؓ کے پاس پناہ لی ہوئی تھی ان میں سے ایک تو ام ہانیؓ کے خاوند ہبیرہ کا بیٹا تھا۔ یا ام ہانیؓ کا دوسرا بیٹا مراد ہے جس کا نام حارث بن ہشام ہے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کا کسی کو امان دینا صحیح ہے اس باب میں تو صرف ام ہانیؓ کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ بھی حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص بن ربیع کو امان دی تھی۔ عبدالملک بن ماجشون کہتے ہیں کہ عورت کی امان امام کی اجازت پر موقوف ہے اگر امام اجازت دے گا تو عورت کی امان معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔

ام ہانیؓ فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئیں اور ہبیرہ کے نکاح میں تھی ان سے اولاد بھی ہوئی جن سے ایک ہانی بھی ہیں جس کی

بناء پر ان کی کنیت ام ہانی ہوگئی۔

بہر حال ام ہانیؓ کے گھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے ان کو قتل کرنا چاہا تو ام ہانیؓ نے کہا کہ میں نے ان کو پناہ دی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورت کو پناہ دینے کا کیا حق ہے وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئیں اور سارا واقعہ بیان کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن کو تم نے امان دی ہم نے بھی ان کو امان دی۔ پھر وہ دونوں قتل نہیں کیے گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَدْرِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الْفَيْضِ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ أَهْلِ الرُّومِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيرُ فِي بِلَادِهِمْ حَتَّى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ أَغَارَ عَلَيْهِمْ فَإِذَا رَجُلٌ عَلَى دَابَّةٍ أَوْ عَلَى فَرَسٍ وَهُوَ يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ وَإِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتَّى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان معاہدہ صلح تھا اور معاویہؓ انکے علاقے کی طرف اس ارادے سے پیش قدمی کرنے لگے کہ جیسے ہی صلح کی مدت پوری ہو ان پر حملہ کر دیں۔ اسی اثناء میں ایک سوار یا گھڑسوار (راوی کو شک ہے) یہ کہتا ہوا آیا کہ اللّٰہُ أَکْبَرُ تم لوگوں کو وفاء عہد کرنا ضروری ہے عہد شکنی نہیں۔ دیکھا گیا کہ وہ عمرو بن عبسہؓ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے اسکے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جسکا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ معاہدے کو نہ توڑے جب تک اسکی مدت ختم نہ ہو جائے اور نہ اس میں تبدیلی کرے یا پھر اس عہد کو انکی طرف پھینک دے تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ ہمارے اور انکے درمیان صلح نہیں رہی۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ لشکر واپس لے گئے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں غدر سے ممانعت کا بیان ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا اور اس معاہدہ کی تجدید ہر سال ہوا کرتی تھی حضرت معاویہؓ نے سوچا کہ رومی چونکہ اس سال بھی تجدید معاہدہ کی امید پر رہیں گے لہٰذا جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اور جب معاہدہ ختم ہو تو ہم ان کو غفلت میں پا کر فوراً حملہ کر دیں۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کو روانہ کر دیا جیسے ہی معاہدہ کی مدت ختم ہوئی تو اچانک حملہ کر دینے کی وجہ سے دشمن نے بوکھلاہٹ میں کئی علاقے چھوڑ دیئے اور مسلمانوں نے وہ علاقے فتح کر لئے، اس طرح مسلمان علاقہ فتح کرتے جا رہے تھے کہ ایک گھڑسوار تیزی سے آیا اور آواز دینے لگا اللہ اکبر وفاء لا غدرا۔ دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا کہ جب کسی قوم کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ ہرگز اس معاہدے کی کوئی گرہ نہ کھولے نہ باندھے یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا ان کی طرف برابر معاہدہ پھینک دے۔ دشمن کو بے خبر رکھ کر بھی ان کے خلاف جنگ کی تیاری کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی ہے۔ اگر جنگ کا ارادہ ہو تو پہلے ہی دشمن کو اطلاع کر دی جائے کہ ہم دوبارہ معاہدہ کی تجدید نہیں کریں گے بلکہ جنگ کریں گے تاکہ

وہ بھی اپنی تیاری مکمل کر لے۔ ان کو بے خبر رکھ کر حملہ کر دینا بھی غدر ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے اپنی فوجوں کو واپسی کا حکم دیتے ہوئے مفتوحہ علاقے خالی کرنے کا حکم دیا، مسلمان جیسے ہی واپس ہوئے تو رومیوں نے مسلمانوں کی اسلام پسندی دیکھتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے اور مذکورہ علاقے مسلم افواج کے حوالے کر دیئے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیعؒ، اسماعیل بن ابراہیم، صخر بن جویریہ، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکن کیلئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابوسعید خدری اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے کے بارے میں وعیدہ کا تذکرہ ہے کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی سرین کے ساتھ ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ جو اس کے پیچھے اس پر لہرا رہا ہوگا جو اس کے غدر پر دلالت کر رہا ہوگا۔ اس سے اس کی ذلت مزید واضح ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّزُولِ عَلَى الْحُكْمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ رُمِيَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَطَعُوا أَكْحَلَهُ أَوْ أَبْجَلَهُ فَحَسَمَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّارِ فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَتَرَكَهُ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَحَسَمَهُ أُخْرَى فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْرِجْ نَفْسِي حَتّٰى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ فَاسْتَمْسَكَ عِرْقُهُ فَمَا قَطَرَ قَطْرَةً حَتّٰى نَزَلُوا عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَحَكَمَ أَنْ يُقْتَلَ رِجَالُهُمْ وَيُسْتَحْيٰى نِسَاؤُهُمْ يَسْتَعِينُ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ کو تیر لگ گیا جس سے ان کی اکحل یا ابجل کی رگ کٹ گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آگ سے داغا تو ان کا ہاتھ سوج گیا۔ پھر چھوڑا تو خون پھر بہنے لگا پھر دوبارہ داغا لیکن اس مرتبہ بھی ہاتھ سوج گیا۔ انہوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو دعا کی یا اللہ میری روح اس وقت تک نہ نکلے جب تک تو بنی قریظہ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک نہ پہنچا دے۔ (ان کا فیصلہ دیکھ لوں) اس پر ان کی رگ سے خون بہنا بند ہو گیا اور ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں (یہودیوں) نے سعد بن معاذؓ کا حکم (فیصلہ کرنے والا) بنانا تسلیم کر لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام بھیجا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل جبکہ عورتیں زندہ رکھی جائیں تاکہ مسلمان ان سے مدد حاصل کر سکیں۔ رسول اللہ صلی

بِهِنَّ الْمُسْلِمُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْتَ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ وَكَانُوا أَرْبَعَ مِائَةٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِهِمْ انْفَتَقَ عِرْقُهُ فَمَاتَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَعَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے معاملے میں تمہارا فیصلہ اللہ کے فیصلے کے مطابق ہو گیا۔ وہ لوگ چار سو تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قتل سے فارغ ہوئے تو سعد کی رگ دوبارہ کھل گئی اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے اس باب میں حضرت ابوسعید اور عطیہ قرظی سے بھی روایات منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ وَاسْتَحْيُوا شَرْخَهُمْ وَالشَّرْخُ الْغِلْمَانُ الَّذِينَ لَمْ يُنْبِتُوا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ قَتَادَةَ نَحْوَهُ.

ابوولید دمشقی، ولید بن مسلم، سعید بن بشیر، قتادہ، حسن، حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کے بوڑھوں کو قتل کرو اور ان کے نابالغ بچوں کو زندہ رہنے دو۔ بچے وہ ہیں جن کے زیر ناف بال نہ آئے ہوں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ حجاج بن ارطاۃ بھی قتادہ سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيلُهُ فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيلِي هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ يَرَوْنَ الْإِنْبَاتَ بُلُوغًا إِنْ لَمْ يُعْرَفِ احْتِلَامُهُ وَلَا سِنُّهُ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم یوم قریظہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے تو جس کے زیر ناف بال اُگے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جن کے بال نہیں اُگے تھے انہیں چھوڑ دیا گیا اور پس میں بھی ان میں تھا جن کے بال نہیں اُگے تھے لہٰذا مجھے بھی چھوڑ دیا گیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ احتلام اور عمر کا پتہ نہ چلے تو زیر ناف بالوں کا اگنا بالغ ہونے کی علامت ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: بنوقریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا دوسرے قبائل کی طرح اس قبیلے نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا لیکن انہوں نے اس عہد و پیمان کو کچھ دن تک برقرار رکھا پھر اس کو توڑ دیا اور جنگ خندق کے وقت جب کفار دس ہزار کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے آئے اس وقت بنوقریظہ نے عہد توڑ کر کفار کا ساتھ دیا پھر اللہ کی مدد سے کفار کو شکست ہوئی اور بنوقریظہ اپنے قلعہ میں پناہ گزین ہوئے ادھر جبرائیل امینؑ نے حضور ﷺ عرض کی کہ آپ نے لباس اور ہتھیار اتار دیئے ہم نے تو اب تک ہتھیار نہیں اتارے بنوقریظہ کی طرف چلئے چنانچہ آپ ﷺ اپنا لشکر لیکر روانہ ہوئے اور بنوقریظہ کا ۲۵ دن تک محاصرہ کیا بالآخر بنوقریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فیصل بنانے پر راضی ہو گئے اور ان کا خیال تھا کہ حضرت سعدؓ ہمیں اس محاصرے سے نکال لیں گے کیونکہ ان کو ہم اپنا سردار مانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سیلئے اپنا فیصلہ مین شریعت کے مطابق دیا کہ جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے اور

عورتوں اور بچوں کو قید کر دیا جائے نیز رسول کریم ﷺ نے مجلس میں موجود انصار کو یا تمام حاضرین مجلس کو حکم دیا کہ "قوموا الی سیدکم" کہ اپنے سردار کے استقبال و اکرام کیلئے کھڑے ہو جاؤ لہٰذا اس حدیث کا تعارض نہیں ہوگا اس حدیث کے ساتھ جس کے الفاظ یہ ہیں "من سرّہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوء مقعدہ من النار"۔ الحاصل ممانعت اس تعظیمی قیام سے ہے کہ سردار بیٹھا ہوا اور لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں بعض حضرات نے کہا کہ یہ قیام تعظیم کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ قیام ان کو سواری پر سے اتارنے میں اعانت کے لئے تھا کیونکہ ان کو تکلیف تھی اگر مذکورہ ارشاد تعظیم و توقیر کے طور پر ہوتا تو رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے "قوموا لسیدکم" اپنے سردار کی عزت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فضل کیلئے بطور تعظیم کھڑا ہونا جائز ہے۔

مسئلہ:...... سوال: فقہاء نے بلوغ کی علامت کا دارومدار دو چیزوں پر رکھا ہے۔ ① احتلام ② سن (عمر) اب حدیث مذکورہ میں زیر ناف بالوں کے اُگ آنے کو علامت بلوغ قرار دیا گیا ہے تو یہ قاعدہ اور اصول کے خلاف ہے۔

جواب: امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کی ضرورت کے پیش نظر تھا کیونکہ اگر ان سے احتلام یا عمر کے بارے میں سوال کیا جاتا تو انہوں نے جان بچانے کے خوف سے جھوٹ بولنا تھا اسلئے زیر ناف بالوں کے اُگنے کو علامت بلوغ قرار دیا۔ جیسا کہ اصول "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت بہت ساری اشیاء ضرورت کی بناء پر جائز ہوتی ہیں۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۸)

بہرحال فقہاء کرام کے ہاں بلوغ کو پہچاننے کے لئے کوئی اور علامت متعین نہیں تھی جبکہ بلوغ کی اصل علامت احتلام کا ہونا ہے اس کا معلوم کرنا مشکل تھا۔ اس لئے ظاہری طور پر زیر ناف بالوں کے نکل آنے کو اختیار کر لیا گیا تھا۔ اس لئے فقہاء کے نزدیک زیر ناف بالوں کا اُگ آنا بالیقین بلوغ کی علامت نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر بچہ کی عمر معلوم نہ ہو اور اسے احتلام بھی یاد نہ ہو تو پھر زیر ناف بال دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اگر زیر ناف بال اُگ آئے ہیں تو بالغ سمجھا جائے گا اور اگر زیر ناف بال نہیں آئے تو بالغ نہیں سمجھا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِلْفِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ أَوْفُوا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ يَعْنِي الْإِسْلَامَ إِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحْدِثُوا حِلْفًا فِي الْإِسْلَامِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَقَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جاہلیت کی قسمیں پوری کرو کیونکہ اسلام کو اس سے اور زیادہ تقویت ملے گی لیکن اسلام میں آنے کے بعد کوئی نیا معاہدہ نہ کرو۔ اس باب میں حضرت عبدالرحمن بن عوف، ام سلمہ، جبیر بن مطعم، ابو ہریرہ اور قیس بن عاصم رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حلف کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں معاہدہ کرتے تھے کہ اگر ہمارے ساتھ کوئی لڑے گا تو تم بھی ہمارے ساتھ تعاون کروگے اور اسی طرح تمہارے ساتھ کوئی لڑائی کرے گا تو ہم بھی تمہارے ساتھ تعاون کریں گے یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ قسمیں کھا کر معاہدہ کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان معاہدوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ان کو پورا کرو اوران پر عمل کرو کیونکہ اسلام اس قسم کے معاہدوں کی تائید کرتا ہے ان کو کالعدم قرار نہیں دیتا لیکن جب اسلام پھیل چکا اور مضبوط ہو چکا اس کو کسی کے تحالف کی ضرورت نہیں رہی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْمَجُوسِ

الْجِزْيَةِ "قال الراغب الجزية ما يوخذ من اهل الذمة" جزیہ اس مال کو کہتے ہیں جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے اور یہ وہ ٹیکس ہے جو اسلامی حاکم کافر رعایا سے ان کے مال وجان کی حفاظت کے بدلہ میں وصول کرتا ہے اور ذمی دم کی حفاظت میں مسلمانوں کی طرح ہوجاتا ہے۔ "لقوله علیه السلام دمائهم کدمائنا واموالهم کاموالنا" اور ابن ہمام فرماتے ہیں کہ "الجزیة فی اللغة الجزاء" بدلہ کے معنی میں ہے یعنی ان کے ترک اسلام کے بدلہ میں جو جرمانہ لیا جاتا ہے اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اور یہ فعلہ کے وزن پر مستعمل ہوتا ہے جو ہیبت پر دلالت کرتا ہے اور جزیہ دیتے وقت کفار کو ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون"۔

جزیہ کی اقسام: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جزیہ کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم: جس پر ذمی کافر سے صلح ہوجائے۔ اس میں جتنے مال پر اتفاق ہوگا اتنا مال ہی لیا جائے گا اس سے زیادہ نہیں لیا جائے گا۔

دوسری قسم: جس جزیہ کو اسلامی حاکم خود مقرر کرے یعنی جب امام کفار پر غلبہ حاصل کر کے ان کی املاک کو ان کے پاس رہنے دے اور ان پر اپنی طرف سے جزیہ مقرر کرے تو یہ ایک معین مقدار ہوتی ہے امیر سے سالانہ ۴۸ درہم، متوسط سے ۲۴ درھم اور غریب سے ۱۲ درھم کے حساب سے لیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ بَجَالَةَ بْنِ عَبْدَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَلَى مَنَاذِرَ فَجَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ انْظُرْ مَجُوسَ مَنْ قِبَلَكَ فَخُذْ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أَخْبَرَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

احمد بن منیع، ابومعاویہ، حجاج بن ارطاۃ، عمرو بن دینار، حضرت بجالہ بن عبدہ کہتے ہیں کہ میں جزءؒ بن معاویہ کا مناذر کے مقام پر کاتب مقرر تھا کہ ہمیں حضرت عمر کا ایک خط ملا۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ اپنے علاقے کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کرو۔ کیونکہ مجھے عبدالرحمن بن عوف نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر (ایک جگہ کا نام) کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ بَجَالَةَ أَنَّ عُمَرَ كَانَ لَا يَأْخُذُ

ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، حضرت بجالہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے

الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ حَتَّى أَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

یہاں تک کہ انہیں عبدالرحمن بن عوفؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ اس حدیث میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے جزیہ لیا جائے گا باقی رہے مجوس جو نور کو خالق خیر اور ظلمت کو خالق شر مانتے ہیں اور آگ کی پرستش کرتے ہیں، ان سے جزیہ لینے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء میں قائل نہیں تھے کیونکہ قرآن کریم میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے اس کے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوس سے جزیہ نہیں لیتے تھے پھر جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شہادت دیتے ہوئے حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ لیا تو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ مفہوم مخالف مراد نہیں ہے اور اپنے تمام عمال کو لکھ دیا کہ مجوس سے جزیہ لیا کریں۔ لہٰذا اب مجوس سے جزیہ لینے کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں۔

مسئلہ: مجوس کے علاوہ بقیہ کفار عجم بت پرستوں سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک اہل کتاب کے علاوہ کسی کافر سے عجمی ہو یا عربی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک اہلِ کتاب عرب میں سے اور تمام کفار عجم وبت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا صرف مشرکین عرب اور مرتدین سے خواہ عربی ہوں یا عجمی جزیہ نہیں لیا جائے گا ان کیلئے اسلام ہے یا تلوار (جنگ) لقولہ تعالی ”فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم“ (التوبہ:۵)۔ اس کے علاوہ تیسری صورت کوئی نہیں کیونکہ ان کا جرم شدید ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں (من الذین اوتوا الکتاب) فرمایا ہے امام شافعیؒ نے اس کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے۔ باقی مجوس سے جزیہ لینا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رجوع کی بناء پر ہے۔ **جواب:** امام شافعیؒ کا مفہوم مخالف سے استدلال درست نہیں اور یہ قابل حجت بھی نہیں جیسا کہ مجوس کے بارے میں وہ خود قائل ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”قال کان لھم کتاب یدرسونہ فأصبحوا وقدا سری علی کتابھم فرفع من بین اظھرھم“ **جواب:** اگر حدیث علیؓ کو صحیح قرار دیا جائے تو پھر کہیں گے کہ انکے اسلاف اہلِ کتاب تھے یہ اہلِ کتاب نہیں اس کی دلیل دیکھئے ”روی حسن بن محمد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مجوس البحرین ان من ابی منھم الاسلام ضربت علیھم الجزیۃ ولا توکل لھم ذبیحۃ ولا تنکح لھم امرأۃ ولو کانوا اھل الکتاب لجاز اکل ذبائحھم ومناکحۃ نسائھم“ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجوس سے جزیہ لیتے تھے اور یہ اہلِ کتاب نہیں تھے اس سے معلوم ہوا کہ تمام کفار خواہ اہلِ کتاب ہوں یا اہلِ کتاب نہ ہوں ان سے جزیہ لیا جائیگا۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۴۰۵)

احناف کی دلیل اوّل: کہ کفار عجم کو جب غلام بنانا جائز ہے تو ان سے جزیہ لینا بھی جائز ہوگا کیونکہ دونوں کا مصداق ایک ہے اور وہ

ہے ''مسلمین کا نفع'' کیونکہ غلام بنانے سے انکا تمام کسب مسلمانوں کو ملے گا اور اسکا نفقہ اسکے کسب سے ہوگا تو دونوں کا مآل ایک ہی ہوا۔

دلیل ثانی: وروی ابن عباس رضی اللہ عنہما انه علیه الصلوٰة والسلام قال ''لا یقبل من مشرکی العرب الا الاسلام او السیف''

ھجر: یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یمن میں بحرین کے نزدیک ایک شہر تھا لیکن موجودہ دور میں عرب کا مشرقی ساحل جو ''احساء'' کہلاتا ہے یہ پہلے بحرین کے نام سے موسوم تھا اور اب اس کو ''بحرین'' کہتے ہیں۔

بَابُ مَا يَحِلُّ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الذِّمَّةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يُضَيِّفُونَا وَلَا هُمْ يُؤَدُّونَ مَا لَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ أَبَوْا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوا كَرْهًا فَخُذُوا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ أَيْضًا وَإِنَّمَا مَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَخْرُجُونَ فِي الْغَزْوِ فَيَمُرُّونَ بِقَوْمٍ وَلَا يَجِدُونَ مِنَ الطَّعَامِ مَا يَشْتَرُونَ بِالثَّمَنِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ أَبَوْا أَنْ يَبِيعُوا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوا كَرْهًا فَخُذُوا هٰكَذَا رُوِيَ فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ مُفَسَّرًا وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِنَحْوِ هٰذَا .

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا ایسی قوم پر گزر ہوتا ہے جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے اور ہمارا جوان پر حق ہے وہ ادا نہیں کرتے (یعنی میزبانی نہیں کرتے) اور نہ ہی ہم ان سے کچھ لیتے ہیں۔ فرمایا اگر وہ لوگ انکار کریں تو زبردستی ان سے لے لیا کرو۔ یہ حدیث حسن ہے یہ حدیث لیث بن سعد بھی یزید بن حبیب سے نقل کرتے ہیں۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ جہاد کے لئے نکلتے تو ان کا ایسے لوگوں سے گزر ہوتا جو کھانا بیچنے سے انکار کر دیتے تھے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر وہ لوگ نہ قیمت سے دیں اور نہ بغیر قیمت کے تو زبردستی لے لو۔ بعض احادیث میں یہی حدیث اس تفسیر کے ساتھ بھی منقول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ اسی طرح کا حکم دیتے تھے (کہ اگر کوئی قوم کھانا دینے سے انکار کر دے تو مجاہدین ان سے زبردستی لے لیں)۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی لشکر کو کسی مہم پر بھیجتے تو اس میں بڑے لشکر کو تو یہی حکم فرماتے کہ تم اپنا رسد ساتھ لے کر چلو۔ البتہ اس لشکر کے ساتھ ساتھ چھوٹا لشکر بھی ہوتا تھا چونکہ چھوٹا لشکر اپنے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر نہیں جاتا اس لئے یہ لشکر جس قبیلہ کے پاس سے گزرتا تو وہ اس لشکر کو کھانے کے لئے کچھ نہ دیتا حالانکہ کھانا کھلانے کا یہ طریقہ پہلے سے چلا آرہا تھا کہ جو لشکر کسی قبیلہ والوں کے پاس سے گزرے گا تو قبیلے والوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس لشکر کو کھانے پینے کی چیزیں دیں۔ لیکن جب اسلام کا زمانہ آگیا تو مسلمانوں کا لشکر جس قبیلہ کے پاس سے گزرتا تو وہ ان کی دعوت نہ کرتے اس وجہ سے مسلمانوں کو بڑی پریشانی ہوتی تھی

اس پریشانی کا ذکر آپ ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمہیں کوئی چیز خوشی سے نہ دیں تو زبردستی لے لو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معروف طریقے سے ذمیوں سے جو لیا جاتا ہے وہ لینا جائز ہے باقی جنگی قافلوں کے لئے سامان پہنچانا معروف ومشہور تھا۔ اس وجہ سے ان سے سامان لینا درست ہے البتہ سامان لے کر اس کی قیمت بھی ادا کر دی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهِجْرَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَبْدِ اللهِ بْنِ حُبْشِيٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ نَحْوَ هٰذَا

احمد بن عبدہ ضبی، زیاد بن عبداللہ، منصور بن معتمر، مجاہد، طاؤس، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت نہیں (یعنی ہجرت کا حکم ختم ہو گیا) لیکن جہاد اور نیت باقی رہ گئی۔ جب تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے تو نکل پڑو۔ اس باب میں حضرت ابو سعید، عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا مختلف فیہ ہے متاخرین احناف کے نزدیک کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے البتہ شوافع حضرات نے اس سے تعرض کیا ہے البتہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے کہا کہ ہجرت کرنا مستحب ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہجرت کرنا واجب ہے۔

جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا اس وقت تک ہجرت ضروری تھی لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور وہ دارالاسلام بن گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اب مکہ سے ہجرت کرنا ضروری نہیں۔ اور دارالاسلام سے ہجرت کے کوئی معنی نہیں۔ البتہ جہاد کے لئے نکلنا باقی ہے اور اس کی نیت رکھنا کہ جب بھی جہاد کے لئے ضرورت پڑی تو جہاد کے لئے نکلوں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النَّبِيِّ ﷺ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ قَالَ جَابِرٌ بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی، عیسیٰ بن یونس، اوزاعی، یحییٰ بن ابی کثیر، ابی سلمہ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اللہ تعالیٰ کے قول (ترجمہ) تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے) کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ وَفِي الْبَاب عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَابْنِ عُمَرَ وَعُبَادَةَ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَبُو سَلَمَةَ۔

راہ فرار اختیار نہ کرنے پر بیعت کی تھی موت پر بیعت نہیں کی تھی۔ اس باب میں حضرت سلمہ بن اکوع، ابن عمر، عبادہ، اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ احادیث عیسیٰ بن یونس بھی اوزاعی سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے اور وہ جابر بن عبداللہؓ سے بلاواسطہ نقل کرتے ہیں اور اس میں ابوسلمہ کا ذکر نہیں کرتے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

یزید بن ابو عبید کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے فرمایا موت پر یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُبَايِعُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَيَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ كِلَاهُمَا

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمرؓ روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے جس قدر تم طاقت رکھتے ہو (اطاعت کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمْ نُبَايِعْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَوْتِ إِنَّمَا بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَمَعْنٰى كِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ قَدْ بَايَعَهُ قَوْمٌ مِنْ أَصْحَابِهِ عَلَى الْمَوْتِ وَإِنَّمَا قَالُوا لَا نَزَالُ بَيْنَ يَدَيْكَ مَا لَمْ نُقْتَلْ وَبَايَعَهُ آخَرُونَ فَقَالُوا لَا نَفِرُّ

احمد بن منیع، سفیان بن عیینہ، ابوزبیر، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے موت پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ نہ بھاگنے کی بیعت کی تھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دونوں حدیثوں کے معنی صحیح ہیں۔ بعض صحابہ کرام نے موت پر بیعت کی اور انہوں نے عرض کیا ہم آپ ﷺ کے ساتھ مرتے دم تک لڑیں گے اور دوسروں نے فرار نہ ہونے اور ثابت قدم رہنے پر بیعت کی تھی۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے حدیبیہ میں ہونے والی بیعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل کتب تفاسیر میں موجود ہے۔ یہ بیعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس بات پر کی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے بیعت اس پر کی تھی کہ ہم میدان نہیں چھوڑیں گے۔ اور حضرت سلمہؓ کا بیان ہے کہ ہم نے موت پر بیعت کی تھی۔ حاصل دونوں تعبیروں کا ایک ہی ہے۔

امام ترمذیؒ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق دی ہے کہ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے موت پر بیعت کی اور بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ بھاگنے پر، لیکن دو قسموں کی بیعت کا ہونا تاریخ سے ثابت نہیں۔ بہر حال ایک ہی بات ہے تعبیرات مختلف ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَكْثِ الْبَيْعَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفَى لَهُ وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ لَمْ يَفِ لَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر اگر امام نے اس کو کچھ دیا تو اس کی اطاعت کی ورنہ نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے امام کے ساتھ بیعت کو باقی رکھنے اور بیعت توڑنے والے کے بارے میں وعید کا ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے امام کی بیعت کی پھر اگر اس امام نے اس شخص کو کچھ دیا تو یہ بیعت پر قائم رہا اور اگر اس نے کچھ نہ دیا تو اس نے بیعت توڑ دی تو اس شخص کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ ہی ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ امام ترمذیؒ نے یہاں پر صرف ایک شخص کا ذکر کیا ہے دو شخصوں کا ذکر چھوڑ دیا جبکہ امام بخاریؒ نے کتاب المساقاۃ میں ان تینوں شخصوں کا تذکرہ کیا ہے دوسرا وہ شخص جس کے پاس ضرورت سے زائد پانی موجود ہو اور وہ اپنے ساتھ مسافر ساتھی کو نہیں دیتا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے عصر کی نماز کے بعد کسی کو کوئی سامان بیچا اور قسم کھائی کہ وہ اتنے میں لایا ہے خریدنے والے نے اس کی بات پر اعتماد کر کے وہ خرید لایا حالانکہ بائع نے اتنے میں نہیں خریدا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ الْعَبْدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدُ حَتَّى يَسْأَلَهُ أَعَبْدٌ هُوَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي الزُّبَيْرِ.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک غلام آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا غلام ہونا معلوم نہ ہوا۔ جب اس کا مالک آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ غلام مجھے فروخت کر دو۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو سیاہ غلاموں کے بدلے خرید لیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک بیعت نہ فرماتے جب تک یہ پوچھ نہ لیتے کہ آیا وہ غلام تو نہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ حدیث جابرؓ حسن غریب صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف ابوزبیر کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ غلام کی بیعت کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ غلام بھی اگر آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

بیعت کرتا تو آپ ﷺ اس کو بیعت کر دیتے چنانچہ حدیث میں واقعہ مذکور ہے کہ غلام نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس کا آقا آ گیا اس نے کہا کہ میرا غلام واپس کر دو حالانکہ اس غلام نے ہجرت پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اب اگر آپ ﷺ اس کو واپس کرتے ہیں تو اس غلام کی بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور ظاہر ہے بیعت اور وہ بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ کر کے توڑ دینا بہت بڑا جرم ہے۔ آپ ﷺ نے اس غلام کی بیعت کو بچانے کے لئے کہا کہ اس کے بدلے میں دو کالے غلام دے رہا ہوں پھر اس کے بعد جو شخص بھی ہجرت پر بیعت کرتا تو آپ ﷺ اس سے پوچھتے کہ وہ غلام تو نہیں ہے؟۔ یہ حدیث ابواب البیوع باب ماجاء فی شراء العبد بالعبدین میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعَةِ النِّسَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ أُمَيْمَةَ بِنْتَ رُقَيْقَةَ تَقُولُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِأَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَايِعْنَا قَالَ سُفْيَانُ تَعْنِي صَافِحْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ نَحْوَهُ

حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کئی عورتوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی تمہاری استطاعت اور طاقت ہو۔ میں نے کہا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں پر ہم سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سے بیعت لے لیجئے۔ سفیان نے کہا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم سے مصافحہ کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک سو عورتوں سے بھی میری بات وہی ہے جو ایک عورت سے ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عمر اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اس حدیث کو صرف محمد بن منکدر کی روایت سے جانتے ہیں۔ سفیان ثوری، مالک بن انس اور کئی راوی محمد بن منکدر سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے عورتوں کی بیعت کے متعلق حدیث قائم کی ہے۔ آپ ﷺ نے عورتوں کی بیعت ہاتھ در ہاتھ نہیں کی بلکہ سب کو اکٹھا کہلوایا کہ جہاں تک ہماری طاقت اور وسعت ہوگی عمل کریں گے حضرت امیمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ ہم پر اللہ و رسول اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنا ہم اپنے اوپر مہربان ہیں پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بیعت کیجئے، حضرت سفیان کہتے ہیں کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ہم سے مصافحہ کیجئے یعنی جس طرح مردوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرتے ہیں اسی طرح ہمارے ساتھ کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس طرح ایک عورت کی بیعت کرتا ہوں اسی طرح سو عورتوں کی بھی بیعت کرتا ہوں یعنی ان کو بھی یہی الفاظ کہلواتا ہوں جس طرح ایک عورت کو الفاظ کہلواتا ہوں۔

موجودہ دور میں متابعین نے طرح طرح کے طریقے ایجاد کیے ہیں بعض لوگ کپڑے پکڑوا لیتے ہیں اور بعض لوگ ایک بڑے برتن میں پانی ڈال کر اس میں ہاتھ ڈلواتے ہیں اور بعض لوگ الفاظ بیعت کہلواتے ہیں۔لیکن جو طریقہ سنت سے ثابت ہے وہ سب طریقوں سے عمدہ ہے۔عورتوں کی بیعت میں پانی میں ہاتھ ڈبونا یا ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کرنا یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ہاں رومال چادر والا طریقہ بھی ٹھیک ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔اور عورت کے ساتھ بیعت پس پردہ ہو جب عورت کو یہ الفاظ کہلوائے جائیں تو عورت سرا یہ الفاظ کہے۔عورتوں کی بیعت کے متعلق مزید تفصیل سورۂ ممتحنہ کی تفسیر میں دیکھ لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ أَصْحَابِ بَدْرٍ

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَصْحَابَ بَدْرٍ يَوْمَ بَدْرٍ كَعِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوتَ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ

واصل بن عبد الاعلیٰ کوفی، ابوبکر بن عیاش، ابواسحاق، حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ بات چلتی تھی کہ جنگ بدر میں شریک ہونیوالوں کی تعداد طالوت کے ساتھیوں کے برابر تھی یعنی تین سو تیرہ۔اس باب میں حضرت ابن عباسؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے سفیان ثوری وغیرہ نے بھی یہی حدیث ابواسحاق سے نقل کی ہے۔

تشریح: اصحاب بدر کی تعداد میں مختلف روایات آتی ہیں۔مشہور و معروف روایت تین سو تیرہ کی ہے۔جیسا کہ طبرانی شریف میں روایت ہے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر کے لئے روانہ ہوئے تو کچھ دور چل کر ساتھیوں کو شمار کرنے کا حکم دیا جب وہ شمار کئے گئے تو تین سو تیرہ تھے۔آپ ﷺ نے پھر دوبارہ شمار کرنے کا حکم دیا تو دور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا تو اس کو شامل کر کے تین سو پندرہ ہو گئے۔مسلم شریف میں روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ اہل بدر کی تعداد تین سو انیس تھی گویا ان روایات میں تعارض آ گیا۔

ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ اگر آخر میں آنے والے شخص اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ ہو جاتے ہیں اور اگر ان دونوں حضرات کرام کو شامل نہ کیا جائے۔تو تین سو تیرہ رہ جاتے ہیں۔اس لشکر میں چار کم عمر لڑکے بھی شامل تھے۔حضرت براء، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ان کو شامل کیا جائے تو تین سو انیس بنتے ہیں۔

(مزید تفصیل فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۶ سے ملاحظہ فرمائیں)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُمُسِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيُّ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ آمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا

قتیبہ، عباد بن عباد مہلبی، ابی جمرہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کے قاصدوں کو حکم دیا کہ غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کریں۔اس حدیث

خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ قَالَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ

میں ایک قصہ ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ قتیبہ بھی حماد بن زید سے وہ ابوحمزہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی مثل کرتے ہیں۔

تشریح: یہاں پر چند اصطلاحات سمجھ لیں مال غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے کہ جو جنگ اور لڑائی کی وجہ سے حاصل ہوا ہو مال فئ جو بغیر قتل وقتال کے حاصل ہو جیسے جزیہ کا مال فئ ہے اور وہ مال جو صلح سے لیا گیا ہو وہ بھی مال فئ ہے اور وہ مال جو خراجی ہو اس کو بھی مال فئ کہتے ہیں۔ **تنفیل:** نفل سے ہے بمعنی زائد یعنی بادشاہ یا امیر کی طرف سے کسی کارنامے پر مجاہد کیلئے جو انعام دیا جاتا ہے یہ مالِ غنیمت کے علاوہ دیا جاتا ہے۔

سلب: یعنی امیر یا بادشاہ یہ اعلان کر دے کہ جس شخص نے جس کافر کو قتل کیا تو اس کے جسم کا سامان اس مقتول کو ملے گا۔

رضخ: وہ لوگ جن کو مالِ غنیمت نہیں ملتا اگر وہ جہاد میں شامل ہو جائیں تو انکو غنیمت کے بجائے کچھ عطایا دیئے جاتے ہیں اسکو رضخ کہتے ہیں

الصفی: مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ ﷺ کسی تلوار یا لونڈی وغیرہ کا انتخاب خود کر لیتے تھے اس کو صفی کہا جاتا ہے۔

غلول: مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کو غلول کہا جاتا ہے۔

نیز مال غنیمت میں سے ایک خمس بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور چار خمس غانمین کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے وفد عبدالقیس کو حکم دیا کہ وہ اپنے مالوں میں سے خمس ادا کیا کریں۔ یہ وفد عبدالقیس آپ ﷺ کے پاس مدینہ میں آیا تھا اس کو آپ ﷺ نے چار باتوں کے کرنے کا حکم دیا اور چار باتوں سے رکنے کا حکم دیا اور اس وفد کا ذکر بخاری شریف میں گیارہ بار آیا ہے۔ اس وفد کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت دیکھ لیجئے۔

وفد عبدالقیس کا قصہ: اس وفد کے آنے کا قصہ یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص منقذ بن حبان نواح مدینہ میں بغرض تجارت آیا ہوا تھا بازار میں بیٹھا تھا کہ وہاں سے حضور ﷺ کا گزر ہوا وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس کا اور اس کی قوم کا حال پوچھا اور فرمایا آمنقذٌ أنت۔ وہ شخص آپ ﷺ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اقرأ سنائی اور اس کے قبیلہ کے سردار منذر بن عائذ کے نام ایک والہ نامہ بغرض دعوت اسلام لکھوایا۔ منقذ بن حبان یہ خط لیکر بحرین پہنچے اور منذر بن عائذ جس کا لقب اشج عبدالقیس تھا، کے ہاتھ میں دیدیا۔ منقذ بن حبان اشج عبدالقیس کا داماد تھا اور اسکی بیوی اشج کی بیٹی تھی جب وہ منقذ بن حبان کو اس طریقے سے عبادت کرتے دیکھتی تھی تو حیران ہو جاتی تھی۔ اس نے اپنے باپ اشج کے سامنے اس کا تذکرہ کیا کہ میرا شوہر مدینہ سے واپسی پر ایسی ایسی عبادت کرتا ہے۔ اشج نے جب آپ ﷺ کا خط مبارک کھول کر پڑھا تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کیا اور والہ نامہ پڑھ کر سنایا پوری قوم مسلمان ہو گئی پھر ایک وفد تیار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ یہ وفد مدینہ پہنچا تو سب نے بھاگ بھاگ کر آپ ﷺ کو سلام کیا اور آپ ﷺ کی قدم بوسی کی لیکن اشج نے پہلے ساتھیوں کا سامان محفوظ کیا پھر اونٹ باندھ دیئے پھر نئے کپڑے پہن کر وقار کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔ دست مبارک کو بوسہ دیا، آنحضرت ﷺ نے اشج سے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں کہ جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں ''دانائی اور بردباری'' اشج نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہ خصلتیں پیدائشی ہیں یا میں نے کسب سے حاصل کی

ہیں۔آپ ﷺ نے بطور معجزہ کے فرمایا کہ یہ پیدائشی ہیں۔منذر بن عائذ کے چہرے پر زخم کا نشان تھا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اشج کا لقب دیا پھر وہ اشج عبدالقیس کے نام سے مشہور ہوا۔

وفد کی آمد و تعداد: وفد کتنے افراد پر مشتمل تھا۔بعض روایات میں ۱۴، بعض میں ۴۰ کا ذکر آیا ہے۔اس میں تطبیق یہ ہے کہ وفد دو بار آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ایک دفعہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ میں آیا اس وقت اس میں ۱۴ آدمی تھے اور دوسری بار ۹ھ میں آیا جس میں چالیس آدمی تھے۔اور ایک قول یہ ہے کہ ان چالیس میں چودہ شرفاء سردار تھے اور باقی عامی تھے۔چودہ شرفاء جن کے نام حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کئے درج ذیل ہیں: (۱) المنذر بن عائذ (۲) منقذ بن حبان (۳) مزیدہ بن مالک (۴) عمرو بن مرجوم (۵) الحارث بن شعیب (۶) عبیدہ بن ہمام (۷) الحارث بن جندب (۸) صحار بن العباس (۹) عقبہ بن جروہ (۱۰) قیس بن نعمان (۱۱) الجہم بن قثم (۱۲) الرسیم العبدی (۱۳) جویریہ العبدی (۱۴) الزارع بن عامر العبدی۔(فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۰۔۱۳۱)۔قبیلہ عبدالقیس یہ ربیعہ قبیلہ کی شاخ ہے۔

اس باب میں مصارف خمس کا بیان ہے کہ وہ کن کن میں خرچ کیا جائے گا اس کا تذکرہ سورۃ انفال آیت ۴۱ میں آیا ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت کے لئے زکوٰۃ کا تذکرہ بطور توطئہ کے ہے باقی مصارف یہ ہیں۔

آپ ﷺ کا حصہ، آپ ﷺ اس سے اپنے اہل وعیال کا خرچہ نکالتے تھے آپ ﷺ کے بعد یہ مصالح مسلمین کے لئے خرچ کیا جانے لگا۔دوسرا مصرف آپ ﷺ کے رشتہ داروں میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا جاتا تھا خواہ وہ غریب ہوں یا مالدار خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔پھر اس کے بعد یتیموں کا حق ہے پھر اس کے بعد غریبوں، مسکینوں و مسافروں کا حق ہے۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ذات کا خرچ باقی نہیں رہا اور آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں کو جو خرچ دیا کرتے تھے وہ قدیم نصرت کی وجہ سے تھا اس لئے اب وہ مصرف بھی نہیں رہا۔البتہ اس کے بعد مساکین اور یتیموں کا حق باقی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النُّهْبَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَتَقَدَّمَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَتَعَجَّلُوا مِنَ الْغَنَائِمِ فَاطَّبَخُوا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُخْرَى النَّاسِ فَمَرَّ بِالْقُدُورِ فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمْ فَعَدَلَ بَعِيرًا بِعَشْرِ شِيَاهٍ وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبَايَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ

حضرت رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ تیز چلنے والے آگے بڑھ گئے اور مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے لے کر پکانا شروع کر دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے لوگوں میں سے تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہانڈیوں کے پاس سے گزرے تو ان کے الٹا دینے کا حکم دیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک اونٹ کو دس بکریوں کے مقابلے میں تقسیم کیا۔سفیان ثوری بھی اپنے والد سے وہ عبایہ سے اور وہ اپنے دادا رافع بن خدیجؓ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور اس میں عبایہ کے والد کا ذکر نہیں کرتے۔

حَدَّثَنَا بِذَلِكَ مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ وَهَذَا أَصَحُّ وَعَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ سَمِعَ مِنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ الْحَكَمِ وَأَنَسٍ وَأَبِي رَيْحَانَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أَيُّوبَ.

ہم سے یہ حدیث روایت کی محمود بن غیلان نے وہ وکیع سے اور وہ سفیان سے نقل کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے عبایہ بن رفاعہ کا اپنے دادا رافع بن خدیج سے سماع ثابت ہے۔ اس باب میں حضرت ثعلبہ بن حکم، انس، ابوریحانہ، ابودرداء، عبدالرحمن بن سمرہ، زید بن خالد، ابوہریرہ اور ابوایوب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ لے لیا وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ حدیث حضرت انس ؓ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں سے لوٹنا جائز نہیں کیونکہ یہ تمام مجاہدین کا حق ہے تقسیم سے پہلے اس سے کچھ لینا چوری کرنا یا اس میں خیانت کرنا ہے۔ کیونکہ اس تمام مجاہدین کا حق متعلق ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد چوری کی ہوئی چیز واپس کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے اس کے لینے سے انکار کر دیا کہ معلوم نہیں کہ کس کس مجاہد کا حق ہے اور کس کا نہیں؟ لہٰذا جو اس میں ایسا کرے گا وہ ہم میں سے نہیں۔

باقی اس حدیث الباب میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد برابر قرار دیئے جائیں بلکہ غنیمت کے مال کی تقسیم کے متعلق بتایا کہ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے جس کو اونٹ نہ ملا تو اس کو دس بکریاں عطا کی گئیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَأَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّمَا مَعْنَى

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، سہیل بن ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ونصاری کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور اگر ان میں سے کسی کو راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کر دو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، انس، ابوبصرہ غفاری (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ان سے سلام نہ کرو بلکہ

الْكَرَاهِيَةِ لِأَنَّهُ يَكُونُ تَعْظِيمًا لَهُمْ وَإِنَّمَا أُمِرَ الْمُسْلِمُونَ بِتَذْلِيلِهِمْ وَكَذٰلِكَ إِذَا لَقِيَ أَحَدُهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَلَا يَتْرُكِ الطَّرِيقَ عَلَيْهِ لِأَنَّ فِيهِ تَعْظِيمًا لَهُمْ

جواب دو۔ بعض اہل علم کے نزدیک کراہت کی وجہ ان کی تعظیم ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کی تذلیل کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ راستے میں ملیں تو ان کے لئے راستہ خالی نہ کیا جائے کیونکہ اس میں بھی تعظیم ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدُهُمْ فَإِنَّمَا يَقُولُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ عَلَيْكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود جب تم لوگوں کو سلام کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ السَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت ہو) لہٰذا جواب میں عَلَيْكَ (تجھ پر ہو) کہا کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو کیونکہ سلام تو کسی کیلئے دعا و اعزاز و تعظیم کے طور پر ہوتا ہے اور یہ لوگ تعظیم، دعا و اعزاز کے مستحق نہیں ہاں اگر کسی ناواقف کو سلام کیا پھر پتہ چلا کہ وہ ذمی ہے تو اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے سلام کو واپس کرنے کا مطالبہ کرے اور اس کی تحقیر کی خاطر "استرجعت سلامی" کہے۔ ہاں اگر یہود ونصاریٰ خود سلام میں پہل کریں تو ان کے جواب میں "وعلیك" یا صرف "وعلیکم" کہا جائے اور اہل بدعت کے بارے میں مختار یہ ہے کہ ان کو بھی ابتداء بالسلام نہیں کرنا چاہئے اگر عذر ہو یا فساد کا اندیشہ ہو تو پھر ابتدا بالسلام درست ہے حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ تمہارے راستوں سے گزریں تو تم ان کے راستے تنگ کر دو۔ مشکوۃ کے بعض حواشی میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ان کو یہ حکم دو کہ وہ ایک طرف ہو کر کنارے پر چلیں تا کہ راستے کا درمیانی حصہ مسلمانوں کی آمد و رفت کے لئے مخصوص رہے۔ اس سے مقصود بھی ان کی تحقیر اور مسلمان کی تعظیم ہے۔

لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى: یہود کی شرارت اور خباثت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو سلام کرتے وقت بھی معاف نہیں کرتے تھے بلکہ اس وقت بھی بددعا دیتے تھے چنانچہ یہود جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو السام علیکم کہتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکلیف ہوتی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو جواب میں وعلیکم کہا کرو یعنی جتنا وہ تمہیں برا کہیں اس سے زائد تم ان کو برا بھلا نہ کہو بلکہ جتنا انہوں نے کہا اسکے بقدر تم بھی کہو۔

فَإِنَّمَا يَقُولُ السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْ عَلَيْكَ: بعض حضرات نے کہا کہ علیك واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ دونوں طرح منقول ہے بعض حضرات نے کہا کہ واؤ کے بغیر "علیك" کہنا چاہیے تا کہ عطف تشریک کیلئے نہ ہو جو ان کی زبان سے ادا ہوتی ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کو واؤ کے ساتھ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جس چیز میں مشارکت لازم آئیگی وہ موت ہے اور موت سب کو آنیوالی ہے اس صورت میں اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ جس موت کو تم برا سمجھ کر گویا ہمیں اس کی بددعا دے رہے ہو اس میں ہم اور تم برابر ہیں کہ ہم سب کو موت آنی ہے اور بعض نے کہا کہ واؤ مشارکت کے لئے نہیں بلکہ استیناف کیلئے ہے اس صورت میں یہ لفظ مفہوم کے اعتبار سے اس جملہ کا قائم مقام ہوگا کہ "وعلیکم ما تستحقون من الذم"۔ (مرقاۃ ج۹ ص۵۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُقَامِ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمٍ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمُ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَاءَى نَارَاهُمَا

حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو خثعم کی طرف ایک لشکر روانہ کیا وہاں چند لوگوں نے سجدوں کے ذریعے پناہ ڈھونڈی لیکن مسلمانوں نے انہیں قتل کر دیا۔ جب یہ خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصف دیت دینے کا حکم دیا اور فرمایا میں ایسے ہر مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول آپ کیوں بیزار ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشرک سے اتنا دور رہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کی آگ دکھائی نہ دے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ جَرِيرٍ وَهٰذَا أَصَحُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَمُرَةَ وَأَكْثَرُ أَصْحَابِ إِسْمَعِيلَ قَالُوا عَنْ اسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ جَرِيرٍ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرٍ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ قَالَ وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ الصَّحِيحُ حَدِيثُ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلٌ وَرَوَى سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِينَ وَلَا تُجَامِعُوهُمْ فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ.

ہم سے روایت کی ہناد نے انہوں نے عبدہ سے انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے انہوں نے قیس بن ابی حازم سے ابومعاویہ کی حدیث کی مثل اور اس میں جریر کا ذکر نہیں کیا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت سمرہؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ اسماعیل کے اکثر اصحاب اسماعیل سے اور وہ قیس بن ابی حازم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس میں جریر کا نام ذکر نہیں کیا۔ حماد، حجاج بن ارطاۃ سے وہ اسماعیل بن ابی خالد سے وہ قیس سے اور وہ جریر سے ابومعاویہ کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ (امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کے ساتھ رہائش نہ رکھو اور نہ ان کے ساتھ مجلس رکھو کیونکہ جو شخص ان کے ساتھ مقیم ہوا یا ان کی مجلس اختیار کی وہ انہی کی طرح ہو جائیگا۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ کفار کے درمیان مسلمانوں کے رہنے کی ممانعت بیان کر رہے ہیں کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ کافروں یا مشرکین کے درمیان میں نہ رہے کیونکہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کا لشکر جب کفار پر چڑھائی کرے گا تو وہ مسلمان اگر وہ کافروں کی زد میں آکر مرگیا تو مسلمان فوج سے اس کی ضمان اور دیت نہیں لی جائے گی۔

نیز مسلمان کا دار الکفر میں رہنے کے بارے میں تفصیل ہے۔ مسلمان کا دار الکفر میں رہنا دو حال سے خالی نہیں وہاں اس کے رہنے کا عذر ہوگا یا عذر نہیں ہوگا اگر اس کا عذر نہ ہو بلکہ صرف نوکری یا دولت کمانا ہو تو وہاں مستقل قیام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔
بعض لوگوں نے ایسے آدمی کو فاسق اور مردود الشہادۃ قرار دیا ہے لیکن اگر معقول عذر اور ضرورت داعیہ ہو تو دار الکفر میں طلب معاش کے لئے جانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اسلامی احکامات اور واجبات پر عمل کرے۔

لاترائ نارھما: ترا ءیٰ اصل میں تتراءی تھا، ایک تاء کو تخفیفاً حذف کیا گیا اور تاء ترکیب میں فاعل ہے فعل کا۔ رؤیت کی نسبت نار کی طرف مجازی ہے اس سے مراد اہل نار ہیں صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ فریقین (مسلم و کافر) دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیے تھا کہ ان میں سے جو بھی اپنے گھر میں آگ جلائے تو اس کی روشنی دوسرے کے گھر تک نہ پہنچے اگر کافروں کی بستی میں سے کوئی اسلام لے آئیں تو ان کو چاہیے کہ اب وہ وہاں نہ رہیں بلکہ وہاں سے ہجرت کر کے چلے جائیں جب ہی ایک دوسرے کی آگ کو نہیں دیکھ پائیں گے۔ اس مذکورہ واقعہ میں ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا اس لئے ان کو نصف دیت واجب کی گئی۔ صحابہ کرامؓ نے جو **وَلِمَ** سے سوال کیا اس کا تعلق ماقبل کے دونوں جملوں سے ہوسکتا ہے اور **لھم بنصف العقل** سے بھی۔ ورانا بریٔ سے بھی (بدل)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِخْرَاجِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَلَا أَتْرُكُ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حسن بن علی خلال، ابوعاصم، عبدالرزاق، ابن جریج، ابوزبیر، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ضرور بضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اس میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا یہاں صرف مسلمانوں کو رہنے دوں گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللهُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ.

موسیٰ بن عبدالرحمٰن الکندی، زید بن حباب، سفیان ثوری، ابوزبیر، جابر، حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور بضرور نکال دوں گا۔

تشریح: نہایہ میں ہے کہ جزیرہ زمین کے اس حصہ کا نام ہے جسکے چاروں طرف پانی ہو جبکہ عرب کے تین جوانب تو پانی ہے۔ عرب کے مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان ہے جنوب میں بحیرۂ عرب یا بحر ہند ہے اور مغرب میں بحر قلزم اور نہر سوئز ہے اور شمال

میں ملک عرب کا رقبہ بارہ تیرہ لاکھ میل مربع ہے جو ملک شام کے ساتھ متصل ہے۔صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ جزیرہ عرب اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس کو بحر ہند، بحر شام اور دجلہ وفرات نے احاطہ کر رکھا ہو یعنی تہامہ، نجد، حجاز، عروض اور یمن۔ تہامہ حجاز کے جنوب میں ہے اور نجد حجاز اور عراق کے درمیان ہے اور حجاز یمن کی جانب وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو ملک شام سے متصل ہے اس میں مدینہ اور عمان ہے اور عروض یمامہ سے بحرین کا علاقہ تک کہلاتا ہے حجاز کو حجاز اسلئے کہتے ہیں کہ وہ نجد اور یمامہ کے درمیان حاجز و مانع ہے۔

یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنے کے بارے میں اختلافی مسئلہ ہے۔امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک کافر کو جزیرہ عرب سے نکالنا واجب ہے ان کو جزیرہ عرب میں رہائش دینا جائز نہیں۔حتیٰ کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کافر چپکے سے مکہ اور حرم میں داخل ہو گیا تو اس کو وہاں سے نکالا جائے گا اور اگر کافر حدود حرم میں مر گیا اور اس کی قبر بنا دی گئی تو پھر اس کی قبر کو اکھیڑا جائے گا اور اس کی لاش وہاں سے نکالی جائے گی اس شرط پر کہ اس میں تغیر نہ آیا ہو۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مکہ اور حرم میں داخل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

امام شافعیؒ وامام مالکؒ کی دلیل: "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" (التوبۃ:۲۸)

الحاصل ہمارے ہاں ان کو کسی بھی مسجد سے منع نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرِكَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ مَنْ يَرِثُكَ قَالَ أَهْلِي وَوَلَدِي قَالَتْ فَمَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا نُورَثُ وَلَكِنْ أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ وَأُنْفِقُ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدٍ وَعَائِشَةَ وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ إِنَّمَا أَسْنَدَهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَعَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَدْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئیں اور پوچھا کہ آپ کا وارث کون ہوگا؟ فرمایا میرے گھر والے اور میری اولاد، حضرت فاطمہؓ نے فرمایا مجھے کیا ہے؟ میں کیوں اپنے والد کی وارث نہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو روٹی کپڑا دیتے تھے میں بھی اسے دوں گا اور جس پر آپ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے میں بھی اس پر خرچ کروں گا۔اس باب میں حضرت عمر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔اس حدیث کو اس سند سے صرف حماد بن سلمہ اور عبدالوہاب بن عطاء نے مرفوعاً بیان کیا ہے یہ دونوں محمد بن عمرو سے وہ ابوسلمہ سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل

رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَدَخَلَ عَلَيْهِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ عُمَرُ لَهُمْ أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتَ أَنْتَ وَهٰذَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَطْلُبُ أَنْتَ مِيرَاثَكَ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ

کرتے ہیں۔ یہ حدیث کئی سندوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔
حسن بن علی خلال، بشر بن عمر، حضرت مالک بن اوس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عثمان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم بھی تشریف لائے پھر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ بھی آپس میں تکرار کرتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ ان سب نے فرمایا: ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں اس وقت آپ اور یہ (علیؓ اور عباسؓ) دونوں ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور آپ (عباسؓ) اپنے بھتیجے اور یہ (علیؓ) اپنی بیوی کی میراث طلب کرنے لگے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ سچے اور نیکی کی راہ پر چلنے اور حق کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔ یہ حدیث حضرت مالک بن انسؓ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں غزوہ خیبر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت سے باغ فدک کے متعلق مشہور مسئلہ کا ذکر ہے۔
فدک خیبر کا ایک باغ ہے جو بطور صفی کے آپ ﷺ نے لیا تھا۔ پھر اس کو آپ ﷺ نے مسافروں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس باغ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوجہ تنگدستی آپ ﷺ سے مانگا تھا لیکن آپ ﷺ نے بوجہ وقف انکار کر دیا تھا۔ آپ ﷺ اس باغ فدک سے اپنے اہل بیت کے علاوہ عام مسلمانوں کی ضروریات بھی پوری کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بطور میراث طلب کیا تھا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث پیش کی "**لا نورث ما ترکناہ صدقة**" اور بطور میراث دینے سے انکار کر دیا اور بخاری شریف میں اس کے بعد یہ الفاظ مذکور ہیں "**فوجدت**

فاطمة على ابي بكر فی ذلك فهجرته فلم تكلمه حتى توفيت" حضرت فاطمہ ؓ بشریت کے تقاضا کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ پر ناراض ہوگئیں اوران سے قطع تعلق کرلیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضرت فاطمہ ؓ کے گھر تشریف لے گئے دھوپ میں کھڑے ہو کر حضرت فاطمہ ؓ سے اس سلسلہ میں ناراضگی ختم کرنے کا اظہار کیا تو حضرت فاطمہ ؓ نے ناراضگی ختم کردی پھر حضرت فاطمہ ؓ چھ ماہ تک زندہ رہیں پھر اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر ؓ سے کسی قسم کی مراجعت نہیں کی۔

سوال: حضرت فاطمہ ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے میراث کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ ﷺ کا ارشاد "لا نورث ما ترکناہ صدقة" سنایا پھر حضرت فاطمہ ؓ کیوں ناراض ہوئیں جب کہ اس میں حضرت ابوبکر ؓ کی ذاتی منفعت تو کوئی نہیں تھی؟

جواب اوّل: بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ "فلم تكلمه" سے مراد ہے کہ میراث سے متعلق آخر وقت تک کوئی بات نہیں کی کیونکہ مطالبہ سے پہلے آپ ﷺ کا ارشاد حضرت فاطمہ ؓ تک پہنچ گیا تو پھر وفات تک حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے میراث کے متعلق بات نہیں کی۔ **جواب ثانی:** بعض حضرات نے کہا کہ حضرت فاطمہ ؓ کی ناراضگی والا جملہ اصل حدیث کا حصہ نہیں ہے بلکہ "زہری" کی طرف سے مدرج ہے۔ **جواب ثالث:** بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ جب حضرت فاطمہ ؓ نے میراث کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان کو آپ ﷺ کا ارشاد "لا نورث الخ" سنایا تو وہ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہوگئیں پھر انہوں نے تولیت کا مطالبہ کیا لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تولیت سپرد کرنے سے انکار کردیا وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کا حادثہ تازہ تھا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا خیال یہ تھا کہ اگر اہل بیت کو باغ فدک کا منتظم بنا دیا جائے تو لوگوں کے ذہن میں آئے گا کہ آپ ﷺ کی میراث تقسیم ہوئی ہے۔ لوگوں کو اس مغالطے سے بچانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے تولیت سے انکار کردیا اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح آپ ﷺ اس باغ فدک سے اہل بیت کی ضروریات پوری کرتے تھے میں بھی اسی طریقے پر اہل بیت کے اخراجات اس باغ فدک سے پورے کروں گا۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے چند روایات پیش کی جاتی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح ہیں قرابت نبوی کا احترام واکرام جو صدیق اکبر ؓ کی نظروں میں ہے وہ ان میں عمدہ طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔

"عن عروة بن الزبير عن عائشة ان فاطمة ارسلت الى ابي بكر تسأله ميراثها من النبي ﷺ مما افاء الله على رسوله تطلب صدقة النبي ﷺ التي بالمدينة وفدك ما بقي من خمس خيبر فقال ابو بكر ان رسول الله ﷺ قال لا نورث ما تركناه فهو صدقة ۔ انما يأكل آل محمد من هذا المال يعني مال الله ليس لهم ان يزيدوا على الماكل واني والله لا اغير شيئا من صدقات النبي ﷺ التي كانت عليها في عهد النبي ولاعملن فيها بما عمل فيها رسول الله ﷺ فتشهد علي ثم قال انا قد عرفنا يا ابا بكر ؓ فضيلتك وذكر قرابتهم من رسول الله ﷺ وحقهم وتكلم ابوبكر وقال والذي نفسي بيده لقرابة رسول الله ﷺ احب الي ان اصل من قرابتي" صحيح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶ کتاب المناقب باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ۔

"ان فاطمة والعباس اتيا ابا بكر الصديق يلتمسان ميراثهما ارضه من فدك وسهمه من خيبر فقال ابو بكر ؓ سمعت النبي ﷺ يقول لا نورث ما تركناه صدقة انما يأكل آل محمد في هذا

المال واللہ لقرابۃ رسول اللہ ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی"

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۶) کتاب المغازی باب حدیث بنی نضیر

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آل رسول اور رشتہ داروں کو ان اموال سے اپنا حق ملتا تھا البتہ تقسیم میراث ان اموال میں ان حضرات کیلئے فرمان نبوی کی وجہ سے جاری نہیں ہوئی۔

دوسرا یہ کہ ان حضرات میں انکے مالی حق کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم نہیں کرتے تھے بلکہ دور نبوی کے عمل کے مطابق تقسیم کرتے تھے یعنی انکے حقوق غصب نہیں کرتے تھے بلکہ ان حضرات کے حقوق عہد رسالت کے مطابق ٹھیک ادا کرتے تھے۔

تیسرا یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے قبیلہ کی بنسبت ہر مرحلہ میں نبی کریم ﷺ کے خاندان کے ساتھ صلہ رحمی، وفاداری، حسن سلوک، ادائیگی حقوق بہر حال مقدم تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس چیز کو حلفاً اور قسم کے ساتھ بیان کرتے تھے اس میں وہ سو فیصد صادق اور سچے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے اہل بیت کی اپنوں سے زیادہ قدردانی کی ان کے حقوق کو کامل طریقے سے ادا کیا یہ ان کی دوستی اور غمخواری کا درخشندہ نشان، اور باہمی موالاۃ اور خیر خواہی کا زبردست ثبوت ہے جس سے دنیائے انصاف میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر سخت گرمی میں کھڑے ہو کر عذر خواہی کرتے ہوئے فرمایا "واللہ قرابۃ النبی ﷺ احب الی من قرابتی" لیکن میں کیا کروں حضور ﷺ نے جب خود فرمایا "لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی اور خوش ہو گئیں تھیں۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں آپ شریک ہوئے یا نہیں تو اس کے متعلق روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ جنازہ پر حاضر ہوئے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مکمل تیمارداری کرتی رہیں اور وفات کے بعد ان کو غسل حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی نے دیا اب دیکھیں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری میں مکمل شریک ہوئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے احوال دریافت کرتے رہے جب نماز جنازہ کا مرحلہ آیا تو صحیح یہ ہے جیسا کہ آگے روایات میں آرہا ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہی پڑھائی ہوگی کیونکہ بنو ہاشم اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ ان کی اموات کا جنازہ خلیفہ اور والی شہر پڑھائیں۔ نیز وہ روایات راجح ہیں جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جنازے پڑھانے کا ذکر ہے۔ طبقات ابن سعد میں ایک روایت منقول ہے "عن حماد عن ابراہیم النخعی قال صلی ابوبکر رضی اللہ عنہ علی فاطمۃ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ فکبر اربعا"۔ ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاطمہ دختر رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۹)

دوسری روایت بیہقی شریف میں ہے کہ "ان فاطمۃ لما ماتت دفنها علی لیلا واخذ بضبعی ابی بکر الصدیق فقدمه یعنی فی الصلوۃ علیها" یعنی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا (اور جنازہ کے موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو پکڑ کر جنازہ پڑھانے کیلئے مقدم کیا۔

(السنن الکبری للبیہقی مع الجواہر النقی ج ۴ ص ۲۹)

تیسری روایت امام محمد باقر سے مروی ہے جس کو صاحب کنز العمال علی المتقی الہندی نے بحوالہ خطیب ذکر کی ہے۔"عن جعفر بن محمد عن ابیه قال ماتت فاطمة ؓ بنت رسول الله فجاء ابوبکر وعمر ؓ لیصلوا فقال ابوبکر ؓ لعلی ؓ بن ابی طالب تقدم فقال ما کنت لا تقدم وانت خلیفة رسول الله ﷺ فتقدم ابو بکر وصلی علیها" کہ جب حضرت فاطمہ ؓ فوت ہوئیں تو حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ دونوں نماز جنازہ پڑھنے کیلئے تشریف لائے ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو کہا کہ آگے تشریف لایئے تو علی المرتضیٰ ؓ نے جواب دیا کہ آپ خلیفہ رسول ہیں میں آپ سے پیش قدمی نہیں کرسکتا پس حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آگے بڑھ کر نماز جنازہ پڑھائی۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۸ روایت نمبر ۵۲۹۹ باب الفضائل فضل الصدیق)

امام زین العابدینؒ کی ایک روایت محب الطبری نے ریاض النضرۃ میں نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جعفر صادقؒ اپنے والد محمد باقرؒ سے اور وہ اپنے والد زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ مغرب وعشاء کے درمیان حضرت فاطمہ ؓ کی وفات ہوئی (ان کی وفات پر) ابوبکر وعمر وعثمان وزبیر وعبدالرحمن بن عوف ؓ حاضر ہوئے جب نماز جنازہ پڑھنے کیلئے جنازہ (سامنے) رکھا گیا تو حضرت علی ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو کہا کہ اے ابوبکر نماز پڑھانے کیلئے آگے تشریف لایئے۔ ابوبکر ؓ نے جواب دیا کہ اے ابوالحسن آپ کی موجودگی میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! آپ آگے تشریف لایئے اللہ کی قسم آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص فاطمہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھائے گا پس ابوبکر ؓ نے حضرت فاطمہؓ پر نماز جنازہ پڑھائی اور رات میں دفن کی گئیں۔ (ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ ج ۱ ص ۱۵۶ باب وفات فاطمہ) (تفصیل کیلئے دیکھیں "رحماء بینھم" ج اوّل مصنف حضرت اقدس مولانا محمد نافع صاحب محمدیؒ آف جھنگ شریف)

ان روایات کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت فاطمہؓ کا خود جنازہ پڑھایا۔ اور ان کے ساتھ موجود دوسرے اکابرین صحابہ میں سے کسی نے جنازہ نہیں پڑھایا گویا اکابر صحابہ کرام ؓ اور ہاشمی بزرگوں کی موجودگی میں یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ مسلمانوں کے خلیفہ وقت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص امامت کا حقدار نہیں ہوتا چاہے پنج گانہ نماز ہو یا جنازہ کی نماز ہو ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔

باقی روافض کا یہ اعتراض کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حق تولیت دینے سے انکار کردیا روافض اس بات کو لے کر صحابہ کرام ؓ پر تبراء کرتے ہیں ان سے سوال کیا جائے کہ ابوبکر صدیق ؓ کی بات لے کر اتنا شور کرتے ہو کہ انہوں نے باغ فدک نہیں دیا حالانکہ آپ ﷺ سے حضرت فاطمہ ؓ نے باغِ فدک مانگا تھا آپ ﷺ نے بھی دینے سے انکار کردیا تھا یہاں کیوں نہیں بولتے؟ لیکن یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ جب خلیفہ ہوئے اس وقت بھی باغِ فدک موجود تھا حضرت علی ؓ نے اسے لیکر حسنین کریمین ؓ کو کیوں نہیں دیا؟ پھر اس کے بعد حضرت حسن ؓ خود خلیفہ ہوئے اور چھے ماہ تک خلیفہ رہے۔ حضرت حسن ؓ نے اس کو اپنے اموال میں شامل نہیں کیا اور اپنے دورِ خلافت میں بھی تقسیم نہیں کیا اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ بھی حضرت صدیق اکبر ؓ کی طرح "لا نورث ما ترکناہ صدقة" کو عام سمجھتے تھے اور انہوں نے حضرت صدیق اکبر ؓ کی بتائی ہوئی حدیث پر اعتماد کیا۔

ثم صارت لعمر بن عبدالعزیز: مروان بن حکم نے اپنے دور حکمرانی میں اس کو اپنی ذاتی جاگیر بنالیا تھا اور بنو

مروان نے اسکو باہمی طور پر تقسیم کرلیا تھا لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حکمران بنے تو انہوں نے بنو مروان سے باغ فدک واپس لیکر اسکی سابقہ حیثیت بحال کردی اور اسکو مال وقف بنالیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ جو باغ فدک رسول کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ کو نہیں دیا میں کیسے اس کو اپنے پاس رکھ سکتا ہوں اسلئے میں اسکو واپس اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔

وفی الحدیث قصة طویلة: یہ قصہ بخاری شریف میں موجود ہے حدیث نمبر ۳۰۹۴۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ إِنَّ هٰذِهٖ لَا تُغْزٰی بَعْدَ الْیَوْمِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیدٍ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ مَالِكِ بْنِ الْبَرْصَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ یَقُولُ لَا تُغْزٰی هٰذِهٖ بَعْدَ الْیَوْمِ إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَسُلَیْمَانَ بْنِ صُرَدٍ وَمُطِیعٍ وَهٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَهُوَ حَدِیثُ زَکَرِیَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ فَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِیثِهٖ

حضرت حارث بن مالک بن برصاءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آج کے بعد قیامت تک اس پر چڑھائی نہیں کی جائے گی (یعنی یہ کبھی دارالحرب اور دارالکفار نہیں ہوگا)۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، سلیمان بن صرد اور مطیع رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہ زکریا بن زائدہ کی روایت ہے وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں ہم اس روایت کو صرف زکریا کی روایت سے ہی پہچانتے ہیں۔

تشریح: آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد قیامت تک مکہ پر کوئی فوج کشی نہیں کر سکے گا۔ بخاری شریف کتاب الحج میں ایک روایت آئی ہے کہ قیامت کے قریب ایک لشکر مکہ پر چڑھائی کرے گا۔ اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ فتح مکہ کے بعد کوئی کافر مکہ پر قابض نہیں ہوسکا۔ البتہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کو قائم کرنے کا فیصلہ فرمائیں گے تو قرب قیامت میں ایک چھوٹی پنڈلیوں والا کالا حبشی کعبہ شریف کو گرادے گا پھر کوئی اس کو آباد نہیں کر سکے گا۔ اور اس کے نیچے سے خزانہ نکال کرلے جائے گا۔ اس وقت ایمان والا کوئی نہیں ہوگا جو اس کا تعرض کر سکے۔

یہ آپ ﷺ کے فرمان اور ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ہمارے لئے اتنی آسانی کردی وگرنہ موجودہ دور کے اعتبار سے اگر کوئی مکہ کو نقصان پہنچادے تو مسلمان حکمران ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تماشائی بنے رہیں گے جیسا کہ موجودہ حالات میں بھی وہاں کافروں نے ڈیرہ جمایا ہوا ہے کوئی مسلم حکمران ان کو وہاں سے نکال نہیں سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّاعَةِ الَّتِي یُسْتَحَبُّ فِیهَا الْقِتَالُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَکَانَ

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، حضرت نعمان بن مقرنؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا۔ جب صبح طلوع ہوئی تو آپ صلی اللہ

إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ أَمْسَكَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ أَمْسَكَ حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ أَمْسَكَ حَتَّى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ وَكَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُونَ لِجُيُوشِهِمْ فِي صَلَوَاتِهِمْ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ بِإِسْنَادٍ أَوْصَلَ مِنْ هٰذَا وَقَتَادَةُ لَمْ يُدْرِكِ النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ وَمَاتَ النُّعْمَانُ فِي خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ

علیہ وسلم سورج طلوع ہونے تک ٹھہر جاتے پھر جب سورج نکل جاتا تو لڑائی شروع کرتے اور دو پہر کے وقت پھر لڑائی روک دیتے۔ یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جاتا۔ پھر زوال آفتاب سے عصر تک لڑتے اور پھر عصر کی نماز کیلئے ٹھہر جاتے اور پھر لڑائی شروع کر دیتے اور (اس وقت کے متعلق) کہا جاتا تھا کہ مدد الٰہی کی ہوا چلتی ہے۔ اور مؤمنین نمازوں میں اپنے لشکروں کیلئے دعائیں بھی کیا کرتے ہیں۔ یہ حدیث نعمان بن مقرنؓ سے زیادہ متصل سند سے بھی منقول ہے قتادہ نے نعمان بن مقرنؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ نعمان کی وفات حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَ النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ إِلَى الْهُرْمُزَانِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ فَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ مُقَرِّنٍ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلْقَمَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ هُوَ أَخُو بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ

حسن بن علی خلال، عفان بن مسلم، حجاج بن منہال، حماد بن سلمہ، ابو عمران جونی، علقمہ بن عبداللہ مزنی، حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرنؓ کو ہرمزان کی طرف بھیجا اور پھر طویل حدیث نقل کی۔ نعمانؓ نے فرمایا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر دن کے شروع میں لڑائی نہ کرتے تو سورج کے ڈھلنے، مدد کے نزول اور نصرت الٰہی کی ہواؤں کا انتظار کرتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ علقمہ بن عبداللہ، بکر بن عبداللہ مزنی کے بھائی ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ کن اوقات میں قتال مستحب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب روشنی پھیل جائے تو قتال کیا جائے پھر دو پہر کو آرام کیا جائے وقفہ کیا جائے پھر نماز ظہر سے فارغ ہو کر عصر تک قتال کیا جائے پھر جنگ روک کر عصر ادا کی جائے۔ یہ اس وقت ہے جب قتال شروع کرنا اپنے اختیار میں ہو اور اگر دشمن حملہ کر دے تو جب وہ حملہ کرے گا تو اسی وقت جواب دینا پڑے گا۔

و قد روی ھذا الحدیث: امام ترمذی یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ قتادہ کا حضرت نعمان بن مقرنؓ سے سماع ثابت نہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ یہ حدیث سند متصل کے ساتھ بھی مروی ہے جو کہ آگے آرہی ہے۔ اسکی شرح ترجمہ سے واضح ہے۔

اول النہار: "وھو بکر المبارك" صبح کے اندر برکت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے "اللّٰهم بارك لامتی فی بکورھا"۔

وتہب الریاح: "ای ریح النصر او حصوله ببرکة دعاء المسلمین بعد صلاتهم لمجاهدین" اگر آپ ﷺ صبح کے بعد جہاد کیلئے نہ نکلتے تو ظہر تک آپ ﷺ انتظار فرماتے تا کہ ظہر کے بعد نصرت و مدد کی ہوائیں چلنے لگ جائیں۔ ہوائیں چلنے کا مقصد یہ کہ اللہ کی طرف سے مدد و نصرت نازل ہو جائے، کیونکہ ظہر کی نماز کے بعد مسلمان نمازوں میں اور نمازوں کے بعد مجاہدین کے لئے دعا مانگتے تو ان کی دعاؤں کی قبولیت کی وجہ سے اللہ مجاہدین کی مدد و نصرت فرما دیتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطِّيَرَةِ

"طیرہ" بکسر الطاء و فتح الیاء اکثر مستعمل ہوتا ہے اور کبھی یاء کے سکون کے ساتھ بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا لفظ فال بھی استعمال ہوتا ہے۔ "فأل" ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ہے لیکن بغیر ہمزہ استعمال ہونا کثیر الاستعمال ہے اور "فال" اور "طیرة" میں کچھ فرق ہے۔ "فال" کا استعمال خیر و شر میں ہوتا ہے اور "طیرة" کا استعمال عموماً شر میں ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نیک فالی اور بد فالی، جبکہ "طیرة" کیلئے اس طرح استعمال نہیں ہوتا اور صاحب قاموس کہتے ہیں کہ "فال" کا اکثر استعمال خیر میں ہوتا ہے اور "طیرة" کا شر میں پھر نیک فالی لینا محمود اور سنت ہے اور بد فالی لینا مذموم اور ممنوع ہے۔

طیرة کی وجہ تسمیہ: اہل عرب کسی کام کیلئے جانے کا ارادہ کرتے تو پرندے اڑاتے تھے اگر وہ پرندہ دائیں جانب اڑ کر جاتا تو وہ سفر کو اچھا سمجھتے اور نیک فال لیتے تھے اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑ کر جاتا تو سفر کو منحوس سمجھ کر سفر کا ارادہ ترک کر دیتے۔

الحاصل نیک فال لینا سنت ہے اس میں اللہ پاک سے رحمت و فضل کی امید ہے اور بد فالی لینا ممنوع ہے کہ اس میں اللہ پاک سے ناامیدی ہے لہٰذا امید اچھی ہے ناامیدی بری اسلئے اللہ پاک سے ناامید نہیں ہونا چاہیے "کما فی القرآن لا تقنطوا من رحمة الله"

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ عِيسَى بْنِ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ وَمَا مِنَّا وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ قَالَ أَبُو عِيسَى سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُولُ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَقُولُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَمَا مِنَّا وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ قَالَ سُلَيْمَانُ هٰذَا عِنْدِي قَوْلُ عَبْدِ اللهِ بْنِ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بد فالی شرک ہے۔ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کو بد فالی کا خیال نہ آتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اسے توکل کی وجہ سے ختم کر دیتا ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیلؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سلیمان بن حرب اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ (اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اُس کو زائل کر دیتے ہیں) میرے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔ اس باب میں حضرت سعد،

مَسْعُودٍ وَفِي الْبَاب عَنْ سَعْدٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحَابِسٍ التَّمِيمِيِّ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ وَرَوٰى شُعْبَةُ أَيْضًا عَنْ سَلَمَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ

ابو ہریرہ، حابس تمیمی، عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف سلمہ بن کہیل کی روایت سے جانتے ہیں۔ شعبہ بھی سلمہ سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: **الطیرۃ من الشرك:** یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ طیرہ نفع مند ہے اور مشکل کو دور کرتا ہے جب ایسا اعتقاد رکھا جائے تو یہ شرک خفی ہوگا اور جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کے سوا یہ چیزیں نفع وضرر دیتی ہیں تو یہ شرک جلی ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب میں اس چیز کو شرک کے ساتھ موسوم کیا کیونکہ جو بھی ان سے بدشگونی لیتا ہے وہ ان کو مؤثر بالذات سمجھ کر کرتا ہے لہٰذا اس چیز کو مؤثر بالذات سمجھنا شرک خفی ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۵۵)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَأُحِبُّ الْفَأْلَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْفَأْلُ قَالَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدوی (یعنی متعدی پن) اور بدفالی (اسلام میں) نہیں اور میں فال کو پسند کرتا ہوں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ فال کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی بات۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **لا عدوی:** امام تورپشتیؒ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں "مجاوزۃ العلۃ من صاحبھا الی غیرہ" کہ عدوی کہا جاتا ہے کہ ایک کا مرض دوسرے میں سرایت کر جانا جس کو چھوت چھات کی بیماری کہتے ہیں ایام جاہلیت میں یہ اعتقاد تھا کہ جب کوئی مریض کسی تندرست آدمی کے پاس بیٹھے یا کھائے تو وہ مرض اس تندرست آدمی کی طرف سرایت کر جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بھی بیمار ہو جاتا ہے موجودہ دور کے اطباء کے گمان کے مطابق سات قسم کے امراض ایسے ہیں جو ایک دوسرے میں سرایت کر جاتے ہیں۔ ① جذام ② خارش ③ چیچک ④ آبلے جو بدن پر پڑ جاتے ہیں ⑤ بخر ⑥ رمد ⑦ وبائی امراض۔ آپ ﷺ نے اس اعتقاد کو رد کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ مرض کا ایک سے دوسرے میں سرایت کرنے کی کوئی حقیقت نہیں۔

سوال: ایک حدیث میں ہے "فرّ من المجذوم" جذامی سے بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "لا یوردھن ذو عاھتہ علی فصح و غیرھا"۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرض سرایت کرتے ہیں ورنہ رسول کریم ﷺ جذامی سے نہ بھاگنے اور بیمار آدمی کو صحیح آدمی کے پاس جانے کا حکم دیتے ان روایات میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے۔

جواب اوّل: "لا عدوی" میں اعتقاد جاہلی کو باطل کہا جو اس کو مؤثر حقیقی سمجھتے تھے اور "فرمن المجذوم" والی احادیث سے یہ بیان کیا گیا کہ اس میں احتیاط کی جائے کیونکہ بے احتیاطی سے مرض اللہ کے حکم سے سرایت کر سکتا ہے۔

جواب ثانی: حافظ ابن حجرؒ نے جواب دیا کہ لوگوں کو برے عقیدے سے بچانے کے لئے ایسا فرمایا کیونکہ مرض کا آنا تو خدا کی طرف سے ہے لیکن لوگ سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے اس کی طرف مرض نے سرایت کی اس لئے ممانعت فرمائی۔

وَأُحِبُّ الْفَأْلَ: **اشکال:** حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی فال لینا بہتر ہے اور بدفالی لینا بھی فی نفسہ اچھا ہے

حالانکہ حقیقت میں بدفالی اچھی چیز نہیں۔

جواب اوّل: یہ ارشاد گرامی دراصل اہل عرب کے گمان واعتقاد پر مبنی ہے کہ وہ بدفالی کو بھی پسندیدہ چیز سمجھتے تھے یا اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر طیرہ کا اچھا ہونا بالفرض ممکن بھی ہوتا تو فال اس سے بہتر ہے

جواب ثانی: عند البعض خیر مطلقاً خیریت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے۔

"الفال محض خیر کما ان الطیرة محض شرٌّ"۔

اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ : اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی ایسا جملہ سنائی دے جس سے اس کے دل میں اپنے مطلوب ومقصود کے حاصل ہوجانے کی امید پیدا ہوجائے اور وہ اس لفظ یا جملہ کو اپنے حق میں پیشینگوئی سمجھے جیسے کوئی شخص اپنی گمشدہ چیز کو تلاش کررہا ہو اور اس دوران یہ آواز سنے "یا واجد" یا کوئی شخص راستہ بھول گیا ہو اور راستے کی تلاش میں سرگرداں ہو اور اس کو یہ آواز سنائی دے "یا راشد" بہرحال اس طرح کے الفاظ سن کر کامیابی کی امید لگانا جائز ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ أَنْ يَسْمَعَ يَا رَاشِدُ يَا نَجِيحُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

محمد بن رافع، ابو عامر عقدی، حماد بن سلمہ، حمید، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کام کے لئے روانہ ہوتے تو یہ الفاظ سننا پسند فرماتے یا راشد (اے ٹھیک راستہ پانے والے) یا نجیح (اے کامیاب) یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصِيَّةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْقِتَالِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا وَقَالَ اغْزُوا بِسْمِ اللهِ وَفِي سَبِيلِ اللهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا فَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ أَيَّتُهَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر کرتے تو اسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت کرتے اور اپنے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتے اور فرماتے اللہ کے نام سے اور اسی کے راستے میں جہاد کرو اور ان کے ساتھ جنگ کرو جو اللہ کے منکر ہیں، مال غنیمت میں چوری نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو۔ مثلہ (ہاتھ، پاؤں کاٹنا) نہ کرو اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ پھر جب تمہارا دشمن کے ساتھ آمنا سامنا ہو تو انہیں تین چیزوں کی دعوت دو اگر وہ لوگ اس میں سے کوئی بات بھی مان لیں تو ان سے یہ چیز قبول کرو اور جنگ نہ کرو چنانچہ انہیں اسلام کی دعوت دو اور کہو کہ وہ لوگ اپنے علاقے سے مہاجروں کے علاقے

وَادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالتَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَإِنَّ لَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ وَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ مَا يَجْرِي عَلَى الْأَعْرَابِ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ حِصْنًا فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَاجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَمَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ إِنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلُوهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ فَلَا تُنْزِلُوهُمْ وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا أَوْ نَحْوَ هَذَا وَفِي الْبَابِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ وَحَدِيثُ بُرَيْدَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ فِيهِ فَإِنْ أَبَوْا فَخُذْ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ هَكَذَا رَوَاهُ وَكِيعٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُفْيَانَ وَرَوَى غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ وَذَكَرَ فِيهِ أَمْرَ الْجِزْيَةِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ

کی طرف چلے جائیں اور انہیں بتا دو اگر وہ لوگ ایسا کریں گے تو ان کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو مہاجرین کے لئے ہے (مال غنیمت) اور ان پر بھی وہی کچھ (لازم) ہے جو مہاجرین پر لازم ہے۔ (دین کی نصرت وتائید) لیکن اگر وہ لوگ وہاں جانے سے انکار کر دیں تو انہیں بتا دو کہ تم لوگ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہو تم پر وہی حکم جاری ہوگا جو دیہاتی مسلمانوں پر ہے انہیں مال غنیمت اور مال فئی سے کچھ نہ ملے گا مگر یہ کہ وہ لوگ جہاد میں شریک ہوں لیکن اگر وہ لوگ اس سے بھی انکار کر دیں تو اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان سے جنگ کرو۔ پھر اگر کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور قلعے والے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ مانگیں تو انہیں پناہ مت دو۔ البتہ اپنی اور اپنے لشکر کی پناہ دے سکتے ہو کیونکہ اگر بعد میں تم عہد شکنی کرو تو اپنے عہد و پیمان کو توڑنا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پناہ کو توڑنے سے بہتر ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ لوگ چاہیں کہ تم اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو تو ایسا نہ کرنا بلکہ اپنے حکم پر فیصلہ کرنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا کیا حکم ہے تم اس کے مطابق فیصلہ کر رہے ہو یا نہیں۔ یا اسی کی مثل ذکر کیا۔ اس باب میں حضرت نعمان بن مقرن ؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔

حدیث بریدہ ؓ حسن صحیح ہے۔

سفیان نے علقمہ سے اسی طرح کی حدیث نقل کی اس حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ اگر وہ اسلام سے انکار کریں تو ان سے جزیہ وصول کرو اور اگر اس سے (یعنی جزیہ سے) بھی انکار کریں تو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان کے خلاف جنگ کرو۔ وکیع وغیرہ بھی سفیان سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ محمد بن بشار کے علاوہ اور لوگوں نے بھی عبدالرحمن بن مہدی سے یہی حدیث نقل کرتے ہوئے جزیہ کا ذکر کیا ہے۔

حسن بن علی خلال، عفان، حماد بن سلمہ، ثابت، حضرت انس

حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُغِيرُ إِلَّا عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِلَّا أَغَارَ فَاسْتَمَعَ ذَاتَ يَوْمٍ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ فَقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَقَالَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ قَالَ الْحَسَنُ وَحَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت حملہ کیا کرتے تھے۔ پھر اگر اذان سنتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سنی جب مؤذن نے اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ کہا تو فرمایا تو فطرت اسلام پر ہے۔ پھر جب اس نے کہا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے دوزخ کی آگ سے نجات پائی۔ حسن، ابو ولید سے اور وہ حماد سے اسی سند سے اس حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قال اغزوا بسم الله: ''ای مستعینین بذکرہ'' یعنی اللہ کے ذکر سے اس سے مدد طلب کرتے ہوئے جہاد کرو۔ **فی سبیل الله:** ''ای لاجل مرضاته واعلاء دینه'' یعنی اللہ کی رضا اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے۔

ولا تغلوا: ''ای لاتخونوا فی الغنیمة'' یعنی غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرو۔ ایک نسخہ میں ''ولا'' واؤ کے ساتھ ہے ''تغلوا'' غین کے ضمہ اور تشدید لام کے ساتھ ہے۔

ولا تغدروا: دال کے کسرہ کے ساتھ ہے ای لا تنقضوا العهد وقیل لا تحاربوهم قبل ان تدعوهم الی الاسلام غدر کا ایک معنی نقض عہد ہے یعنی عہد اور وعدے کو نہ توڑو اور بعض نے کہا کہ اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ کرنا مراد ہے

ولا تقتلوا ولیدا: ''ای طفلا صغیرا'' اور چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہاں جو بچہ قتال میں شریک ہو یا جو بچہ بادشاہ ہو یا بادشاہ کا بیٹا ہو یا لشکر کا سردار ہو اس کو قتل کیا جائے گا۔

فادعهم الی ثلاث خصال: ''ای مرتبة'' یعنی تم انکو تین اشیاء کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم انکو چھوڑ دو۔

ثم ادعهم: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام نسخوں میں ''ثم ادعهم'' ہی ہے لیکن قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت زیادہ وزن والی تب ہی بنتی ہے جب یہ بغیر ''ثم'' کے ہو باقی اس جملے میں دراصل ثلاث خصال کی وضاحت بیان کی جارہی ہے نہ کہ ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کی خاصیت بیان کرنا مقصود ہے اور وہ تین چیزیں اسی میں مقصود ہیں۔

کاعراب المسلمین: دیہاتی مسلمانوں سے مراد دارالاسلام کے دیہات وجنگلات میں رہنے والے مسلمان ہیں نہ کہ دارالکفر میں بسنے والے دیہاتی مسلمان۔ **ولا یکون لهم فی الغنیمة والفیٔ:** غنیمت اور فیٔ میں فرق یہ ہے کہ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے ذریعے حاصل ہو۔ اور فیٔ اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے کفار سے ہاتھ لگے۔

ان تخفروا ذمة الله وذمة رسوله: ''ثم المعنی لو نقضوا عهد الله ورسوله لم تدر ما تصنع بهم حتی یؤذن لکم'' کہ اگر تم ان کو اللہ ورسول کی طرف سے عہد وامان دو گے اور وہ کفار اس عہد وپیمان کو کسی وقت توڑ دیں جن کی بنیاد پر ان کو وہ عہد وامان ملا ہے تو اس صورت میں تمہارے لئے ان کے بارے میں فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔

تا آنکہ تمہیں وحی یا دبار رسالت کے ذریعے ان کے حق میں کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت مل جائے جو اس وقت ممکن نہیں ہو گا۔

حدیث مذکور میں آپ ﷺ کا ایک جنگی اصول بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اگر کسی بستی پر حملہ کرنا چاہتے تو فجر طلوع ہونے کے بعد اس آبادی کے بارے میں خوب غور و تأمل کرتے اور لوگوں کے حرکات و سکنات کے ذریعے ان کے عقائد کا پتہ چلاتے کہ یہ کون لوگ ہیں اگر معلوم ہوتا کہ یہ کفار کی آبادی ہے لیکن پھر بھی اس میں یہ احتمال ہوتا کہ شاید اس میں کوئی مسلمان موجود ہو تو پھر اگر اس بستی کی طرف سے فجر کی اذان کی آواز آتی تو آپ ﷺ ان پر حملہ ترک کر دیتے اور اگر اس بستی کی طرف سے اذان کی آواز نہ آتی تو اس بستی پر حملہ کر دیتے تھے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے اس کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اگر کوئی بستی والے ترک اذان پر اجماع کر لیں تو بادشاہ پر ضروری ہے کہ ان سے قتال کرے اور یہی قول ہمارے ائمہ میں سے امام محمدؒ کا ہے۔ **خربت خیبر:** کہ خیبر ویران ہو گیا تو یہ بددعا ہے پھر خبر ہے کہ خیبر کا علاقہ نرغۂ کفار سے خالی ہو جائے گا بحمد اللہ رسول کریم ﷺ کا فرمان سچ ثابت ہوا اور خیبر کفار کے نرغے سے آزاد ہوا۔

اَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ

عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْجِهَادِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ قَالَ إِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ فَرَدُّوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَثَلُ الصَّائِمِ الصَّائِمِ الَّذِي لَا يَفْتُرُ مِنْ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ الشِّفَاءِ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ وَأَبِي مُوسٰى وَأَبِي سَعِيدٍ وَأُمِّ مَالِكٍ الْبَهْزِيَّةِ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ جہاد کے برابر کون سا عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ دو تین مرتبہ لوگوں نے اسی طرح پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ یہی جواب دیتے کہ تم لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار اور نمازی کی سی ہے جو نماز اور روزہ میں کوئی فتور (نقص) نہیں آنے دیتا یہاں تک کہ مجاہد جہاد سے واپس آجائے۔ اس باب میں حضرت شفاء، عبداللہ بن حبشی، ابوموسیٰ، ابوسعید، ام مالک بہزیہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ ابوہریرہؓ کئی سندوں سے منقول ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي مَرْزُوقٌ أَبُو بَكْرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِي هُوَ عَلَيَّ ضَامِنٌ إِنْ قَبَضْتُهُ أَوْرَثْتُهُ الْجَنَّةَ وَإِنْ رَجَعْتُهُ رَجَعْتُهُ بِأَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ قَالَ هُوَ غَرِيبٌ صَحِيحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری راہ میں جہاد کرنے والے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اگر میں اس کی روح قبض کرتا ہوں تو اسے جنت کا وارث بنا تا ہوں اور اگر اسے زندہ واپس بھیجتا ہوں تو مال غنیمت اور ثواب کے ساتھ لوٹا تا ہوں۔ یہ حدیث اس سند سے غریب صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں مجاہد فی سبیل اللہ کو تشبیہ دی ہے صائم اور قائم کے ساتھ یعنی مجاہد فی سبیل اللہ کو مشبہ اور صائم و قائم کو مشبہ بہ بنایا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مشبہ بہ کا زیادہ واضح ہونا ضروری ہے چونکہ مجاہد فی سبیل اللہ کا حال اتنا واضح نہیں تھا اگرچہ اس کی فضیلت اجمالی طور پر سب لوگ جانتے ہیں۔ تفصیلی طور پر کسی کو معلوم نہیں اس کے برعکس صائم و قائم اللیل کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں اور اس کو متقی شمار کرتے ہیں۔ اس وجہ سے فرمایا کہ جب مجاہد شریعت کے مطابق جہاد کرتا ہے تو یہ اس عبادت گزار کی طرح ہو جاتا ہے جس کا ذکر ''صائم اور قائم'' والی احادیث میں ہے گویا اس مجاہد کا ہر لحہ و لحظہ اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔

رجعته بأجرا و غنيمة: **سوال:** اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد غازی کو دو میں سے ایک یعنی اجر و غنیمت میں سے ایک چیز ملے گی کیونکہ اجر اور غنیمت میں ''او'' ہے جو احد الامرین کے لئے مستعمل ہوتا ہے تو کیا مجاہد غازی کو غنیمت کے ساتھ اجر و ثواب نہیں ملے گا یا اجر و ثواب کے ساتھ غنیمت نہیں ملے گی حالانکہ اس کو دونوں چیزیں یعنی اجر و غنیمت ملتی ہیں۔

جواب اوّل: بعض حضرات نے کہا کہ یہاں ''واؤ'' بمعنی ''أو'' کے ہے یعنی دونوں ملیں گے۔

جواب ثانی: یہ قضیہ مانعۃ الخلو کے قبیل سے ہے نہ کہ قضیہ مانعۃ الجمع کے قبیل سے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں اس جگہ موجود ہی نہ ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّ عَمْرَو بْنَ مَالِكٍ الْجُنْبِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَجَابِرٍ وَحَدِيثُ فَضَالَةَ حَدِيثٌ بْنِ عُبَيْدٍ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، حیوہ بن شریح، ابوہانی خولانی، عمرو بن مالک جنبی، حضرت فضالہ بن عبیدؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر مرنے والے کی وفات کے ساتھ ہی اس کے اعمال پر مہر لگا دی جاتی ہے لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر اور جابر رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث فضالہ بن عبیدؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس باب میں جہاد کے اندر پہرہ کی فضیلت بیان کر رہے ہیں کہ ہر شخص جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال صدقہ جاریہ، علم نافع، نیک صالح اولاد کا ثبوت جاری رہتا ہے۔ البتہ وہ شخص جس نے اللہ

کے راستے میں پہرہ دیا سرحد اور چوکی پر رات بیٹھا رہا تا کہ کوئی دشمن حملہ نہ کر سکے تو ایسا شخص قبر کی آزمائش سے محفوظ رہے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ منکر نکیر کی طرف سے آزمائش اس منافق پر آتی ہے جس کا دل اسلام پر مطمئن نہیں اور وہ دین اسلام کی مدد و نصرت کرنے پر آمادہ بھی نہیں اور سرحد کا پہرہ دینے والا اگر تمام اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے پہرہ دے تو اس سے بڑھ کر اسلام کی تصدیق کرنے والا کوئی نہیں چونکہ اس نے رات کو جاگ کر پہرہ دے کر تمام مسلمانوں کو سکون کی نیند کرنے دی تو اس کا بدلہ یہی ہے کہ قبر میں اس کو سکون کی نیند کرنے دی جائے اس لئے اس کو قبر میں آزمائش نہیں دی جائے گی۔ اور آگے فرمایا **المجاهد من جاهد نفسه** کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے کیونکہ نفس کی وجہ سے جہاد کے لئے نکلنا نہایت مشکل عمل ہے۔ ان اعمال کے لئے پہلے نفس سے ٹکر لینا ضروری ہے لہٰذا جو شخص اپنے نفس کو قابو کر لے گا وہ یہ کام سرانجام دے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ زَحْزَحَهُ اللهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا أَحَدُهُمَا يَقُولُ سَبْعِينَ وَالْآخَرُ يَقُولُ أَرْبَعِينَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو الْأَسْوَدِ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ الْأَسَدِيُّ الْمَدِينِيُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَنَسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي أُمَامَةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جہاد کے دوران ایک روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ سے ستر برس کی مسافت تک دور کر دینگے۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے) دو راویوں میں سے ایک راوی نے ستر اور دوسرے نے چالیس برس کا قول نقل کیا ہے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ ابو الاسود کا نام محمد بن عبد الرحمن بن نوفل اسدی مدینی ہے۔ اس باب میں حضرت ابو سعد، انس، عقبہ بن عامر اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيدِ الْعَدَنِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ ح وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصُومُ عَبْدٌ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا بَاعَدَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ سَبْعِينَ خَرِيفًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سعید بن عبد الرحمن، عبد اللہ بن ولید عدنی، سفیان ثوری، محمود بن غیلان، عبید اللہ بن موسیٰ، سفیان، سہیل بن ابی صالح، نعمان بن ابی عیاش زرقی، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ستر برس کی مسافت تک جہنم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ

زیاد بن ایوب، یزید بن ہارون، ولید بن جمیل، قاسم،

حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُمَامَةَ

عبدالرحمن، حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جہاد کے دوران ایک روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایسی خندق بنا دیتا ہے جیسے کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ حدیث ابوامامہ ؓ کی روایت سے غریب ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس باب میں روزے کی فضیلت بیان کر رہے ہیں گویا کہ اس میں دو عبادتیں جمع ہو گئیں ایک عبادت جہاد ہے اور دوسری عبادت روزہ رکھنا ہے۔ جہاد کے ساتھ روزے کی اتنی فضیلت اس لئے ہے کہ جہاد کے سفر میں مجاہد چونکہ اپنی بیوی سے دور رہتا ہے اور مجاہد کو شہوانی قوت غالب آجاتی ہے اس شہوانی قوت کو ختم کرنے کے لئے روزے کی خاص اہمیت بتلائی ہے وگرنہ جو غیر مسلم فوجیں علاقہ فتح کرتی ہیں تو اس علاقہ والی خواتین کے ساتھ جو نازیبا حرکتیں کی جاتی ہیں اس سے ہر کوئی پناہ مانگتا ہے اس کے برعکس آپ ﷺ کے زمانے میں جتنی جنگیں اور غزوات ہوئے بہت سے علاقے فتح ہوئے مگر کسی قوم کے ساتھ زنا کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا یہ سب تربیت اور روزے کی برکات تھیں کیونکہ روزہ شہوانیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے چونکہ مجاہد ایک تو اللہ کے راستے میں لڑ رہا ہے اور ساتھ ساتھ نفس کے ساتھ بھی جہاد کر رہا ہے ادھر آدمی کی شکل میں دشمن سے مقابلہ کر رہا ہے اور ادھر اپنے نفس کے ساتھ جو خفیہ دشمن ہے اس کے ساتھ لڑ رہا ہے جو بیک وقت دو دشمنوں کے سامنے برسر پیکار ہو تو اسے دو فضیلتیں کیونکر نہ ملیں گی۔

سوال: بخاری شریف باب من اختار الغزو علی الصوم میں روزہ نہ رکھنے کا ذکر کیا ہے کہ اس سے جہاد میں کمزوری آتی ہے جبکہ اس حدیث الباب میں روزہ رکھنے کی فضیلت کو بیان کر رہے ہیں۔ **جواب:** جہاد میں روزہ رکھنے کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے جہاد میں کمزوری نہ ہو اور جس کو کمزوری کا اندیشہ ہے اس کے لئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

عن وجهه سبعين خريفًا: سوال: حدیث الباب میں تو ستر سال دور رہنے کا ذکر ہے اس کے بعد کیا معاملہ ہوگا؟

جواب: یہ عدد مبالغہ کے طور پر ہے تحدید کے طور پر نہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے خالدين فيها ما دامت السموات والارض تو یہاں آیت میں بھی مبالغہ مراد ہے۔

سوال: حدیث الباب میں سبعين خريفًا کے الفاظ ہیں جبکہ الكامل لابن عدی میں مسيرة خمس مائة عام پانچ سو سال کا ذکر ہے۔ اور نسائی شریف میں باعد الله عنه جهنم مائة مسيرة عام سو سال کا ذکر ہے جبکہ ترمذی شریف میں ہی یہ الفاظ ہیں جعل الله بينه و بين النار خندقًا كما بين السماء والارض یہاں پر خندق کا ذکر ہے تو بظاہر ان روایات میں تعارض ہے۔ **جواب اوّل:** علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ سبعین والی روایت زیادہ صحیح ہے جو کہ حدیث الباب ہے۔

جواب ثانی: پہلے آپ ﷺ کو کم کا علم دیا گیا پھر بعد میں تدریجاً زیادہ کا علم دیا گیا۔

جواب ثالث: یہاں پر مبالغۃً تکثیر مراد ہے عدد کوئی بھی ہو۔

جواب رابع: روزے داروں کے کمال اور نقص کی وجہ سے اس میں فرق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنِ الرُّكَيْنِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يُسَيْرِ بْنِ عَمِيلَةَ عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللهِ كُتِبَتْ لَهُ سَبْعُ مِائَةِ ضِعْفٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الرُّكَيْنِ بْنِ الرَّبِيعِ.

ابوکریب، حسین جعفی، زائدہ، رکین بن ربیع، یسیر بن عمیلہ، حضرت خریم بن فاتک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جہاد میں کچھ خرچ کرتا ہے تو اس کے لئے سات سوگنا ثواب لکھا جاتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ہم اسے صرف رکین بن ربیع کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کے بارے میں بتارہے ہیں کہ جہاد میں خرچ کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے ماقبل میں بتلاچکے ہیں کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سوگنا تک ملتا ہے لیکن دو اعمال ایسے ہیں جن کے ثواب کی میعاد متعین نہیں ہے۔ ایک ان میں سے روزہ ہے کہ دس گنا سے شروع ہوتا ہے اور کہاں تک جاتا ہے اس کی مقدار متعین نہیں ہے۔ دوسرا وہ جو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جاتا ہے تو اس کی ابتداء بھی سات سوگنا سے شروع ہوتی ہے اور اس کی حد متعین نہیں۔ اس کا تذکرہ اس حدیث میں بیان کیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخِدْمَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ أَوْ طَرُوقَةُ فَحْلٍ فِي سَبِيلِ اللهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ هٰذَا الْحَدِيثُ مُرْسَلًا وَخُولِفَ زَيْدٌ فِي بَعْضِ إِسْنَادِهِ وَرَوَى الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ عَنِ

محمد بن رافع، زید بن حباب، معاویہ بن صالح، کثیر بن حارث، قاسم، عبدالرحمن، حضرت عدی بن حاتم طائیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک غلام خدمت کے لئے دینا یا سائے کے لئے خیمہ دینا یا جوان اونٹنی اللہ کی راہ میں دینا۔ معاویہ بن ابی صالح سے یہ حدیث مرسل بھی مروی ہے۔ اس سند میں زید کے متعلق اختلاف ہے۔ ولید بن جمیل یہ حدیث قاسم ابوعبدالرحمن سے وہ ابوامامہؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث ہم سے زیاد بن ایوب، یزید بن ہارون کے واسطے سے وہ ولید

الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَنِيحَةُ خَادِمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ طَرُوقَةُ فَحْلٍ فِي سَبِيلِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ عِنْدِي مِنْ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ

بن جمیل سے وہ قاسم ابی عبدالرحمن سے وہ ابوامامہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ افضل ترین صدقہ جہاد میں خیمے کا سایہ مہیا کرنا یا خدمت کیلئے غلام دینا یا اونٹنی دینا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے اور معاویہ بن ابی صالح کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: فسطاط خیمے کو کہتے ہیں طروقة بمعنی جفتی کے قابل اونٹنی۔ فحل سانڈ کو کہتے ہیں المنیحة عاریت کے لئے کسی کو تھوڑی دیر کے لئے فائدہ اٹھانے کی غرض سے چیز دینا۔

حدیث الباب میں بہترین صدقہ تین چیزیں بتائی ہیں مجاہد کو خدمت کے لئے غلام دینا بہترین صدقہ ہے۔ دوسرا مجاہد کو خیمہ کا سایہ عطا کرنا تاکہ وہ جہاد میں اس سے سایہ حاصل کرے یہ بھی بہترین صدقہ ہے۔ اور اسی طرح کسی مجاہد کو جوان اونٹنی دینا تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کے لئے جائے۔

فسطاط: فاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ۔ لیکن ضمہ راجح ہے اور یہ "فسطاط" ہر چھوٹے بڑے خیمے کو کہا جاتا ہے۔ بہترین صدقہ اس خیمہ کا سایہ ہے جس سے کسی مجاہد کو سر چھپانے کا موقع ملے۔ خواہ مجاہد کو عاریۃً دیا جائے یا مستقلاً دیا جائے۔

فی سبیل الله: یہ عام ہے خواہ کسی دینی طالب علم کو دیا جائے یا حاجی کو۔

او منیحة خادم: "ای عطیة خادم ملکا او عارية" یعنی بہترین صدقہ وعطیہ کی صورت یہ بھی ہے کہ کسی آدمی کا وظیفہ خود برداشت کر کے اس آدمی کو مجاہد، غازی، حاجی یا طالب علم یا کسی عالم کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے۔

او طروقة فحل: یعنی وہ اونٹنی اللہ کے راستے میں دی جائے جو جفتی کے قابل ہو یعنی وہ سواری کے قابل ہو یا اسکا یہ مطلب ہے کہ وہ جفتی کے قابل ہوتا کہ وہ اونٹنی آگے اور اونٹ جنے اور وہ اونٹ جہاد میں کام آسکیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں خرچ کرنا سب سے افضل ہے

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا

حَدَّثَنَا أَبُو زَكَرِيَّا يَحْيَى بْنُ دُرُسْتَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ

ابوزکریا، یحییٰ بن درست، ابواسماعیل، یحییٰ بن ابی کثیر، ابی سلمہ، بسر بن سعید، حضرت زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں جانے والے غازی کو سامان مہیا کرے گا وہ بھی جہاد کرنے والوں کے حکم میں شامل ہے۔ (یعنی مجاہد ہے) اور جس شخص نے کسی غازی کے اہل وعیال کی (بطور نائب) حفاظت کی گویا کہ وہ بھی شریک جہاد ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے یہ حدیث اس سند کے علاوہ بھی کئی سندوں سے مروی ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطَاءٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ خَلَفَهُ فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

ہم سے روایت کی ابن ابی عمرؓ نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے ابن ابی لیلی سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے زید بن خالد جہنیؓ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے کسی غازی کو سامان جہاد (یعنی اسلحہ وغیرہ) فراہم کیا یا اس کے اہل وعیال کی نگرانی کی پس اس نے جہاد کیا۔ (یعنی اسے بھی جہاد کا ثواب ملے گا۔)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے عبدالرحمن بن مہدی سے انہوں نے حرب سے انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے انہوں نے ابی سلمہ سے انہوں نے بسر بن سعید سے انہوں نے زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے راستے میں مجاہد کو سامان جہاد فراہم کیا گویا کہ اس نے بھی جہاد کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے عبدالملک سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے زید بن خالد جہنیؓ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی کے مثل روایت کی ہے۔

تشریح: جس نے غازی ومجاہد کو سامان جہاد مہیا کیا یا اس کے گھر والوں کی خبر گیری کی تو اس کو مجاہد جتنا ثواب ملے گا۔ ثواب کی دو قسمیں ہیں ایک ثواب اصلی اور دوسرا ثواب فضلی ہے فضلی کا مطلب یہ ہے کہ انعام کے طور پر اس کو یہ ثواب دیا جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سورۂ اخلاص پڑھنے سے تہائی قرآن کے برابر ثواب ملتا ہے یہ ثواب فضلی ہے اور اصلی ثواب تب ملے گا جب تہائی قرآن (دس پارے) پڑھے گا۔ تو یہاں پر مجاہد کو سامان مہیا کرنے والے کو یا اس کے گھر کی دیکھ بھال کرنے والے کو جو ثواب ملے گا وہ ثواب فضلی ملے گا ثواب اصلی تو اس مجاہد کو ملے گا جو برسر میدان لڑ رہا ہے۔ لہٰذا اب یہ شخص ثواب فضلی کا مستحق ہوگا جو مجاہد کے گھر والوں کی خبر گیری کرے گا اس کا یہ فضلی ثواب، ثواب اصلی کے برابر ہوگا اور مجاہد کا ثواب فضلی اس سے بھی زائد ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ مجاہد حکمی ہے اور وہ مجاہد حقیقی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ لَحِقَنِي عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ وَأَنَا مَاشٍ إِلَى الْجُمُعَةِ

ابوعمار حسین بن حریث، ولید بن مسلم، حضرت یزید بن ابی مریم کہتے ہیں کہ عبایہ بن رفاعۃ بن رافع مجھے جمعہ کی نماز کیلئے جاتے ہوئے ملے تو انہوں نے فرمایا خوشخبری سن

فَقَالَ أَبْشِرْ فَإِنَّ خُطَاكَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ سَمِعْتُ أَبَا عَبْسٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَأَبُو عَبْسٍ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَبْرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ وَهُوَ رَجُلٌ شَامِيٌّ رَوٰى عَنْهُ الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَيَحْيٰى بْنُ حَمْزَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ كُوفِيٌّ أَبُوهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْمُهُ مَالِكُ بْنُ رَبِيعَةَ.

لو۔ تمہارے یہ قدم اللہ کی راہ میں ہیں۔ میں نے ابو عبس ؓ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں ان پر دوزخ حرام ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابو عبس کا نام عبدالرحمن بن جبر ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر، ایک صحابی اور یزید بن ابی مریم ؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ شامی ہیں۔ ولید بن مسلم، یحییٰ بن حمزہ اور کئی راوی ان سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور یزید بن ابومریم کوفی کے والد صحابی ہیں، ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ جہاد میں جانے والوں کی ایک اور فضیلت بیان کر رہے ہیں کہ جو شخص جہاد کے لئے جائے اور اس کے پاؤں پر جہاد کی گرد و غبار چڑھ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے جہنم کی آگ اس پر حرام کر دیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مجاہد کے پاؤں اللہ کے راستے میں گرد آلود بھی ہوں اور وہ دوزخ میں بھی جائے ایسا نہیں ہو سکتا اب یہ جان لیں کہ پاؤں پر گرد و غبار پڑنے سے اس شخص کی جہنم سے خلاصی پیدا ہو گئی تو اس مجاہد کی کیا فضیلت ہو گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں شہید ہو جاتا ہے۔

سوال: جہاد میں گرد و غبار تو پورے جسم کو لگتی ہے تو پھر پاؤں کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** علامہ عینیؒ شارح بخاری مصنف عمدۃ القاری اس کا جواب یہ دے رہے ہیں کہ میدان جنگ میں چونکہ زیادہ کردار پاؤں کا ہوتا ہے بھاگنا، چلنا وغیرہ اس لئے قدموں کا ذکر کیا۔

فی سبیل للہ : ''ھو فی الحقیقة کل سبیل یطلب فیه رضا الله'' یعنی ہر وہ راستہ جو اللہ کی رضاء کا سبب ہو۔ طلب علم اور جماعت کی نماز میں حاضر ہونا اور مریض کی عیادت کرنا اور نماز جنازہ میں حاضر ہونا یہ سب فی سبیل اللہ میں شامل ہے لیکن جب فی سبیل اللہ مطلق بولا جائے تو اس سے جہاد کا راستہ مراد ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ فی سبیل اللہ سے حج مراد ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کے راستے میں دینے کی منت مانی تو آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کہ اپنا اونٹ کسی حاجی کو دے دو۔ ملا علی قاریؒ نے یہاں ایک مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے تو امام ابو یوسفؒ کے ہاں منقطع الغزاۃ مصرف ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک منقطع الحاج مصرف ہیں (کما فی المرقاۃ)۔ حدیث مبارک کا حاصل یہ ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی جب اللہ کے راستے کے غبار کا یہ عالم ہے تو غور کرو جہاد کا کیا فائدہ ہو گا الغرض خوف خدا کی وجہ سے آنکھ کے آنسو اور اللہ کے راستے کا غبار دوزخ کی آگ بجھانے میں اکسیر ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُبَارِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هُوَ مَوْلَى اٰلِ طَلْحَةَ مَدِينِيٌّ

ھناد، ابن مبارک، عبدالرحمن بن عبداللہ مسعودی، محمد بن عبدالرحمن، عیسیٰ بن طلحہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والا انسان دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے۔ (اور یہ نا ممکن ہے) اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی گرد وغبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن عبدالرحمن، آل طلحہ مدنی کے مولیٰ ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ کو بیان کررہے ہیں کہ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی وہ جہنم میں نہیں جائے گی یہاں تک کہ تھنوں میں دودھ واپس نہ چلا جائے تھنوں میں دودھ کا واپس جانا محال ہے تو ایسے شخص کا جہنم میں جانا بھی محال ہے۔ اور وہ مجاہد جس کے پاؤں گردوغبار سے آلودہوں وہ بھی جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

لَا يَلِجُ النَّارَ: ''ای لا یدخلها'' کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

حَتّٰى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ: ''هذا من تعليق بالمحال'' یہ تعلیق بالمحال کی قبیل سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''حتی یلج الجمل فی سم الخیاط'' کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے گزرنا محال ہے اسی طرح یہاں حدیث میں بھی مثال دی ہے کہ جس طرح دودھ کا تھنوں میں واپس جانا محال ہے اسی طرح ایسے شخص کا جہنم میں جانا محال ہے۔ گویا یہ دونوں اضداد میں سے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں جیسا کہ دنیا وآخرت جمع نہیں ہوسکتی۔ (کمافی المرقاۃ)

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ أَنَّ شُرَحْبِيلَ بْنَ السِّمْطِ قَالَ يَا كَعْبُ بْنَ مُرَّةَ حَدِّثْنَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحْذَرْ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

سالم بن ابوجعد سے روایت ہے کہ شرحبیل بن سمط نے حضرت کعب بن مرہ سے عرض کیا کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیں اور اس میں ترمیم واضافہ سے احتیاط کریں۔ انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوگیا تو یہ بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔ اس باب میں فضالہ بن عبید اور عبداللہ بن

وَحَدِيثُ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ هٰكَذَا رَوَاهُ الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ وَأَدْخَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ فِي الْإِسْنَادِ رَجُلًا وَيُقَالُ كَعْبُ بْنُ مُرَّةَ وَيُقَالُ مُرَّةُ بْنُ كَعْبٍ الْبَهْزِيُّ وَالْمَعْرُوفُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّةُ بْنُ كَعْبٍ الْبَهْزِيُّ وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ

عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اعمش بھی عمرو بن مرہ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ حدیث منصور، سالم بن ابی جعد سے بواسطہ ایک شخص حضرت کعب بن مرہ سے بھی نقل کرتے ہیں۔ انہیں کعب بن مرہ کہا جاتا ہے اور مرہ بن کعب البہزی بھی کہا جاتا ہے اور حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں مصروف مرہ بن کعب بہزی ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ الْمَرْوَزِيُّ أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ الْحِمْصِيُّ عَنْ بَقِيَّةَ عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللهِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَحَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ ابْنُ يَزِيدَ الْحِمْصِيُّ

اسحاق بن منصور مروزی، حیوہ بن شریح حمصی، بقیہ، بحیر بن سعد، خالد بن معدان، کثیر بن مرہ حضرمی، عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا بوڑھا ہو گیا قیامت کے دن اس کیلئے نور ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ حیوہ بن شریح، یزید حمصی کے بیٹے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ اپنی جوانی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ذکر کر رہے ہیں کہ جو شخص حالت جوانی سے بڑھاپے تک دین کی خدمت میں لگا رہا یہاں تک کہ اس کے بال سفید ہو گئے اس کا یہ بڑھاپا قیامت کے دن نور ہوگا بلکہ افضل عمل ہے۔ باب کی پہلی حدیث میں من شاب شيبة فى الاسلام کا ذکر ہے اور آخری حدیث الباب میں یہ الفاظ ہیں من شاب شيبة فى سبيل الله اس حدیث کی بناء پر امام ترمذیؒ اس کو اس باب میں لائے ہیں۔

اس حدیث الباب میں جوانی کی عبادت کا ثمرہ بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ جوانی کی عبادت اللہ رب العزت کو بہت محبوب ہے پھر جوانی بھی ہو اور اللہ کے راستے میں جہاد بھی کر رہا ہو پھر تو نور علی نور ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں گی تو یہ بڑھاپا قیامت کے دن نور بن جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنِ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ هِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ عَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ فَالَّذِي يَتَّخِذُهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُعِدُّهَا لَهُ هِيَ لَهُ أَجْرٌ لَا يَغِيبُ فِي بُطُونِهَا شَيْءٌ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ أَجْرًا وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ.

تک خیر بندھی ہوئی ہے اور گھوڑے کی تین حیثیتیں ہیں۔ ایک آدمی کے لئے اجر کا باعث، ایک اسکے لئے باعث پردہ اور ایک اسکے لئے وبال جان۔ جس کے لئے ثواب کا باعث ہے یہ وہ شخص ہے جو گھوڑے کو جہاد کے لئے رکھتا ہے اور اسی کے لئے تیار کرتا ہے تو یہ اس کے لئے ثواب کا باعث ہے اور جب بھی وہ اس کے پیٹ میں کوئی چیز (یعنی چارہ وغیرہ) ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اس (آدمی) کے لئے اس کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث کو مالک، زید بن اسلم سے وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔

تشریح: نواصی الخیل: ''ای فی ذواتھم'' یعنی پیشانی بول کر ذات مراد لی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہادی گھوڑوں کے بال بال میں ایک خاص قسم کی برکت رکھی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ اس لئے اللہ پاک نے گھوڑوں کا خاص طور پر ذکر کیا کمافی القرآن ''**واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل**'' اگرچہ قوت میں گھوڑا بھی داخل تھا مگر پھر بھی خصوصیت سے اس کا ذکر اس کی عظمت کی وجہ سے کیا۔

نواصیھا: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ناصیہ سے مراد پیشانی پر لٹکے ہوئے بال ہیں گویا یہاں ناصیہ بول کر ذات مراد لی ہے یہ ذکر الجزء وارادالکل کی قبیل سے ہے۔ جیسے رقبہ بول کر پورا انسان اور سر بول کر پوری ذاتِ مراد لی جاتی ہے۔ (مرقاۃ)

الخیل: اس سے مراد جنس خیل ہے۔ **الی یوم القیامۃ:** اس سے مراد قرب قیامت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الرَّمْيِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةً الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَالْمُمِدَّ بِهِ قَالَ ارْمُوا وَارْكَبُوا وَلَأَنْ تَرْمُوا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَرْكَبُوا كُلُّ مَا يَلْهُو

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ کاریگر (یعنی تیر بنانے والا) جو اس کے بنانے میں ثواب کی امید رکھے، تیرانداز (تیر چلانے والا) اور اس کے لئے تیروں کو اٹھا کر رکھنے اور اسے دینے والا پھر فرمایا تیراندازی اور سواری سیکھو اور تمہارا تیر پھینکنا میرے نزدیک سواری سے زیادہ بہتر ہے پھر ہر وہ کھیل

بِهِ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ إِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ أَهْلَهُ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَزْرَقِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

جو مسلمان کھیلتا ہے باطل (بیکار) ہے۔ سوائے تیراندازی، اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا یہ تینوں صحیح ہے۔ ہم سے روایت کی احمد بن منیع نے انہوں نے یزید بن ہارون سے انہوں نے ہشام سے انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے انہوں نے ابی سلام سے انہوں نے عبداللہ بن ازرق سے انہوں نے عقبہ بن عامرؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل حدیث نقل کی۔ اس باب میں حضرت کعب بن مرہ، عمرو بن عبسہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَبِي نَجِيحٍ السُّلَمِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ لَهُ عَدْلُ مُحَرَّرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو نَجِيحٍ هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ السُّلَمِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْأَزْرَقِ هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ.

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے معاذ بن ہشام سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے سالم بن ابی جعد سے انہوں نے معدان بن ابی طلحہ سے انہوں نے ابونجیح سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر پھینکتا ہے تو اس کا ایک تیر پھینکنا ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابونجیح کا نام عمرو بن عبسہ سلمی ہے۔ عبداللہ بن ازرق، عبداللہ بن زید ہیں۔

تشریح: لیدخل بالسهم الواحد: جہاد میں استعمال ہونے والے ایک تیر کے ذریعہ جنت میں تین آدمی داخل ہونگے۔ ① اس کو جہاد کی نیت سے بنانے والا ② تیر چلانے والا مجاہد ③ مجاہد کے ساتھ مورچے میں موجود ساتھی جو مجاہد کو تیر پکڑاتا ہے۔

ارموا وارکبوا: اس کا مطلب ہے کہ تیراندازی بھی کرو اور گھڑسواری بھی سیکھو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تیراندازی بھی کرو اور گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ بھی استعمال کرو الحاصل جہادی آلات کا استعمال سیکھنے کے بعد چھوڑ دینا کفران نعمت کی وجہ سے برا ہے۔

وملاعبته اهله فانهن من الحق: ''ای ولیس من اللهو الباطل'' یعنی اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا اس کا دل بہلانا یہ باطل لہو ولعب نہیں جو گناہ کا سبب بنے بلکہ یہ ایسا لہو ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے اس معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق ہے خواہ من قبیل العلم ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْحَرَسِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ رُزَيْقٍ أَبُو شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَفِي الْبَاب عَنْ عُثْمَانَ وَأَبِي رَيْحَانَةَ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شُعَيْبِ بْنِ رُزَيْقٍ .

ہم سے روایت کی نصر بن علی جہضمی نے انہوں نے بشر بن عمر سے انہوں نے شعیب بن رزیق سے انہوں نے ابوشیبہ سے انہوں نے عطاء خراسانی سے انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آنکھیں ایسی ہیں کہ انہیں آگ نہیں چھوسکتی۔ ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزار دی۔ اس باب میں حضرت عثمانؓ اور ابوریحانہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف شعیب بن رزیق کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: عینان لا تمسهما النار: ''وفی روایة ابدًا'' ۔ ''ای لا یصیبها ادنی اصابة'' یعنی ان کو تھوڑی سی آگ بھی نہیں پہنچے گی۔ وفی روایة لا تریان النار ۔ وہ آگ کو نہیں دیکھیں گی۔ یعنی جہنم کو نہیں دیکھیں گی۔

عین بکت من خشیة الله: عابد کی آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئے چاہے عابد عالم ہو یا غیر عالم ہو۔

وعین باتت تحرس: ''والاظهر ان المراد به الحارس للمجاهدین لحفظهم عن الکفار'' یعنی وہ آنکھ جو مجاہدین کا پہرہ دیتے ہوئے جاگی ہوتا کہ کفار مجاہدین پر شب خون نہ مار سکیں۔ (التعلیق الصبیح ج۴ ص۳۱۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الشُّهَدَاءِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ أَوْ شَجَرِ الْجَنَّةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ہم سے روایت کی ابوعمر نے انہوں نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے زہری سے حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہدا کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہیں جو جنت کے پھلوں میں سے کھاتی پھرتی ہیں۔ راوی کو شک ہے کہ درخت فرمایا یا پھل یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَامِرٍ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے تین شخص پیش کیے

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ أَوَّلُ ثَلَاثَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ شَهِيدٌ وَعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللهِ وَنَصَحَ لِمَوَالِيهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ .

گئے۔ ایک شہید، دوسرا حرام سے بچنے اور شبہات سے پرہیز کرنے والا اور تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرے اور اپنے مالک کی بھی اچھی طرح خدمت کرے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ طَلْحَةَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ كُلَّ خَطِيئَةٍ. فَقَالَ جِبْرِيلُ إِلَّا الدَّيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الدَّيْنَ وَفِي الْبَابِ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ. لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هٰذَا الشَّيْخِ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ وَ قَالَ أُرَى أَنَّهُ أَرَادَ حَدِيثَ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں قتل (یعنی شہید) ہو جانا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا قرض کے علاوہ۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا قرض کے علاوہ۔ اس باب میں حضرت کعب بن عجرہ، ابوہریرہ، جابر اور ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث حضرت انسؓ غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے صرف اسی شیخ (یحییٰ بن طلحہ کوفی) کی روایت سے جانتے ہیں۔ میں (امام ترمذیؒ) نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ امام بخاریؒ کا اس حدیث کی طرف اشارہ ہو جو حمید، انسؓ سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اہل جنت میں سے کوئی دنیا کی طرف لوٹنا نہیں پسند کرے گا سوائے شہید کے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَأَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدُ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، حمید، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی موت کے بعد اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ فرمائے اور وہ دنیا میں واپس جانا پسند کرے اگرچہ اس کو (جنت کے عوض) دنیا وما فیھا عطا کر دی جائے البتہ شہید شہادت کی فضیلت اور مرتبہ کی وجہ سے ضرور یہ خواہش کرے گا کہ دنیا میں جائے اور دوبارہ قتل کر دیا جائے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں امام ترمذیؒ شہداء کے ثواب کو بیان کر رہے ہیں کہ ایک شہید کو کتنا ثواب دیا جاتا ہے شہید کو جنت میں داخل کیا جاتا ہے اور ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے شکم میں داخل کر دیا جائے گا چنانچہ وہ جنت میں پھریں گے یہ حدیث حیاۃ بعد الممات پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت علامہ قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ حیاۃ بعد المماۃ کے متعلق تین قسم کے لوگ ہیں۔

① **انبیاء علیہم الصلوات والسلام کی حیات:** انکے اجسام دنیا میں نہایت پاک صاف اور ہر قسم کے عیب سے مبرا تھے گویا بشر ہونے کے ساتھ ساتھ نور اور اس سے بھی اعلیٰ تھے اس لئے انبیاء علیہم السلام پر تھوڑی دیر کیلئے موت طاری ہوتی ہے پھر دنیاوی جسم کے ساتھ قبر میں حیات دنیاوی دی جاتی ہے جس کو حیات النبی کہا جاتا ہے یہ حیات سب سے اعلیٰ ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں بلکہ امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔

② **شہداء کرام کی حیات:** یہ بھی موت کے بعد بہشتی جسم کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ حدیث مذکورہ میں ہے ''ارواح الشهداء فی طیر خضر'' یعنی شہداء کی ارواح بہشتی سبز پرندوں کے شکموں میں ہونگے۔

③ **شہداء کے علاوہ عام لوگ:** خواہ مسلمان ہوں یا کافر سب کی روح کو حیات حاصل رہتی ہے کیونکہ موت جسم پر آتی ہے نہ کہ روح پر اسلئے روح کو راحت وتکلیف کا احساس بعد الموت رہتا ہے ورنہ برزخ کے ثواب وعذاب کے کیا معنی؟ اور اسی پر عذاب ونعمت ہوگا (سیرۃ المصطفی ﷺ)

مسئلہ تناسخ: تناسخ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح اگر اوّل پیدائش میں اچھے جسم کیساتھ متصف رہی (ایسا جسم جو اللہ کا فرمانبردار رہا ہو) تو دوبارہ اٹھنے کے بعد دنیا کے جسم سے بہتر جسم میں لوٹا دی جائیگی اور اگر وہ روح اول پیدائش میں رذائل کیساتھ متصف رہی تو مرنے کے بعد جی اٹھنے پر بدترین جسم میں جائیگی۔ مثلاً کتا ہو یا خنزیر وغیرہ۔ ہندوؤں کا ایک فرقہ آریہ سماج اسکا قائل ہے انکے نزدیک دنیا ہی جنت ودوزخ ہے اگر دنیا اچھی ہو تو جنت اور اگر دنیا میں مصائب ہیں تو دوزخ اور انکے نزدیک آخرت میں جنت ودوزخ کی کوئی حقیقت نہیں۔

یہ حضرات حدیث مذکور سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ شہداء کی روح سبز پرندوں کے شکموں میں آجائے گی۔ جب کہ جمہور ائمہ امت اس تناسخ کو باطل قرار دیتے ہیں اور شہداء کی روح کا دنیاوی جسم میں لوٹنے کا ذکر نہیں ہے وہ تو بہشتی جسم میں لوٹنے کا ذکر ہے لہٰذا ان کا استدلال درست نہیں ہے۔

حدیث میں ''ارواح الشهداء فی طیر خضر'' والے جملہ کے ذکر کا مقصد کیا ہے۔ ① حضرت شاہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے شہداء کی ارواح کی تعظیم وتکریم مقصود ہے پرندوں کے اندر روح کا حقیقۃً لوٹنا مراد نہیں ہے ② یا اس سے مراد جنت میں آزادانہ سیر وسیاحت کر کے بہشت کے درختوں سے پھل کھانا مقصود ہے پرندہ بننا مراد نہیں ہے یہ ایک تشبیہ ہے جیسا کہ کسی بہادر انسان کو اسد کہا جائے تو اس سے اس کا چارٹانگوں والا ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بہادری میں تشبیہ دینا ہوتا ہے اسی طرح یہاں مقصود ہے کہ یہ سبز پرندے شہداء کی ارواح کے لئے ظرف ہیں جس طرح کسی نے موتی کو صندوق میں رکھ دیا تو یہ صندوق موتی کے لئے ظرف ہے نہ یہ کہ موتی نے صندوق میں حلول کر دیا۔ ان توجیہات سے یہ اشکال دور ہو گیا کہ شہداء کی ارواح پرندوں کے شکموں میں لانے سے ان کی توہین اور تذلیل ہو رہی ہے اور ایسا کرنا تو بظاہر درست نہیں ہے تو اس کے جوابات بھی ہو گئے۔

اسکا ایک اور جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ جنت میں جن ابدان میں شہداء کی ارواح رہیں گی وہ ابدان کی صورت میں ہونگے لیکن وہ ابدان صفات انسانیہ کے ساتھ متصف ہونگے حیوانی صفات کے ساتھ متصف نہیں ہونگے کیونکہ صورت کا اعتبار نہیں۔

اول ثلاثة يدخلون الجنة: بالکل شروع میں جنت کے اندر تین قسم کے لوگ داخل ہوں گے ① شہید ② حرام سے بچنے والا اور سوال نہ کرنے والا اور وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھے طریقے سے کرے اور اپنے آقاؤں کی خدمت بھی۔ اور پہلے تین قسم کے افراد جو جہنم میں داخل ہوں گے ① امیر مسلط ② اور ایسا صاحب مال جو اللہ کا حق ادا نہیں کرتا ③ فقیر متکبر۔

(التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۱۷)

عفیف متعفف: دونوں لفظوں میں چند فرق ہیں ① زنا سے بچنے والا عفیف۔ سوال سے بچنے والا متعفف ② اکیلا آدمی گناہ سے بچے تو عفیف اور عیالدار گناہ سے بچے تو متعفف ③ ظاہری گناہوں سے بچنے والا عفیف اور باطنی گناہوں سے بچنے والا متعفف۔

الا الدین: یعنی شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے لیکن قرض معاف نہیں ہوگا مراد وہ قرض ہے جس کے ادا کرنے کی نیت نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر قرض معاف نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو مجاہد جہاد کرتے ہوئے سمندر میں شہید ہو جائے یا سمندری جہاد کے دوران شہید ہو جائے تو اس کا قرضہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دین سے مراد وہ ذمہ ہے کہ جو مسلمانوں کا اس پر ہے یعنی حقوق العباد میں معافی نہیں ہوگی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ جہاد اور شہادت بہت بڑے رتبے کے باوجود حقوق العباد معاف نہیں کرواسکتے۔ ملا علی قاریؒ مرقات میں لکھتے ہیں کہ جو شخص سمندری جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کے حقوق العباد بھی معاف ہو جاتے ہیں بعض روایات میں آتا ہے کہ شہید سے حقوق العباد کو بھی اس طرح معاف کر دیا جائے گا کہ صاحبِ حق کو قیامت میں اس کے حقوق کے عوض ثواب عطا فرمایا جائیگا وہ راضی ہوگا اور شہید کو معاف کر دے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي يَزِيدَ الْخَوْلَانِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ فَضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللهَ حَتَّى قُتِلَ فَذَلِكَ الَّذِي يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتَّى وَقَعَتْ قَلَنْسُوَتُهُ فَلَا أَدْرِي قَلَنْسُوَةَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہید چار قسم کے لوگ ہیں ایک وہ مؤمن جس کا ایمان مضبوط ہو وہ دشمن سے مقابلہ کرے اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدہ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اسکی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے اور فرمایا اس طرح اسکے ساتھ سر اٹھایا یہاں تک آپ کی ٹوپی گر گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ ٹوپی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گری یا حضرت عمرؓ کی۔ دوسرا وہ مؤمن جس کا ایمان مضبوط ہو اور دشمن سے مقابلہ میں خوف کی وجہ

فَلَنْسُوَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَكَأَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ قَدْ رَوٰى سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَشْيَاخٍ مِنْ خَوْلَانَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِي يَزِيدَ وَقَالَ عَطَاءُ بْنُ دِينَارٍ لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ.

سے اس کا یہ حال ہے گویا کہ اس کی جلد کو کانٹوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے۔ پھر ایک تیر اسے آ کر لگے اور اسے قتل کر دے۔ تیسرا وہ مؤمن جس کے نیک اور برے اعمال خلط ملط ہو گئے ہوں اور دشمن سے ملاقات (یعنی مقابلے) کے وقت اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے قتل کر دیا جائے یہ تیسرا درجہ ہے۔ چوتھا وہ مؤمن جو گناہ گار ہوتے ہوئے دشمن سے مقابلے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے قتل کر دیا گیا اور یہ چوتھے درجہ میں ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عطاء بن دینار کی روایت سے جانتے ہیں۔ میں (امام ترمذیؒ) نے امام بخاریؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سعید بن ابی ایوب یہ حدیث عطاء بن دینار سے اور وہ شیوخ خولانی سے نقل کرتے ہیں لیکن اس میں ابو یزید کا ذکر نہیں کرتے اور عطاء بن دینار کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: فصدق الله: اس کو دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ دال کی تشدید کے ساتھ اور بغیر تشدید کے۔ اگر دال کی تشدید کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوگا کہ اس شخص نے اپنے عمل اور اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راست گو ثابت کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی بایں طور کہ اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور اس راہ کی تمام مشقتوں و تکلیفوں اور مصائب کو برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونیوالے اجر وثواب کا امیدوار رہا۔ اور اگر دال پر تشدید نہ ہو تو پھر اس کے معنی ہوں گے کہ اس شخص نے اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اس چیز کو سچا کیا جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر عائد ہوتی تھی یعنی خدا کی راہ میں ثابت قدم رہا اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھائی۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۲۵)

اس باب میں شہداء کے چار درجات بیان کیے ہیں۔

درجہ اولیٰ: جید الایمان بہادر شخص کا ہے جس کا ایمان بھی اچھا تھا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے اس نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا کہ اس نے اپنی جان اللہ کے راستے میں دے دی۔ یہ وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ قیامت کے دن سر اٹھا کر دیکھیں گے۔ راوی کہتے ہیں انہوں نے اپنا سر بلند کیا حتیٰ کہ ان کی ٹوپی سر سے گر گئی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ کی ٹوپی مبارک گری یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ بہر حال اس روایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شہید کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

درجہ ثانیہ: جید الایمان بزدل کا ہے ایمان کے اعتبار سے وہ جید ہے اچھا ہے لیکن دشمن کے سامنے کمزور دل اور خوف والا ہو رہا تھا

کہ اس حال میں اس کو ایک تیر لگا جس کا مارنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ ڈر تو رہا تھا لیکن پھر بھی اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلا اور شہید ہو گیا تو یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے۔

درجہ ثالثہ: وہ بہادر ایمان والا شخص ہے کہ اس کے اچھے اعمال کے ساتھ گناہ بھی مل گئے تو اس نے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی پھر جب اس کو دشمن کا سامنا ہوا تو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ یہ شخص تیسرے درجہ کا ہے۔

درجہ رابعہ: وہ شخص جو بہادر ہو لیکن گنہگار ہو۔ اچھے اعمال کم تھے اور برے اعمال زیادہ تھے جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے بھی جان کو اللہ کے سپرد کر دیا اور شہید ہو گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزْوِ الْبَحْرِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ وَجَلَسَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوكٌ عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهُ مَاذَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ نَحْوَ مَا قَالَ فِي الْأَوَّلِ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جایا کرتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں داخل ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی جوئیں دیکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر جب بیدار ہوئے تو ہنسنے لگے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ فرمایا میری امت کے چند لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو سمندر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے سوار ہیں گویا کہ وہ لوگ تختوں پر بادشاہ ہیں یا فرمایا کہ بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ام حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے بھی انہی میں سے کر دے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرامؓ کے لئے دعا فرمائی۔ پھر دوبارہ سر مبارک رکھا اور سو گئے اور اسی طرح ہنستے ہوئے اٹھے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ اب کس چیز پر ہنس رہے ہیں۔ فرمایا میرے سامنے کچھ مجاہد پیش کئے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے ہیں پھر اس طرح فرمایا جس طرح پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے

الْأَوَّلِينَ قَالَ فَرَكِبَتْ أُمُّ حَرَامٍ الْبَحْرَ فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأُمُّ حَرَامٍ بِنْتُ مِلْحَانَ هِيَ أُخْتُ أُمِّ سُلَيْمٍ وَهِيَ خَالَةُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ.

دوبارہ دعا کے لئے درخواست کی۔ فرمایا تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔ چنانچہ ام حرام رضی اللہ عنہا، حضرت معاویہؓ کے زمانہ (گورنری) میں سمندر کے سفر پر گئیں لیکن سمندر سے باہر اپنی سواری سے گر گئیں اور شہید ہوگئیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ام حرام بنت ملحانؓ ام سلیم کی بہن اور انس بن مالکؓ کی خالہ ہیں۔

تشریح: اس حدیث الباب میں آپ ﷺ کو دو منظر دکھلائے گئے ان میں پہلا منظر مکمل ہوا کہ مسلمانوں نے قبرص پر حملہ کیا اور اس کو فتح کرلیا یہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں قبرص فتح ہوا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبرص پر حملہ کرنے کے لئے سمندر کا سفر کیا تو اس وقت حضرت ام حرامؓ ان کے ساتھ تھیں یہ جب ساحل سمندر پہنچیں تو گھوڑے سے گر کر وفات پا گئیں یہ بحری غزوہ تھا جو پہلی مرتبہ ہوا۔ اسکی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا فركبت ام حرام البحر فی زمن معاوية بن أبی سفيان۔ اور دوسرا سفر جو سمندری راستے سے کیا وہ تھا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا یہ حملہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں، یزید کی سربراہی میں ہوا۔ اس حدیث میں ام حرامؓ کا تذکرہ ہے یہ قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حقیقی خالہ تھیں کبھی کبھار آپ ﷺ ان کے ہاں جایا کرتے تھے ام حرامؓ آپ ﷺ کے اور وہ ان کے سر سے جوئیں تلاش کرتی تھیں۔

سوال: ام حرام رضی اللہ عنہا تو اجنبیہ تھیں آپ ﷺ ان کے پاس کیوں تشریف لے جاتے؟ **جواب:** اس بات میں محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محرمہ تھیں ابن عبدالبرؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں۔

سوال: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ام حرامؓ پہلے ہی سے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے نکاح میں تھیں لیکن دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت عبادہؓ کے نکاح میں آئیں بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض ہو رہا ہے۔

جواب: حضرت ام حرامؓ پہلے عمرو بن قیس کی بیوی تھیں بعد میں حضرت عبادہ بن صامت سے نکاح ہوا لہٰذا جن روایات میں اولاً عبادہ بن صامتؓ نکاح میں آنا معلوم ہو رہا ہے وہ مایؤول کے اعتبار سے ہے۔

وحبسته تفلی رأسه: **سوال:** روایات سے تو یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے پسینے سے خوشبو مہکتی تھی جوئیں تو خوشبو سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ صفائی ستھرائی سے تو ختم ہو جاتی ہیں اور آپ ﷺ کا جسم مبارک تو صاف ستھرا ہوا کرتا تھا تو پھر جوئیں تلاش کرنے کا کیا مطلب؟ **جواب اوّل:** حدیث میں جوئیں تلاش کرنے کا مطلب جوؤں کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ سر کو سکون پہنچانے کیلئے ایسا کرتیں۔ **جواب ثانی:** اگر کچھ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر آئی بھی ہوں تو دوسروں کے کپڑوں سے آئی ہوئی ہوں گی۔ **جواب ثالث:** ممکن ہے سر کے بالوں کو سنوارنے یا بالوں کو آرام پہنچانے کے لئے بالوں کی کنگھی کی ہو۔

یرکبون ثبج هذا البحر: ثبج کے معنی درمیان کے ہیں۔ **ملوكًا على الاسرة**۔ آپ ﷺ کا فرمان کہ میری امت کے وہ افراد جو بحری جہاد کریں گے وہ فراخی و رفعت و خوشی میں بادشاہوں کی طرح ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُقَاتِلُ رِيَاءً وَلِلدُّنْيَا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَأَيُّ ذٰلِكَ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، شقیق، حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ریاکاری، غیرت یا اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے کہ ان میں کون اللہ کی راہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند رہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔ اس باب میں حضرت عمرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ هٰذَا عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ

محمد بن مثنیٰ، عبدالوہاب ثقفی، یحییٰ بن سعید، محمد بن ابراہیم، علقمہ بن وقاص لیثی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو نیت کے مطابق ہی ثواب ملتا ہے۔ پس جس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہجرت کی اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہجرت کی اور جس نے دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہجرت کی اس کی ہجرت اس کیلئے ہے جس کیلئے اس نے کی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث کو مالک بن انسؓ، سفیان ثوریؒ اور کئی ائمہ حدیث یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں اور ہم اس حدیث کو یحییٰ بن سعید کی روایت سے ہی جانتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث الباب میں مجاہد کی نیت پر ملنے والے ثواب کا ذکر ہے کہ جس شخص کی نیت جیسی ہوگی اسی کے مطابق اسکو اعمال نامہ ملے گا جو شخص اسلئے لڑا کہ اسے بہادر کہا جائے سوا سے بہادر کہا گیا اس کیلئے جنت میں حصہ نہیں اور جو شخص دکھاوے کیلئے لڑا یا اس نے حمیت یعنی عصبیت کیلئے جہاد کیا یعنی اپنے لوگوں کو یا ہم مذہب یا ہم مسلک لوگوں کی حمایت کے جذبہ سے جہاد کیا تو اس کو ثواب نہ ملے گا۔ ہاں وہ مجاہد جس نے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے جہاد کیا اس کو شہادت نصیب ہوئی تو وہ اصل شہید ہے۔

انما الاعمال بالنیات و انما لامرئ مانوی: اس حدیث کو حدیث منبر بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے منبر پر بیان کیا تھا (کمافی البخاری)۔ اور اس حدیث کو حدیث نیت بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں نیت کا بیان ہے۔

حدیث کا شان ورود: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ابوطلحہ نے ام قیس نامی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تو اس عورت نے نکاح کیلئے ہجرت کو شرط قرار دے دیا وہ شخص ہجرت کر کے اُم قیس کے پاس پہنچا اور نکاح کرلیا۔ اس واقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''انما الاعمال بالنیات الی آخرہ''۔ اس واقعہ کے بعد اس شخص کا نام مہاجر ام قیس مشہور ہوگیا۔

سوال: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا اس عورت نے شرط لگادی کہ ہجرت کرو تو تب نکاح کرلونگی، اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، ظاہر بات ہے کہ ہجرت ادنیٰ ہے اور اسلام اعلیٰ ہے جب ایسی ہجرت اللہ کے ہاں مقبول نہیں تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام کیسے مقبول ہوا۔ **جواب:** اسلام کا داعیہ پہلے پیدا ہو چکا تھا لہٰذا عورت سے نکاح کرنا اسلام کا داعیہ نہ بنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُدُوِّ وَالرَّوَاحِ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ أَوْ مَوْضِعُ يَدِهِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح وشام کو چلنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے اور ایک کمان یا ایک ہاتھ کے برابر جنت کی جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے بہتر ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں آجائے تو آسمان و زمین کے درمیان پوری کائنات روشن اور خوشبو سے بھر جائے۔ یہاں تک کہ اس کے سر کی اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا (یعنی جو کچھ دنیا میں ہے) سے بہتر ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْعَطَّافُ بْنُ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيُّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَمَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک صبح چلنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابوایوب اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

ہم سے روایت کی ابوسعید اشج نے انہوں نے ابوخالد احمر سے انہوں نے ابن عجلان سے انہوں نے ابی حازم سے

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَجَّاجُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو حَازِمٍ الَّذِي رَوٰى الَّذِي رَوٰى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هُوَ الْكُوفِيُّ وَاسْمُهُ سَلْمَانُ وَهُوَ مَوْلٰى عَزَّةَ الْأَشْجَعِيَّةِ

انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام چلنا دنیا اور جو کچھ اس (دنیا) میں ہے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابو حازم، عزہ اشجعیہ کے مولیٰ ہیں ان کا نام سلیمان ہے اور یہ کوفی ہیں۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذُبَابٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٌ فَأَعْجَبَتْهُ لِطِيبِهَا فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِي هٰذَا الشِّعْبِ وَلَنْ أَفْعَلَ حَتّٰى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ مُقَامَ أَحَدِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ سَبْعِينَ عَامًا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اغْزُوا فِي سَبِيلِ اللهِ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کا ایک گھاٹی پر گزر ہوا اس میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ یہ جگہ انہیں بے حد پسند آئی اور تمنا کی کہ کاش میں لوگوں سے جدا ہو کر اس گھاٹی میں رہتا۔ لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر کبھی ایسا نہیں کرونگا۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرنا اس لئے کہ تم میں سے کسی کا ایک مرتبہ جہاد کے لئے کھڑے ہونا اس کے اپنے گھر میں ستر سال تک نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی بخشش فرمائیں اور تمہیں جنت میں داخل کریں۔ لہٰذا تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ جس نے، فَوَاقَ نَاقَة (یعنی اونٹنی کے دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان کا وقفہ) کے برابر بھی جہاد کیا اس پر جنت واجب ہوگئی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: **و لقاب قوس احدکم** : یہاں راوی کو شک ہے کہ قاب قوس فرمایا یا موضع یدہ فرمایا۔ دونوں سے مراد مقدار ہی ہے چونکہ عرب میں انہی کے ذریعے سے پیمائش کی جاتی ہے اس لئے اس کا ذکر کیا۔

اسی طرح زمانہ قدیم میں کوئی مسافر جہاں پڑاؤ کرتا تو اپنا کوڑا یا کمان پھینکتا تو وہ اس کی جگہ سمجھی جاتی تھی اس پر دوسرا مسافر قبضہ نہیں کرسکتا تھا۔ نیز حدیث الباب میں کمان اور کوڑے کی جگہ سے مراد اتنی مختصر سی جگہ ہے جس پر وہ بستر وغیرہ لگا لے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ

حضرت ابن عباس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں

الْأَشَجِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَتْلُوهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ يُؤَدِّي حَقَّ اللهِ فِيهَا أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللهِ وَلَا يُعْطِي بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَيُرْوَى هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بہترین آدمی کے متعلق نہ بتاؤں بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑتا ہے۔اور کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اس کے بعد کونسا آدمی افضل ہے۔وہ شخص جو اپنی بکریاں لے کر مخلوق سے جدا ہو گیا لیکن اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے اور کیا میں تمہیں بدترین شخص کے متعلق نہ بتاؤں۔بدترین شخص وہ ہے جو اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے اور اسے نہیں دیا جاتا۔یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اور کئی سندوں سے حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے مرفوعاً منقول ہے۔

تشریح: رجل ممسك بعنان: آپ ﷺ نے دو شخص خیر الناس بتلائے ہیں ان میں سے ایک وہ شخص جو گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے اللہ کے راستے میں جاتا ہے اور جہاد کرتا ہے گویا اس نے خود کو بھی جہاد کے لئے پیش کیا اور گھوڑے کو بھی یہ لوگوں میں سے بہترین شخص ہے۔

رجل معتزل فی غنیمة له یؤدی حق اللہ فیها: دوسرا شخص جو فتنوں کے زمانے میں اپنی بکریوں کے ریوڑ کو لے کر جنگل کی طرف چلا گیا اور وہیں اللہ کی عبادت کی اور اس ریوڑ سے بکریوں کی زکوۃ بھی ادا کی تو یہ بھی خیر الناس (لوگوں میں سے بہترین شخص) ہے۔

الا اخبرکم بشر الناس رجل یسأل باللہ ولا یعطی به: لوگوں میں سے بدترین شخص وہ ہے جس سے اللہ کا نام لے کر سوال کیا جائے اور وہ اس کو عطا نہ کرے اللہ کے نام دے کر جو مانگے اسے دے دینا چاہیے کیونکہ اللہ کے نام کی عظمت اسی میں ہے لیکن وہ لوگ جو پیشہ ور ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ کے نام پر ان کا مانگنا ان کا تکیہ کلام ہے۔جیسا کہ سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔لیکن پیشہ ور لوگوں کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے کیونکہ ان کا سلام، سلام نہیں بلکہ سوال ہے جیسا کہ فتاوی شامی میں اس مسئلہ کی صراحت مذکور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ مَالِكِ بْنِ يُخَامِرَ السَّكْسَكِيِّ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ

احمد بن منیع، روح بن عبادہ، ابن جریج، سیمان بن موسیٰ، مالک بن یخامر سکسکی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے سچے دل کے ساتھ

سَأَلَ اللهَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِهِ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهِ أَعْطَاهُ اللهُ أَجْرَ الشَّهِيدِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شُرَيْحٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ مِنْ قَلْبِهِ صَادِقًا بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ مِنْ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ هٰذَا لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شُرَيْحٍ وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شُرَيْحٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شُرَيْحٍ يُكْنٰى أَبَا شُرَيْحٍ وَهُوَ إِسْكَنْدَرَانِيٌّ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.

شہادت کا سوال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے شہید کا اجر وثواب عطاء فرماتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ہم سے روایت کی محمد بن سہل بن عسکر نے انہوں نے قاسم بن کثیر سے انہوں نے عبدالرحمن بن شریح سے، حضرت سہل بن حنیفؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے درجے تک پہنچا دے گا۔ اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عبدالرحمن بن شریح کی روایت سے جانتے ہیں۔ عبداللہ بن صالح بھی یہ حدیث عبدالرحمن بن شریح سے نقل کرتے ہیں۔ عبدالرحمن بن شریح کی کنیت ابوشریح ہے اور یہ اسکندرانی ہیں۔ اس باب میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: جو شخص سچے دل سے شہادت کی موت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کی موت سے سرفراز فرمائیں گے۔ سچی شہادت کون طلب کررہا ہے اور کون نہیں؟ اس کے بارے میں اللہ رب العزت کو خوب معلوم ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو بہت بے چین ہوئے لوگوں نے بے چینی کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ میرے جسم میں کوئی حصہ ایسا نہیں جس میں شہادت کی تمنا میں زخم نہ کھائے ہوں اور میرے بدن پر کوئی جگہ خالی نہیں جہاں جہاد میں زخم نہ لگا ہو لیکن پھر بھی میں آج چارپائی پر مر رہا ہوں۔ ایسی تمنا تو شہادت کی تمنا ہے اور ایسے تمنا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور شہیدوں کے درجات میں رکھے گا۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے نہ جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال گزرا تو وہ نفاق کی موت مرا۔

صادقا: ''ای باخلاص''۔ **وان مات علی فراشه:** ''ای ولو مات غیر شهید فهو فی حکم الشهداء وله ثوابهم''۔ الحاصل جس نے اخلاص کے ساتھ اللہ سے شہادت کی موت طلب کی اور جہاد کی تیاری بھی کی اگرچہ وہ بستر پر ہی وفات پا جائے پھر بھی وہ شہداء کے حکم میں ہوگا اور اس کیلئے شہادت کا ثواب لکھا جاتا ہے اعمال کا مدار نیت پر ہونے کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُجَاهِدِ وَالنَّاكِحِ وَالْمُكَاتَبِ وَعَوْنِ اللّٰهِ إِيَّاهُمْ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمُ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کی معاونت اپنے ذمے لی ہے۔ایک مجاہد فی سبیل اللہ دوسرا مکاتب جو ادائیگی مال کا ارادہ رکھتا ہو۔اور تیسرا وہ نکاح کرنے والا جو پرہیز گاری کی نیت سے نکاح کرے۔یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ مَالِكِ بْنِ يُخَامِرَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَإِنَّهَا تَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيحُهَا كَالْمِسْكِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، روح بن عبادہ، ابن جریج، سلیمان بن موسیٰ، مالک بن یخامر، حضرت معاذ جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے اونٹنی کے دو مرتبہ دودھ دینے کے درمیان جتنا وقت جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہے اور جس شخص کو جہاد کے دوران ایک زخم یا کوئی چوٹ بھی لگ گئی وہ آدمی قیامت کے دن بڑے سے بڑا زخم لے کر آئے گا۔اس کا رنگ زعفران کی طرح اور خوشبو مشک جیسی ہوگی۔یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: حق علی الله عونهم: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان تین آدمیوں کی غیب سے مدد کرتا ہے اور جو کوئی ان تین آدمیوں کی مدد کرے اللہ پاک اُن سے بہت ہی راضی ہوتا ہے کہ ان کی مدد سنت الٰہیہ ہے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ اللہ پر لازم ہے حالانکہ یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے کہ "انفع للعبد" اللہ پر واجب ہے جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب نہیں ہے کیونکہ موجب کا اعلیٰ ہونا ضروری ہے جبکہ اللہ سے اعلیٰ تو کوئی بھی نہیں ہے؟

جواب: وجوب کی دو قسمیں ہیں ① وجوب تفضلی ② وجوب استحقاقی۔اللہ نے جو اپنے اوپر لازم کیا ہے یہ وجوب تفضلی ہے استحقاقی نہیں یہ اللہ کا کرم ہے کہ اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور امور ثلثہ انسان پر شاق گزرتے ہیں اگر ان تین کاموں میں اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو کوئی بھی شخص ان تین امور پر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔اسی طرح عفت و پاکدامنی اختیار کرنا مشکل ہے کیونکہ اپنی عفت اور پاکدامنی کے حصول کیلئے انسان کو اپنی شہوت جو اس کی فطرت میں موجود ہے کا قلع قمع کرنا پڑتا ہے اور انسان کی فطرت میں شہوت بہیمیہ ہے

جس کی وجہ سے انسان برے کاموں میں مبتلا ہو کر اعلیٰ علیین کی بجائے اسفل السافلین میں جا پڑتا ہے ہاں اگر اللہ کی مدد شامل حال ہو تو پھر اعمال خیر ہی صادر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ انسان اعلیٰ علیین کے مرتبہ کی طرف ترقی کرتا ہے۔ (مرقاۃ ج ٦ ص ١٩٢)

فواق ناقة: ''ما بين الجلستين فى الفائق ہو فى الاصل رجوع اللبن الى الضرع بعد الحلب وسمى فواقا'' اس میں دو احتمال ہیں۔ ① فواق اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان کا وقفہ ہوتا ہے کہ جب پہلی بار دودھ نکالتے وقت دودھ ختم ہو جاتا ہے تو اونٹنی کے بچہ کو چھوڑ دیتے ہیں تو اونٹنی اس بچہ کی خاطر دودھ اتار دیتی ہے پھر اس بچہ کو ہٹا کر دوبارہ دودھ دوہتے ہیں اب اس بچے کے دودھ پینے کے مختصر وقفے کو فواق کہا جاتا ہے۔ ② دوسرا احتمال یہ ہے کہ صبح سے عشاء کا درمیانی وقت مراد ہو کیونکہ انہی اوقات کے درمیان دودھ دوہا جاتا ہے۔ حدیث مذکورہ میں فواق سے مراد مختصر وقت ہے کہ اتنے مختصر وقت میں بھی جو شخص جہاد میں شامل ہو اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔

ومن جرح جرحا فى سبيل الله او نكب نكبة: جرح اور نکبہ کے فرق میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ عند البعض جرح اور نکبہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اور عند البعض جرح وہ زخم ہے جو کفار کی جانب سے غازی کو پہنچے اور نکبہ وہ زخم ہے جو گھوڑے وغیرہ یا کسی اور وجہ سے لگا ہو یا بعض نے کہا نکبہ اس زخم کو کہتے ہیں جو پتھر وغیرہ سے لگا ہو۔ (التعلیق الصبیح ج ٤ ص ٣١٤)

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، سہیل بن ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں میں سے زخمی ہونے والوں کو خوب جانتا ہے اور کوئی زخمی مجاہد ایسا نہیں کہ قیامت کے دن خون کے رنگ اور مشک کی سی خوشبو کے ساتھ حاضر نہ ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

تشریح: قیامت کے دن جب شہید حاضر ہوگا تو اپنے زخموں کے ہرے ہونے کے ساتھ حاضر ہوگا اور اس کے زخموں سے نکلنے والے خون کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔ رہی یہ بات کہ خون کی خوشبو مشک جیسی کیسے ہوگی اور زخموں کے ساتھ شہید کیوں اٹھایا جائے گا اس بات کو سمجھنے کے لئے تین باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

اوّل: ایک ہے عمل اور دوسرا اس پر مرتب ہونے والا الحکم یعنی جزاء دونوں ملی جلی ہیں یعنی ایک کا سمجھنا موقوف ہے دوسرے کے سمجھنے پر

جیسے ابوت (باپ ہونا) کا سمجھنا موقوف ہے بنوت (بیٹا ہونا) پر۔ اس سے عمل میں جزاء کی شان بھی پیدا ہو جائیگی اور اس جزاء میں عمل کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ملازم پورا مہینہ کام کرتا ہے تنخواہ کے بل بوتے پر۔ یعنی وہ ملازم مہینہ بھر جو کام میں حاضری دیتا ہے وہ تنخواہ کی امید پر دیتا ہے اسی طرح شہید کی شہادت میں بھی اس کی جزاء سامنے ہوتی ہے تو وہ اللہ کے راستے میں لڑکر شہید ہو جاتا ہے۔

ثانی: بسا اوقات انسان کے اعمال اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اور وہ انہی اعمال کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے جن اعمال پر وہ مرتا ہے اور شہید کی شہادت اسی کے ساتھ وابستہ ہے لہٰذا وہ قیامت کے دن اسی صورت میں اٹھایا جائے گا۔

ثالث: آخرت میں جو جزاء و بدل دیا جاتا ہے وہ عمل کے قریب قریب ہوتا ہے جیسا کہ قربانی کے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا بدلہ آخرت میں ویسا ہی ملے گا جیسا جانور اس نے قربان کیا۔

ان تین باتوں کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھیں کہ شہید اپنے زخموں کے ساتھ اس لئے لایا جائے گا تا کہ اس کی مظلومیت ظاہر ہو جائے اور لوگ دیکھیں کہ اس کے جسم پر خون آ رہا ہے بتلایا جائے گا کہ اللہ کے راستے میں خالص نیت سے جہاد کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا تھا پھر اس کے خون سے مشک کی خوشبو بھی جاری کی جائے گی تو یہ اعمال اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور اسی کے مطابق شہید کو قیامت کے دن اجر دیا جائے گا۔

اللون الدم: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ زخمی مجاہد کے اس طرح آنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے اللہ کی راہ میں اطاعت اور خالص نیت سے اپنی جان کو قربان کیا ہے۔

والريح ريح المسك: مجاہد کے زخم سے بہنے والے خون کی مہک سے اہل محشر تعجب کریں گے اور اس زخمی مجاہد کا احترام کریں گے جب زخمی مجاہد کا یہ حال ہے تو اللہ پاک کے راستے میں شہید ہونے والے کا کیا حال ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ أَوْ أَيُّ الْأَعْمَالِ خَيْرٌ قَالَ إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ أَيُّ شَيْءٍ قَالَ الْجِهَادُ سَنَامُ الْعَمَلِ قِيلَ ثُمَّ أَيُّ شَيْءٍ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے یا کونسا عمل بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا پھر کونسا عمل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد عمل کی کوہان ہے (یعنی افضل ترین ہے) عرض کیا گیا اس کے بعد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مقبول۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سندوں سے بواسطہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ماقبل کتاب الحج میں گزر چکی ہے اور ای الاعمال افضل کے متعلق سوالات وجواب بھی مشہور ہیں ان کی تفصیل بھی گزر چکی ہے۔

بَابٌ (بِلا ترجمه)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ رَثُّ الْهَيْئَةِ أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ وَكَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَضَرَبَ بِهِ حَتّٰى قُتِلَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ سُلَيْمَانَ وَأَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حَبِيبٍ وَأَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي مُوسَى قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ هُوَ اسْمُهُ

قتیبہ، جعفر بن سلیمان ضبعی، ابی عمران جونی، حضرت ابوبکر بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص جو مفلوک الحال تھا کہنے لگا کیا آپ نے خود یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں راوی کہتے ہیں پھر وہ شخص اپنے دوستوں میں واپس گیا اور کہا میں تمہیں سلام کرتا ہوں پھر اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کافروں کو قتل کرنے لگا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف جعفر بن سلیمان کی روایت سے جانتے ہیں۔ ابوعمران جونی کا نام عبدالملک بن حبیب ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام ابوبکر بن ابی موسیٰ ہے۔

تشریح: ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف: "یعنی کون المجاهد فی القتال بحیث یعلوہ سیوف الاعداء سبب الجنة" یعنی میدان جنگ میں مجاہدین کا اس طرح ہونا کہ کفار کی تلواریں ان پر اٹھی ہوئی ہوں اس کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور یہ حالت گویا اس بات کی علامت ہے کہ جنت کے دروازے اس مجاہد وغازی کے ساتھ ہیں کہ ادھر اس نے کفار کی تلواروں کے ذریعے جام شہادت نوش کیا اور ادھر جنت میں داخل ہوا یا پھر دوسرا مطلب یہ ہے کہ مجاہد جب کسی کافر کے سر پر مارنے کیلئے تلوار اٹھاتا ہے وجونہی تلوار کا سایہ کافر پر پڑتا ہے تو اس تلوار کے نیچے جنت ہوتی ہے کیونکہ کافر کو مارنا موجب جنت ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۲۳)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ جہاد اور معرکہ میں حاضر ہونا جنت کا راستہ ہے اور جنت میں دخول کا سبب ہے اگر مبالغۃً یہ بات کہہ دی جائے کہ جو شخص جہاد میں ہے گویا وہ جنت میں ہے تو یہ درست ہے۔ (کمافی المرقاۃ)

ابو عمران الجونی: سند میں موجود ابو عمران الجونی کا نام عبدالملک بن حبیب ہے۔ ابوبکر بن ابی موسیٰ کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان کا نام ہے کنیت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ قَالَ رَجُلٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالُوا ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا شخص افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ عرض کیا گیا پھر کون۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مومن جو گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہوا اپنے رب سے ڈرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

حضرت مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کیلئے چھ انعامات ہیں۔ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ عذاب قبر سے محفوظ اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کر دیا جاتا ہے۔ اسکے سر پر ایسے یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے۔ اور اس کی بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے شادی کر دی جاتی ہے اور ستر رشتہ داروں کے معاملہ میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، حضرت انس بن مالکؓ

حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا غَيْرُ الشَّهِيدِ فَإِنَّهُ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا يَقُولُ حَتَّى أُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ فِي سَبِيلِ اللهِ مِمَّا يَرَى مِمَّا أَعْطَاهُ مِنَ الْكَرَامَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی جنتی دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کریگا۔ البتہ شہید ضرور اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے وہ کہے گا کہ میں اللہ کی راہ میں دس مرتبہ قتل کیا جاؤں اور اسکی وجہ وہ انعام واکرام ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ

بیان کیا محمد بن بشار نے، بیان کیا محمد بن جعفر نے، بیان کیا شعبہ نے قتادہ سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کرتے ہیں

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي النَّضْرِ حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ لَغَدْوَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن (اسلامی سرحدات کی) نگرانی کرنا دنیا اور اس کی تمام آرائشوں سے بہتر ہے پھر ایک صبح یا ایک شام اللہ کی راہ میں چلنا بھی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ بھی دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: فی اول دفعة: بعض نسخوں میں "دفقة" کا لفظ ہے لیکن "دفعة" ہی صحیح ہے یعنی انکی بخشش پہلی ہی دفعہ ہوجائیگی۔

یامن من الفزع الاکبر: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے "لایحزنهم الفزع الاکبر" (الانبیاء:۱۰۳) اور اس سے کیا مراد ہے ① عند البعض آگ کا عذاب ہے ② عند البعض آگ پر پیش کرنا مراد ہے ③ عند البعض وہ وقت ہے جب جہنمیوں کو دوزخ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا ④ عند البعض یہ موت کے ذبح ہونے کا وقت ہے کہ جب موت کو ذبح کیا جائے گا تو کفار مایوس ہوجائیں گے کہ ہم اب آگ سے موت کے ذریعے کس طرح چھٹکارا حاصل کرسکیں گے ⑤ عند البعض یہ وہ وقت ہے جب ان کے اوپر آگ کو بھڑکایا جائے گا ⑥ عند البعض اس سے نفخہ ثانیہ مراد ہے "کمافی قوله تعالیٰ یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله"۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۱۸)

عشر مرات: اس سے مراد کوئی عدد متعین نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ **کرامت:** اس سے مراد شہادت ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابن ابی عمر، سفیان، محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ حضرت سلمان

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ مَرَّ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ بِشُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ وَهُوَ فِي مُرَابِطٍ لَهُ وَقَدْ شُقَّ عَلَيْهِ وَعَلَى أَصْحَابِهِ قَالَ أَلَا أُحَدِّثُكَ يَا ابْنَ السِّمْطِ بِحَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ أَفْضَلُ وَرُبَّمَا قَالَ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَمَنْ مَاتَ فِيهِ وُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَنُمِيَ لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

فارسیؓ شرحبیل کے پاس سے گزرے وہ اپنے مرابط میں تھے جس میں رہنا ان پر اور انکے ساتھیوں پر شاق گزر رہا تھا۔ سلمانؓ نے فرمایا اے ابن سمط کیا میں تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں جسے میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا ایک مہینے کے روزے رکھنے اور قیام کرنے سے افضل (یا فرمایا) بہتر ہے اور جو آدمی اس دوران فوت ہو جائے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: و من مات فیه وقی فتنة القبر: اس فتنہ سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں ① عذاب قبر کا فتنہ اور آزمائش مراد ہے ② اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو میت سے سوال کرتے ہیں اور پھر اس کو عذاب یا راحت دیتے ہیں ③ اس سے دجال کا فتنہ مراد ہے کہ دجال مردوں کو زندہ کریگا لیکن مذکورہ چوکیدار اسکے فتنہ سے محفوظ رہے گا ④ شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ رہے گا دنیا میں ہو یا قریب الموت ⑤ بعض حضرات نے کہا کہ اولی یہی ہے کہ قبر اور دوزخ کے تمام احوال اور قیامت کے احوال مراد ہوں کہ قبر کے تمام فتنوں اور دوزخ کی تمام سختیوں اور قیامت کے دن کی سخت آزمائشوں سے مرابط بچا لیا جائے گا۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۷۰)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ رَافِعٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللهَ بِغَيْرِ أَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللهَ وَفِيهِ ثُلْمَةٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ مُسْلِمٍ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ رَافِعٍ وَإِسْمَعِيلُ بْنُ رَافِعٍ قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ و سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ هُوَ ثِقَةٌ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ سَلْمَانَ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ مُحَمَّدُ

علی بن حجر، ولید بن مسلم، اسماعیل بن رافع، ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے جہاد کے اثر کے بغیر ملاقات کرے گا تو گویا کہ وہ اپنے دین میں کمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ یہ حدیث مسلم کی اسماعیل بن رافع کی روایت سے غریب ہے۔ کیونکہ اسماعیل کو بعض محدثین ضعیف کہتے ہیں۔ میں (امام ترمذی رحمہ اللہ) نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ وہ ثقہ ہے اور مقارب الحدیث ہے۔ (یعنی اسماعیل بن رافع) یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ حدیث سلمان کی سند متصل نہیں کیونکہ محمد بن

بْنُ الْمُنْكَدِرِ لَمْ يُدْرِكْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيَّ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسٰى عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ عَنْ سَلْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

منکدر نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔ ابوموسیٰ بھی یہ حدیث مکحول سے وہ شرحبیل بن سمط سے وہ سلمان سے اور وہ نبی علیہ السلام سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ مَوْلٰى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ سَمِعْتُ عُثْمَانَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ إِنِّي كَتَمْتُكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاهِيَةَ تَفَرُّقِكُمْ عَنِّي ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ أُحَدِّثَكُمُوهُ لِيَخْتَارَ امْرُؤٌ لِنَفْسِهِ مَا بَدَا لَهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ أَبُو صَالِحٍ مَوْلٰى عُثْمَانَ اسْمُهُ تُرْكَانُ

حسن بن علی خلال، ھشام بن عبدالملک، لیث بن سعد، ابو عقیل زھرہ بن معبد، حضرت عثمان کے مولیٰ ابوصالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے تم لوگوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث چھپائی ہوئی تھی تا کہ تم لوگ مجھ سے جدا نہ ہو جاؤ۔ پھر میں نے اس کا بیان کرنا مناسب سمجھا تا کہ ہر آدمی اپنے لئے جو مناسب سمجھے اس پر عمل کرے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن (اسلامی سرحدوں کی) حفاظت کرنا دوسرے ہزار دنوں سے بہتر ہے جو گھروں میں گزرے ہوں۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوصالح کا نام ترکان ہے۔

تشریح: **وفیه ثلمة:** ثاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ اس سے مراد وہ شخص ہے جس پر جہاد فرض ہو چکا ہو اور وہ اسباب جہاد کی تیاری شروع کئے بغیر مر جائے۔ حاصل حدیث یہ ہے کہ جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ اس کے جسم پر زخم کے نشانات میں سے کوئی نشان ہو تو وہ شہداء میں شامل ہوگا اور جس کے جسم پر نہ تو کوئی جہاد کی علامت ہو اور نہ کوئی زخم وغیرہ ہو اور نہ اسکے پاس مال خرچ کرنے کے بارے میں کوئی ثبوت ہو تو قیامت کے دن اللہ کے حضور اس حال میں اٹھایا جائیگا کہ اسکے دین میں نقصان ہوگا۔ اس حدیث کا تعلق جہاد فرض عین کیساتھ ہے کہ اس شخص پر جہاد فرض ہوا لیکن اس کو کسی طرح ادا نہیں کیا نہ مال کے اعتبار سے اور نہ اپنے آپ کو جہاد کیلئے پیش کیا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں جہاد سے مراد وہ لڑنا ہے جو کفار کے مقابلے میں ہو اور اسی طرح وہ لڑنا بھی مراد ہے جو نفس کے ساتھ ہو جس کو مجاہدہ کہتے ہیں کما فی الحدیث ''والمجاهد من جاهد نفسه''۔

هذا حديث غريب من حديث مسلم: کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس میں ایک راوی اسماعیل بن

رافع متکلم فیہ ہے۔ بعض حضرات نے اسکی تضعیف کی ہے اور بعض حضرات نے اسکی توثیق کی ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک یہ مقارب الحدیث ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ مقارب الحدیث الفاظ جرح میں سے ہے یا الفاظ تعدیل میں سے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ الفاظ تعدیل میں سے ہے۔ اس سے اوپر والی حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن المنکدر کا سماع سلمان فارسیؓ سے ثابت نہیں۔ البتہ یہ حدیث ایوب بن موسیٰ کی سند کے حوالے سے متصل ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَأَحْمَدُ بْنُ نَصْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَجِدُ الشَّهِيدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے احمد بن نصر نیساپوری سے انہوں نے صفوان بن عیسیٰ سے انہوں نے محمد بن عجلان سے انہوں قعقاع بن حکیم سے انہوں نے صالح سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شہید قتل کی صرف اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

تشریح: القرصة: قاف کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ۔ "وهو عض النملة الانسان" چیونٹی کے ڈسنے کے بقدر تکلیف کا محسوس ہونا۔ "وقيل اخذ الجلد بنحو ظفر" بعض نے کہا کہ شہید کو موت کے وقت اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ ناخنوں کے ساتھ جلد کو پکڑا جائے گویا یہ کنایہ ہے بہت کم تکلیف سے یا اس سے مراد ہے کہ شہید کو موت کے بعد حق تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کی وجہ سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان لذتوں کی بناء پر اس کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ قَطْرَةٌ مِنْ دُمُوعٍ فِي خَشْيَةِ اللهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهَرَاقُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حضرت ابوامامہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ ایک وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے آنسو بن کر نکلے اور دوسرا وہ خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہے۔ جہاں تک دو نشانوں کا تعلق ہے تو ایک وہ اثر جو جہاد میں چوٹ وغیرہ لگنے سے ہو اور دوسرا وہ اثر (یعنی نشان) جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوئی فرض ادا کرتے ہوئے ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: الحاصل جب مجاہد کو اللہ کے راستے میں کوئی زخم لگتا ہے اور اللہ کے راستے میں مجاہد کے قدم کے نشانات لگتے ہیں یا دین کی طلب کرنے میں کپڑوں یا جسم پر روشنائی کے داغ دھبے پڑ جائیں کہ علم دین کی راہ خدا ہی کی راہ ہے تو اسکا حکم بھی مجاہد کے

حکم کی طرح ہے۔

واثر فی فریضۃ من فرائض اللہ: ''کانشقاق الید والرجل من اثر الوضوء فی البرد وبقاء بلل الوضوء فی الحر واحتراق الجبہۃ من الرمضاء وخلوف فمہ فی الصوم واغبرار قدمہ فی الحج'' یعنی سردی میں وضو سے ہاتھ اور پاؤں کا پھٹ جانا، گرمی میں وضو کی تری کا باقی رکھنا اور گرمی میں گرم زمین پر سجدہ کرنا اور اس سجدہ کی وجہ سے اس کی پیشانی پر نشان پڑ جانا اور روزے دار کی منہ کی بو یہ بھی ناپسندیدہ ہے لیکن اس کو برداشت کرنا اور حج میں اپنے پاؤں کو غبار آلود رکھنا یہ تمام کام اللہ پاک کو بہت پیارے ہیں ان پر اللہ پاک مومن کو بہت اجر دیتے ہیں۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۹۹، التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۱۸)

اَبْوَابُ الْجِهَادِ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

جہاد کا لغوی معنی: یہ مصدر باب مفاعلہ کا ہے جہد سے لیا گیا ہے یہ جہد جیم کے پیش یا فتحہ سے ہے بمعنی مشقت اٹھانا یعنی کسی مقصد کے حصول کے لئے مشقت اٹھانا لغوی طور پر جہاد کہلاتا ہے۔

جہاد کی شرعی تعریف: شریعت کی اصطلاح میں جہاد کہا جاتا ہے کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا خواہ وہ طاقت جانی ہو یا مالی ہو یا تعاون عقلی ہو یعنی تدابیر وغیرہ سے ہو۔

جہاد کی فرضیت: جہاد کی فرضیت سن ۲ھ ۱۲ صفر المظفر کو ہوئی۔

جہاد کی قسمیں: جہاد کی اوّلاً دو اقسام ہیں۔ ① **جہاد اقدامی:** جب کفار کی قوت اور شان وشوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو دشمن پر ابتداءً زبردست حملہ کرنا۔ ② **جہاد دفاعی:** کفار مسلمانوں پر حملہ کردیں اور مسلمان اس کے دفاع میں نکلیں۔

اس کے علاوہ جہاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ ① **جہاد بالسیف:** اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفار کے خلاف تلوار (اسلحہ) کے ساتھ لڑنا۔

② **جہاد بالقلم:** یعنی کفار ومنافقین، اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ کریں اور اپنے کفریہ نظریات کی تشہیر کریں تو ان کے خلاف قلم کے ذریعے جہاد کرنا اور ان کے باطل دلائل کو قطعی دلائل کے ساتھ توڑنا۔

③ **جہاد باللسان:** یعنی ان کے کفریہ نظریات کی وعظ وتبلیغ کے ساتھ تردید کرنا اور جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

④ **جہاد بالمال:** اسلامی لشکر، مجاہدین کا مالی تعاون کرنا۔

جہاد کا حکم: اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **قول اوّل:** حضرت سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک جہاد فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔

قول ثانی: جمہور علماء کے نزدیک جہاد فرض ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''فاقتلوا المشركين حيث وجد تموهم ... الاية'' (التوبۃ:۵) اور دوسری آیت ہے ''وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله الله ... الاية'' (الانفال: ۳۹) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''يا ايها النبي جاهد الكفار والمنافقين ... الآية''۔ ایک اور آیت میں ہے كتب عليكم القتال وهو كره لكم۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فرض عین ہے۔

مسئلہ اختلافی: جہاد ہر وقت فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک جہاد ہر وقت فرض عین ہے۔ انکے دلائل وہ ساری آیات ہیں جو ابھی گزری ہیں۔

قول ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ کفار اپنے شہر میں رہیں اسلامی شہروں میں نہ آئیں تو اس وقت جہاد فرض کفایہ ہے اگر بعض مسلمانوں نے اداء کرلیا تو باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہوجائے گا اور اگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی جہاد نہ کیا تو سب گناہگار ہوں گے اور اگر کفار نے بلاد اسلامیہ پر حملہ کردیا اور اسلامی حکومت کی فوج کفار کا مقابلہ نہ کرسکے تعداد کم ہونے کی وجہ سے یا بزدلی کی وجہ سے اور نفیر عام کا اعلان ہوجائے تو پھر جہاد سب مسلمانوں پر فرض عین ہوجاتا ہے امام خواہ عادل ہو یا فاسق۔

سعید بن مسیبؒ کی مطلق آیات کا جواب: ان آیتوں کو مذکورہ آیت سے خاص کیا جائیگا حملہ کے وقت اور نفیر عام کے وقت کے ساتھ۔ جہاد کسی خاص زمانے تک مخصوص نہیں بلکہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا "الجهاد ماض الى يوم القيامة وفى رواية آخر الجهاد ماض مذ بعثنى الله تعالى الى ان يقاتل آخر هذه الامة الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل"۔

سوال: بعض معاندین اسلام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جہاد میں خونریزی، فتنہ وفساد ہے جس سے عالم میں بے رحمی اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جو انسانی ہمدردی کے خلاف ہے۔

جواب: اسلام میں تمام انسان فرد واحد کی حیثیت رکھتے ہیں اب اگر کسی ایک انسان کو بیماری لگ جائے تو وہ تمام انسانوں کی بیماری قرار دی جاتی ہے اسی طرح انسانی اعضاء میں سے کسی عضو کو بیماری لگ جانے پر اولاً اس کا علاج کیا جاتا ہے اگر علاج سے وہ عضو تندرست نہ ہوتا ہو تو پھر اس کو جسم سے علیحدہ کیا جاتا ہے اگر ماہر ڈاکٹر کے کہنے پر اسکے اس عضو کو جسم سے علیحدہ نہ کیا جائے تو وہ بیماری سارے جسم میں سرایت کرجاتی ہے اور اسکی موت کا اندیشہ ہوتا ہے تو اس پر تمام اہل دانش کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کے مذکورہ عضو کو کاٹ دیا جائے۔ تاکہ باقی جسم بیمار عضو کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ سکے تو کفر بھی ایسی لاعلاج بیماری ہے کفر کے غلبہ کی وجہ سے تمام نوع انسانی کفر میں مبتلا ہوسکتی ہے اسلئے اس کفر کی بیماری سے نوع انسانی کو بچانا ضروری ہے ورنہ نوع انسانی میں بدامنی، انتشار اور بے چینی پھیل سکتی ہے تو ان مصائب سے محفوظ رہنے اور امن اور سلامتی کیلئے ضروری ہے کہ اس بیمار عضو کو کاٹ دیا جائے اور کفر کا قلع قمع کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِأَهْلِ الْعُذْرِ فِي الْقُعُودِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ائْتُونِي بِالْكَتِفِ أَوِ اللَّوْحِ فَكَتَبَ (لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ) وَعَمْرُو

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شانے کی ہڈی یا تختی لاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آیت لکھی یعنی جہاد میں شریک نہ ہونے اور جہاد کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔ اس وقت عمرو بن ام مکتومؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا کیا میرے

بْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَقَالَ هَلْ لِي مِنْ رُخْصَةٍ فَنَزَلَتْ (غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ) وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ هَذَا الْحَدِيثَ .

لئے (عدم شرکت کی) اجازت ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی غیر اولی الضرر یعنی اہل عذر وغیرہ جن کے بدن میں کوئی نقص ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، جابر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث سلیمان تیمی کی ابو اسحاق سے نقل کی گئی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔ شعبہ اور ثوری بھی اسے ابو اسحاق سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: ائتونی بالکتف: شانے کی وہ ہڈی جو عرض میں وسیع ہوتی ہے یہ ہڈی عام ہے خواہ انسان کی ہڈی ہو یا جانور کی ہڈی ہو۔ حدیث الباب میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے شانے کی ہڈی لاؤ یا کوئی تختی لاؤ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت لکھوائی "لا یستوی القاعدون من المؤمنین" جب یہ آیت حضرت ابن اُم مکتوم ؓ نے سنی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ مجھ پر جہاد فرض ہے اس سوال کے جواب میں یہ ٹکڑا نازل ہوا "غیر اولی الضرر" یعنی جو عذر والے نہیں ہیں اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ معذور لوگ کون ہیں؟

بہر حال وہ لوگ جن کو عذر شرعی ہو وہ جہاد میں نہ جائیں تو ان کے لئے کوئی حرج نہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ان کے علاوہ جو لوگ بغیر کسی عذر کے جہاد کے لئے نہیں جاتے تو وہ گنہگار ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ خَرَجَ فِي الْغَزْوِ وَتَرَكَ أَبَوَيْهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ وَشُعْبَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَلَكَ وَالِدَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْعَبَّاسِ هُوَ الشَّاعِرُ الْأَعْمَى الْمَكِّيُّ وَاسْمُهُ السَّائِبُ بْنُ فَرُّوخَ

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت لینے کیلئے حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر ان کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو (یعنی انکی خدمت ہی تمہارے لئے جہاد ہے) اس باب میں حضرت ابن عباس ؓ سے حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو العباس نابینا شاعر ہیں اور مکی ہیں۔ ان کا نام سائب بن فروخ ہے۔

تشریح: جاء رجل: آنے والے شخص کا نام جاھمہ بن عباس بن مرداس ہے۔

مسئلہ: جہاد میں جانے کے لئے والدین سے اجازت لینے کا کیا حکم ہے؟

اس کی چند صورتیں ہیں۔ اگر جہاد فرض ہو اور جہاد کی فرضیت کا حکم اس وقت لاگو ہوگا جب دشمن حملہ آور ہو جائے تو دشمن سے

اپنا دفاع کرنا فرض عین ہو جاتا ہے اس وقت والدین سے اجازت ضروری نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عام حالات ہیں اور والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو اس صورت میں والدین سے اجازت ضروری ہے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے نکلنا درست نہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ حالات عام ہیں اور والدین بوڑھے نہیں وہ خدمت کے محتاج بھی نہیں اگر بیٹا جہاد کیلئے چلا جائے تو والدین کو کوئی حرج یا تکلیف نہیں پہنچے گی تو اس صورت میں جہاد کیلئے جانا درست ہے مگر اس صورت میں بھی اجازت لینا بہتر ہے۔

مسند احمد کی ایک روایت ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں جہاد کے شوق میں آپ کے پاس آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں اس لئے کہ وہ لوگ میرے جانے پر راضی نہیں تھے بلکہ رنجیدہ تھے اور رو رہے تھے۔ یہ بات بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ میں اتنی قربانی دے کر آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ارجع فاضحکهما کما ابکیتهما واپس جاؤ اور ان کو جا کر ہنساؤ جیسے تم نے ان کو رلایا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت اور ان کی اجازت بہت اہم چیز ہے۔ اور یہی حکم طلب علم، طلب معاش کا ہے کہ والدین کی اجازت سے طلب علم کے لئے جانا ہو اور ذریعہ معاش کے لئے دوسرے شہر میں جانا چاہتا ہے تو بھی والدین کی اجازت سے جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُبْعَثُ وَحْدَهُ سَرِيَّةً

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ فِي قَوْلِهِ (أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيُّ بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سَرِيَّةٍ أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ .

ابن جریج نے ارشاد ربانی (أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بطور لشکر بھیجا (یعنی وہ چھوٹا لشکر جو لشکر میں سے الگ کر کے بھیجا جائے) یہ حدیث یعلی بن مسلم، سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ہم اسے صرف ابن جریج کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں یہ حدیث مختصر ہے اس کا تفصیلی واقعہ بخاری شریف حدیث ۴۵۸۴ کے تحت مندرج ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مہم پر سریہ بھیجنا چاہتے تھے لیکن امیر کے انتخاب کے لئے کوئی نام موزوں نہیں آرہا تھا۔ آپ ﷺ نے چند افراد کو منتخب کر کے سریہ روانہ کر دیا اور ان کو ہدایت دی کہ فلاں راستہ پر روانہ ہو جاؤ میں پیچھے سے کسی کو امیر بنا کر روانہ کردوں گا۔ سریہ تو سفر پر چلا گیا آپ ﷺ نے پیچھے سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور ان کو تحریر لکھ کر دی کہ عبداللہ بن حذافہ

تمہارے امیر ہیں ان کا حکم مانو اور ان کی اطاعت کرو۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ قافلہ والوں سے ملے اور ان کو تحریر دکھائی تو انہوں نے ان کو امیر مان لیا اسی سریہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کسی بات پر ناراض ہو گئے اور انہوں نے آگ جلوائی اور حکم دیا کہ اس میں کود جاؤ لوگ اس بات میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگ گئے۔ بعض نے کہا کہ آگ سے بچنے کی وجہ سے ہی ہم مسلمان ہوئے تا کہ جہنم کی آگ سے بچ جائیں اور بعض نے کہا کہ امیر کی اطاعت کی جائے بہر حال بات لمبی ہوگئی اور آگ بجھ گئی ادھر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور معاملہ ختم ہو گیا جب یہ لشکر واپس آیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم امیر کی اطاعت کرتے اور آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ کیلئے آگ میں رہتے امیر کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے۔ معصیت کے کاموں میں امیر کی اطاعت ضروری نہیں۔ نیز باب کا نام امام ترمذیؒ نے سریة وحده ذکر کیا ہے حالانکہ سریہ ایک تو نہیں ہوتا بلکہ کئی افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ دراصل جب سریہ مدینہ سے آگے تک چلا گیا تھا تو پھر اس میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اکیلے گئے تھے اسلئے امام ترمذیؒ نے اس کو سریہ وحدہ ذکر کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ يَعْنِي وَحْدَهُ

احمد بن عبدہ ضبی بصری، سفیان بن عیینہ، عاصم بن محمد، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ تنہائی کے نقصان کے متعلق وہ کچھ جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو کبھی کوئی سوار رات کو اکیلا سفر نہ کرتا۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ عَاصِمٍ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَحَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ.

اسحاق بن موسیٰ انصاری، معن، مالک، عبدالرحمن بن حرملہ، حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار شیطان ہے، دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار سوار ہیں (یعنی لشکر ہیں) حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اس سند یعنی عاصم کی روایت سے جانتے ہیں۔ اور عاصم، عاصم بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر ہیں اور حدیث عبداللہ بن عمرؓ و حسن ہے۔

تشریح: لو يعلم الناس ما في الوحدة: ''اى من الضرر الدينى والدنيوى'' یعنی اس چیز سے دینی اور دنیاوی نقصانات مراد ہیں۔ دینی نقصان یہ ہے کہ نماز با جماعت سے محروم رہے گا اور دنیاوی نقصان یہ ہے کہ بیماری اور دکھ درد کے وقت یا کوئی ضرورت یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

ما سار راكب بليل يعني وحده: یہاں پر سوار اور رات کی قید اس لئے لگائی کہ سوار کو رات کے وقت پیدل چلنے والے کے مقابلے میں زیادہ خطرہ ہوتا ہے ایک تو اپنی جان کا خطرہ اور دوسرا اپنی سواری کے نقصان کا جبکہ پیدل چلنے والے کو صرف اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے۔

الراكب شيطان: ''لفوات الجماعة وتعسر المعيشة وعدم المعونة عندالحاجة وامكان المنية'' اکیلا سوار یا سفر کرنے والا شیطان ہے اس کی وجہ فوت الجماعۃ اور راستے کی تنگدستی ہے اور اگر بیمار ہو جائے تو مدد کرنے والا کوئی نہیں اور اکیلا مر جائے تو تکفین و تجہیز میں پریشانی ہوتی ہے اس لئے اکیلے کو شیطان کے ساتھ تشبیہ دی۔

والراكبان شيطانان: ''اى ربما مات الواحد او مرض واضطر الاخر بغير مساعد له'' دو ساتھی دو شیطان اسلئے ہیں کہ بالفرض والمحال اگر ان دو میں سے ایک بیمار ہو جائے یا مر جائے تو دوسرا ساتھی سخت مضطر و پریشان ہوگا کیونکہ کوئی اور اسکے ساتھ نہیں ہے جو اسکی مدد کرے اور یہ چیز شیطان کی خوشی کا باعث ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب دو ساتھی ہوں تو شیطان کو ان دونوں کو ورغلانے کا آسانی سے موقع ملتا ہے اس بات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کیساتھ بیان کرنے کیلئے ایک مسافر یا دو مسافروں کو شیطان فرمایا۔

الحاصل اگر دو سے زیادہ ہوں تو اس میں جماعت بھی بن جائے گی اور حدیث میں ہے ''يد الله على الجماعة''۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْكَذِبِ وَالْخَدِيعَةِ فِي الْحَرْبِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

احمد بن منیع، نصر بن علی، سفیان، عمرو بن دینار، حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ ایک دھوکہ ہے۔ اس باب میں حضرت علی، زید بن ثابت، عائشہ، ابن عباس، ابوہریرہ، اسماء بنت زید، کعب بن مالک اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: خدعة: اس حدیث میں چند لغات ہیں۔ جس کی طرف امام سیوطیؒ نے اشارہ کیا ① ''بفتح الخاء وسكون الدال'' ② ''بضم الخاء وفتح الدال'' ③ ''بضم الخاء وسكون الدال''۔ پہلی لغت کے

مطابق اس کا معنی یہ ہوگا کہ لڑائی ایک ہی فریب سے ختم ہو جاتی ہے اور دوسری لغت کی بناء پر اس کا معنی یہ ہوگا کہ جنگ بہت دھوکے میں ڈالنے والی ہے۔ اور تیسری لغت غیر مشہور ہے۔ ④ خَدَعَةٌ خا اور دال کے فتحہ کے ساتھ، مطلب اس کا یہ ہے کہ لڑائی مردوں کو دھوکہ دیتی ہے اور ان کو کامیاب ہونے کی تمنا دلاتی ہے لیکن پھر یہ وفا نہیں کرتی۔

ہر حال اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ زیادہ جنگ کر کے غالب آنے سے ان کے ساتھ مکر وفریب کر کے جنگ کرنا زیادہ نفع مند ہے اور کفار کے ساتھ جنگی چال کے پیش نظر مختلف تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ نقض عہد ونقض امان نہ ہو اور حضور ﷺ کی اکثر عادت یہ تھی کہ ایک علاقہ کی طرف جنگ کا ارادہ کرتے تو دوسرے علاقہ کی طرف توریہ فرماتے تھے تاکہ دشمن اس جانب سے غافل رہے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بہترین جہاد مخادعہ ہے کیونکہ آمنے سامنے جہاد کرنا خطرے سے خالی نہیں اور مخادعہ میں بغیر خطرے کے مقصود میں کامیابی ہو جاتی ہے۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۳۵۳)

جنگ میں مشرکین کو دھوکہ دینے والی چال کذب کے مشابہ ہوتی ہے۔ اسلئے امام ترمذیؒ نے باب میں لفظ کذب بڑھایا ہے۔

جنگ میں خدعہ کا حکم: اگر خدعہ عملی ہو تو جائز ہے اور اگر خدعہ قولی ہو تو جائز نہیں کیونکہ یہ نقض عہد ہے اور نقض عہد جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غَزَوَاتِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَمْ غَزَا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ وَأَبُو دَاوُدَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ فَقِيلَ لَهُ كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةٍ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ فَقُلْتُ كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ أَيَّتُهُنَّ كَانَ أَوَّلَ قَالَ ذَاتُ الْعُشَيْرَاءِ أَوِ الْعُسَيْرَاءِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، وہب بن جریر، ابوداود، شعبہ، حضرت ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں زید بن ارقمؓ کے ساتھ تھا کہ ان سے نبی اکرم ﷺ کے غزوات کی تعداد پوچھی گئی۔ انہوں نے فرمایا انیس غزوات میں نے عرض کیا آپ کتنے غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے فرمایا سترہ غزوات میں۔ میں نے پوچھا پہلی جنگ کونسی تھی۔ فرمایا ذات العشیر اء یا فرمایا ذات العسیر اء۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: کم غزا النبی ﷺ: آپ ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی؟

اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ حدیث الباب میں حضرت زید بن ارقمؓ کا قول ہے کہ کل غزوات انیس ہیں جبکہ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کے نزدیک غزوات کی تعداد ستائیس ہے جبکہ سعید بن المسیب نے غزوات کی تعداد چوبیس ذکر کی ہے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اکیس غزوات مذکور ہیں۔

جواب اوّل: ان روایات کی تطبیق بعض نے اس طرح دی ہے کہ جو غزوات قریب قریب تھے ان کو ایک شمار کر کے سب سے کم انیس ذکر کیے اور ان سب غزوات کو جدا جدا شمار کر کے ستائیس بنتے ہیں۔

جواب ثانی: وہ غزوات جو ایک سفر میں دو تین پیش آئے ان کو ایک شمار کیا تو کم بنے اگر علیحدہ علیحدہ شمار کیا تو زائد بنتے ہیں۔

جواب ثالث: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے اعتبار سے روایات میں بھی اختلاف آ گیا کہ جس صحابی نے جتنے غزوات میں شرکت کی اتنے غزوات کا ذکر کیا اور جن میں شرکت نہ کی ان کا ذکر نہیں کیا۔

جواب رابع: یہ بھی ممکن ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بعض غزوات کا علم ہوا اور بعض غزوات کا علم نہیں ہوا۔

جواب خامس: جس غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کرنی پڑی اس کو غزوہ شمار کیا گیا اور جس میں جنگ نہیں ہوئی ویسے ہی فتح حاصل ہوگئی اس کو غزوہ میں شمار نہیں کیا۔ یہ ساری توجیہات ہیں حتمی بات نہیں کہ واقعی ایسا ہی ہو۔

باقی رہی بات سرایا کی تو ابن سعد نے ۴۰ اور ابن عبدالبر نے ۳۵، واقدی نے ۴۸ اور ابن جوزیؒ نے ۵۶ تک کی تعداد ذکر کی ہے۔

وایتهن کان اوّل: سب سے پہلے غزوہ کونسا ہے اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔

حدیث الباب میں راوی نے شک کے ساتھ ذات العشيراء یا العسيراء ذکر کیا ہے۔ جبکہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ ابواء ہے پھر دوسرا غزوہ ابواط ہے تیسرا غزوہ عشیرہ ہے۔ یہی ترتیب امام بخاریؒ نے ذکر کی ہے اور اسی کو امام حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے۔

ذات العشيراء: عشیراء جگہ کا نام ہے قریش کا ایک تجارتی قافلہ آ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تعاقب کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو لے کر نکلے یہ تجارتی قافلہ مال لے کر شام جا رہا تھا لیکن وہ ہاتھ سے نکل گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّفِّ وَالتَّعْبِئَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَبَّأَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ سَمِعَ مِنْ عِكْرِمَةَ وَحِينَ رَأَيْتُهُ كَانَ حَسَنَ الرَّأْيِ فِي مُحَمَّدِ بْنِ حُمَيْدٍ الرَّازِيِّ ثُمَّ ضَعَّفَهُ بَعْدُ .

حضرت عبدالرحمٰن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر ہمیں رات ہی سے مناسب مقامات پر کھڑا کر دیا تھا۔ اس باب میں حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ میں (امام ترمذیؒ) نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے نہیں پہچانا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے عکرمہ سے احادیث سنی ہیں۔ میں (امام ترمذیؒ) امام بخاریؒ سے ملا تو وہ محمد بن حمید رازی کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ بعد میں انہوں نے اسے ضعیف قرار دیا۔

تشریح: عبی تعبیة: اس کا معنی ہے لشکر کو ترتیب دینا چونکہ جنگ کے دوران صفوں کی ترتیب وہی ماہر کمانڈر کر سکتا ہے

جو جہاد میں مہارت رکھتا ہو اور پھر صف بندی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ماہر کمانڈر صف بندی کرتا ہے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔صفوں کی ترتیب میں سب سے زیادہ مہارت نبی کریم ﷺ کو حاصل تھی یہ کمال کسی اور کو حاصل نہیں تھا جنگ بدر میں آپ ﷺ نے رات کو ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی اپنی جگہ بتلادی تھیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی صحابہ کرامؓ نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔

وفی الباب عن ابی ایوب: محمد بن حمید رازی جو امام ترمذیؒ کے استاد ہیں یہ ضعیف راوی ہیں۔امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں کو نہیں جانتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ الْقِتَالِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے لشکروں کے خلاف دعا مانگتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ) اے اللہ! کتاب کو اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے دشمن کے لشکر کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت منقول ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ قتال کے وقت دعا کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ احزاب والے دن دعا کی تھی جس کے الفاظ یہ تھے۔

اللّٰهم منزل الكتاب: اے اللہ کتاب کو نازل کرنے والے، کتاب سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔

سريع الحساب: اس کے دو معانی علامہ کرمانیؒ نے بیان کیے ہیں۔

اوّل: انه سريع حسابه و مجيئى وقته کہ اللہ تعالیٰ کا حساب اور اس کا وقت جلد آنے والا ہے۔

الثانی: انه سريع فى الحساب کہ وہ حساب و کتاب میں تیز ہیں اور جلد ہی گرفت کرتے ہیں۔

پہلے معنی کی صورت میں سریع، حسابٌ کی صفت ہوگی اور دوسرے معنی کی صورت میں حق تعالیٰ جل شانہ، کی صفت ہوگی۔

اللّٰهم اهزمهم وزلزلهم: اے اللہ! ان کو پارہ پارہ کردے اور ان کی جمعیت کو تتر بتر کردے تاکہ ان کو کہیں بھی سکون نہ ہو اور آپس میں ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں۔علامہ داؤدیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ان کی عقلیں زائل ہو جائیں اور دوران جنگ ان کے قدم ڈگمگا جائیں اور جمع ہو کر لڑائی نہ کر سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَلْوِيَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْوَلِيدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالُوا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَمَّارٍ يَعْنِي الدُّهْنِيَّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ آدَمَ عَنْ شَرِيكٍ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ آدَمَ عَنْ شَرِيكٍ وَ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَمَّارٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَالْحَدِيثُ هُوَ هٰذَا وَالدُّهْنُ بَطْنٌ مِنْ بَجِيلَةَ وَعَمَّارٌ الدُّهْنِيُّ هُوَ عَمَّارُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الدُّهْنِيُّ وَيُكْنٰى أَبَا مُعَاوِيَةَ وَهُوَ كُوفِيٌّ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

ابوکریب محمد بن عمر بن ولید کندی کوفی، محمد بن رافع، یحییٰ بن آدم، شریک، عمار، ابوزبیر، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف یحییٰ بن آدم کے واسطہ سے شریک کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ میں (امام ترمذی رحمہ اللہ) نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے صرف اسی روایت سے پہچانا۔ متعدد راوی شریک سے وہ عمار سے وہ ابوزبیر سے اور وہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر کالے رنگ کی پگڑی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا اصلی حدیث یہی ہے۔ دھن، قبیلہ بجیلہ کا ایک خاندان ہے۔ عمار دہنی سے عمار بن معاویہ دہنی مراد ہیں۔ ان کی کنیت ابومعاویہ ہے۔ یہ کوفی ہیں اور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔

تشریح: الالویۃ یہ جمع ہے لِواء کی اس کے معنی ہیں جھنڈیاں فوج میں الگ الگ ٹکڑے ہوتے ہیں اور اس الگ الگ ٹولیوں کی علیحدہ علیحدہ جھنڈیاں ہوتی ہیں فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر تھا اس لشکر میں کئی جماعتیں تھیں اور ہر جماعت کی سفید جھنڈی تھی اور آپ ﷺ کی جھنڈی بھی سفید تھی۔ لیکن لشکر کا کمانڈر جو ہوتا ہے وہ وسط لشکر میں ہوتا ہے اور اس کے پاس بڑا جھنڈا ہوتا ہے اسکا ذکر اگلے باب میں بھی آرہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّايَاتِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْقُوبَ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ مَوْلٰى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ

احمد بن منیع، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، ابو یعقوب ثقفی، حضرت یونس بن عبید جو محمد بن قاسم کے غلام ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن قاسم نے حضرت براء بن عازب کے پاس

قَالَ بَعَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَالْحَارِثِ بْنِ حَسَّانَ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ وَأَبُو يَعْقُوبَ الثَّقَفِيُّ اسْمُهُ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَرَوٰى عَنْهُ أَيْضًا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى

بھیجا تا کہ میں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں پوچھوں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا سیاہ رنگ کا اور چوکور تھا اس پر لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ اس باب میں حضرت علی، حارث بن حسان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف ابن ابی زائدہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ ابویعقوب ثقفی کا نام اسحاق بن ابراہیم ہے۔ عبیداللہ بن موسیٰ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحٰقَ هُوَ السَّالَحِانِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ لَاحِقَ بْنَ حُمَيْدٍ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ

محمد بن رافع، یحییٰ بن اسحاق، یزید بن حیات، ابا مجلز لاحق بن حمید، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا جب کہ چھوٹے جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔ یہ حدیث اس سند یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے غریب ہے۔

تشریح: سوداء: ابن الملک فرماتے ہیں کہ سوداء اسکو کہتے ہیں کہ جس پر کالا رنگ غالب ہو اس طور پر کہ جب دور سے دیکھا جائے تو اس میں خالص سواد نظر نہ آئے الحاصل آپ ﷺ کا ایک بڑا جھنڈا ہوتا تھا اور ایک چھوٹا۔ بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا اور چھوٹا سفید رنگ کا تھا۔

نمرۃ: اس کملی یا چادر کو کہتے ہیں جس میں سیاہ اور سفید دھاریاں ہوں ویسے لغت میں نمر مشہور درندہ یعنی چیتے کو کہتے ہیں اس لئے ایسے کپڑے کو ایسے چیتے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جسکی کھال پر سیاہ وسفید دھاریاں ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا جھنڈا بالکل سیاہ نہیں ہوتا تھا بلکہ سفید اور کالی دھاریاں ہوتی تھیں۔ لہٰذا روافض اس سے اپنے کالے جھنڈے پر استدلال نہیں کر سکتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشِّعَارِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ عَمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مہلب بن ابوصفرہ کسی ایسے شخص سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر رات کے وقت تم لوگوں پر حملہ کر دیا جائے تو تمہارا

يَقُولُ إِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَقُولُوا حم لَا يُنْصَرُونَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَهٰكَذَا رَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ مِثْلَ رِوَايَةِ الثَّوْرِيِّ وَرُوِيَ عَنْهُ عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

شعار یہ ہے حم لَا يُنْصَرُونَ اس باب میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی روایت منقول ہے۔ بعض حضرات نے ابواسحاق سے سفیان ثوری کی روایت کی طرح نقل کیا ہے البتہ بعض نے ان سے بواسطہ مہلب بن ابی صفرہ، نبی علیہ السلام سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

تشریح: فلیکن الشعار: ''وفی القاموس الشعار ککتاب علامة یعرف بها فی الحروب'' یعنی وہ نشانی جو جنگ کے اندر ایک دوسرے کو پہچاننے میں مدد دیتی ہے۔ الحاصل جب جنگ کا زمانہ ہوتا ہے تو حاکم یا امیر اپنی جماعت کے درمیان ایک کوڈ ورڈ تیار کرتا ہے تاکہ رات کو کوئی دشمن اگر ہمارے اندر گھس آئے تو پوچھنے پر پکڑا جائے جس کو عام اصطلاح میں نام شب یا جواب شب کہا جاتا ہے اسکی صورت یہ ہے کہ اچانک کوئی سامنے آ جائے تو اس سے نام شب پوچھا جاتا وہ کہتا ''حم'' اور جواب دینے والا سوال کرنے والے سے پوچھتا جواب شب سوال کرنے والا جواب میں کہتا ''لاینصرون'' سوال کرنے والا جواب سے یقین کرلے گا کہ واقعی میرا ساتھی ہے۔ اگر جواب نہ بتلا سکے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ اپنا ساتھی نہیں بلکہ کوئی جاسوس یا دشمن ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ فِي عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ الْكَاتِبِ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

محمد بن شجاع بغدادی، ابوعبیدہ حداد، عثمان بن سعد، حضرت ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جیسی بنائی ہے اور انہوں نے اپنی تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار جیسی بنائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار بنوحنیفہ کی تلواروں کی طرح کی تھی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ یحیی بن سعید قطان، عثمان بن سعد کاتب کو حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

تشریح: بنوحنیفہ عرب کا قبیلہ ہے جسمیں مسیلمہ کذاب رہتا تھا اس قبیلہ کی تلواریں مشہور تھیں۔ آپ ﷺ کی تلوار بھی اسی قبیلہ کی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَنْبَأَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا بَلَغَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ مَرَّ الظَّهْرَانِ فَآذَنَنَا بِلِقَاءِ الْعَدُوِّ فَأَمَرَنَا بِالْفِطْرِ فَأَفْطَرْنَا أَجْمَعِينَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

احمد بن محمد بن موسیٰ، عبداللہ بن مبارک، سعید بن عبدالعزیز، عطیہ بن قیس، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام مرظہران کے قریب پہنچے تو ہمیں دشمن کے ملنے کی خبر دی اور روزہ افطار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم سب نے افطار کیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس کی شرح ماقبل ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل اللہ کے تحت گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ عِنْدَ الْفَزَعِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ رَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْ فَزَعٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، ابوداؤد طیالسی، شعبہ، قتادہ، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جسے مندوب کہتے تھے۔ پھر فرمایا کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں تھی۔ ہم نے اسے دریا کے پانی کی طرح سبک رفتار پایا اس باب میں حضرت عمرو بن عاصؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَأَبُو دَاوُدَ قَالُوا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لَنَا يُقَالُ لَهُ مَنْدُوبٌ فَقَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ فَزَعٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، ابن ابی عدی، ابوداؤد، شعبہ، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں کچھ خطرہ پیدا ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا گھوڑا مندوب نامی عاریۃً لیا (اور دشمن کی طرف نکلے واپسی پر) فرمایا ہم نے کوئی خطرہ نہیں دیکھا اور ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: کان فزع بالمدینۃ: مدینہ میں دشمن کا خوف ہوا۔ ما رأینا سے مراد وہ چیز ہے جو گھبراہٹ میں ڈالے مطلق چیز کی نفی نہیں ہے یعنی گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔

و ان وجدناه لبحرًا: گھوڑے کے تیز دوڑنے میں دریا سے تشبیہ دی یعنی ہم نے اس گھوڑے کو نہ تھکنے والا دریا جیسا پایا

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بار دشمن کا خوف ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر بیٹھ کر مدینہ کے ارد گرد چکر لگایا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔

ان کے گھوڑے کا نام مندوب تھا اور حضرت ابوطلحہ کا نام زید بن سہل انصاری ہے یہ حضرت انسؓ کی والدہ کے خاوند تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَجُلٌ أَفْرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَارَةَ قَالَ لَا وَاللهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے کہا اے ابوعمارہ کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے فرار ہو گئے تھے۔ انہوں نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم صرف چند جلد باز لوگوں نے فرار کی راہ اختیار کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں اور جن لوگوں نے فرار کی راہ اختیار کی تھی ان سے ہوازن کے تیر اندازوں نے مقابلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما رہے تھے، میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔ اس باب میں حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ حُنَيْنٍ وَإِنَّ الْفِئَتَيْنِ لَمُوَلِّيَتَانِ وَمَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةُ رَجُلٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

محمد بن عمر بن علی مقدمی، سفیان بن حسین، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نے غزوہ حنین کے موقع پر اپنی دونوں جماعتوں کو فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سو (100) سے بھی کم آدمی باقی رہ گئے یہ حدیث عبیداللہ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ قَالَ وَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَيْلَةً سَمِعُوا صَوْتًا قَالَ فَتَلَقَّاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ فَقَالَ لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدْتُهُ بَحْرًا يَعْنِي الْفَرَسَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ ایک آواز سن کر خوف زدہ ہوئے۔ تحقیق کے لئے نکلے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار (واپس آتے ہوئے) ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار لٹکا رکھی تھی۔ فرمایا مت گھبراؤ، مت گھبراؤ۔ پھر فرمایا میں نے اس گھوڑے کو سمندر کے پانی کی طرح پایا ہے۔ (یعنی تیز رفتار) یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں امام ترمذیؒ ثبات عند القتال کو بیان کر رہے ہیں کہ غزوہ حنین میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب نبی کریم ﷺ کا بارہ ہزار کا لشکر وادی حنین میں پہنچا اور جنگ شروع ہوئی تو فوج کے میمنہ اور میسرہ میں ترتیب خراب ہوگئی اور ہوازن وثقیف کے تیر انداز کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے یکدم تیر برسانے شروع کردیے جس کی وجہ سے یہ دونوں میمنہ اور میسرہ میدان سے ہٹ گئے ان کی دیکھا دیکھی میں دوسرے بھی بھاگنے لگے۔ مگر نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھ چند جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان میں ڈٹے رہے اس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: انا النبی لا کذب ، انا ابن عبدالمطلب میں سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں عبدالمطلب کا حوالہ اس لئے دیا کہ مشہور یہ تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں بڑا آدمی پیدا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو آواز دیں کیونکہ آپ جہری الصوت تھے۔ دس میل تک ان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ جب ان کی آواز لوگوں کے کانوں میں پڑی تو یکدم لوٹ پڑے اور میدان جہاد میں ڈٹ گئے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازبؓ نے یہی فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ میدان میں ڈٹے رہے۔ اور جب میدان میں سے لوگ بھاگ جائیں اور سردار ڈٹا ہوا ہو تو اسے بھاگنا نہیں کہتے۔ اگرچہ وقتی طور پر لوگ منتشر ہوگئے تھے۔ بہر حال جب مسلمان مجتمع ہوئے تو کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور گرفتار کئے گئے۔

باقی مسلمانوں کو ابتداءً شکست اس وجہ سے ہوئی کہ بعض مسلمانوں کے دل میں یہ بات آ گئی تھی کہ اب تعداد زیادہ ہے ہم جیت جائیں گے اس وجہ سے ابتداءً تھوڑی آزمائش دی گئی کہ فتح کا دارومدار کثرت پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہے خود اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّيُوفِ وَحِلْيَتِهَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صُدْرَانَ أَبُو جَعْفَرٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا طَالِبُ بْنُ حُجَيْرٍ عَنْ هُودِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهِ مَزِيدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَجَدُّ هُودٍ اسْمُهُ مَزِيدَةُ الْعَصَرِيُّ

ھود بن عبداللہ بن سعد اپنے دادا مزیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے دن جو تلوار لے کر مکہ میں داخل ہوئے اس پر سونا چاندی چڑھا ہوا تھا، حدیث کے راوی طالب کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ پر تھی، انہوں نے کہا تلوار کا قبیعہ (دستہ) چاندی کا تھا اس باب میں حضرت انس ؓ سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ھود کے دادا کا نام مزیدہ العصری ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے وھب بن جریر بن حازم سے انہوں نے قتادہ سے، حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے قبضہ پر چاندی چڑھائی گئی تھی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بواسطہ ہمام اور قتادہ حضرت انس ؓ سے اسی طرح مروی ہے۔بعض نے بواسطہ قتادہ، حضرت سعید بن ابوالحسن سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی مٹھی چاندی سے بنی ہوئی تھی۔

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تلوار وغیرہ کو چاندی سے مزین کرنا جائز ہے البتہ ان میں سونے کا استعمال جائز نہیں ہے اسی طرح جنگ میں کام آنیوالی چھری یا خنجر کا بھی یہی حکم ہے کہ انکو چاندی سے مزین کر سکتے ہیں۔ الحاصل اس حدیث کو بنیاد بنا کر سونا کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

راوی کے حالات: یہ ہود، عبداللہ بن سعدان کے بیٹے اور عصری ہیں اپنے دادا مزیدہ اور سعید بن وہب سے روایت کی۔ یہ دونوں صحابی ہیں اور ہود سے طالب بن حجیر نے روایت کی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدِّرْعِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ

ابوسعید اشج، یونس بن بکیر، محمد بن اسحاق، یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، حضرت زبیر بن عوام رضی

اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعَانِ يَوْمَ أُحُدٍ فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَوْجَبَ طَلْحَةُ وَفِي الْبَاب عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَالسَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ.

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پتھر پر چڑھنے لگے تو نہ چڑھ سکے۔ پھر طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیچے بٹھایا اور اس طرح اس پتھر پر چڑھ کر سیدھے ہو گئے۔ راوی کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہؓ کیلئے اس عمل کی وجہ سے (شفاعت یا جنت) واجب ہو گئی۔ اس باب میں حضرت صفوان بن امیہ اور سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات منقول ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف محمد بن اسحاق کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: درع لغت میں زرہ کو کہتے ہیں اردو میں اس کو بکتر کہتے ہیں آج کل کے زمانے میں بکتر بند گاڑی مشہور ہے کہ اس پر کوئی گولی وغیرہ اثر نہیں کرتی۔ احد کے دن آپ ﷺ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور آپ ﷺ جب چٹان پر چڑھنے لگے تو زرہوں کے بھاری ہونے کی وجہ سے نہ چڑھ سکے۔ پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا پھر آپ ﷺ چٹان پر چڑھ گئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔

نیز آپ ﷺ کا دو زرہیں پہننا توکل کے منافی نہیں بلکہ یہ عین توکل ہے کیونکہ آپ ﷺ سے بڑا متوکل کون ہو سکتا ہے۔ اُحد کا معرکہ چونکہ بہت خطرناک تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ اس کی مزید تفصیل شمائل ترمذی میں آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِغْفَرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَقِيلَ لَهُ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ قَالَ اقْتُلُوهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُ كَبِيرَ أَحَدٍ رَوَاهُ غَيْرَ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود (ضرب وغیرہ سے بچنے کے لئے) تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ فرمایا اسے قتل کر دو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو مالک کی زہری سے روایت کے علاوہ کسی بڑے محدث کی روایت سے نہیں جانتے۔

تشریح: مغفر لوہے کی ٹوپی کو کہا جاتا ہے جسے آج کل کے دور میں ہیلمٹ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا۔ جب آپ ﷺ نے اپنے سر سے خود اتارا تو حضرت ابو برزہ اسلمیؓ تشریف لائے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ابن خطل کعبہ کے پردے پکڑے لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسکو وہیں مار ڈالو چنانچہ اس کو وہیں قتل کیا گیا۔ ابن خطل کو قتل کرنے والے کون سے صحابی رسول ہیں اس بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

① یہی صحابی رسول حضرت ابو برزہ اسلمیؓ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے ابن خطل کے بارے میں پوچھا۔

② ان پر دو صحابیوں نے حملہ کیا ایک سعید بن حریثؓ اور دوسرے عمار بن یاسرؓ نے سعیدؓ نوجوان تھے اس لئے سبقت لے گئے اور ابن خطل کو قتل کر دیا۔ ③ بعض حضرات نے کہا کہ ابن خطل کو حضرت زبیرؓ نے قتل کیا۔

بعض حضرات نے ان روایات میں یوں تطبیق دی کہ ہوسکتا ہے کہ سب نے ملکر قتل کیا ہو البتہ پہلا وار ابو برزہ اسلمیؓ نے کیا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْخَيْلِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْرُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَرِيرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَجَابِرٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعُرْوَةُ هُوَ ابْنُ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيُّ وَيُقَالُ هُوَ عُرْوَةُ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَفِقْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ الْجِهَادَ مَعَ كُلِّ إِمَامٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر (یعنی بھلائی) بندھی ہوئی ہے اور وہ اجر اور غنیمت ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابوسعید، جریر، اسماء بنت یزید، مغیرہ بن شعبہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور عروہ ابوجعد بارقی کے بیٹے ہیں۔ انہیں عروہ بن جعد بھی کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاد ہر ایک امام (عادل ہو یا غیر عادل) کے ساتھ قیامت تک باقی ہے۔

تشریح: اس باب کے متعلق کچھ شرح ماقبل ابواب فضائل الجهاد باب ماجاء فی فضل من ارتبط فرسا فی سبیل الله کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ بقیہ شرح یہاں ملاحظہ ہو۔

الخير معقود فی نواصی الخيل: یہاں گھوڑوں سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے ہوں اور ان پر سوار ہو کر قتال کیا جائے۔ **سوال:** اس حدیث میں گھوڑوں کی پیشانی میں خیر کا ذکر ہے۔ اور اگلے باب میں یمن الخیل فی الشقر کے الفاظ ہیں کہ بھورے رنگ کے گھوڑوں میں برکت ہے۔ جبکہ ایک روایت میں آتا ہے ان کان الشؤم ففی ثلاثة فی الفرس الحدیث تو ان روایات میں تعارض ہے۔

جواب اوّل: اس روایت میں نحوست سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو بطور فخر وریاء اور تکبر کے لئے رکھے ہوں۔

جواب ثانی: یا یہ بالفرض والتقدیر کی قبیل سے ہے کہ نحوست ہوتی تو ان تین اشیاء میں ہوتی لہٰذا جب ان تین میں نحوست نہیں تو سمجھو کہ نحوست نہیں ہے۔

الی یوم القیامة: اس سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ کسی بھی وقت یہ منقطع نہیں ہوگا۔

الاجر والمغنم: جہاد کے قیامت تک باقی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مال غنیمت اور جہاد کا اجر وثواب قیامت تک کے لئے باقی ہے اور اس کے حصول کے لئے جہاد لازمی ہوگا۔

سوال: یہاں حدیث میں مال غنیمت کو قیامت تک کے لئے جاری کیا گیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ جب آئے گا تو جزیہ ختم ہو جائیگا اور ہر طرف اسلام پھیل جائے گا تو پھر مال غنیمت کا حصول قیامت تک تو نہ رہا۔ **جواب: الی یوم القیامة** میں مضاف محذوف ہے ای الی قرب یوم القیامة قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْخَيْلِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ هُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ شَيْبَانَ

عبداللہ بن صباح الہاشمی البصری، یزید بن ہارون، عبدالرحمٰن، عیسیٰ بن علی بن عبداللہ عن ابیہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں میں سے سرخ رنگ کے گھوڑوں میں برکت ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف شیبان کی روایت سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ الْأَقْرَحُ الْأَرْثَمُ ثُمَّ الْأَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِينِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین گھوڑے وہ ہیں جو سیاہ رنگ کے ہیں جن کی پیشانی اور ناک کے قریب تھوڑی سی سفیدی ہو اور پھر وہ گھوڑے جن کے دونوں ہاتھ، پیر اور پیشانی سفید ہوں سوائے دائیں ہاتھ کے اور پھر اگر کالے رنگ کے نہ ہوں تو ان ہی صفات والا سیاہی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا ہو۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں وہب سے انہوں نے

حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

اپنے باپ سے انہوں نے یحییٰ بن ایوب سے انہوں یزید بن حبیب سے اسی روایت کی مثل اور اسی روایت کے ہم معنی یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

تشریح: الشقر: یہ اشقر کی جمع ہے اس کی تانیث شقراء اور اس کی جمع شقرٌ ہے جیسا کہ احمر کی تانیث حمراء اور اس کی جمع حمرٌ آتی ہے شقر سرخ اور سفید ملے ہوئے رنگوں کو کہا جاتا ہے۔

اشقر: ''الحمرة الصافية'' یعنی خالص اور صاف سرخ رنگ کا گھوڑا۔ کمیت اور اشقر میں فرق یہ ہے کہ کمیت کی دم اور گردن سیاہ ہوتی ہے اور اشقر کی سرخ۔ حدیث مبارک میں عمدہ قسم کے گھوڑوں کی ترتیب کا بیان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخَيْلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي سَلْمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَرِهَ الشِّكَالَ مِنَ الْخَيْلِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَثْعَمِيِّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوَهُ وَأَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ اسْمُهُ هَرِمٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ قَالَ قَالَ لِي إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ إِذَا حَدَّثْتَنِي فَحَدِّثْنِي عَنْ أَبِي زُرْعَةَ فَإِنَّهُ حَدَّثَنِي مَرَّةً بِحَدِيثٍ ثُمَّ سَأَلْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِسِنِينَ فَمَا خَرَمَ مِنْهُ حَرْفًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گھوڑے کو پسند نہیں کرتے تھے جس کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفیدی ہو یا دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر سفیدی ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ شعبہ یہ حدیث عبداللہ بن یزید خثعمی سے وہ ابوزرعہ سے اور وہ ابوہریرہؓ سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔ ابوزرعہ، عمرو بن جریر کے بیٹے ہیں اور ان کا نام ہرم ہے۔ محمد بن حمید رازی، جریر سے اور وہ عمارہ بن قعقاع سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ نے مجھ سے کہا کہ جب تم مجھ سے حدیث بیان کرو تو ابوزرعہؒ کی حدیث بیان کیا کرو۔ کیونکہ ان کا حافظہ اتنا قوی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے ایک حدیث سنی اور پھر کئی برس کے بعد دوبارہ پوچھی تو انہوں نے حرف بہ حرف سنا دی اور اس میں ایک حرف بھی کم نہ کیا۔

تشریح: كره الشكال من الخيل: کہ آپ ﷺ گھوڑے میں شکال کو ناپسند کرتے تھے۔ لغت میں شکال اس رسی کو کہا جاتا ہے جس سے چوپائے کے پیر باندھے جاتے ہیں۔

اشکال کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں: ① راوی نے خود اس کی تشریح بیان کردی کہ وہ گھوڑا جس کے ایک ہاتھ اور دوسری طرف کے

پاؤں پر سفیدی ہو ② صاحب قاموس اور اہل لغت کے نزدیک شکال کا مطلب یہ ہے کہ اس گھوڑے کے تین پاؤں سفید ہوں اور ایک پاؤں اور باقی بدن کا رنگ ایک جیسا ہو ③ دوسرے قول کی تفسیر کے برعکس یعنی ایک پاؤں سفید ہو اور تین پاؤں اور بدن کا رنگ ایک جیسا ہو ④ ایک پاؤں اور ایک ہاتھ خلاف جانب میں سفید ہوں کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں سفید ہو ⑤ ابو عمرو غیرہ نے کہا کہ شکال کہتے ہیں ایسا گھوڑا کہ جس کا دایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ سفید ہو ⑥ جسکا بایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ سفید ہو ⑦ بعض نے کہا کہ دونوں ہاتھ سفید ہوں ⑧ جسکے دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ سفید ہو ⑨ عند البعض جسکا دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں سفید ہو۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۳۱۶)

آپ ﷺ ایسے گھوڑے کو ناپسند بطور تفاؤل کے فرماتے تھے یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو بطور تجربہ معلوم ہو کہ اس جنس کا گھوڑا اصیل نہیں ہوتا ابو زرعہ بن عمرو بن جریر کا نام ھرم تھا۔

حدثنا محمد بن حميد الرازي: عمارہ بن قعقاع کہتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ جب بھی آپ مجھے حدیث بیان کریں تو ابو زرعہ کی احادیث بیان کریں پھر انہوں نے مجھ سے ایک بار حدیث بیان کی پھر میں نے کئی سالوں کے بعد وہی حدیث دوبارہ پوچھی تو انہوں نے من وعن وہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ بغیر کمی زیادتی کے بیان کردی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضبوط یاد تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّهَانِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَزِيرٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْرَى الْمُضَمَّرَ مِنَ الْخَيْلِ مِنَ الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ وَمَا لَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الْخَيْلِ مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِيلٌ وَكُنْتُ فِيمَنْ أَجْرَى فَوَثَبَ بِي فَرَسِي جِدَارًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ

محمد بن وزیر، اسحاق بن یوسف ازرق، سفیان، عبید اللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمر گھوڑوں کی حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک گھڑ دوڑ کروائی جو تقریبا چھ میل کا فاصلہ تھا اور غیر مضمر گھوڑوں کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک دوڑ کروائی یہ ایک میل کا فاصلہ تھا۔ میں بھی ان لوگوں میں شریک تھا چنانچہ میرا گھوڑا مجھے لیکر ایک دیوار پھلانگ گیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، جابر، انس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث ثوریؒ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ أَبِي نَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا سَبَقَ إِلَّا فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیروں، اونٹوں کی دوڑ اور گھوڑ دوڑ کے علاوہ کسی چیز کے مقابلہ پر انعام لینا جائز نہیں۔

تشریح: أَجْرَى الْمُضَمَّرَ مِنَ الْخَيْلِ: یہ گھڑدوڑ کے مفہوم کے مرادف ہے یعنی دو آدمی گھوڑوں کی طاقت جاننے کیلئے ریس لگائیں کہ کس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔

الْمُضَمَّرَ: ''قال السیوطی ان تعلف حتی تسمن'' کہ پہلے گھوڑے کو خوب گھاس دانہ کھلا پلا کر بہت قوی اور مضبوط بنادیا جاتا ہے اسکے بعد اس کا گھاس وغیرہ آہستہ آہستہ کم کردیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسکی خوراک بہت کم کردی جاتی ہے پھر اس کو ایک تنگ جگہ میں باندھ کر اس کو گرمی دی جاتی ہے، اس کے جسم سے خوب پسینہ نکلتا ہے اور گھوڑا چست ہوجاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ان گھوڑوں کا مقابلہ ''حفیاء'' اور'' ثنیة الوداع '' تک فرمایا جس کی مسافت تقریباً چھ میل ہے اور غیر مضمر کا مقابلہ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک فرمایا جس کی مسافت تقریباً ایک میل ہے مضمر چونکہ قوی ہوتا ہے اسلئے اسکی مسافت زیادہ رکھی ہے اور غیر مضمر کے ضعف کی وجہ سے مسافت کم تجویز فرمائی ہے۔ حفیاء ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے ثنیۃ الوداع ایک پہاڑ کا نام ہے اہل مدینہ اپنے مسافروں کو پہنچانے کیلئے اس پہاڑ تک آتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھڑدوڑ کرانا جائز بلکہ سنت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ گھڑدوڑ پر کسی قسم کی مالی شرط نہ لگائی جائے۔

لاسبق: اس لفظ کو دوطرح پڑھا جاتا ہے بسکون الباء یہ مصدر ہے یعنی گھڑدوڑ اور ان کی مسابقت۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا ان تینوں چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز میں مقابلہ جائز ہی نہیں یہی تین اشیاء آلہ جہاد میں شامل ہیں اور جہاد کے لئے مقابلہ بازی نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث ثواب ہے اس کے علاوہ مقابلہ کرنا عبث میں داخل ہے۔

یا بفتح الباء ہوتو پھر مقابلے میں جیتنے والے کو جو مالی انعام دیا جاتا ہے اس کو سبق کہتے ہیں اب مطلب یہ ہوا کہ ان چیزوں کے مقابلے کے علاوہ کسی مقابلہ میں مالی انعام جائز ہی نہیں ہے یہی تین اشیاء آلہ جہاد میں شامل ہیں اور جہاد کیلئے مقابلہ بازی نہ صرف جائز ہے بلکہ ثواب ہے اسکے علاوہ مقابلہ کرنا عبث ہے۔ **الا فی نصل:** ''ای للسهم''۔ **او خف:** ''ای للبعیر''۔ **او حافر:** ''ای للخیل'' یہاں عبارت مقدر نکالی جائے گی ''ای ذی نصل وذی خف وذی حافر'' ابن الملک فرماتے ہیں کہ ان جملوں کے معانی ومراد الگ الگ ہیں۔ ذو نصل سے مراد ''سہم'' ہے اور ذو خف سے مراد ''اونٹ اور ہاتھی'' اور ذو حافر سے مراد ''گھوڑا اور خچر'' ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُنْزَى الْحُمُرُ عَلَى الْخَيْلِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَأْمُورًا

ابوکریب، اسماعیل بن ابراہیم، موسیٰ بن سالم، عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مامور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (اہل بیت) کسی چیز کے ساتھ

مَا اخْتَصَّنَا دُونَ النَّاسِ بِشَيْءٍ إِلَّا بِثَلَاثٍ أَمَرَنَا أَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوءَ وَأَنْ لَا نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَأَنْ لَا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلَى فَرَسٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ هٰذَا عَنْ أَبِي جَهْضَمٍ فَقَالَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ حَدِيثُ الثَّوْرِيِّ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَوَهِمَ فِيهِ الثَّوْرِيُّ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى إِسْمٰعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي جَهْضَمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ .

مخصوص نہیں کیا ہاں تین چیزوں کا ضرور حکم دیا۔ ایک یہ کہ وضوء اچھی طرح کریں دوسرا یہ کہ صدقہ نہ کھائیں اور تیسرا یہ کہ گھوڑی پر گدھا نہ چھوڑیں۔ اس باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سفیان ثوریؒ بھی جہضم سے وہ عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں۔ میں (امام ترمذی رحمہ اللہ) نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حدیث ثوری غیر محفوظ ہے۔ اس میں ثوری نے وہم کیا ہے۔ صحیح حدیث وہی ہے جو اسماعیل بن علیہ اور عبد الوارث بن سعید، ابو جہضم سے وہ عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: قال کان رسول اللہ عبدا مامورا: اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ امت کو مامورات کا حکم دینے اور منہیات سے روکنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ مامور ہیں خود مختار نہیں ہیں۔ اگر رسول کریم ﷺ خود مختار ہوتے تو انسانی طبعی تقاضے کے مطابق اپنے اہل بیت کو کوئی خاص حکم دیتے حالانکہ کوئی خاص حکم نہیں دیا اس سے روافض فرقہ پر رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کو خاص علوم و معارف عطا کئے تھے جو دوسروں کو نہیں دیئے اسی وجہ سے روافض اپنی اذان میں وصی رسول اللہ سے اس کا اظہار کرتے ہیں یا اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ عمومی طور پر تبلیغ و رسالت کیلئے مامور ہیں "کما قال اللہ تعالیٰ " بلغ ما انزل الیك" نیز حدیث مذکور میں تین چیزوں کا حکم خصوصی طور پر اہل بیت کو دیا گیا ہے۔

① **ان نسبغ الوضوء:** اسباغ وضوء باقی امت کے لئے مستحب ہے لیکن اہل بیت کے لئے واجب ہے۔

② **وان لا ناکل الصدقة:** اور امت کیلئے صدقہ حلال ہے لیکن اہل بیت کیلئے صدقہ جائز قرار نہیں دیا گیا۔

③ **وان لا ننزیٔ حمار ا علی فرس:** گھوڑیوں پر گدھے کو چھوڑنے یعنی خچر بنانے سے منع فرمایا کہ اول تو اس سے نسل کشی لازم آتی ہے کہ خچر کی نسل نہیں چلتی دوسرا اعلیٰ سے ادنیٰ حاصل کرنا ہے کیونکہ گھوڑے کے مقابلے میں خچر ادنیٰ جانور ہے جو گھوڑے کی طرح نہ کارآمد ہوتا ہے اور نہ ہی جہاد میں کام آتا ہے اسی وجہ سے غازی کو گھوڑے کا حصہ ملتا ہے لیکن کو خچر کا حصہ نہیں ملتا لہٰذا ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ حکم تو سب کیلئے مکروہ تنزیہی ہے جبکہ اہل بیت کے لئے مکروہ تحریمی ہے۔ اس اعتبار سے اس میں فرق ظاہر ہو گیا اور اس پر کسی قسم کا نقض بھی وارد نہیں ہوتا یا یہ کہہ دیں کہ دوسروں کیلئے یہ حکم ہلکا ہے اور اہل بیت کیلئے شدت کے ساتھ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاسْتِفْتَاحِ بِصَعَالِيكِ الْمُسْلِمِينَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ابْغُونِي فِي ضُعَفَاءِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

احمد بن محمد، ابن المبارک، عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، زید بن ارطاۃ، جبیر بن نفیر، حضرت ابودرداءؓ سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، مجھے اپنے ضعیفوں میں تلاش کرو کیونکہ تم لوگوں کو رزق اور مدد کمزوروں ہی کی وجہ سے ملتی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت وشان ورود، کہیں بھی مذکور نہیں۔ ہاں اس کی مثال یوں بھی ہوسکتی ہے کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے گئے لیکن ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہوسکی اور وہ تھک کر بیٹھ گئے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ نہیں ملے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے مجھے کہاں کہاں تلاش کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ امیروں کے گھر اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے غرباء میں تلاش کرتے تو میں تمہیں مل جاتا۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ تمہیں جو روزی ملتی ہے اور جنگوں میں فتح نصیب ہوتی ہے وہ انہی کمزور لوگوں کی وجہ سے ملتی ہے۔

لہٰذا جنگ میں جانے سے پہلے امیر جہاد کو چاہیے کہ غرباء کے پاس جا کر فتح کی دعا کروائے اور خود بھی ان کے وسیلہ سے دعا کرے۔ زندوں کے توسل سے دعا کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کمزوروں کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں انہی کی برکت کی وجہ سے روزی ملتی ہے اور فتح نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے بانصیب لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے اور مال داروں کی صحبت سے دور رہا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَجْرَاسِ عَلَى الْخَيْلِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَأُمِّ حَبِيبَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے ان رفقاء کے ساتھ نہیں ہوتے جن کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو۔ اس باب میں حضرت عمر، حضرت عائشہ، ام حبیبہ، ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: جہاد میں قافلے کے ساتھ گھنٹی اور کتے کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ دشمن پر مطلع ہونے پر کتا آواز نکالے گا دشمن کا پتہ چل جائے گا لیکن یہ بات جنگی مصلحت کے خلاف ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ گھنٹی کی آواز یا کتے کے بھونکنے سے دشمن بھی ہوشیار ہو جائے گا کہ فلاں جگہ قافلہ ہے وہ حملہ کر کے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے کتے اور گھنٹی کو ناپسند فرمایا۔ یہ حکم صرف جہاد کے لئے خاص ہے عام قافلے والے رکھ سکتے ہیں مثلاً ریوڑ والے کتے کو رکھ سکتے ہیں۔

یہاں پر عام طور پر تین الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ① اجراس وہ گھنٹی جو بیل یا جانور کے گلے میں ڈالی جائے۔
② معازف: وہ ساز یا باجا جو منہ سے بجایا جائے۔ ③ ملاہی: جو ہاتھوں سے بجایا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ يُسْتَعْمَلُ عَلَى الْحَرْبِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْأَحْوَصُ بْنُ جَوَّابٍ أَبُو الْجَوَّابِ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشَيْنِ وَأَمَّرَ عَلٰى أَحَدِهِمَا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَلَى الْآخَرِ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فَقَالَ إِذَا كَانَ الْقِتَالُ فَعَلِيٌّ قَالَ فَافْتَتَحَ عَلِيٌّ حِصْنًا فَأَخَذَ مِنْهُ جَارِيَةً فَكَتَبَ مَعِي خَالِدٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشِي بِهِ فَقَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ الْكِتَابَ فَتَغَيَّرَ لَوْنُهُ ثُمَّ قَالَ مَا تَرٰى فِي رَجُلٍ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ قَالَ قُلْتُ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ وَإِنَّمَا أَنَا رَسُولٌ فَسَكَتَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْأَحْوَصِ بْنِ جَوَّابٍ قَوْلُهُ يَشِي بِهِ يَعْنِي النَّمِيمَةَ.

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکر بھیجے ایک کا امیر علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے کا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا اور فرمایا جب لڑائی ہو تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب پر امیر ہونگے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں سے ایک باندی لے لی۔ اس پر خالدؓ نے میرے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط بھیجا، جس میں حضرت علیؓ کے اس فعل کا ذکر تھا۔ جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خط پڑھ کر متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا! تم اس شخص میں کیا دیکھتے ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے؟ عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسول کے غصے سے اللہ کی پناہ کا طلبگار ہوں۔ میں تو صرف قاصد ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف احوص بن جواب کی روایت سے جانتے ہیں اور "یشی بہ" کا مطلب چغلی کھانا ہے۔

تشریح: حدیث کے شروع میں ذکر ہے کہ جب آپ ﷺ نے دو لشکر بھیجے تو ایک لشکر کے امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے لشکر کے امیر حضرت خالد بن الولیدؓ اور فرمایا کہ جب قتال شروع ہو جائے تو حضرت علیؓ امیر ہوں گے کیونکہ جنگ کے دوران دو امیروں کا ہونا مناسب نہیں کیونکہ دو امیر ہوں گے تو جنگ کے دوران اختلاف ہوگا۔

دوسرا یہ کہ کسی لشکر والوں کو مال غنیمت حاصل ہو جاتا تو وہ اسی لشکر میں تقسیم نہ کرتے بلکہ اس میں تمام فوجیوں کا حق ہوتا جو دوسرے لشکر اس جہاد میں شامل ہوئے ان سب کو شامل کیا جاتا ہے۔ وہ مال غنیمت لاکر آپ ﷺ کے پاس جمع کر دیتے تھے پھر آپؐ اس سے خمس نکال کر باقی چار اخماس باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باندی لی اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اعتراض کیا ہوگا کہ ان کو معلوم نہیں ہوگا کہ آپ ﷺ نے یہ باندی حضرت علیؓ کو دے دی تھی۔ حدیث میں لفظ یشی ہے وشی یشی کے معنی ہیں سلطان یا بادشاہ سے کسی چیز کی شکایت کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ بَعْلِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِي مُوسَى وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ أَبِي مُوسَى غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَحَدِيثُ أَنَسٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ بَشَّارٍ الرَّمَادِيُّ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنِي بِذَلِكَ مُحَمَّدٌ

قتیبہ، لیث، نافع، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو تم سب نگران ہو اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہ آدمی جو لوگوں پر امیر مقرر ہے وہ ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ سنو، تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، انس اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے جب کہ ابو موسیٰؓ اور انسؓ کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔ یہ حدیث ابراہیم بن بشار رمادی، سفیان سے وہ برید سے وہ ابو بردہ سے وہ ابو موسیٰؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ مجھے یہ حدیث محمد بن ابراہیم بن بشار نے سنائی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ کئی راوی سفیان سے اور وہ برید بن

بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ بَشَّارٍ قَالَ مُحَمَّدٌ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَهٰذَا أَصَحُّ قَالَ مُحَمَّدٌ وَرَوٰى إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ هٰذَا غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

ابو بردہؓ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم، معاذ بن ہشام سے وہ اپنے والد سے وہ قتادہ سے وہ انسؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر نگران سے اس چیز کے متعلق پوچھے گا جس کا اسے نگران بنایا۔ میں (امام ترمذی رحمہ اللہ) نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ صحیح روایت وہ ہے جسے معاذ بن ہشام اپنے والد سے وہ قتادہ سے اور وہ حسن سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس کی وضاحت ابواب الاحکام باب ماجاء فی امامۃ الرعیۃ میں گزر چکی ہے۔

رعیتہ: راعی کے لغوی معنی ہیں چرواہا، اصطلاح شرع میں ہر محافظ اور حاکم کو رائی کہا جاتا ہے جیسے چرواہا ریوڑ کی تمام بکریوں کا ذمہ دار ہوتا ہے ایک بکری ضائع ہونے پر مالکان کا جواب دہ ہوتا ہے اسی طرح اللہ پاک متعلقہ نگران سے اسکے ماتحتوں کے متعلق سوال کریگا۔ اسی وجہ سے کسی ملک کے باشندوں کو حکمرانوں کی رعایا کہا جاتا ہے اور رعایا اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ حکمرانوں کی نظروں میں ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ ہر شخص نگہبان ہے کہ مرد اہل خانہ کیلئے اور دفاتر میں بڑا شخص نگہبان ہے یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر شخص جسم کے اعضاء وحواس کا نگہبان ہے اور وہ اعضاء اس کی رعیت ہیں لہٰذا قیامت کے دن ہر شخص سے اسکے اعضاء واحوال و اوقات وخیالات کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ تم نے ان کو کہاں کہاں استعمال کیا۔ الجامع الصغیر میں ایک طویل حدیث ذکر کی گئی ہے جو بظاہر اس کی شرح ہے۔ ”وفی الجامع الصغیر کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع فی اھلہ وھو مسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا وھی مسئولۃ عن رعیتھا والخادم راع فی مال سیدہ وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع فی مال ابیہ وھو مسئول عن رعیتہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ“ (رواہ احمد) (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۱۱)۔ نیز حاکم کی حکومت چونکہ وسیع ہوتی ہے اسلئے حاکم کا حساب بھی وسیع ہوگا اور حاکم کو اپنی رعایا کی حقوق تلفی کا جواب دینا ہوگا اسی وجہ سے علماء صلحاء اتقیاء حکومت وقضاء کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے تھے۔

وفی الباب عن ابی ھریرۃ وانس وابی موسٰی: یہاں سے امام ترمذیؒ دو احادیث کے بارے میں بتارہے ہیں کہ یہ دونوں احادیث غیر محفوظ ہیں ابن بشار راوی سفیان بن عیینہ سے اور وہ برید اور وہ ابی بردہ سے اور وہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند صرف رمادی بیان کرتے ہیں جبکہ ابن عیینہ کے دیگر تلامذہ اس حدیث کو مرسل بیان کرتے ہیں آخر میں حضرت ابو بردہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا تذکرہ نہیں کرتے اور یہی اصح ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند یہ ہے کہ اسحاق بن ابراهيم عن معاذ بن هشام عن ابيه عن قتادة عن انس عن النبی ﷺ۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور صحیح یہ ہے کہ عن معاذ بن ہشام عن ابيه عن قتادة عن الحسن عن النبی ﷺ مرسلاً۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَاعَةِ الْإِمَامِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْعَيْزَارِ بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ الْأَحْمَسِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ قَدِ الْتَفَعَ بِهِ مِنْ تَحْتِ إِبْطِهِ قَالَتْ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى عَضَلَةِ عَضُدِهِ تَرْتَجُّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أُمِّ حُصَيْنٍ.

حضرت ام حصین احمسیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کو اپنی بغل کے نیچے سے لپیٹے ہوئے تھے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو کے پٹھے کو حرکت کرتے دیکھا۔ فرمایا اے لوگو اللہ سے ڈرو اور اگر کسی حبشی کو بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے جو اگرچہ کن کٹا ہی کیوں نہ ہو تم لوگوں پر اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق احکام جاری کرے۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ اور عرباض بن ساریہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے ام حصین سے منقول ہے۔

تشریح: **سوال:** غلام کی حکومت کس طرح اسلام میں جائز ہے کیونکہ غلام کی سوچ وفکر بھی بہت پست ہوتی ہے غلام تو اپنی سوچ اور فکر قوم کو پستی میں دھکیل دے گا تو اس کی اطاعت کی کیسے ترغیب دی گئی ہے؟

جواب اوّل: یہ آپ ﷺ کا فرمان بالفرض والتقدیر کے قبیل سے ہے کہ فرض کرلو اگر غلام بھی تم پر بادشاہ بن جائے تو تم پر اس کی اطاعت لازمی ہے۔ **جواب ثانی:** اگر غلام زبردستی مسلط ہو جائے اور وہ قرآن وسنت کے مطابق لوگوں کو چلا رہا ہو تو آپ ﷺ نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ **جواب ثالث:** یہاں پر بادشاہ مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جو بادشاہ کی طرف سے کسی علاقے میں مقرر ومتعین ہوتا ہے اس کی تابعداری کا حکم ہے۔ الحاصل اس حدیث سے اولو الامر کی اطاعت وفرمانبرداری کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور اس اہمیت کے پیش نظر غلام کا ذکر کیا کہ بالفرض والمحال اگر غلام کو بھی تمہارا حکمران بنا دیا جائے

تو پھر بھی اسکی اطاعت کرو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غلام کو حکمران بنا دیا جائے۔

عبد مجدع یقودکم: وہ شخص جس کی ناک اور کان کٹے ہوئے ہوں اس سے مراد حقیر و کمتر غلام ہے۔

الحاصل اس حدیث میں امام کی اطاعت کی طرف بھرپور توجہ دلائی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَا طَاعَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَالْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان پر سننا اور ماننا واجب ہے خواہ وہ اسے پسند کرے یا ناپسند کرے بشرطیکہ اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ اور اگر نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے۔ اور نہ ہی اطاعت کرنا، اس باب میں حضرت علی، عمران بن حصین اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: الحاصل قاضی اور امیر کی بات کو سننا اور ان کے احکام کی پیروی کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اس کا حکم و فرمان طبیعت کے موافق ہو یا طبیعت کے موافق نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قاضی کا حکم شریعت کی حدود میں رہ کر ہو ہاں اگر قاضی و حاکم غیر شرعی حکم بھی کریں تو ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' کے پیش نظر ان کی اطاعت و فرمانبرداری واجب نہیں لیکن علانیہ طور پر ایسے حاکم کے ساتھ بغاوت اختیار کرنا بھی درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَالْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ قُطْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ

ابو کریب، یحییٰ بن آدم، قطبہ بن عبدالعزیز، اعمش، ابی یحییٰ، مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

محمد بن مثنیٰ، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، اعمش، ابی یحییٰ، حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا اس روایت

وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَيُقَالُ هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ قُطْبَةَ وَرَوٰى شَرِيكٌ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِي يَحْيٰى وَرَوٰى أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ طَلْحَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعِكْرَاشِ بْنِ ذُؤَيْبٍ

میں حضرت ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ قطبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے یہ حدیث شریک، اعمش سے وہ مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اور اس میں ابویحییٰ کا واسطہ مذکور نہیں ابومعاویہ نے بواسطہ اعمش اور مجاہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے اس باب میں حضرت طلحہ، جابر، ابوسعید اور عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ وَالضَّرْبِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، روح بن عبادہ، ابن جریج، ابی زبیر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرے پر نشان لگانے اور مارنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: التحریش: جانوروں کو آپس میں لڑانے کو کہا جاتا ہے۔ الحاصل جانوروں کو آپس میں لڑانے سے حدیث الباب میں ممانعت آئی ہے خواہ ان جانوروں کا تعلق چوپایوں میں سے ہو یا چرند پرند میں سے ہو۔ ہمارے زمانے میں بہت سے مسلمانوں میں مرغ لڑانا، کتے اور ریچھ لڑانا، اونٹ، بیل لڑانے کا شوق پایا جاتا ہے یہ سخت حرام ہے کیونکہ اس میں بلاوجہ جانوروں کو تکلیف پہنچانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب جانوروں کو لڑانے کی ممانعت آئی ہے تو آدمیوں کو آپس میں ناحق لڑانا بطریق اولیٰ ممنوع اور حرام ہوگا۔ (مرقاۃ ایضا)

عن الضرب فی الوجه: ''ای فی وجه کل شئ الا الکافر حال القتال فانه قد یلجأ المسلم الی هذه الحال'' یعنی کسی انسان کے چہرے پر مارنے سے نہی کی گئی ہے مگر کافر کے چہرے پر قتال کے وقت مارنا جائز ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ انسانوں کو علاج کے لئے داغنے کے متعلق کیا حکم ہے تو اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات سے نہی معلوم ہوتی ہے اور بعض روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو داغ لگوایا اسی طرح سعد بن عبادہؓ کو اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو بھی داغ لگانے کی اجازت دی اور بعض روایات میں داغنے سے منع فرمایا ہے اور بعض میں داغنے کے جواز کا ذکر ہے صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمان عادل وماہر ڈاکٹر کہے کہ داغ لگانے میں صحت ہے تو داغ لگانا جائز ہے ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

سوال: آپ ﷺ نے گدھے کے چہرے پر داغ دینے والے پر لعنت فرمائی ہے حالانکہ مسلمانوں پر لعنت کرنے سے نہی آئی ہے۔

جواب اوّل: ہوسکتا ہے کہ داغنے والا مسلمان نہ ہو بلکہ منافق ہو۔

جواب ثانی: یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا بطور بددعا کے نہ ہو بلکہ اخبار بالغیب ہو کہ آپ ﷺ نے اس جملے کے ذریعہ گویا خبر دی کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستوجب ہے نیز لعنت بالوصف گنہگار مسلمانوں پر جائز ہے جیسے کہا جائے جھوٹے پر لعنت۔ ''وقال الطيبي يحتمل ان يكون الواسم كافرا وان يكون للتغليظ كما في قوله عليه السلام لعن الله من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا'' امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ داغنے والا کافر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تغلیظ وتشدید پر محمول ہو گا جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے لعن الله من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۱۶)

وروى شريك هذا الحديث: اس حدیث کی چار سندیں ہیں۔ ① قطبہ بن عبدالعزیز کی سند۔ یہ آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے ہیں اور اعمش کے بعد ابی یحییٰ کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ② عن سفيان عن الاعمش: اس سند میں وہ آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کرتے۔ اس صورت میں یہ روایت مرسل ہوگی جو اصح ہے۔ ③ شریک نخعی کی سند۔ یہ اعمش کے بعد یحییٰ کا ذکر نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَدِّ بُلُوغِ الرَّجُلِ وَمَتَى يُفْرَضُ لَهُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَزِيرِ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِي قَالَ نَافِعٌ فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ هٰذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ بَلَغَ الْخَمْسَ عَشْرَةَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے چودہ برس کی عمر میں ایک لشکر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے قبول نہیں کیا پھر آئندہ سال بھی اسی طرح ایک لشکر میں پیش کیا گیا سو اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ ﷺ نے مجھے جہاد کی اجازت دیدی۔ نافع کہتے ہیں کہ میں نے جب یہ حدیث عمر بن عبدالعزیزؒ کو سنائی تو انہوں نے فرمایا یہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان حد ہے پھر انہوں نے اپنے عمال کو لکھا کہ پندرہ سال کی عمر والوں کو مجاہدین کے ساتھ وظیفہ دیا جائے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ قَالَ عُمَرُ هٰذَا

ہم سے روایت کی ابن عمر نے انہوں نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عبیداللہ سے اسی کے مثل اسی کے ہم معنی۔ لیکن اس

حَدُّ مَا بَيْنَ الذُّرِّيَّةِ وَالْمُقَاتِلَةِ وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ حَدِيثُ إِسْحٰقَ بْنِ يُوسُفَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ

میں صرف اتنا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا یہ لڑنے والوں اور نہ لڑنے والوں کے درمیان حد ہے اور اسحاق بن یوسف کی حدیث سفیان ثوری کی حدیث سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ابواب الاحکام باب ماجاء فی حد بلوغ الرجل والمرأۃ کے تحت گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُسْتَشْهَدُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْإِيمَانَ بِاللهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَيُكَفِّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لِي ذٰلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا وَرَوَى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ نَحْوَ هٰذَا عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ

قتیبہ، لیث، سعید بن ابی سعید، عبداللہ بن حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا جہاد اور ایمان باللہ افضل ترین اعمال ہیں ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں جہاد میں قتل ہو جاؤں تو کیا میری خطائیں معاف کر دی جائیں گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تم جہاد میں شہید ہو جاؤ اور تم صابر، ثواب کے طلبگار، آگے بڑھنے والے اور پیچھے نہ رہنے والے ہو تو۔ پھر فرمایا کہ تم نے کیا کہا تھا اس نے دوبارہ عرض کیا اگر میں جہاد میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ بخش دیے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بشرطیکہ تم صابر، ثواب کی نیت رکھنے والے یعنی خلوص دل رکھنے والے، آگے بڑھنے والے اور پیچھے نہ ہٹنے والے ہو۔ ہاں البتہ قرض معاف نہیں کیا جائے گا۔ جبرائیل نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔ اس باب میں حضرت انس، محمد بن جحش اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض راوی اسے سعید مقبری سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح مرفوعاً نقل کرتے ہیں یحییٰ بن سعید اور کئی راوی بھی سعید مقبری سے وہ عبداللہ بن ابی قتادہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

نقل کرتے ہیں یہ سعید مقبری کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: والایمان باللہ افضل الاعمال: اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جہاد ایمان کے ساتھ افضل قلبی وقالبی عمل ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ کوئی کہے کہ نماز اعمال میں افضل عبادت ہے اس لئے کہ نماز اور جہاد کی حیثیت الگ الگ ہے۔ نماز افضل ہے اس حیثیت سے کہ اس پر دوام حاصل ہو اور جہاد افضل اس حیثیت سے ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے کہ نماز جہاد کو مستلزم ہے کہ ایک شخص جہاد بھی کر رہا ہے اور نماز بھی اس پر فرض ہے لیکن برعکس نہیں کہ جہاد بھی نماز کو مستلزم ہو ہر نماز پڑھنے والا جہاد کرنے والا ہو کیونکہ بہت سارے نماز پڑھنے والے حالت جنگ میں نہیں ہوتے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص جہاد تو کرتا ہے لیکن نماز کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کو مذکورہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

الا الدین: یعنی شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے لیکن قرض معاف نہیں ہوگا۔ امام تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دین سے مراد وہ ذمہ ہے کہ جو مسلمانوں کا اس پر ہے یعنی حقوق العباد میں معافی نہیں ہوگی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تنبیہ ہے اس بات پر ہے کہ جہاد اور شہادت بہت بڑے رتبے کے باوجود حقوق العباد معاف نہیں کروا سکتے۔ ملا علی قاریؒ مرقات میں لکھتے ہیں کہ جو شخص سمندری جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کے حقوق العباد بھی معاف ہو جاتے ہیں بعض روایات میں آتا ہے کہ شہید سے حقوق العباد کو بھی اس طرح معاف کر دیا جائے گا کہ صاحبِ حق کو قیامت میں اس کے حقوق کے عوض ثواب عطاء فرمایا جائیگا وہ راضی ہو گا اور شہید کو معاف کر دے گا۔ علامہ سندھیؒ نسائی کے حاشیہ میں ''الا الدین'' کا معنی ذکر کرتے ہیں کہ دین کو پورا کرنے کی وصیت چھوڑ جانا۔ نیز جیسے نفس دین مذموم ہے اس کو ادا کرنے کی کوشش نہ کرنا بھی مذموم ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۰۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَفْنِ الشُّهَدَاءِ

حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي الدَّهْمَاءِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ شُكِيَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِرَاحَاتُ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ احْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا فَمَاتَ أَبِي فَقُدِّمَ بَيْنَ يَدَيْ رَجُلَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ خَبَّابٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى

ازہر بن مروان بصری، عبدالوارث بن سعید، ایوب، حمید بن ہلال، ابی دھماء، حضرت ہشام بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوہ احد میں لگنے والے زخموں کی شکایت کی گئی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قبر کھودو اور اسے کشادہ کرو اور اچھی طرح صاف کرو پھر دو دو، تین تین کو ایک قبر میں دفن کرو اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو اسے آگے رکھو۔ راوی کہتے ہیں کہ میرے والد بھی فوت ہو گئے تو انہیں دو آدمیوں کے آگے دفن کیا گیا۔ اس باب میں حضرت خباب، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول

سُفْيَانُ وَغَيْرُهُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ وَأَبُو الدَّهْمَاءِ اسْمُهُ قِرْفَةُ بْنُ بُهَيْسٍ

ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سفیان وغیرہ ایوب سے وہ حمید بن ہلال سے وہ ہشام بن عامر سے وہ ابودہماء سے نقل کرتے ہیں اور ابودہماء ان کا نام قرفہ بن عمیس ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب کی شرح ماقبل کتاب الجنائز باب ماجاء فی قتلی احد و ذکر حمزۃ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

وفی الباب عن خباب و جابر.. الخ: عبدالوارث کی سند میں ابوالدھماء کا واسطہ ہے۔ سفیان ثوریؒ اس واسطہ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔ بہرحال واسطہ کے ساتھ بھی مذکور ہے اور بغیر واسطے کے بھی مذکور ہے۔ ابوالدھماء کا نام قرفہ بن عمیس ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشُورَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَجِيءَ بِالْأُسَارٰى قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُولُونَ فِي هٰؤُلَاءِ الْأُسَارٰى فَذَكَرَ قِصَّةً طَوِيلَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأَبِي أَيُّوبَ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ وَيُرْوٰى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ مَشُورَةً لِأَصْحَابِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب قیدیوں کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو اور پھر طویل قصہ ذکر کیا۔ اس باب میں حضرت عمر، ابوایوب، انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تشریح: ماتقولون فی ھؤلا الاساری: جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ ہوا تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں یہ بات تھی کہ مسلمانوں کے پاس مال و اسباب کی کمی ہے اس لئے فدیہ سے مال آئے گا اور مسلمانوں کی ضروریات پوری ہوں گی۔ لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ سب کی گردنیں اڑا دیں کیونکہ یہ کفر و شرک کے پیشوا اور سردار ہیں۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف آراء کی بناء پر آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل کے مشورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اختیار دیدیا کہ تم لوگ ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرلو لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ فدیہ لینے کی صورت میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ آئندہ سال تم میں سے ستر آدمی شہید ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے باوجود فدیہ لینے کو اختیار کیا جب آئندہ سال غزوہ احد ہوا تو مسلمانوں کو میدان جنگ میں بہت شدت کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ پسپائی کی صورت اختیار کرنی پڑ گئی آپ ﷺ نے ایک سال پہلے جس چیز پر متنبہ کیا تھا وہ مات

سامنے آئی کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو ستر قیمتی جانوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ ان ستر شہداء میں حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔

سوال: جب مسلمانوں کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو پھر ان پر عتاب کیوں ہوا یہ عتاب تو اختیار کے منافی ہے؟

جواب: امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اختیار دینا دراصل بطریق امتحان و آزمائش تھا کہ مسلمان اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو عین حق ہے یا اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو انکی دلی خواہش کے مطابق ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت سے امتحان لیا ''یاایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا'' (الاحزاب:۲۸) اور اسی طرح لوگوں کو سحر کی تعلیم دیکر اس آیت کے ذریعے سے امتحان لیا گیا ''ومایعلمن من احدٍ حتی یقولا انما نحن فتنۃ'' (البقرۃ:۱۵۲) ان لوگوں کو ان دو فرشتوں کے ذریعے آزمایا اور اس آزمائش کو کفر اور ایمان کے درمیان دائر فرمایا اس طور پر کہ جو اس کو سیکھے گا وہ کافر ہو جائیگا اور جو اسکو چھوڑ دے گا وہ مومن رہے گا۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس طرح امتحان لیا ہو پھر ان لوگوں نے امر ثانی کو اختیار کیا جو کہ اللہ کے مرضی کیخلاف تھا تو ان پر عتاب نازل ہوا ''ما کان للنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض'' (الانفال:۶۷)۔ اس جواب پر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جب تخییر جائز ہے تو پھر عتاب کیوں ہوا یہ جائز نہیں۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امہات المؤمنین کے تخییر اور اس مذکورہ حدیث کی تخییر میں کافی فرق ہے کیونکہ ازواج مطہراتؓ اگر دنیا کو اختیار کرتیں تو ان کو نہ دنیا میں عذاب ہوتا اور نہ آخرت میں بلکہ اس ادنیٰ چیز کے اختیار کرنے کی وجہ سے وہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے محروم ہو جاتیں۔ باقی رہی بات سحر کی تعلیم کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کسی کو اختیار نہیں تھا بلکہ امر تہدید تھا۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے فدیہ کو اسلئے اختیار کیا تا کہ کفر کے خلاف طاقت حاصل ہو اور ساتھ ساتھ قیدی رشتہ داروں پر بھی شفقت حاصل ہو۔ اس امید پر کہ یہ ایمان نہ لائے تو ان کی اولاد میں سے کوئی ضرور ایمان لائے گا یہ صحابہ کرامؓ کی طرف سے اجتہاد تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق ہو گیا اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور اجتہاد زیادہ صحیح ثابت ہوا جسے موافقات عمری بھی کہا جاتا ہے۔ (مرقاۃ ج۸ ص۱۷۔۱۸)

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُفَادَى جِيفَةُ الْأَسِيرِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ أَرَادُوا أَنْ يَشْتَرُوا جَسَدَ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَأَبَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيعَهُمْ هٰذَا حَدِيثٌ

محمود بن غیلان، ابواحمد، سفیان، ابن ابی لیلیٰ، حکم، مقسم، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے چاہا کہ ایک مشرک کی لاش کو فدیہ دے کر لے لیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا یہ حدیث

حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحَكَمِ وَرَوَاهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ أَيْضًا عَنِ الْحَكَمِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى صَدُوقٌ وَلٰكِنْ لَا نَعْرِفُ صَحِيحَ حَدِيثِهِ مِنْ سَقِيمِهِ وَلَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا وَابْنُ أَبِي لَيْلَى هُوَ صَدُوقٌ فَقِيهٌ وَرُبَّمَا يَهِمُ فِي الْإِسْنَادِ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ فُقَهَاؤُنَا ابْنُ أَبِي لَيْلَى وَعَبْدُ اللهِ بْنُ شُبْرُمَةَ.

ہم اسے صرف حکم کی روایت سے جانتے ہیں حجاج بن ارطاۃ بھی یہ حدیث حکم سے ہی نقل کرتے ہیں امام احمد بن حنبلؒ، ابن ابی لیلی کی حدیث کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے۔ امام بخاریؒ ان کی روایت کی توثیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی صحیح اور ضعیف روایت میں امتیاز نہیں ہوسکتا اس لئے میں ان سے روایت نہیں کرتا۔ ابن ابی لیلی فقیہ اور سچے ہیں لیکن اسناد میں وہم کر جاتے ہیں۔ نصر بن علی، عبداللہ بن داؤد سے اور وہ سفیان سے نقل کرتے ہیں ہمارے فقہاء ابن ابی لیلی اور عبداللہ بن شبرمہ ہیں۔

تشریح: جيفة : سڑی ہوئی لاش کو کہتے ہیں یہاں پر مطلق نعش اور میت مراد ہے۔ چونکہ کافر بھی نجس چیزوں خمر وخنزیر سے احتراز نہیں کرتا اس لئے کافر زندہ ہو یا مردہ نجس ہے اور مردار کے مشابہ ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الطہارۃ میں ایک حدیث ہے اس میں ہے کہ فرشتے کافر کے لاشے کے پاس نہیں آتے۔ چونکہ فرشتے پاک ہیں اس لئے وہ ناپاک چیز کے پاس نہیں جاتے۔

حدیث الباب میں اور ترجمۃ الباب میں ہے کہ کافر کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے اس پر امام بخاریؒ کتاب الجہاد میں ایک باب لائے ہیں۔ باب طرح جيف المشركين فى البئر ولا يؤخذ لهم ثمن کتاب الجہاد کے آخری ابواب میں ہے کہ مشرکین اگر اپنے ورثاء کی لاشیں مسلمانوں سے خریدنا چاہیں تو مسلمان قیمت لے کر کافر کی لاش حوالے نہ کرے جیسا کہ مشرکین نے نوفل بن عبداللہ مغیرہ کے جسم کو خریدنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: لا حاجة لنا بثمنه ولا جسده۔ ہمیں اسکی رقم اور اسکے جسم کی ضرورت نہیں۔ مشرکین سے اسکا فدیہ نہیں لیا جائے گا اس پر دلیل قلیب بدر والی روایت ہے وہ رؤساء مشرکین تھے اگر انکے اہل کو کنویں سے نکالنے اور دفن کی اجازت دی جاتی تو وہ لوگ اس کیلئے مال کثیر خرچ کر دیتے حالانکہ شریعت مطہرہ میں اسکا ثمن لینا جائز نہیں کیونکہ مردار کا مالک بننا اور اسکا عوض لینا جائز نہیں ہے شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا اس پر دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا لیکن ہم لوگ میدان جنگ میں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور جب مدینہ واپس آئے تو

وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاخْتَبَيْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ نَحْنُ الْفَرَّارُونَ قَالَ بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُونَ وَأَنَا فِئَتُكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً يَعْنِي أَنَّهُمْ فَرُّوا مِنَ الْقِتَالِ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُونَ وَالْعَكَّارُ الَّذِي يَفِرُّ إِلٰى إِمَامِهٖ لِيَنْصُرَهٗ لَيْسَ يُرِيدُ الْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ .

شرم کے مارے چھپتے پھرتے اور کہتے ہم ہلاک ہو گئے پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بھاگنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تم بلکہ لوگ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو (یعنی اپنے سردار سے مدد لینے کے بعد) اور میں تم لوگوں کو مدد فراہم کرنے والا ہوں۔ یہ حدیث حسن ہے ہم اسے صرف یزید بن ابوزیاد کی روایت سے جانتے ہیں ''فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑائی سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ''بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُونَ'' عکار وہ شخص ہے جو حصول مدد کے لئے اپنے امام کی طرف بھاگ کھڑا ہو اس کا ارادہ لڑائی سے بھاگنے کا نہیں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سریہ میں گئے تو لوگوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ حاص کے معنی مائل ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کی طرف سے جب حملہ شدید ہوا تو اس وجہ سے ہم بھاگ کر مدینہ آ گئے اور مدینہ میں آکر چھپ گئے۔ اور یہ خیال کیا کہ ہم تو بھاگ کر واپس آ گئے ہیں۔ آپ ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے بعض نے یہ رائے دی کہ واپس پلٹ کر حملہ کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اب مدینہ کے قریب ہیں۔ آپ ﷺ سے ملاقات کر لیتے ہیں۔

بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گھر کے باہر صبح کی نماز کے وقت حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم جنگ سے بھاگ کر آنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تسلی دی اور فرمایا کہ بھاگنے والے نہیں ہو بلکہ مزید کمک لے کر دوبارہ حملے کرنے والے ہو اور تمہارا مرکز میں ہوں اس کا ذکر سورۂ انفال آیت ۱۵، ۱۶ میں موجود ہے۔ اس آیت میں پشت پھیرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے پینترا بدلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں گویا دو صورتیں مستثنیٰ ہیں ایک دوبارہ حملہ کرنے کی غرض سے پیچھے ہٹ جانا۔ دوسرا اپنے مرکز سے جا کر مزید اس کے بارے میں مشورہ یا کمک لے کر آنا۔ یہ دونوں صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ عکّار کا معنی ہے واپس پلٹنا۔ عکار اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو اپنے امام کی طرف پلٹے اور امام اس کی مدد کرے اور ایسے مجاہدین کا مقصد میدان جہاد سے بھاگنا نہیں ہوتا۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ نُبَيْحًا

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، اسود بن قیس، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ احد کے دن میری پھوپھی میرے

الْعَنْزِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِي بِأَبِي لِتَدْفِنَهُ فِي مَقَابِرِنَا فَنَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلَى إِلَى مَضَاجِعِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

والد کو ہمارے قبرستان میں دفن کرنے کے لئے لائیں پس ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا کہ مقتولوں کو ان کے مقتل میں واپس لے جاؤ اور وہیں دفن کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: بعض نسخوں میں یہاں باب ہے باب ماجاء فی دفن القتیل فی مقتلہ جنگ احد میں جب بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تو سب کو وہیں دفن کیا گیا وہاں سے منتقل نہیں کیا گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری پھوپھی میرے ابا کو لے کر مدینہ چلی گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ شہداء کو ان کی شہید ہونے کی جگہ ہی دفن کیا جائے یعنی میدان جہاد میں ہی۔ چنانچہ سب شہداء وہیں دفن کئے گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلَقِّي الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَبُوكَ خَرَجَ النَّاسُ يَتَلَقَّوْنَهُ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ السَّائِبُ فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ وَأَنَا غُلَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ابن ابی عمر، سعید بن عبد الرحمن، سفیان، زہری، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگ آپ کے استقبال کے لئے ثنیۃ الوداع تک آئے میں اس وقت چھوٹا تھا اور لوگوں کے ساتھ ہی تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے نکلے اور ثنیۃ الوداع تک پہنچ گئے اور میں اس وقت بچہ تھا یہ حضرت سائب بن یزید کا کلام ہے۔

موجودہ دور میں جو رواج چل پڑا ہے وہ ٹھیک نہیں۔ حاجی جب حج کیلئے جا رہا ہے تو لوگوں کا ہجوم اسکوائیر پورٹ چھوڑنے جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو جم غفیر اس کو ہار پہنانے کیلئے جمع ہو جاتا ہے۔ اور تصویر کشی کا بدترین منظر سامنے ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حاجی فرض حج کی ادائیگی کیلئے جاتا ہے تو اتنی خرافات کیوں کی جاتی ہیں لگتا یوں ہے کہ حج فرض ادا نہیں کر رہا بلکہ دکھاوا کر رہا ہے ورنہ نماز بھی تو فرض ہے ہر نماز کیلئے بھی پھر لوگ آتے جاتے اسے ہار پہنائیں۔ فرق کیوں ہے۔ سائل کہتا ہے کہ حج زندگی میں ایک بار آتا ہے اسلئے ایسی چیزوں کا صدور ہوتا ہے یہ ساری تاویلات ہیں جو نئے کام ایجاد کرنے کیلئے وضع کی جاتی ہیں۔ ہاں اگر ایک آدھ شخص حاجی کو چھوڑنے کیلئے جائے تاکہ سامان وغیرہ لے جانے میں یا لے آنے میں مدد ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَيْءِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِصًا فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْزِلُ نَفَقَةَ أَهْلِهِ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، ابن شہاب، حضرت مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنونضیر کے اموال ان چیزوں میں سے تھے جو اللہ نے اپنے رسول کو جنگ کے بغیر دیا تھا اور مسلمانوں نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ ہی اونٹ۔ اس۔ لئے یہ مال خالص رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا۔ اور آپ ﷺ نے اس میں سے اپنے گھر والوں کے لئے خرچ نکال لیتے تھے اور باقی اللہ کے راستے میں جہاد کی تیاری کے لئے گھوڑوں اور ہتھیاروں پر خرچ کرتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مال فئی کی تعریف: جو مال کفار سے بغیر جنگ کے حاصل ہوا سے فئی کہتے ہیں اس فئی میں نہ خمس ہے نہ تقسیم بلکہ رسول کریم ﷺ کو مال فئی میں کلی اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں چنانچہ رسول کریم ﷺ مال فئی سے اپنے اہل وعیال کے سال بھر کا خرچ نکال کر بقیہ فقراء، مساکین اور ذوی القربیٰ اور دینی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔

آپ ﷺ کے بعد مال فئ کے مصرف کے بارے میں مختلف اقوال درج ذیل ہیں۔ ① بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے بعد مال فئ اسلامی مملکت کے سربراہ کا حق ہے ② بعض حضرات کے نزدیک مال فئی مجاہدین ومقاتلین کا حق ہے کہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے یہ امام شافعیؒ کا ایک قول ہے ③ بعض حضرات کے نزدیک اس مال کو عام مسلمانوں کے درج ذیل اجتماعی مفاد ومصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ ① ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا جو فقیر اور محتاج ہیں اور کمانے پر قدرت نہیں رکھتے ② شہر کی حفاظت کیلئے اور کفار کے شر سے بچنے کیلئے شہر کے اردگرد چیک پوسٹ یا مجاہدین، محافظین یا اسلحہ پر خرچ کیا جائے گا ③ شہر کی اندرونی تدبیرات مثلاً سیاست، قضاء، اقامت حدود اور قید خانوں کیلئے خرچ کیا جائیگا ④ دین کی حفاظت کرنے والے خطباء، علماء، ائمہ اور مدرسین کی تنخواہوں کی مد میں خرچ کیا جائے گا ⑤ تمام مسلمانوں کے منافع پر خرچ کیا جائیگا مثلاً نہری اور بجلی کے نظام کیلئے۔

یعزل نفقه اهله سنة: سوال: روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ دوسرے دن تک کے لئے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو پھر سال بھر کا خرچہ کس طرح جمع کرتے تھے؟ **جواب:** جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کل تک کے لئے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے تو اس کا تعلق آپ کی ذات سے ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کو بچا کر نہیں رکھتے

تھے اور یہاں جس بات کا ذکر ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کے اہل وعیال کے ساتھ ہے۔ نیز واضح رہے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کو سال بھر کیلئے خرچہ کبھی کبھار دیا کرتے تھے مستقل طور پر دینے کا معمول نہیں تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل وعیال کی سال بھر کی ضروریات زندگی جمع کر لینا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ اس میں بے فکری بھی ہے اور برکت بھی۔ **مما لم یوجف المسلمون** : ''ای مما لم یسرع'' مطلب یہ ہے کہ اس مال (فئی) کو حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ۔

ینفق علی اهله: ''ای نسائه وبناته'' اہل سے مراد آپ ﷺ کی بیویاں، بیٹیاں اور خدام ہیں۔

فی السلاح والکراع: بنو نضیر کے جلاوطن ہو جانے کے بعد رسول کریم ﷺ نے بنو نضیر کے متروکہ مال کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ اولاً اپنے اہل وعیال کے سال بھر کا خرچ نکالا پھر بقیہ مال مجاہدین پر خرچ کیا نیز واضح رہے کہ حدیث پاک ان احادیث کے معارض نہیں جن میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کے گھر دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی اس طرح کے تمام واقعات بنو نضیر سے حاصل ہونے والے مال سے پہلے کے ہیں بعد میں اللہ پاک نے وسعت دے دی اور اسی طرح بنو نضیر سے مال حاصل ہونے کے بعد فاقے کے حالات ازواج مطہرات کے زیادہ صدقہ خیرات کرنے کی وجہ سے پیش آتے تھے۔

جس طرح آپ ﷺ کیلئے مال فئی میں حصہ ہوتا تھا اس طرح شاید کوئی یہ گمان کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے بھی حصہ ہے کیونکہ یہ خلیفہ رسول ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وہم کو دور کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا کہ مال فئی میں خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ مال فئی میں سب مسلمین کا حق ہے کہ انکے مصالح میں خرچ کیا جائے۔ مثلاً اپاہج وغیرہ پر خرچ کرنا، اسی طرح اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے پر خرچ کرنا اور چوکیدار وقضاء وغیرہ اور سیاست کیلئے خرچ کرنا اور اسلامی تعلیم کو باقی رکھنے کیلئے مدرسین کو خرچہ دینا اور تربیت اخلاق واصلاح کیلئے خطباء کے وظائف مقرر کرنا، عام مسلمانوں کے مزارع وباغات کی سیرابی کیلئے نہریں اور تالاب کھودنا اور چلنے پھرنے کیلئے راستے وپل بنانا۔ الغرض منافع مشترکہ میں خرچ کرنا تو نفس استحقاق میں برابر ہے۔ البتہ کسی کی فضیلت وامتیاز کی بناء پر اس میں تفاوت وغیرہ آسکتا ہے جبکہ آپ ﷺ اہل بدر اور بیعت رضوان کے درمیان تفاوت سے تقسیم کرتے تھے یہی جمہور صحابہ وائمہ کا مذہب ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک میراث کی مانند مال فئی کی تقسیم برابری کے طور پر ہوگی۔

اَبْوَابُ اللِّبَاسِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تشریح: یہاں ''لباس'' ملبوس کے معنی میں ہے یعنی پوشاک اور باب سمع سے اس کا مصدر ''لُبس'' لام کے پیش سے آتا ہے ''لبس الثوب'' کپڑا پہننا اور ''لباس'' لام کے کسرہ کے ساتھ ہوتو اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو پہنا جائے اور باب ضرب سے ہوتو اس کا معنی خلط ملط کرنا ہوتا ہے۔ کما فی قولہ تعالی ''ولا تلبسوا الحق بالباطل''۔ (البقرہ:۴۲)

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی تحقیق ہم نے اس وجہ سے کی کہ اکثر لوگوں کو اس میں التباس ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لباس کے چند مقاصد کی طرف اشارہ فرمایا ہے ''یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا''۔ اس آیت کے تحت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ لباس کے چار درجات ہیں۔

① درجہ ضرورت: جو جسم کو ڈھانک لے۔ ② درجہ آسائش: جو گرمی اور سردی دونوں سے حفاظت کرے۔ ③ درجہ آرائش: جس سے حسن وزینت حاصل ہو اس کو ''وریشا'' سے تعبیر کیا۔ ④ درجہ نمائش: جس میں دکھلاوا اور تفاخر مقصود ہو۔ پہلے دو درجات ضروری ہیں اور تیسرا درجہ ''بطریق تحدیث بالنعمۃ'' مستحب ہے اور تکبر کی بناء پر حرام ہے اور چوتھا درجہ ناجائز ہے۔

نیز مردوں اور عورتوں کے لباس میں فرق ہونا چاہئے اسی طرح اعضاء کو چھپانے میں بھی مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہونا چاہئے مردوں کا لباس ٹخنوں سے اوپر ہو نیچے نہ ہو اور عورتوں کا لباس ٹخنوں سے نیچے ہو اوپر نہ ہو نیز اسی طرح لباس اتنا تنگ نہیں ہونا چاہیے کہ جس سے اعضاء مستورہ واضح نظر آئیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبُ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأُمِّ هَانِئٍ وَأَنَسٍ

اسحاق بن منصور، عبد اللہ بن نمیر، عبید اللہ بن عمر، نافع، سعید بن ابی ھند حضرت ابی موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام کر دیا گیا ہے البتہ عورتوں کے لئے حلال ہے اس باب میں حضرت عمر، علی، عقبہ بن عامر، ام ہانی، انس، حذیفہ،

وَحُذَيْفَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَجَابِرٍ وَأَبِي رَيْحَانَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَالْبَرَاءِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

عبداللہ بن عمرو، عمران بن حصین، عبداللہ بن زبیر، جابر، ابوریحانہ، ابن عمر، اور براء سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفْلَةَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ أُصْبُعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

محمد بن بشار، معاذ بن ھشام، قتادہ، شعبی، سوید بن غفلہ، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو ریشم سے منع فرمایا لیکن دو یا تین یا چار انگلیوں کے برابر جائز ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: سونا اور ریشم کے کپڑے مردوں کے لئے حرام کئے گئے ہیں اور عورتوں کے لئے ان کو جائز قرار دیا گیا ہے عورتیں استعمال کرسکتی ہیں۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔ **اوّل:** سونے اور ریشم کے کپڑوں میں زنانہ پن ہوتا ہے اور مردوں کے لئے زنانہ پن اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ مردوں کے لئے مردانگی مطلوب ہے۔ اس لئے یہ چیزیں مرد استعمال نہیں کرسکتے ہاں عورتوں کے لئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان چیزوں میں زنانہ پن ہوتا ہے اور عورتوں میں یہ چیز مطلوب ہوتی ہے۔

ثانی: یہ اشیاء عیش کا ذریعہ ہیں نبی کریم ﷺ نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان ان کے حصول کے لئے دن رات خرچ کردے اور اللہ تعالیٰ کی عبادات وغیرہ چھوڑ دے۔

ثالث: زیب وزینت اور جمال پسندیدہ عمل ہے ''ان اللہ جمیل یحب الجمال'' اس کی ایک حد متعین ہے۔ اگر اس حد سے تجاوز کر جائے تو پسندیدہ نہیں اس سے تجاوز کرنے سے انسان کے تکبر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور تکبر جن چیزوں سے پیدا ہوان کو چھوڑ دینا مناسب ہے اور یہ دونوں چیزیں تکبر پیدا کرنے والی ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ حریر مصمت کا حرب وغیر حرب دونوں حالتوں میں پہننا حرام ہے جس طرح مردوں کیلئے مکروہ ہے اسی طرح بچوں کو پہننا بھی مکروہ ہے اور اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے بچے کو پہنایا ہو۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس کپڑے کا تانا ریشم کا نہ ہو اور بانا ریشم کا ہو تو جنگ کے علاوہ موقعوں پر پہننا تینوں حضرات کے نزدیک حرام ہے اور جنگ میں پہننا جائز ہے اگر اس کا بانا ریشم کا ہو اور تانا غیر ریشم کا ہو تو ان تینوں حضرات کے نزدیک ہر حالت میں اس کا پہننا حرام ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حریر ودیباج کو نیچے بچھانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ سب حرام ہیں۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۴۵) اس حدیث میں ریشم کی جتنی مقدار استعمال کرسکتے ہیں اس کا بیان ہے۔

بالجابیۃ: شام کے شہر کا نام ہے فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تھے وہاں جابیہ میں

آپ نے خطبہ دیا تھا مردوں کیلئے ریشم کے جواز کی ابتداء دو انگلیوں کی مقدار سے ہوئی اور چار انگشت اسکی انتہا ہے اس سے زیادہ حرام ہے۔ اسکی مزید تشریح آگے ''ابواب الاستیذان والاداب'' میں ''باب ما جاء فی کراھیۃ الحریر والدیباج'' میں آئیگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ فِي الْحَرْبِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ شَكَيَا الْقَمْلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ لَهُمَا فَرَخَّصَ لَهُمَا فِي قُمُصِ الْحَرِيرِ قَالَ وَرَأَيْتُهُ عَلَيْهِمَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے ایک جنگ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوئیں پڑنے کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت دی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان دونوں کو یہ کرتے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ سونا اور ریشم عورتوں کیلئے حلال اور اس امت کے مردوں کیلئے عام حالات میں حرام ہے۔

مسئلہ: بیماری اور جنگ یا سفر وغیرہ میں ریشم پہننے کا کیا حکم ہے۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اس حالت میں مردوں کے لئے خالص حریر پہننا جائز ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کسی صورت میں خالص حریر کا استعمال جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: گزشتہ باب کی حدیث ہے حرم لباس الحریر الحدیث۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو ماقبل میں گزر چکی ہے نیز ایک روایت میں ہے لحکۃ بھما یعنی خارش کی وجہ سے اجازت دی۔

جواب: وہ حالت اضطرار یا ان کی خصوصیت پر محمول ہے۔ حالت اضطرار کی صورت حدیث کے ظاہر سے معلوم ہو رہی ہے کہ ان کو خارش وغیرہ کی وجہ سے ریشم کے کپڑے پہننے کی اجازت دی ہے۔

حدیث میں ''ذکور'' سے مرد اور بچے مراد ہیں اگر چھوٹے بچوں کو ریشم پہنایا تو پہنانے والا گناہ گار ہوگا نیز جس طرح سونے چاندی کے برتن مردوں کے لئے استعمال کرنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ان برتنوں کا استعمال حرام ہے۔

بَابٌ (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنْ

حضرت واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن

مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا وَاقِدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ قَدِمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ مَنْ أَنْتَ فَقُلْتُ أَنَا وَاقِدُ بْنُ عَمْرٍو فَبَكَى وَقَالَ إِنَّكَ لَشَبِيهٌ بِسَعْدٍ وَإِنَّ سَعْدًا كَانَ مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ وَأَطْوَلَ وَإِنَّهُ بَعَثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةٌ مِنْ دِيبَاجٍ مَنْسُوجٌ فِيهَا الذَّهَبُ فَلَبِسَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَامَ أَوْ قَعَدَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْمِسُونَهَا فَقَالُوا مَا رَأَيْنَا كَالْيَوْمِ ثَوْبًا قَطُّ فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ مِنْ هٰذَا لَمَنَادِيلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا تَرَوْنَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا میں واقد بن عمرو ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا تمہاری شکل سعد سے ملتی ہے اور وہ بہت بڑے لوگوں میں سے تھے انہوں نے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمی جبہ بھیجا جس پر سونے کا کام ہوا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پہنا اور منبر پر تشریف لائے تو لوگ اسے چھونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم نے آج تک ایسا کپڑا نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو حضرت سعد کے جنتی رومال اس سے اچھے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس باب میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: جنت میں ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ جنت میں شراب پلائی جائے گی لیکن اس میں نشہ وغیرہ نہیں آئے گا۔ اسی طرح جنت میں ریشم پہنائی جائے گی لیکن وہ دنیاوی ریشم کی طرح نہیں ہوگی۔

حدیث الباب میں ہے کہ آپ ﷺ جبہ پہن کر منبر پر تشریف فرما ہوئے لوگ اس کو ہاتھ لگا کر دیکھتے اور کہتے ایسا لباس ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس پر تعجب ہوتا ہے سعد کے اس سے زائد مزے ہوں گے۔

اس باب میں تو ریشم کے جبے کو پہننے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔ اور اسی طرح دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر نے ریشم کا جبہ آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ ان دونوں احادیث کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں حرمت سے پہلے پر محمول ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ لِلرِّجَالِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَّةٍ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کسی لمبے بالوں والے شخص کو سرخ جوڑا پہنے ہوئے نبی کریم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا آپ ﷺ کے بال مبارک شانوں تک تھے اور شانے چوڑے تھے اور آپ ﷺ کا قد نہ چھوٹا تھا اور نہ لمبا تھا۔ اس باب میں

بِالطَّوِيلِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَأَبِي رِمْثَةَ وَأَبِي جُحَيْفَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت جابر بن سمرہ، ابورمثہ اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: سرخ رنگ کے کپڑوں کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں حدیث الباب میں سرخ رنگ کا جواز معلوم ہو رہا ہے سرخ رنگ کے کپڑوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

فقہاء احناف کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ حسن بن عمار شرنبلالیؒ نے اس بارے میں مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں انہوں نے آٹھ اقوال استحباب سے لے کر کراہت تحریمی تک نقل کئے ہیں۔

بعض حضرات نے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کے برعکس مردوں کے لئے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

سرخ رنگ کے کپڑے کی دو قسمیں ہیں۔ ① جو خالص سرخ رنگ کا ہو اس کی ممانعت ہے۔ ② وہ کپڑے جو خالص سرخ رنگ کے نہ ہوں بلکہ اس میں دوسرا رنگ بھی ملا ہو۔ دوسری قسم کا کپڑا پہننا جائز ہے۔ بلکہ بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے لیکن یہ استحباب کا قول محل نظر ہے۔ بہر حال خالص سرخ رنگ کے کپڑے پہننا جائز نہیں اور جو کپڑے خالص سرخ رنگ کے نہ ہوں ان کا استعمال مختلف ہو جائز ہے۔ باقی حدیث کی شرح آگے ابواب کے ذیل میں آ جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُعَصْفَرِ لِلرِّجَالِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَحَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسم سے رنگے ہوئے کپڑے اور ریشمی کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت انس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: وعن لبس القسی: اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو مصر کے ایک شہر "قس" میں تیار کیا جاتا ہے قس کی طرف نسبت کی وجہ سے اس کو قسی کہا جاتا ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قسی ایک خاص قسم کے کپڑے کو کہا جاتا ہے جس میں ریشمی دھاریاں ہوتی ہیں اس صورت میں اس ممانعت کا تعلق احتیاط وتقویٰ کی بناء پر ہوگا اور نہی تنزیہی ہوگی اور اگر وہ کپڑا پورا ریشم کا ہو تو پھر نہی تحریمی ہوگی اور امام طیبیؒ نے کہا کہ "قسی" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کتان کا ہوتا تھا جس میں ریشم بھی مخلوط ہوتا تھا۔

میاثر: "میثر" کی جمع ہے سرخ رنگ کی زین پوش کو کہتے ہیں جو عام طور پر ریشم کا ہوتا تھا چنانچہ اس ممانعت کا تعلق بھی اس صورت سے ہوگا جبکہ وہ ریشمی ہو اگر سوتی ہو تو یہ غرور وتکبر پر محمول کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْفِرَاءِ

حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ هَارُونَ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ وَفِي الْبَاب عَنْ الْمُغِيرَةِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرَوَى سُفْيَانُ وَغَيْرُهُ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَوْلَهُ وَكَأَنَّ الْحَدِيثَ الْمَوْقُوفَ أَصَحُّ

اسماعیل بن موسیٰ فزاری، سیف بن ھارون، سلیمان تیمی، ابی عثمان، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھی، پنیر، اور پوستین کے بارے میں پوچھا گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال یا حرام کیا ہے اور جس سے خاموشی اختیار کی گئی ہے وہ معاف ہے۔ اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں سفیان وغیرہ بھی سلیمان تیمی سے اور وہ ابوعثمان سے اور وہ سلمان سے موقوفاً نقل کرتے ہیں یعنی انہی کا قول اور شاید کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: الفراء: یہ فرو کی جمع ہے ریچھ یا لومڑی وغیرہ کی کھال کو کہا جاتا ہے جس کی دباغت نہ دی گئی ہو اس کو چمڑے کا کوٹ بھی کہا جاتا ہے۔ اور پوستین کا استعمال بھی جائز ہے کیونکہ درندوں کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں جبکہ بالوں میں تو کوئی حیات ہی نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ اس حدیث سے اصول نکلتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اگر اس کے خلاف قرآن و سنت میں کوئی دلیل نہ ہو تو اس کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہو۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی سیف بن ہارون البرجمی ہے اور دوسرا ابوالورقاء الکوفی بھی راوی ہے جو اس حدیث کو ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ذکر کی ہے یہ راوی نہایت ضعیف ہے۔ ابن حبان وغیرہ نے ان پر سخت تنقید کی ہے۔ بعض حضرات اس حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں اور یہی قول امام بخاریؒ کا ہے البتہ امام بخاریؒ نے سیف کو مقارب الحدیث کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ مَاتَتْ شَاةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِهَا أَلَا نَزَعْتُمْ جِلْدَهَا ثُمَّ

قتیبہ، لیث، یزید بن ابی حبیب، عطاء بن ابی رباح، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بکری مرگئی رسول اللہ ﷺ نے اس کے مالکوں سے فرمایا تم اس کا چمڑا اتار کر دباغت کیوں نہیں دیتے تا کہ اس سے

دَبَغْتُمُوهُ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ وَمَيْمُونَةَ وَعَائِشَةَ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ وَرُوِيَ عَنْهُ عَنْ سَوْدَةَ وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يُصَحِّحُ حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ وَقَالَ احْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ مَيْمُونَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ فَقَدْ طَهُرَتْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ إِلَّا الْكَلْبَ وَالْخِنْزِيرَ وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ جُلُودَ السِّبَاعِ وَشَدَّدُوا فِي لُبْسِهَا وَالصَّلَاةِ فِيهَا قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ إِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ

نفع حاصل کرو۔ اس باب میں حضرت سلمہ بن محبق، میمونہ، اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابن عباسؓ حسن صحیح ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کئی سندوں سے مرفوعاً نقل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بواسطہ میمونہؓ اور سودہؓ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے میں نے امام بخاری سے سنا وہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بلاواسطہ اور بواسطہ حضرت میمونہؓ دونوں کو صحیح قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے بواسطہ میمونہ روایت کیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ بلاواسطہ روایت کیا ہو اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی اور احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

قتیبہ، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن محمد، زید بن اسلم، عبدالرحمن بن وعلہ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چمڑے کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگیا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ مردار کا چمڑا دباغت دیا جائے تو پاک ہوجاتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے چمڑے کے علاوہ ہر دباغت دیا ہوا چمڑا پاک ہے بعض صحابہ اور دیگر اہل علم نے درندوں کے چمڑوں کو ناپسند کیا ہے اور انکے پہننے نیز ان میں نماز پڑھنے کے معاملے میں سختی برتی ہے۔ اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مطلب ہے کہ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے چمڑے دباغت سے پاک ہوجاتے ہیں نضر بن شمیل نے اس کا یہی مطلب بیان کیا

جِلْدُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ هٰكَذَا فَسَّرَهُ النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ و قَالَ إِنَّمَا يُقَالُ إِهَابٌ لِجِلْدِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَكَرِهَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَالْحُمَيْدِيُّ الصَّلٰوةَ فِيْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ

ہے اور فرمایا ہے کہ اھاب سے مراد مراد ان جانوروں کے چمڑے ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ ابن مبارک، احمد، اسحاق اور حمیدی رحمہم اللہ نے بھی درندوں کی کھالوں پر نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ وَالشَّيْبَانِيِّ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَيُرْوٰى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُكَيْمٍ عَنْ أَشْيَاخٍ لَهُ هٰذَا الْحَدِيثُ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَنَّهُ قَالَ أَتَانَا كِتَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ وَ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ كَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ يَذْهَبُ إِلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ لِمَا ذُكِرَ فِيهِ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ وَكَانَ يَقُولُ كَانَ هٰذَا آخِرَ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَ أَحْمَدُ هٰذَا الْحَدِيثَ لَمَّا اضْطَرَبُوا فِي إِسْنَادِهِ حَيْثُ رَوٰى بَعْضُهُمْ وَقَالَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُكَيْمٍ عَنْ أَشْيَاخٍ مِنْ جُهَيْنَةَ.

محمد بن طریف کوفی، محمد بن فضیل، اعمش، شیبانی، حکم، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حضرت عبداللہ بن عکیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں لکھا کہ مردار کی کھال یا اس کے پٹھوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا جائے۔ یہ حدیث حسن ہے اور عبداللہ بن عکیمؓ سے کئی شیوخ کے واسطے سے منقول ہے اکثر علماء کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے یہ حدیث عبداللہ بن عکیمؓ سے اس طرح بھی منقول ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو ماہ قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پہنچا۔ میں نے امام احمد بن حسن سے سنا وہ فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کے قائل تھے یعنی مردار کی کھال کے استعمال سے منع فرماتے تھے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی وفات سے دو ماہ پہلے کا ذکر ہے وہ فرماتے تھے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا آخری حکم تھا پھر امام احمدؒ نے اس کی سند میں اضطراب کی وجہ سے اسے ترک کر دیا۔ کیونکہ بعض نے اس کو عبداللہ بن عکیمؓ سے اپنے جہینہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلافی مسئلہ کتاب الطہارت میں گزر چکا ہے۔

دوسرا مسئلہ مردار کی کھال دباغت سے قبل فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی کتاب البیوع **باب ماجاء فی بیع جلود المیتة والاصنام** میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ جَرِّ الْإِزَارِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ كُلُّهُمْ يُخْبِرُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ وَفِي الْبَاب عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَسَمُرَةَ وَأَبِي ذَرٍّ وَعَائِشَةَ وَهُبَيْبِ بْنِ مُغْفَّلٍ وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

الانصاری، معن، مالک، قتیبہ، مالک، نافع، عبداللہ بن دینار، زید بن اسلم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جو تکبر سے اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے۔ اس باب میں حضرت حذیفہ، ابوسعید، ابوہریرہ، سمرہ، ابوذر، عائشہ، اور وہیب بن مغفل رضوان اللہ علیھم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے۔

تشریح: لاینظر: ''نظر'' سے مراد رحمت ہے کہ اللہ اس کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا یا یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جو تکبر کی وجہ سے چادر دراز کرنے کو حلال جانے یا زجر و توبیخ پر محمول ہے۔

الحاصل چادر یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکائے تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

من جر ثوبہ: ''وھو شامل لازارہ وردائہ وغیرھما'' ثوب سے مراد عام ہے خواہ ازار ہو شلوار ہو یا قمیض ہو جو بھی کپڑا گھسٹ کر زمین پر لگے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جَرِّ ذُيُولِ النِّسَاءِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَكَيْفَ يَصْنَعْنَ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ قَالَ يُرْخِينَ شِبْرًا فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِينَهُ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي

حسن بن علی خلال، عبدالرزاق، معمر، ایوب، نافع، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تکبر سے کپڑا گھسیٹ کر چلے اللہ قیامت کے دن اسکی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا عورتیں اپنے دامنوں کا کیا کریں آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک بالشت لٹکا کر رکھیں انہوں نے عرض کیا اس صورت میں انکے قدم کھل جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو پھر ایک ہاتھ تک لٹکا سکتی ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ یہ حدیث

هٰذَا الْحَدِيثِ رُخْصَةٌ لِلنِّسَاءِ فِي جَرِّ الْإِزَارِ لِأَنَّهُ يَكُونُ أَسْتَرَ لَهُنَّ

حسن صحیح ہے اور اس حدیث میں عورتوں کو کپڑا لٹکانے کی اجازت ہے کیونکہ اس میں زیادہ پردہ ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمِّ الْحَسَنِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبَّرَ لِفَاطِمَةَ شِبْرًا مِنْ نِطَاقِهَا وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ

اسحاق بن منصور، عفان، حماد بن سلمہ، علی بن زید، حضرت ام الحسن سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ان سے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے لئے ان کے نطاق میں سے ایک بالشت کی مقدار نیچے لٹکانے کو جائز رکھا۔ بعض راوی یہ حدیث حماد بن سلمہ سے وہ علی بن زید سے وہ حسن سے وہ اپنی والدہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے نقل کرتی ہیں۔

تشریح: لم ینظر الله الیه: ''ای لا یرحم علیه ولم یلتفت الیه'' یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا کما مر جرالازار اور اسبال دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔

الازار: اسکا معنی ہے لٹکانا اور ڈھانکنا اسکی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں بعض جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض کا عدم جواز ① کوئی شخص بالقصد بطور تکبر کے ازار ٹخنوں سے نیچے کرے تو یہ حرام ہے ② کوئی شخص بالقصد اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے رکھے لیکن اسکا ارادہ تکبر کا نہ ہو یہ بھی حرام ہے ③ بغیر کسی قصد وارادے کے نیچے ہو جائے خواہ ازار بند کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے یا لنگی کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے یہ شرعاً مذموم نہیں۔ ان تینوں صورتوں میں سے دوسری صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا ناجائز ہے۔

قول اوّل: بعض حضرات نے کہا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے یعنی ناجائز ہے اور علامہ ابن حجرؒ کا فتح الباری میں اسی کی طرف رحجان ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے احناف میں سے ابن الملکؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ کی رائے بھی یہی ہے۔

قول اوّل والوں کی دلیل اوّل: بہت ساری احادیث ہیں جن میں ''من الخیلاء'' کی قید مذکور ہے یہ حضرات اس قید کو واقعی قرار دیتے ہیں تاکہ احترازی اور یہ قید اس فعل کی مزید شناعت کو بیان کرنے کیلئے ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ''ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا'' (سورۃ نور ۳۳) کہ اگر تمہاری باندیاں پاک دامنی کا ارادہ کریں تو انہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو تو یہاں پر ''ان اردن تحصنا'' کی قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے اور مقصود یہ ہے کہ اپنی باندیوں سے زبردستی بدکاری کروانا دگنا جرم ہے کیونکہ بدکاری فی نفسہ ایک جرم ہے اور زبردستی کروانا یہ مزید جرم ہے۔

دلیل ثانی: ایک حدیث میں ایک اور وعید گزری ہے ''ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار'' اس حدیث میں خیلاء تکبر وغیرہ کی قید مذکور نہیں ہے اور دوسری حدیث ''لا ینظر الله الیه یوم القیامة'' اللہ تعالیٰ متکبر کی طرف قیامت کے دن دیکھیں گے بھی نہیں اس طرح کی اکثر احادیث میں خیلاء کی قید ہے یعنی تکبر کی وجہ سے ہو تو یہ وعید ہے۔ لیکن بعض احادیث میں خیلاء کی قید نہیں۔ معلوم ہوا مطلقاً منع ہے۔ **جواب:** فقہ کا اصول ہے کہ جب دو احکام میں سے ایک مطلق ہو اور دوسرا مقید تو

مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یعنی مطلق میں بھی وہی قید ملحوظ ہوتی ہے جو مقید میں ہوتی ہے۔

قول ثانی والوں کی دلیل: یہ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری لنگی ٹخنوں سے بے خیالی میں نیچے ہوجاتی ہے الا یہ کہ میں ہر وقت اس کا خیال رکھوں اور اس کو اوپر رکھوں اور ظاہر ہے کہ ہر وقت اوپر رکھنا مشکل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**انك لست ممن يصنعه خيلاء**" کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے اسبال ازار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ممنوع اس وقت ہے جبکہ تکبر کی وجہ سے ہو اگر بغیر تکبر کے ہو تو نا جائز اور ممنوع نہیں ہے زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے لیکن بالکل عادت بنالینا بھی غلط ہے۔

والعمامة: نیز عمامہ کا شملہ نصف پیٹھ تک ہونا چاہیے اس سے زائد مقدار ممنوع ہے اسی طرح قمیص کا دامن بھی ضرورت سے زیادہ نیچے رکھنا ممنوع ہے بعض قومیں جبہ یا چوغہ ٹخنوں سے نیچے تک رکھتے ہیں یہ بھی حرام اور ممنوع ہے۔

نطاق اور پٹی جو عورتیں اپنی کمر پر باندھتی ہیں جیسے گھروں میں کام کرنے والی عورتیں یا کھانا پکانے والی عورتیں باندھتی ہیں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کو ایک بالشت لمبا رکھا جائے تا کہ پردہ اچھے طریقے سے رہے۔

اس باب کے ذیل میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے جو ماقبل ابواب کے متعلقات میں سے تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الصُّوفِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَحَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، ایوب، حمید بن ھلال، حضرت ابوبردہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ہمیں ایک صوف کی موٹی چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند دکھایا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی دو کپڑوں میں وفات پائی۔ اس باب میں حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث عائشہؓ حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ حُمَيْدِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ عَلَى مُوسٰى يَوْمَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ كِسَاءُ صُوفٍ وَجُبَّةُ صُوفٍ وَكُمَّةُ صُوفٍ وَسَرَاوِيلُ صُوفٍ وَكَانَتْ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ هٰذَا حَدِيثٌ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس دن اللہ نے موسیٰ کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا اس روز ان کے جسم پر ایک اون کی چادر، ایک اون کا جبہ اونی ٹوپی اور اونی شلوار تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنی ہوئی تھیں۔ یہ حدیث غریب ہے

غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ وَحُمَيْدٌ هُوَ ابْنُ عَلِيٍّ الْأَعْرَجُ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَحُمَيْدُ بْنُ قَيْسٍ الْأَعْرَجُ الْمَكِّيُّ صَاحِبُ مُجَاهِدٍ ثِقَةٌ وَالْكُمَّةُ الْقَلَنْسُوَةُ الصَّغِيرَةُ

ہم اس حدیث کو صرف حمید اعرج کی روایت سے جانتے ہیں یہ علی اعرج کے بیٹے ہیں اور منکر الحدیث ہیں جبکہ حارث بن قیس اعرج مکی جو مجاہد کے ساتھی ہیں، وہ ثقہ ہیں۔ الکُمَّۃ چھوٹی ٹوپی کو کہتے ہیں۔

تشریح: **کساء ملبدا:** ''کساء'' اس چادر کو کہتے ہیں جو جسم کے اوپر والے حصے کو ڈھانپ لے اور ازار اس کے برعکس کو کہتے ہیں ان دو کپڑوں میں موت کا آنا آپ ﷺ کی دعا ''اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا'' کی قبولیت کی وجہ سے تھا اس دعا کا اثر یہ تھا کہ دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت آپ ﷺ کے جسم مبارک پر دو انتہائی معمولی کپڑے تھے۔

واضح رہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمدہ قسم کے کپڑے بھی پہنے ہیں مگر عادت نہیں ڈالی۔

کان علی موسیٰ یوم کلمه ربه: اس حدیث کی سند غریب ہے یہ صرف حمید اعرج سے ہی پہچانی جاتی ہے یہ کوفہ کا رہنے والا اور منکر الحدیث ہے اور دوسرا راوی حمید ہے جسکے باپ کا نام قیس ہے اس کا لقب بھی اعرج ہے لیکن یہ مکہ کا باشندہ اور ثقہ راوی ہے اور ایک تیسرا حمید بھی ہے یہ بصرہ کا رہنے والا ہے اسکا لقب طویل ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کا ثقہ راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِمَامَةِ السَّوْدَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو ابْنِ حُرَيْثٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَرُكَانَةَ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، حماد بن سلمہ، ابی زبیر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ اس باب میں حضرت عمرو بن حریث، ابن عباس اور رکانہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: **عمامة سوداء:** سر پر پگڑی باندھنا سنت ہے۔ رسول کریم ﷺ نے دستار مبارک خود بھی پہنی ہے اس کی تعریف بھی فرمائی ہے اور اس کے باندھنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ فتح الباری میں روایت ہے کہ پگڑی باندھا کرو اس سے حلم پیدا ہوتا ہے۔ عینی کی روایت ہے کہ پگڑی باندھا کرو، پگڑی اسلام کا نشان ہے اور مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے نیز زعفران رنگ والی پگڑی نہیں پہننی چاہیے باقی کسی بھی رنگ کی جائز ہے۔

آپ ﷺ کی پگڑی مبارک کا رنگ: روایات میں آپ ﷺ کی پگڑیوں کا کالا، سفید، زرد اور سرخ رنگ کا ثبوت ملتا ہے۔

سفید اور کالے رنگ کی پگڑی پہننے میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ زرد اور سرخ رنگ کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے اور وہ نہی والی روایات کو اصفر اور احمر (زیادہ زرد، زیادہ سرخ) پر محمول کرتے ہیں۔ باقی جہاں تک سبز رنگ کی پگڑی کا تعلق ہے تو کسی صحیح روایت سے یہ رنگ ثابت نہیں جیسا کہ شرح شفاء میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سبز رنگ کی پگڑی نہیں پہنی۔ (شرح الشفاء ج ۲ ص ۳۷۱)

بَابُ فِي سَدْلِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْدِلُ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَلَا يَصِحُّ حَدِيثُ عَلِيٍّ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ.

ھارون بن اسحاق ہمدانی، یحیی بن محمد مدینی، عبدالعزیز بن محمد، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو عمامے کے شملے کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا کرتے تھے نافع کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو بھی اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا اور عبیداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم اور سالم کو بھی اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا اس باب میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی حدیث منقول ہے لیکن یہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

تشریح: اذا اعتم: ای لف العمامۃ علی رأسہ'' رسول کریم ﷺ نے پگڑی لمبی بھی استعمال فرمائی ہے اور چھوٹی بھی۔ لمبی پگڑی بارہ ہاتھ کی ہوتی تھی اور چھوٹی پگڑی مبارک چھ یا سات ہاتھ کی ہوتی تھی نیز پگڑی کے شملہ کے بارے میں رسول کریم ﷺ کی عادت مبارکہ مختلف رہی ہے۔ آپ ﷺ اپنے عمامہ کا سرا یعنی شملہ دونوں کندھوں کے درمیان (اور یہ شملہ نصف پیٹھ تک ہوتا تھا) ڈالتے تھے۔

آپ ﷺ جب عمامہ باندھتے تو کبھی ایک شملہ چھوڑتے اور کبھی دو شملے چھوڑتے اور کبھی شملہ نہ چھوڑتے اگر شملہ چھوڑتے تو پیٹھ پر یا دو شملوں میں سے ایک کو آگے سینے پر دائیں طرف اور دوسرے کو پیٹھ پر چھوڑ دیتے لیکن بائیں طرف شملہ نہیں لٹکاتے تھے بعض لوگ شملہ چھوڑنے کو صرف نماز کے ساتھ خاص کرتے ہیں یہ خلاف سنت ہے ان آداب سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی پگڑی اور سکھوں کی پگڑی میں زمین آسمان کا فرق ہے نیز عمامہ کے لئے ٹوپی کا ہونا ضروری ہے ٹوپی کے بغیر عمامہ پہننے میں مشرکین کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی چنانچہ ایران کے ذاکرین بغیر ٹوپی کے عمامہ استعمال کرتے ہیں اور اسی طرح وہ بعض بھی شملہ نہیں چھوڑتے سکھ بھی ایسا ہی کرتے ہیں بہر حال فقہی اعتبار سے شملہ چھوڑنا سنن ہدی میں سے نہیں بلکہ سنن زوائد میں سے ہے اس کو

اختیار کرنا ثواب وفضیلت ہے اور شملہ کو ترک کرنا تحقیقی روایات کے خلاف ہے۔ نیز عمامہ باندھنے کی فضیلت تب حاصل ہوگی جب مسنون سمجھ کر باندھا جائے قومی علامت کی وجہ سے باندھنے کی صورت میں اجر سے محرومی ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ وَعَنْ لِبَاسِ الْقَسِّيِّ وَعَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَعَنْ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بیان کیا ہم سے سلمہ بن شبیب نے انہوں نے حسن بن علی خلال سے انہوں نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابراہیم بن عبداللہ بن حنین سے انہوں نے اپنے والد سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی، ریشم کے کپڑے پہننے، رکوع وسجود میں قرآن پڑھنے اور کسم کے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نهانی النبی ﷺ عن التختم بالذهب: رسول کریم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں سونے کی انگوٹھی بھی استعمال فرمائی ہے مگر جب مردوں کیلئے سونے کے زیور کی حرمت نازل ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے سونے کی اس انگوٹھی کو پھینک دیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی منع فرمادیا اس حدث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے حق میں سونے کی انگوٹھی پہننا مطلقاً حرام ہے اور عورتوں کیلئے جائز ہے البتہ چاندی کی انگوٹھی مردوں کیلئے جائز ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ چار ماشہ سے زائد نہ ہو البتہ نگینہ کی اجازت ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ کسی بھی دھات یا پتھر کا ہو۔ اگر چہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔ البتہ مردوں کیلئے زینت کی نیت سے انگوٹھی پہننا مناسب نہیں غیر اولیٰ ہے نیز عورت کیلئے سونے اور چاندی کی انگوٹھی تو جائز ہے اسکے علاوہ پیتل، لوہا وغیرہ یا کسی دوسری دھات کی جائز نہیں البتہ انگوٹھی کے علاوہ کے زیور کسی بھی دھات کے عورت کیلئے جائز ہیں نیز ہر ایسی انگوٹھی جس پر اللہ جل جلالہٗ یا کوئی اور متبرک نام یا لفظ درج ہو تو ادب کا تقاضا یہی ہے کہ بیت الخلاء جاتے وقت اسکو اتار دینا چاہیے جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا عمل مبارک تھا۔

سوال: ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے جو انگوٹھی بنوائی تھی وہ سونے کی تھی جبکہ اس کے برعکس ابن شہاب زہریؒ کی ایک روایت ہے کہ "ان النبی ﷺ اتخذ خاتما من ورق ثم القاه" کہ آپ ﷺ نے پہلے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی پھر اس کو پھینک دیا تھا اب ان دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے۔ **جواب اوّل:** حدیث باب والی روایت راجح ہے اور ابن شہابؒ والی روایت مرجوح ہے کیونکہ یہ ابن شہابؒ والی روایت کے ایک راوی کا صرف وہم ہے اس وہم کی وجہ یہ ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو چاندی کی انگوٹھی اتار کر رکھ دیتے اس میں "نزعه" کے

الفاظ ہیں جس کے معنی ہیں اتارنا جبکہ ابن شہاب والی روایت کے راوی نے اس کا معنی پھینکنا کیا ہے اور یہ روایت بیان کر دی۔

جواب ثانی: عند البعض تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سونے کی انگوٹھی بنوائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اتباع سنت میں سونے کی انگوٹھی بنوائی تو جب سونے کی حرمت مردوں کیلئے نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کو پھینک دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پھینک دیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں اپنا نام نقش کروایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتباع سنت میں اپنی اپنی انگوٹھی پر نقش کروا کر پہن لیا اب التباس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انگوٹھی کو بھی پھینک دیا اس بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی انگوٹھیوں کو پھینک دیا پھر ۶ھ میں معاہدہ حدیبیہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سربراہان مملکت کے نام تبلیغی دعوت نامے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضرت سربراہان مملکت بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایسی انگوٹھی بنانے کا حکم دیا جو مہر لگانے کے بھی کام آ سکے چنانچہ یہ کام حضرت یعلیٰ بن امیہ کے ذمہ لگایا گیا تو حضرت یعلیٰ بن امیہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی بھی بنائی اس میں نگینہ مبارک بھی لگایا اور حکم نبوی سے اس میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ بھی کندہ کئے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعلان فرما دیا کہ "لا ینقش احد علی نقش خاتمی ھذا" کہ میری انگوٹھی کے نقش جیسا نقش کوئی نہ بنائے تا کہ التباس لازم نہ آئے لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی پھینکنے کی الگ الگ وجوہات ہوئیں پہلی دفعہ پھینکنے کی وجہ حرمت ہے اور دوسری دفعہ پھینکنے کی وجہ التباس کا خطرہ تھا بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انگوٹھیاں بنوائی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم والا نقش اختیار نہیں کیا۔

رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی انگوٹھیاں تھیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ انگوٹھی ایک تھی اور بعض نے کہا کہ متعدد تھیں ایک انگوٹھی کا نگینہ چاندی کا تھا اور ایک انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا تھا (عقیق کا پہاڑ حبشہ میں واقع ہے) جن حضرات نے کہا کہ انگوٹھی ایک تھی تو ان کے نزدیک اس میں تطبیق یہ ہوگی کہ جس انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انگوٹھی اس انداز سے بنی ہوئی تھی جس انداز سے اہل حبشہ بناتے ہیں لہٰذا اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ الْفِضَّةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَبُرَيْدَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

قتیبہ، عبداللہ بن وھب، یونس، ابن شہاب، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا اس باب میں حضرت ابن عمرؓ اور بریدہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: فصة حبشیا: انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا یعنی یہاں حبشی سے مراد عقیق ہے، وہ نگینہ سیاہ رنگ کا تھا جس طرح حبشی سیاہ رنگ کا ہوتا ہے ان مناسبت سے اس کو حبشی کہا گیا۔ **سوال:** رسول کریم ﷺ کی انگوٹھی مبارک کے نگینہ کے متعلق مختلف روایات ہیں اس روایت کے مطابق نگینہ حبشی تھا اور آنے والے باب کی روایت کے مطابق چاندی کا نگینہ تھا۔ بظاہر تعارض ہے۔

جواب اوّل: کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ نگینہ تو ہو چاندی کا مگر اس کو بنانے والا حبشی ہو یا اس کو حبشی طریقہ پر بنایا گیا ہو۔

جواب ثانی: مختلف اوقات پر محمول ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ سے مختلف اوقات میں مختلف انگوٹھیاں پہننا ثابت ہے اس لئے کسی انگوٹھی کا نگینہ چاندی کا اور کسی انگوٹھی کا نگینہ سیاہ رنگ کا تھا۔ ہر راوی نے اپنے مشاہدے کے مطابق نقل کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ فِي فَصِّ الْخَاتَمِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

بیان کیا ہم سے محمود بن غیلان سے انہوں نے حفص بن عمر بن عبید طنافسی سے انہوں نے زہیر سے انہوں نے ابوخیثمہ سے انہوں نے حمید سے وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی سے تھا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: گزشتہ حدیث میں گزرا ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا اور اس حدیث میں ہے کہ نگینہ چاندی کا ہے کیونکہ اس میں مہر کندہ تھی اور پتھر پر مہر کندہ کروانا مشکل ہے۔ اس کی ساخت حبشی طرز کی تھی۔

جواب: بعض حضرات نے کہا کہ یہاں حبشی کا معنی کالا ہے کہ اس کا نگینہ کالا تھا اور چاندی ہی کا تھا لیکن اس کا رنگ کالا پڑ گیا تھا اس وجہ سے اس کو حبشی کہا گیا۔ یا رسول کریم ﷺ جب مہر لگاتے ہوں تو سیاہی لگانی پڑتی ہوگی اس سیاہی کے کثرت استعمال کی وجہ سے وہ انگوٹھی کالی ہوگئی تھی۔ الحاصل ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی ایک نہیں تھی بلکہ ایک سے زیادہ تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِينِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَتَخَتَّمَ بِهِ فِي يَمِينِهِ ثُمَّ جَلَسَ

محمد بن عبید محاربی، عبدالعزیز بن ابی حازم، موسیٰ بن عقبہ، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوا کر دائیں ہاتھ میں پہنی اور پھر منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد فرمایا میں نے یہ انگوٹھی اپنے

عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ اتَّخَذْتُ هٰذَا الْخَاتَمَ فِي يَمِينِي ثُمَّ نَبَذَهُ وَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَ هٰذَا مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَنَّهُ تَخَتَّمَ فِي يَمِينِهِ.

داہنے ہاتھ میں پہنی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا لہٰذا لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔ اس باب میں حضرت علی، جابر، عبداللہ بن جعفر، ابن عباس، عائشہ اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے یہ حدیث نافع سے بواسطہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی سند سے اسی طرح منقول ہے لیکن اس میں داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر نہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَلَا إِخَالُهُ إِلَّا قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ نَوْفَلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

محمد بن حمید رازی، جریر، محمد بن اسحاق، حضرت صلت بن عبداللہ بن نوفل فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا میرے خیال میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی صلت بن عبداللہ بن نوفل سے روایت حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، حاتم بن اسماعیل، حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا أَصَحُّ شَيْءٍ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ

احمد بن منیع، یزید بن ھارون، حضرت حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن ابی رافع کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو ان سے وجہ پوچھی انہوں نے فرمایا میں نے عبداللہ بن جعفر کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: آپ ﷺ نے کون سے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے اس میں دونوں طرح کی روایات ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ

میں انگوٹھی پہنی ہے جبکہ امام ترمذیؒ کا رجحان دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی طرف ہے اس لئے تمام روایات ایسی لائے ہیں جن میں انگوٹھی کے دائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے سوائے حضرات حسن حسنین کریمین والی موقوف روایت کے کیونکہ اس میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا تذکرہ ہے مگر بخاری ومسلم کی روایات میں بھی رسول کریم ﷺ کا بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر موجود ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں مجھے احادیث کے دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر زینت کے ارادہ سے انگوٹھی پہنی جائے تو دائیں ہاتھ میں پہننا بہتر ہے اور اگر مہر کی نیت سے انگوٹھی پہنی جائے تو بائیں ہاتھ میں پہننا بہتر ہے۔ کیونکہ دائیں ہاتھ سے مہر لگانے کیلئے بائیں ہاتھ کی انگلی سے اتار کر مہر لگانے میں دیر نہیں ہوگی جبکہ دائیں ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی میں ایسا نہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۲)

نیز امام نوویؒ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننا ہی سنت ہے۔ نیز انگوٹھی کا نگینہ اوپر کی جانب کرنا بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے مگر اکثر روایات میں انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھنا ہی ثابت ہے۔ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں نگینہ کی حفاظت بھی ہے اور تکبر وعجب سے بھی حفاظت ہے۔ (حاشیہ جمع الوسائل۔ ج ۱ ص ۱۸۸، فتاویٰ شامی ج ۹ ص ۵۹۶) میں ہے کہ مردوں کی انگوٹھی میں نگینہ ہتھیلی کی طرف اور عورتوں کی انگوٹھی میں نگینہ اوپر کی جانب ہونا چاہیے کیونکہ عورتوں کا مقصد ہی زینت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اسکا حل شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ کا ابتدائی معمول دائیں ہاتھ میں پہننے کا تھا اور آخری معمول بائیں ہاتھ میں پہننے کا تھا۔ بہرحال انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی جائے یا بائیں ہاتھ میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ البتہ افضل طریقہ کیا ہے؟ اس بارے میں شوافع کے ہاں دائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ کسی کو دوسری پر افضلیت حاصل نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں قولوں میں تطبیق دی ہے کہ انگوٹھی پہننے کے دو مقصد ہیں کبھی زینت کیلئے پہنی جاتی ہے اور کبھی مہر کیلئے۔ اگر زینت کیلئے پہنی جائے تو دائیں ہاتھ میں پہننا بہتر ہے اور اگر مہر لگانے کیلئے پہنی جائے تو بائیں ہاتھ میں پہنی جائے۔ کیونکہ دائیں ہاتھ سے مہر لگانے کیلئے بائیں ہاتھ کی انگلی سے نکال کر مہر لگانے میں دیر نہیں ہوگی اور اگر دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہو تو پہلے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی انگوٹھی نکالے گا پھر دائیں ہاتھ میں لے گا پھر مہر لگائے گا یہ کام طویل ہو جائے گا۔ اسلئے مہر لگانے کیلئے انگوٹھی پہنی جائے تو بائیں ہاتھ میں پہنے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَقْشِ الْخَاتَمِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولٌ

محمد بن بشار، محمد بن یحییٰ، محمد بن عبداللہ انصاری، ثمامہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی پر تین سطریں نقش تھیں ایک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، دوسری رسول اور تیسری میں اللہ لکھا ہوا تھا محمد بن یحییٰ یہ حدیث نقل کرتے ہوئے تین

سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ وَلَمْ يَقُلْ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

سطروں کے الفاظ ذکر نہیں کرتے۔اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ فَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لَا تَنْقُشُوْا عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ لَا تَنْقُشُوْا عَلَيْهِ نَهٰى أَنْ يَنْقُشَ أَحَدٌ عَلٰى خَاتَمِهٖ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حسن بن علی خلال، عبدالرزاق، معمر، ثابت، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوا کر اس میں، محمد رسول اللہ، کے الفاظ کندہ کرائے اور فرمایا تم انگوٹھی پر نقش نہ کرایا کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے نقش سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی انگوٹھیوں پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نقش نہ کرایا کرو۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَا حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اسحاق بن منصور، سعید بن عامر، حجاج بن منہال، ھمام، ابن جریج، زھری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: **كان نقش خاتم النبي:** آپ ﷺ کی انگوٹھی کا نقش کیا تھا اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کندہ تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس پر بسم اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ منقش تھا آخری روایت سند کے اعتبار سے قوی ہے اور یہ روایت قرین قیاس بھی ہے کیونکہ عموماً انگوٹھی میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ طویل عبارت لکھی جائے اگر طویل عبارت باریک کر کے لکھی جائے تو مہر میں وہ صاف نظر نہیں آئے گی تو مہر کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ نیز رسول کریم ﷺ کی انگوٹھی گول تھی اور اس انگوٹھی میں محمد رسول اللہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا پہلی سطر میں ''اللہ'' دوسری سطر میں ''رسول'' تیسری سطر میں ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔ (اللہ / رسول / محمد) یعنی اللہ پاک کا نام اوپر تھا اور یہ مہر نیچے سے اوپر کو پڑھی جاتی تھی اور عند البعض اس طرح مہر کا نقش تھا (محمد / رسول / اللہ) اور یہ مہر اوپر سے نیچے پڑھی جاتی تھی۔

آپ ﷺ کے بعد یہ انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی ان کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کے پاس چھ سال تک رہی پھر ایک دن بیئر اریس (یہ ایک کنویں کا نام ہے)

پر حضرت عثمانؓ اور حضرت معیقیت تشریف فرما تھے آپ دونوں میں سے کوئی ایک انگوٹھی مبارک دوسرے کو پکڑا رہا تھا کہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی پھر باوجود بہت زیادہ تلاش کے نہ مل سکی۔ واضح رہے کہ اسی انگوٹھی مبارک کے گم ہونے کے ساتھ خیر و برکات میں بہت فرق آ گیا اور اس امت میں نہ ختم ہونے والے فتنوں کا آغاز ہو گیا حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ خود بھی شہید کر دیئے گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّورَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصُّورَةِ فِي الْبَيْتِ وَنَهَى أَنْ يُصْنَعَ ذٰلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي طَلْحَةَ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أَيُّوبَ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، روح بن عبادہ، ابن جریج، ابوزبیر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھروں میں تصویر رکھنے اور اسے بنانے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت علی، ابوطلحہ، ابوہریرہ اور ابوایوب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُودُهُ فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ قَالَ فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ إِنْسَانًا يَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ لِمَ تَنْزِعُهُ فَقَالَ لِأَنَّ فِيهَا تَصَاوِيرَ قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَهْلٌ أَوَلَمْ يَقُلْ إِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ فَقَالَ بَلَى وَلٰكِنَّهُ أَطْيَبُ لِنَفْسِي هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ وہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو ان کے پاس سہل بن حنیفؓ بھی موجود تھے پھر ابوطلحہؓ نے ایک شخص کو بلایا اور کہا کہ نیچے سے چادر نکال لو۔ سہلؓ نے پوچھا کیوں۔ آپ نے فرمایا اس لئے کہ اس میں تصویریں ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ سہل نے کہا کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کپڑے میں نقش ہوں ان کی اجازت ہے ابوطلحہؓ نے فرمایا ہاں صحیح ہے لیکن میرے نزدیک یہ زیادہ فرحت بخش ہے (یعنی یہ تقویٰ ہے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نهى رسول الله ﷺ عن الصورة فى البيت: آپ ﷺ نے گھروں میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا اور اس کے بنانے سے بھی منع فرمایا۔ زمانہ قدیم از زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے ہاتھوں سے بتوں کو بناتے تھے پھر ان کی پوجا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے بت بنانے اور ان کی پوجا کرنے سے منع فرمایا اور ان کو گھروں میں رکھنے سے بھی منع فرمایا۔ بتوں کے بنانے کی ممانعت میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا بتوں کا نہ تو بنانا ٹھیک ہے اور نہ ہی ان کی عبادت جائز ہے۔

نیز آپ ﷺ کے زمانے میں لوگ ہاتھ سے تصویر بناتے تھے یا مورتی بناتے تھے اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ جبکہ موجودہ دور میں لوگ ہاتھ سے نہیں بلکہ مشین سے فوٹو بناتے ہیں کیا یہ فوٹو بنانا، بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں بعض علماء مصر کا فتویٰ یہ تھا کہ یہ شمسی تصویر ہے جو کہ جائز ہے اور یہ حرام کے ضمن میں نہیں آتا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس کی پوجا نہیں کی جاتی لہٰذا یہ جائز ہے۔ عرب کے علماء اور برصغیر اکثر کے علماء اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔

بہر حال تصویر خواہ کیمرہ یا یا ہاتھ کی بنی ہوئی ہو حرام ہے اور اسکی حرمت کی وجہ وہی ہے جو مورتی کی ہے کہ بت بناتے ہیں اور انکے سامنے سجدہ کرتے ہیں انکے ہاں مجسمہ کی عبادت بھی ایک طرح کی تعظیم کرنا ہے اور جو شخص کیمرہ سے تصویر نکلوا کر اسکو گھر میں آویزاں کرتا ہے یا اپنے موبائل میں رکھتا ہے اور اسکی عزت کرتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کی تعظیم ہوئی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تصویر رکھنے سے تعظیم مقصود نہیں ہوتی تو اسکا حل یہ ہے کہ اگر اس شخص کے سامنے اس تصویر کو پھاڑ دیا جائے یا توڑ دیا جائے یا آگ لگا دی جائے تو پھر تصویر رکھنے والے کا انداز دیکھ لیں وہ کس جوش میں آتا ہے اس کو جوش آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس تصویر کی تعظیم کر رہا ہے ورنہ وہ اسے اپنے پاس نہیں رکھتا۔

اس ضمن میں یہ بات انتہائی قابل افسوس ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی محفلیں، حمد و نعت، قراءت کی محفلیں ہوتی ہیں۔ علماء، قراء، حفاظ سب موجود ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے موبائل سے فوٹو لے رہا ہوتا ہے اور ویڈیو بنا رہا ہوتا ہے لیکن کوئی روکنے والا نہیں ہوتا اور اگر کوئی روکنے والا ہو تو روکنے والے کے اس عمل کو اچھا نہیں سمجھتا تو یہ گناہ، حرام پر بہت بڑی دلیری اور جرأت ہے اور یہ بہت خطرناک صورتحال ہے کہ گناہ، حرام کو گناہ اور حرام ہی نہ سمجھا جائے اور بعض علماء اس تصویر کو عکس قرار دیتے ہوئے جواز کے قائل ہیں، انکی خدمت میں استاذی حضرت علماء اقدس مفتی عبدالستار صاحب نور اللہ مرقدہٗ سابق رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان کا ارشاد جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ تصویر عجیب عکس ہے جو صاحب عکس کے فوت ہونے سے بھی ختم نہیں ہوتا۔

اسی طرح جب ایک عالم دین خود اپنے موبائل میں تصویر کو جائز قرار دے یا اس کو اپنے میموری کارڈ میں سنبھال کر رکھے تو وہ دوسروں کو کیا روکے گا؟ اس بات کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اور اس گناہ میں عوام و خواص سب گرفتار ہیں۔ اس سے بچنے کی اشد ضرورت ہے اور نبی پاک ﷺ کے تصویر کی حرمت کے متعلق ارشادات کو سامنے رکھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا جائے خود بھی اس لعنت سے بچا جائے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی بچایا جائے۔

اس باب کی دوسری حدیث سے یہ بات واضح معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے میں کپڑوں اور چادروں وغیرہ پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نیچے سے گدا نکلوا دیا حالانکہ جس تصویر کو پاؤں تلے روندا جا رہا ہو اس کی تعظیم مقصود نہ ہو تو اس تصویر میں کوئی حرج نہیں مگر حضرت ابوطلحہؓ نے کمال تقویٰ کی بناء پر اس تصویر کو بھی نکلوا دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُصَوِّرِينَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً عَذَّبَهُ اللهُ حَتَّى يَنْفُخَ فِيهَا يَعْنِي الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تصویر بنائی اللہ اسے (قیامت کے دن) اس وقت تک عذاب میں بتلا رکھے گا جب تک کہ اس میں روح نہیں ڈالے گا۔ اور وہ اس میں کبھی روح نہیں ڈال سکے گا اور جو شخص کسی قوم کی باتیں چھپ کر سنے اور وہ لوگ اسے پسند نہ کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس شخص کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائیگا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، ابوجحیفہ، عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث ابن عباسؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: مَنْ صَوَّرَ صُورَةً: حدیث الباب میں ذکر ہے کہ جس نے تصویر بنائی اللہ قیامت کے دن کہے گا کہ اس میں روح ڈالو۔ جب تک روح نہیں ڈالیں گے ان کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

مسئلہ مذکورہ وعید جاندار کی تصویروں کے متعلق ہے یا بے جان تصویروں کے متعلق ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: مالکیہ کے نزدیک جاندار کی تصویر تو حرام ہی ہے البتہ غیر جاندار کی اکثر مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ پھل والے درخت کی تصویر بنانا بھی مکروہ ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں اور غیر جاندار کی تصویر بنانا جائز ہے۔

قول اوّل کی دلیل: مشکوٰۃ شریف میں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''قال الله تعالیٰ ومن اظلم ممن ذهب يخلق كخلقي وليخلقوا حبةً اوشعيرةً'' اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دونوں قسم کی تصویر کو ظلم کہا گیا ہے۔

جواب: وہاں جو غیر ذی روح کو ظلم کہا گیا وہ ایسی حالت میں ہے کہ بلا ضرورت لہو ولعب سے بیہودہ اسراف کرے تو یہ کراہت سے خالی نہیں اور اس کی عادت اپنانے سے ذی روح کی عادت آ جائے گی تو سدُّ اللباب منع کیا گیا۔

قول ثانی کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں صراحۃً اجازت معلوم ہوتی ہے چنانچہ فرمایا ''ان كنت لابد فاعلاً فاصنع الشجر ومالانفس له'' نیز غیر ذی روح کی شکل بنانے والے کو مصور نہیں کہا جاتا بلکہ نقاش کہا جاتا ہے۔

باقی اس حدیث کے ذریعے تمام تصاویر کی حرمت کا حکم واضح ہے خواہ وہ ہاتھ سے بنائی گئی ہوں یا کسی آلہ یا مشین کے ذریعے۔

اس سے اُن لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ عکس ہے اصل فوٹو کے حکم میں نہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ فوٹو کی ممانعت صرف عبادت اصنام کی وجہ سے نہیں بلکہ تشبیہ بخلق اللہ بھی اس کی علت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عام ہے اور '' احيوا ماخلقتم اى انفخوا الروح فيما صورتم '' بھی اس کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ ہر قسم کے فوٹو کیلئے عام ہے لہٰذا ہر قسم کی تصویر نا جائز ہوگی خواہ کسی آلہ سے حاصل کی جائے یا ہاتھ وغیرہ سے بنائی جائے مجبوری کی صورت میں سرکاری دستاویزات کیلئے تصویر بنوانے میں گناہ نہیں۔

ومن استمع الی حدیث قوم: اور جو شخص کچھ لوگوں کی بات چیت کی طرف اپنے کان لگائے جبکہ وہ لوگ اس شخص کے سننے کو پسند نہ کریں تو قیامت کے دن ایسی باتوں کے سننے والے کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو ان لوگوں کی باتیں چغل خوری اور فتنہ وفساد پھیلانے کی غرض سے سنے۔ ہاں اگر کوئی اس غرض سے کان لگا کر سنے کہ وہ لوگ کسی بات کے ذریعے لوگوں کو فتنہ وفساد میں ڈالیں گے اور یہ سننے والا ان کی باتوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرے تا کہ وہ لوگ ان کے فتنہ وفساد کے شر سے بچ جائیں تو ایسے شخص کے لئے یہ وعید نہیں ہے۔

الآنك: فارسی میں اس کو اسرب کہتے ہیں نہایہ میں ہے کہ سفید سیسہ کو کہتے ہیں "صب فی اذنیه الآنك" یہ جملہ بطور بددعاء ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اخبار ہے یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو اس کو چغلی کی نیت سے کان لگا کر سنتا ہے ہاں اگر وہ اس لئے سنتا ہے تا کہ وہ ان کے شرور سے بچ سکے تو پھر وعید میں داخل نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِضَابِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَفِي الْبَاب عَنِ الزُّبَيْرِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي ذَرٍّ وَأَنَسٍ وَأَبِي رِمْثَةَ وَالْجَهْدَمَةِ وَأَبِي الطُّفَيْلِ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قتیبہ، ابوعوانہ، عمر بن ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بڑھاپے کو بدلو (یعنی خضاب لگا کر سفید بالوں کی سفیدی ختم کر دو) یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ اس باب میں حضرت زبیر، ابن عباس، جابر، ابوذر، انس، ابورمثہ، جہدمہ، ابوطفیل، جابر بن سمرہ، ابوجحیفہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے اور ابوہریرہ ہی سے کئی سندوں سے مرفوعاً منقول ہے۔

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ الْأَجْلَحِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْأَسْوَدِ الدِّيلِيُّ اسْمُهُ ظَالِمُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سُفْيَانَ

روایت کیا ہم سے سوید بن نصر سے انہوں نے ابن مبارک سے انہوں نے اجلح سے انہوں نے عبداللہ بن بریدہ سے انہوں نے اسود سے، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بڑھاپے کو تبدیل کرنے کی بہترین چیز مہندی اور نیل کے پتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابواسود دیلی کا نام ظالم بن عمرو بن سفیان ہے۔

تشریح: اس حدیث کے تحت دو مسئلے سمجھ لیں۔

مسئلہ اولیٰ: خضاب کرنا جائز ہے لیکن کون سے رنگ کا کیا جائے گا؟ سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو سیاہ رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں سے خضاب کرنا جائز ہے جیسا کہ مہندی کی بہت زیادہ ترغیب آئی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے بحوالہ امام نوویؒ نقل کیا ہے کہ مہندی کے بارے میں چند اقوال ہیں۔ قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ سلفِ صالحین کا پہلے تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا بالوں کا خضاب کرنا افضل ہے یا سفید رکھنا افضل ہے۔ بعض سلفِ صالحین نے ترکِ خضاب کو افضل قرار دیا ہے اور بعض نے خضاب کرنے کو افضل کہا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کی رائے بھی یہی ہے کہ اکثر احادیث میں خضاب کی ترغیب وارد ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ بالوں میں سیاہ کے علاوہ ہر قسم کا رنگ اور خضاب کرنا مستحب ہے خواہ مرد کرے یا عورت۔

سوال: حدیث میں ہے کہ خضاب کر کے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ خضاب کے بغیر ڈاڑھی کو سفید چھوڑنا منع ہے حالانکہ بہت سے مسلمان نہ خضاب کرتے ہیں اور نہ کوئی اور رنگ بلکہ بالوں کو اپنی طبعی حالت پر چھوڑتے ہیں۔

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی بھی رنگ اور خضاب کو جائز نہیں سمجھتے لہٰذا تم خضاب کو ناجائز نہ سمجھو بلکہ یہود کی مخالفت کر کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھو پھر خضاب کرنا بھی اچھا ہے اور نہ کرنا بھی بلکہ ڈاڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑ دینا بھی اچھا ہے۔

مسئلہ ثانی: سیاہ خضاب کے متعلق ہے کہ آیا سیاہ خضاب لگانا جائز ہے کہ نہیں؟

اس سلسلہ میں امام نوویؒ نے شرح مسلم میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

قولِ اوّل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سیاہ خضاب کے عدم جواز کی قائل ہے۔

قول ثانی: بعض صحابہ و تابعین کے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنا جائز ہے۔ اس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصریؒ بھی شامل ہیں۔

قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں بلکہ شارحین نے سیاہ خضاب استعمال کرنے کو چند مجبوریوں پر محمول کیا اور جو حضرات سیاہ خضاب کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ ان مجبوریوں کے علاوہ پر محمول کرتے ہیں۔

قول ثالث: ائمہ احناف کے نزدیک سیاہ خضاب مکروہ تحریمی ہے۔ **قول رابع:** امام شافعیؒ کے نزدیک سیاہ خضاب مطلق حرام ہے۔

قائلین جواز کی دلیل اوّل: مشکوٰۃ شریف میں "فخالفوھم" کے الفاظ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ خضاب لگانا جائز ہے۔

دلیل ثانی: چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا جواز معلوم ہو رہا ہے جیسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب لگانا جائز ہے۔

دلیل ثالث: ضرورت کے وقت سیاہ خضاب لگانا جائز ہے مثلاً بوڑھا شخص جہاد کیلئے جا رہا ہے تو اپنے دشمنوں پر رعب ڈالنے کیلئے سیاہ خضاب لگا سکتا ہے تاکہ جوان نظر آؤں اسی طرح چالیس سال سے کم عمر شوہر کا اپنی جوان بیوی کیلئے سیاہ خضاب لگانا بھی جائز ہے۔

جواب: مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں سیاہ خضاب کا استثناء آیا ہے اور اس حدیث کے متعلق بذل المجہود شرح ابوداؤد

میں لکھا ہے کہ ''وفي الحديث تهديد شديد في خضاب الشعر بالسواد وهو مكروه كراهية التحريم''۔

قائلین عدم جواز کی دلیل اوّل: مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے ''وعن جابر قال اتى بابي قحافه يوم فتح مكة'' کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد لائے گئے انکے بال بالکل سفید تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''غيروا هذا بشئ واجتنبوا السواد''۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''يكون قوم في آخر الزمان يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام لا يجدون رائحة الجنة'' کہ آخری زمانے میں ایک قوم آئے گی وہ سیاہ خضاب لگایا کرے گی کبوتر کے پوٹوں کی طرح ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔

دلیل ثالث: علامہ شامیؒ نے لکھا ہے ''قوله عليه السلام غيروا هذا الشيب واجتنبوا السواد قال الحموى وهذا في حق غير الغزاة ولا يحرم في حقهم للارهاب'' (فتاوی شامی ج۶ ص۷۵۶)۔

دلیل رابع: ''قال ابن عمران النبي ﷺ كان يصفر لحيته بالورس والزعفران''۔

دلیل خامس: مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ روایات کے درمیان اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں خضاب لگایا کہ نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے بالوں میں خضاب لگایا جو خضاب سر کے بالوں میں لگاتے تھے وہ مہندی کا تھا اور یہی مشہور ہے اور ڈاڑھی میں خضاب لگانے کی رسول کریم ﷺ کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

دلیل سادس: ابویعلی اور حاکم کی روایت ہے ''ومنها اختضبوا بالحناء فانه طيب الريح ويسكن الروع'' (رواہ ابویعلی)

دلیل سابع: امام غزالیؒ نے احیاء میں لکھا ہے ''الخضاب بالسواد خضاب الكفار ويقال اول من خضب بالسواد فرعون لعنه الله'' (مرقاۃ) **دلیل ثامن:** ''وعن ابي الدرداء رفعه قال عليه السلام من خضب بالسواد سود الله وجهه يوم القيامة'' (رواہ الطبرانی)

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں خضاب کرنا جائز اور مستحب ہے البتہ کالے رنگ کا خضاب منع ہے۔

حدیث الباب میں موجود غيروا الشيب ولا تشبهوا باليهود کی وضاحت۔

بعض حضرات نے ''ولا تشبهوا باليهود'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ یہ حالت اس صورت میں مختص ہے کہ جب ڈاڑھی کے بعض بال سفید ہو گئے ہوں اور بعض بال کالے ہوں لیکن جب ڈاڑھی کے سارے بال ہی سفید ہوں تو پھر یہ حکم نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ سفید بالوں کو تبدیل کرنا خاص ہے اس شخص کے لئے جو کفر کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو پھر وہ اسلام لے آئے جیسا کہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے لئے رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا اور بعض نے کہا کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اہل جہاد کے ساتھ خاص ہوتا کہ کفار پر رعب پڑے۔ کما مر۔

ان احسن ما غير به الشيب الحناء والكتم: ''حناء'' اور ''کتم'' یہ ایک قسم کی گھاس ہے جس کا

رنگ سرخی مائل بسیاہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خضاب لگانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ "کتم" اور مہندی کے مرکب سے خضاب تیار ہوتا ہے اگر اس میں مہندی غالب ہوتو خضاب سرخ ہوتا ہے اور اگر "کتم" غالب ہوتو خضاب سیاہ ہوتا ہے پہلی صورت میں یہ خضاب مہندی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے جائز ہوگا اور دوسری صورت کتم (سیاہی غالب ہونے کی وجہ سے) میں جائز نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُمَّةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعَرِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ حَسَنَ الْجِسْمِ أَسْمَرَ اللَّوْنِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ إِذَا مَشٰى يَتَكَفَّأُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَالْبَرَاءِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَجَابِرٍ وَأُمِّ هَانِئٍ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ حُمَيْدٍ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانے قد کے تھے نہ لمبے اور نہ پستہ، جسم خوبصورت اور رنگ گندمی تھا آپ کے بال مبارک نہ تو زیادہ گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے اور جب آپ چلتے تو گویا کہ بلندی سے پستی کی طرف اتر رہے ہیں۔ اس باب میں حضرت عائشہ، براء، ابوہریرہ، ابن عباس، ابوسعید، وائل بن حجر، جابر اور ام ہانی سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث انس اس سند سے یعنی حمید کی روایت سے حسن غریب صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُونَ الْوَفْرَةِ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ هٰذَا الْحَرْفَ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ وَهُوَ ثِقَةٌ حَافِظٌ

روایت کیا ہم سے ھناد نے انہوں نے عبدالرحمن بن ابی زناد سے انہوں نے ھشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرلیتے تھے آپ کے بال مبارک کندھوں سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے تک تھے یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے حضرت عائشہؓ کئی سندوں سے منقول ہے کہ میں اور آنحضرت ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے لیکن ان احادیث میں بالوں کے متعلق یہ الفاظ مذکور نہیں یہ الفاظ صرف عبدالرحمن ابوزناد نے نقل کئے ہیں اور یہ ثقہ حافظ ہیں۔

تشریح: ربعة لیس بالطویل ولا بالقصیر: آپ ﷺ نہ بہت زیادہ دراز قد تھے اور نہ ہی بالکل پست قد تھے بلکہ لوگوں میں درمیانہ قد والے تھے۔ ربعۃ کہا جاتا ہے درمیانہ قد کو۔ یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

حسن الجسم: آپ ﷺ خوبصورت بدن تھے مطلب یہ کہ جسم مبارک زیادہ موٹا نہ تھا کہ بھاری جسم معلوم ہو اور نہ ہی اتنے کمزور تھے بلکہ درمیانہ جسم اور خوبصورت تھے۔ چہرہ مبارک بالکل گول نہ تھا بلکہ کسی قدر اس میں گولائی تھی یعنی چہرہ زیادہ لمبا تھا نہ زیادہ گول۔

اسمر اللون: ادم سرخی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسمر سرخی سے بیاض کی طرف مائل ہوتا ہے۔

سوال: شمائل ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے اس میں ہے ابیض مشرب کہ آپ ﷺ سفید سرخی مائل تھے گویا ان دونوں روایات میں تعارض آگیا۔ **جواب:** یہ ہے کہ آپ ﷺ کا جو بدن کھلا رہتا تھا وہ گندمی تھا اور جو ڈھکا رہتا تھا وہ سفید تھا اور بعض نے کہا کہ گندمی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بدن مبارک چونے جیسا سفید نہیں تھا بلکہ سرخی مائل تھا اور وہ گندمی رنگ نظر آتا تھا۔

و کان شعره لیس بجعد ولا سبط: آپ ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے۔ بلکہ ان میں تھوڑا سا گھنگریالا پن تھا جعد کہتے ہیں کہ بالوں میں تھوڑا سا خم ہو اور سبط کا معنی ہے کہ بالوں کا نرم اور سیدھا ہونا نیز آپ ﷺ کے بال مبارک کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں۔ ان میں کوئی تعارض یا اختلاف نہیں کیونکہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں بال اگر کان کی لوتک ہیں تو دوسرے زمانہ میں اس سے زائد۔ نیز رسول کریم ﷺ کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے تو جس صحابی نے سر مبارک منڈانے کے قریب زمانہ میں آپ ﷺ کے مبارک بالوں کو دیکھا تو اس نے چھوٹے بال نقل کردیئے اور بال مبارک کٹوائے ہوئے کو عرصہ ہو جانے کے بعد دیکھا تو اس نے زیادہ بال نقل کئے۔ بعض علماء کرام نے روایات میں یوں بھی تطبیق دی ہے کہ سر مبارک کے اگلے حصے کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے اور وسط سر مبارک کے اس سے نیچے تک اور اخیر سر مبارک کے بال مبارک کندھوں کے قریب تک پہنچ جاتے تھے۔ بعض علماء نے مذکورہ روایات میں یوں بھی تطبیق دی ہے کہ بال مبارک عام طور پر کانوں مبارک تک طویل ہوتے تھے پھر جب حجامت بنوانے میں سفر وغیرہ کی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تو بال مبارک بڑھ کر گردن مبارک تک پہنچ جاتے اور اگر مزید تاخیر ہو جاتی تو بال مبارک بڑھ کر کندھے مبارک تک پہنچ جاتے۔

فائدہ: اگر بال کانوں کی لوتک ہوں تو ان کو ''وفرۃ'' اگر گردن تک پہنچ جائیں تو انکو ''لِمَّۃ'' اور مزید بڑھ کر کندھوں تک پہنچ جائیں تو انکو ''جُمَّۃ'' کہا جاتا ہے۔ انکے مجموعہ کو ذلجم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے بالوں اور رنگ کے متعلق شاعر نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے ؎

موئے نبی بود نہ جعد قطط خیر امور آمدہ مروسط
رنگ نبی سرخ و سپیدہ آمدہ جای یکی ضدود وقید آمدہ (العرف الشذی جلد اول ص ۳۰۷ حاشی ترمذی ایضا)

اذا مشی یتکفأ: آپ ﷺ جب چلتے تھے تو اکڑ کر نہیں چلتے تھے بلکہ عاجزی سے چلتے تھے نیز آپ ﷺ کے بالوں کے بارے میں مزید وضاحت آگے مستقل باب میں آرہی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا

علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، ھشام، حسن، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ .

ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے ہشام سے اسی کی مثل یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: غبًّا: اسکا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام ایک دن کیا جائے اور ایک دن ترک کیا جائے لہٰذا حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ سر میں کنگھی ہر روز نہ کی جائے بلکہ ایک دن چھوڑ کر کی جائے لیکن یہ ممانعت محض نہی تنزیہی کے طور پر ہے کہ بغیر ضرورت کنگھی کرنے کی روزانہ عادت بنالینے سے ممانعت مراد ہے کیونکہ روزانہ کنگھی کرنا بے جا زیب وزینت میں مبالغہ اور تکلف ہے ''غبًّا'' یہ ملاقات کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے کہ ہفتہ میں ایک بار ملاقات کی جائے نیز جب یہ لفظ بخار کیلئے استعمال ہو تو اس سے ایک دن کا ناغہ دے کر تیسرے دن کا بخار مراد ہوتا ہے اسی طرح مریض کی عیادت کرنے اور گوشت کھانے کے سیاق میں بھی اس سے مراد ایک دن کا ناغہ ہوتا ہے نیز صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ مرد کیلئے روزانہ ڈاڑھی میں کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اشعۃ اللمعات میں ہے کہ وضو کے بعد ڈاڑھی میں کنگھی کرنے سے فقیری دور ہوتی ہے باقی رہی یہ بات کہ ممانعت کا تعلق صرف مردوں کے ساتھ ہے یا عورتوں کے ساتھ بھی ہے۔ حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہی کا تعلق مردوں سے ہے عورتیں اس میں شامل نہیں کیونکہ عورتوں کیلئے زیب وزینت کرنا مکروہ نہیں ہے تاہم بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس ممانعت کا تعلق مرد اور عورت دونوں کے ساتھ ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ ممانعت عورتوں کے حق میں ہلکے درجہ کی ہے اور مردوں کے حق میں زیادہ درجے کی ہے۔ نیز روایات میں رسول کریم ﷺ کا پہلے دائیں جانب کنگھی کا ذکر آتا ہے یہ صرف کنگھی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس کا وجود شرافت اور زینت ہے اس میں دائیں جانب قدم رکھنا سنت ہے کما فی الحدیث کان رسول اللہ ﷺ یحب التیامن۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِكْتِحَالِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اثمد کا سرمہ لگایا کرو یہ آنکھوں کی روشنی کو بڑھاتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے حضرت ابن

اُكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِي هٰذِهٖ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ

عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ ﷺ ہر رات تین مرتبہ ایک آنکھ اور تین مرتبہ دوسری آنکھ میں سرمہ لگاتے تھے۔ علی بن حجر اور محمد بن یحییٰ بھی یزید بن ہارون سے اور وہ عباد بن منصور سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت جابرؓ اور ابن عمرؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حدیث ابن عباسؓ حسن ہے۔ ہم اس حدیث کو اس لفظ سے صرف عباد بن منصور کی روایت سے جانتے ہیں اس کے علاوہ بھی کئی سندوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ضرور اثمد کا سرمہ استعمال کیا کرو اس سے بینائی تیز ہوتی ہے اور پلکوں کے بال اگتے ہیں۔

تشریح: **اثمد:** اس کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ① ہمزہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ ''اِثْمِد'' ② ہمزہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ ''اَثْمَد'' حدیث الباب میں خاص اثمد سرمہ ڈالنے کی ترغیب ہے یہ سرمہ سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے اور بلاد شرقیہ میں پیدا ہوتا ہے لیکن یہ سرمہ صرف اُن آنکھوں کیلئے جن کو موافق آجائے وگرنہ مریض آنکھ اس سے زیادہ دکھتی ہے لہٰذا عام سرمہ ڈالنے سے سرمہ کی سنت ادا ہو جائیگی مگر فضیلت خاص اسی اثمد سرمہ کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے اثمد کے دو فوائد بیان کئے ہیں ایک یہ کہ اس سے بینائی تیز ہوتی ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے آنکھوں کے بال اُگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ''اکتحلوا بالاثمد'' یہ امر تشریعی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے دنیاوی فائدے کے پیش نظر یہ حکم دیا۔ سرمہ چونکہ مختلف قسم کے پتھروں مثلاً سیاہ، نیلا، پیلا یا سرخی مائل سے تیار کیا جاتا ہے اور انسانی آنکھ کیلئے مفید دوائی اور باعث زینت ہے اور سرمہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کو بطور زینت استعمال کیا جاتا ہے جیسے تیل، کنگھی، مہندی اور خوشبو وغیرہ۔ سرمہ کے استعمال سے تین فائدے ہیں ① بدن انسانی کیلئے زینت ② آنکھ کی بیماریوں کے لئے شفاء سب سے بڑھ کر اتباع سنت جو کہ مقصود اصلی ہے اور اس بناء پر سرمہ آنکھ میں ڈالنا مستحب ہے نیز سرمہ رات کو سوتے وقت آنکھوں میں ڈالنا زیادہ مفید ہے کیونکہ آنکھ میں دیر تک باقی رہتا ہے اور مسامات میں بھی خوب سرایت کرتا ہے۔

سرمہ لگانے میں سلائی کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات مروی ہیں۔ بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی ڈالنے کا ذکر ہے یہ طاق عدد ہے اور بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں ایک ایک سلائی کا ذکر ہے، یہ بھی طاق عدد ہے اور بعض روایات میں دائیں میں تین اور بائیں میں دو سلائیاں ڈالنے کا ذکر ہے ان کا مجموعہ طاق عدد بن جاتا ہے۔ بہرحال دونوں طرح سے منقول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالِاحْتِبَاءِ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبْسَتَيْنِ الصَّمَّاءِ وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ بِثَوْبِهِ لَيْسَ عَلَى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولباسوں سے منع فرمایا ہے ایک صماء اور دوسرے یہ کہ کوئی آدمی دونوں زانوں کو پیٹ سے ملا کر ایک کپڑا پیٹھ کی طرف لاتے ہوئے اس طرح باندھے کہ شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس باب میں حضرت علی، ابن عمر، عائشہ، ابوسعید، جابر، اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہؓ ہی سے دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔

تشریح: **ان یشتمل الصماء:** اشتمال صماء یہ ہے کہ چادر سے پورے بدن کو اس طرح لپیٹ لینا کہ کوئی جانب کھلی ہوئی نہ ہو اور ہاتھ اس طرح بندھ جائیں کہ کسی جانب کھل نہ سکیں۔ صماء ٹھوس چیز کو کہتے ہیں چونکہ اس حالت میں انسان کا سارا جسم ٹھوس کی مانند ہو جاتا ہے اس لئے یہ نام رکھا گیا، اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو یہود کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے نیز یہ لباس اہل جہنم کی طرح ہو جاتا ہے نیز اگر اسی حالت میں پھسل جائے تو اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔

عندالبعض "اشتمال الصماء" یہ ہے کہ آدمی ایک کپڑا اوڑھے اس طرح کہ کوئی دوسرا کپڑا اس کے جسم پر نہ ہو تو پھر اگر وہ ایک جانب سے کپڑا اٹھاتا ہے تو ستر کھل جاتا ہے۔ عندالبعض پورے بدن کو ایک کپڑے میں اس طرح ڈھانک لینا کہ اسکا ایک کنارہ کندھے پر رکھ لیا جائے اسکی حرمت کی وجہ کشف عورت ہے اگر کشف عورت متحقق ہو تو حرام ہے اور اگر کشف عورت متحقق نہ ہو تو مکروہ ہے۔

ان یحتبی: احتباء کہتے ہیں کہ دونوں سرین پر بیٹھ کر ساقین کو کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں یا پنڈلیوں کو باندھ لے اس کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ ایک چادر ہو اور نیچے دوسرا کپڑا نہ ہو چونکہ اس صورت میں ستر عورت کا قوی اندیشہ ہے اس وجہ سے منع فرمایا لیکن اگر دوسرا کپڑا موجود ہو تو پھر منع نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

روایت کیا ہم سے سوید بن نصر نے انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے بالوں کے

لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ قَالَ نَافِعٌ الْوَشْمُ فِي اللِّثَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاوِيَةَ۔

ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی اور گودنے یا گدوانے والی سب پر لعنت بھیجی ہے نافع کہتے ہیں گودنا مسوڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ، اسماء بنت ابوبکر، معقل بن یسار، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: الواصلة: یعنی عورت کا اپنے سر کے بالوں میں حسن اور درازی کے لئے کسی دوسری عورت کے بالوں کو لیکر اپنے بالوں کے ساتھ ملالینا اس فعل کی بناء پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جس کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں ① دوسری عورت کے بالوں کو لیکر اپنے بالوں کے ساتھ ملانے سے انسانی جزو کا استعمال کرنا لازم آئے گا جو کہ انسانی اعضاء کے اکرام کے منافی ہے اسلئے کہ بغیر ضرورت کے انسانی جزو کو استعمال کرنا بنی آدم کی تکریم کے خلاف ہے ② بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے بال ملائے جاتے ہیں جو ناپاک ہوتے ہیں مثلاً مردار کے بال یا حرام جانوروں کے ناپاک بال ایسے بالوں کا استعمال شرعاً جائز نہیں ③ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کے بال چھوٹے ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی عمر چھپانے کے لئے اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے تا کہ جوان نظر آئے تو اس میں دھوکہ ہے اسلئے ایسے بالوں کا استعمال درست نہیں۔

مسئلہ اختلافی: اپنے بالوں میں کچھ اور بال ملانا کس صورت میں ناجائز ہے؟

قول اوّل: بعض حضرات کے نزدیک اپنے بالوں کے ساتھ اور بال ملانا مطلقاً جائز ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے چاہے اون وغیرہ ملائے یا کسی اور چیز کے بال خواہ انسان کے ہوں یا جانور کے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر وصل انسانی بالوں یا ناپاک بالوں کے ساتھ ہو تو ناجائز ہے اور اگر پاک بالوں کے ساتھ ہو تو شادی شدہ عورت کے لئے خاوند کے کہنے پر جائز ہے وگرنہ جائز نہیں۔

قول رابع: احناف کے نزدیک انسانی بالوں کے ساتھ وصل ناجائز ہے خواہ اس عورت کے اپنے بال (جو پہلے سے اترے ہوئے) ہوں یا کسی اور کے دوسری صورت میں ممانعت کی وجہ انسانی جزو کی بے اکرامی ہے اور پہلی صورت میں دھوکہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک نہی کی علت دو چیزیں ہیں ایک جزو انسانی کی بے احترامی اور دوسرا دھوکہ دینا۔ دوسری علت کی تصریح بعض روایتوں میں ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کو عورتوں کے اس فعل کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے اسے جھوٹ اور دھوکہ قرار دیا۔

والواشمة: وشم گودنے کو کہتے ہیں یعنی جسم میں کسی حصے پر مخصوص چیز بنانے کیلئے یا لکھنے کیلئے سوئی یا اس طرح کی کوئی چیز چبھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جائے یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم بد تھی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ وشم گودنے اور گدوانے والے دونوں کیلئے حرام ہے، اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اسکا مٹوادینا واجب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاوِيَةَ حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوٰى شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ نَحْوَهُ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

علی بن حجر، علی بن مسہر، ابواسحاق شیبانی، اشعث بن ابی شعثاء، معاویہ بن سوید بن مقرن، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی زین پوش پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت علیؓ اور معاویہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت براءؓ کی حدیث حسن صحیح ہے شعبہ بھی اشعث بن ابی شعثاء سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔

تشریح: میاثر: میثرہ کہا جاتا ہے سواری وغیرہ کو دیباج وغیرہ سے سنوارنا جیسا کہ عجمیوں میں ہوتا ہے۔ ان میں یہ رواج بھی تھا کہ ایک تکیہ سر کے نیچے رکھتے تھے اور دوسرا ٹیک لگانے کے لئے۔ بسا اوقات یہ ٹیک لگانے والا تکیہ گھوڑے کی زین وغیرہ پر بھی لگاتے اس کو میثرہ کہا جاتا تھا آپ ﷺ نے اس کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اب وہ میثرہ کس چیز کا ہوتا تھا اس میں بعض علماء نے کہا کہ وہ ریشم کا ہوتا تھا۔ بعض نے کہا وہ سرخ ہوتا تھا اور بعض نے کہا کہ اس میں تکبرانہ پن تھا اسلئے ممانعت فرمائی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے میاثر پر سواری کرنے سے منع فرمایا اور اسکے ساتھ سات چیزوں سے بھی منع فرمایا اسکی تفصیل بخاری شریف کی حدیث نمبر ۵۶۳۵ میں ہے وہ سات اشیاء یہ ہیں ① سونے کی انگوٹھی پہننے ② چاندی کے برتن میں پینے سے ③ میاثر پر بیٹھنے سے ④ قسیّ کپڑا پہننے سے ⑤ حریر ⑥ دیباج ⑦ استبرق استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ النَّبِيِّ ﷺ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ أَدَمٌ حَشْوُهُ لِيفٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَاب عَنْ حَفْصَةَ وَجَابِرٍ.

علی بن حجر، علی بن مسہر، ھشام بن عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بستر پر سویا کرتے تھے وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت حفصہؓ اور جابرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں فراش کا ذکر ہے جبکہ مسلم شریف میں وسادہ کا ذکر ہے۔

اَدَمْ: چمڑے کا بستر۔ **حشوہ لیف:** لیف کھجور کے پوست کو کہتے ہیں یعنی کھجور کے ریشے مراد ہیں کھجور اور ناریل وغیرہ کی جڑوں میں ایک جھلی ہوتی ہے جو سوکھ کر گر جاتی ہے اس کو کوٹ کر برادہ بنالیا جاتا ہے اور اس کو گھروں اور بستروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ مراد ہے۔ کھجور کی چھوٹی لکڑیاں مراد نہیں۔ کیونکہ لکڑیوں سے تکیہ اور بستر نہیں بنتا۔

سوال: شمائل ترمذی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا ٹاٹ کا تھا جبکہ اس روایت میں ہے کہ چمڑے کا تھا۔

جواب اوّل: دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے یہ مختلف احوال اور زمانوں پر محمول ہے کہ سردیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا چمڑے کا ہوگا اور گرمیوں میں ٹاٹ کا ہوگا۔ **جواب ثانی:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر تھا وہ چمڑے کا ہوگا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو بستر تھا وہ ٹاٹ کا ہوگا۔

الحاصل بستر کے معاملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی اور قناعت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نرم بستر کی بجائے عام سا بستر پسند فرمایا ورنہ صحابہ کرامؓ نے بڑے اصرار کے ساتھ کئی مرتبہ پیشکش بھی فرمائی جبکہ ایک صحابیہ نرم بستر بنا کر بھی لائیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس فرمایا۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ٹاٹ کے بستر کو دوہرا کرکے بچھانے کی بجائے چوہرا کرکے بچھادیا جب صبح ہوئی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا رات کو میرے لئے کیا بچھایا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا وہی آپ کا سابقہ بستر تھا بس اس کو دوہرا کرنے کی بجائے چوہرا کرکے بچھادیا تا کہ زیادہ نرم ہوجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پہلی حالت پر ہی رہنے دو کیونکہ بستر کی نرمی نے رات کو مجھے تہجد سے روک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرماتے تھے کہ میری مثال تو راہ گزر مسافر کی طرح ہے جو تھوڑی دیر کے لئے درخت کے نیچے بیٹھا اور پھر چل دیا۔ آج ہم جس طرح تکلفات میں پڑ کر زندگی گزار رہے ہیں اپنی حالت کو دیکھیں تو اپنے ایمان پر شک ہونے لگتا ہے۔ اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُمُصِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ وَالْفَضْلُ بْنُ مُوسَى وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ تَفَرَّدَ بِهٖ وَهُوَ مَرْوَزِيٌّ وَرَوٰى

محمد بن حمید رازی، ابوتمیلہ، فضل بن موسیٰ، زید بن حباب، عبدالمومن بن خالد، عبداللہ بن بریدہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لباسوں میں قمیص سب سے زیادہ پسند تھی یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف عبدالمومن بن خالد کی روایت سے جانتے ہیں وہ اسے نقل کرنے میں منفرد ہیں اور مروزی ہیں بعض حضرات اس حدیث کو ابوتمیلہ سے وہ

بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي تُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدِيثُ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَصَحُّ وَإِنَّمَا يَذْكُرُ فِيهِ أَبُو تُمَيْلَةَ: عَنْ أُمِّهِ۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسَ قَمِيصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِهِ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَإِنَّمَا رَفَعَهُ عَبْدُ الصَّمَدِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ بْنِ السَّكَنِ الْأَنْصَارِيَّةِ

عبدالمومن خالد سے وہ عبداللہ بن بریدہ سے وہ اپنی والدہ سے اور وہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتی ہیں میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابن بریدہ کی روایت زیادہ صحیح ہے اس میں ابوتمیلہ اپنی والدہ کا ذکر کرتے ہیں۔

روایت کیا ہم سے زیاد بن ایوب نے انہوں نے ابوتمیلہ سے انہوں نے عبدالمومن بن خالد سے انہوں نے عبداللہ بن بریدہ سے وہ اپنی والدہ سے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام لباسوں میں کرتہ زیادہ پسند تھا۔

بیان کیا ہم سے علی بن حجر نے انہوں نے فضل بن موسیٰ سے انہوں نے عبدالمومن بن خالد سے انہوں نے عبداللہ بن بریدہ سے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ لباس کرتہ تھا۔

بیان کیا ہم نے نصر بن علی جہضمی نے انہوں نے عبدالصمد بن عبدالوارث سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابی صالح سے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتہ پہنتے وقت دائیں جانب سے ابتداء فرماتے۔ کئی راوی یہ حدیث شعبہ سے اسی سند سے غیر مرفوع نقل کرتے ہیں جبکہ عبدالصمد کی حدیث مرفوع ہے۔

بیان کیا ہم سے عبداللہ بن محمد بن حجاج صفواف بصری نے انہوں نے معاذ بن ھشام دستوائی سے انہوں نے بدیل عقیلی سے انہوں نے شہر بن حوشب سے، حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاری فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی

قَالَتْ كَانَ كُمُّ يَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کے بازو کلائی تک تھے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: احب الثیاب: ''احب'' کومرفوع اورمنصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مرفوع زیادہ اظہر ہے اور ''القمیص'' میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ رفع ہوتو کان کا اسم ہوگا اور نصب ہوتو کان کی خبر ہوگی بعض علماء نے یوں توجیح کی ہے کہ اگر ''احب'' کی تعیین مقصود ہوتو قمیص خبر ہوگی اور اگر آپ ﷺ کی قمیص کی حالت بیان کرنا مقصود ہوتو پھر یہ کان کا اسم ہوگا۔

آپ ﷺ کرتے کو اس وجہ سے پسند کرتے تھے ایک تو اس کے پہننے سے جسم کے اعضاء اچھی طرح چھپ جاتے ہیں اور یہ جسم کیلئے آرام دہ ہوتا ہے نیز جسم کے ساتھ کرتا چمٹا رہتا ہے بدن سے سرکتا نہیں اور دوسرا یہ کہ کرتا پہننے سے آدمی متواضع ومنکسر ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے جس چیز کو آپ ﷺ نے پسند کیا اس میں یقیناً اسرار وانوار ہونگے جو اسکے علاوہ میں نہیں ہونگے۔

بدأ بميامنه: میمنہ کی جمع ہے جب آپ ﷺ قمیص پہننے لگتے تو دائیں جانب سے ابتداء کرتے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ گویا ان کی مراد یہ ہے کہ قمیص کے داہنی جانب کے ہر حصے پر یمین کا اطلاق ہوتا ہے نیز بمیامنہ کو جمع لانا بطور تعظیم کے ہے۔

كان كم يد رسول الله ﷺ الى الرسغ: رسغ کلائی کو کہتے ہیں۔

سوال: آپ کی آستین راسغ (پہنچوں) تک ہوتی تھی جیسا کہ حدیث باب میں ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی آستینیں انگلیوں تک ہوتی تھیں اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ کی آستینیں انگلیوں کے سروں تک ہوتی تھیں تو ان روایات میں بظاہر تعارض ہے۔ **جواب:** بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ کی آستینیں ابتداء میں انگلیوں کے برابر ہوتی تھیں لیکن جب بار بار وضو کیلئے اوپر کی جاتیں تو کپڑے میں بل پڑنے کی وجہ سے چھوٹی ہوجاتی تھیں لہٰذا ابتدا میں تو انگلیوں کے برابر اور بعد میں سکڑتے سکڑتے رسغ تک پہنچ جاتی تھیں یا پھر انگلیوں کے رءوس تک جبہ کی آستین ہوتی تھی اور انگلیوں تک قمیص کی آستین ہوتی تھی لہٰذا تعارض نہ ہوا یا الرسغ کو تخمین پر یا بیان افضلیت پر محمول کریں گے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا

حَدَّثَنَا سُوَيْدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عُمَرَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے مثلاً عمامہ یا قمیص یا تہبند پھر فرماتے اے اللہ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں تو نے ہی مجھے یہ پہنایا ہے لہٰذا میں تجھ سے ہی اس کی بھلائی اور جس بھلائی کے لئے یہ بنایا گیا ہے طلبگار رہوں اور اس کے شر جس شر کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس باب میں حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں ہشام

الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

بھی قاسم بن مالک مزنی سے اور وہ جریر سے اسی طرح نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: سماہ باسمہ: یعنی اس کپڑے کو پہنتے ہوئے جو کپڑے کا نام ہوتا مثلاً پگڑی ہوتی یا قمیص ہوتی اس کا نام لیتے اور پھر دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے ''اللھم لك الحمد کما کسونیه هذا القمیص'' نیز آپ ﷺ جب نیا کپڑا پہننے کا ارادہ کرتے تو ابتداءً جمعہ کے دن اس کو پہنتے تھے اور عموماً نیا کپڑا پہن کر پرانا خیرات کر دیا کرتے تھے۔

اسئالك خيرة: کپڑے کی خیر یہ ہے کہ نیک اعمال کی توفیق ملے اور کپڑے کا شر یہ ہے کہ برے اعمال صادر ہوں لہٰذا کپڑے پہن کر نماز پڑھنا تلاوت کرنا ذکر اذکار کرنا خیر ہے اور کپڑے پہن کر غلط کام کرنا کپڑے کا شر ہے۔

نیز کپڑا پہن کر اللہ پاک کی حمد وشکر کرنا کپڑے کی خیر ہے اور کپڑا پہن کر فخر وتکبر کرنا کپڑے کا شر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّيْنِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بیان کیا ہم نے یوسف بن عیسیٰ نے انہوں نے وکیع سے انہوں نے یونس بن ابی اسحاق سے انہوں نے شعبی سے، حضرت عروہ بن مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ هُوَ الشَّيْبَانِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَهْدٰى دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتّٰى تَخَرَّقَا لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو إِسْحٰقَ الَّذِي رَوٰى هٰذَا عَنِ الشَّعْبِيِّ هُوَ أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ وَالْحَسَنُ بْنُ عَيَّاشٍ هُوَ أَخُو أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ.

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ دحیہ کلبیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موزے پیش کئے اور آپ ﷺ نے انہیں پہنا۔ اسرائیل جابر سے اور وہ عامر سے نقل کرتے ہیں کہ موزوں کے ساتھ جبہ بھی تھا آپ ﷺ نے یہ دونوں چیزیں پہنیں یہاں تک کہ وہ پھٹ گئیں آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی ذبح کئے ہوئے جانور سے تھے یا نہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابو اسحاق جنہوں نے یہ حدیث شعبی سے روایت کی، ابو اسحاق شیبانی ہیں۔ ان کا نام سلیمان ہے حسن بن عیاش، ابوبکر بن عیاش کے بھائی ہیں۔

تشریح: جبة رومية: بعض روایات میں ''جبةٌ شامیةٌ'' آیا ہے اس میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ملک شام میں بھی حکومت روم کے بادشاہ کی تھی گویا دونوں ملک روم اور شام حکومت کے اعتبار سے ایک تھے یا ایک ملک کی طرف نسبت

لائے جانے کی وجہ سے رومی کہا اور دوسرے ملک شام کی طرف نسبت خیاطت (سلائی) کی وجہ سے شامی کہا لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ فجر کی نماز سے قبل رسول کریم ﷺ قضائے حاجت کے لئے نکلے تو میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ قضاء حاجت سے فارغ ہوئے لیکن کافی دیر ہوگئی کیونکہ قضاء حاجت کے لئے دور جاتے تھے پھر آپ ﷺ کے لئے وضو کا پانی لایا گیا آپ ﷺ نے وضو کرنے کے لئے آستین اوپر کرنا چاہیں تو اوپر چڑھانا مشکل ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے بازوؤں کو آستینوں کے نیچے سے نکال دیا پھر بازوؤں کو دھویا اور اس کے بعد جبہ کو دوبارہ پہن لیا اور آپ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبح کی نماز کے لئے کچھ انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وقت تنگ ہو رہا ہے تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے آگے کر دیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ دوسری رکعت میں نبی کریم ﷺ شامل ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی جگہ رکنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی سلام پھیرنے کے بعد جو رکعت رہ گئی تھی وہ آپ ﷺ نے پوری فرمائی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فعل کی تحسین فرمائی کہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا میرا انتظار نہیں کیا بلکہ خود نماز کھڑی کر دی۔ بہر حال اس غزوہ تبوک کے سفر میں رسول کریم ﷺ نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا اس کی مناسبت سے پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَدِّ الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ هَاشِمِ بْنِ الْبَرِيدِ وَأَبُو سَعْدٍ الصَّغَانِيُّ عَنْ أَبِي الْأَشْهَبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ أَسْعَدَ قَالَ أُصِيبَ أَنْفِي يَوْمَ الْكُلَابِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاتَّخَذْتُ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيَّ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

روایت کیا ہم نے احمد بن منیع نے انہوں نے علی بن ہاشم بن برید سے انہوں نے ابوسعد صغانی سے انہوں نے ابوالاشہب سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن طرفہ سے، حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کلاب کی جنگ کے موقع پر میری ناک کٹ گئی میں نے چاندی کی ناک بنوائی لیکن اس میں بدبو آنے لگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی ناک بنانے کا حکم دیا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ بَدْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ عَنْ أَبِي الْأَشْهَبِ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ وَقَدْ رَوَى سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي

ہم سے روایت کی علی بن حجر نے انہوں نے ربیع بن بدر اور محمد بن یزید واسطی سے انہوں نے ابی الاشہب سے اس روایت کی مانند۔ یہ حدیث حسن ہے ہم اسے صرف عبدالرحمٰن بن طرفہ کی روایت سے جانتے ہیں سلمہ بن زریر بھی عبدالرحمٰن بن طرفہ سے ابوالاشہب ہی کی حدیث

الْأَشْهَبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ وَقَالَ ابْنُ مَهْدِيٍّ سَلْمُ بْنُ رَزِيْنٍ وَهُوَ وَهْمٌ وَ زَرِيْرٌ أَصَحُّ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ شَدُّوا أَسْنَانَهُمْ بِالذَّهَبِ وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ حُجَّةٌ لَهُمْ

کی طرح نقل کرتے ہیں ابن مہدی انہیں سلم بن زرین کہتے ہیں لیکن یہ وہم ہے اور صحیح زریر ہی ہے متعدد اہل علم اسے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے دانت سونے سے جڑوائے اس حدیث میں ان کی دلیل ہے۔

تشریح: کلاب ایک جگہ کا نام ہے یہاں پر لڑائی ہوئی اور جس میں حضرت عرفجہ کی ناک کٹ گئی تھی جس کی وجہ سے ان کو چاندی کی ناک بنوا کر چہرے پر لگانی پڑی لیکن جب اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آپ ﷺ نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت عطا فرمائی۔
اس حدیث کی بناء پر علماء نے سونے کی ناک بنوانے کو اور اسی طرح دانتوں میں چاندی کا تار چڑھانے کو مباح قرار دیا ہے اور امام محمدؒ نے دانتوں میں سونے کی تار باندھنے کو بھی جائز کہا ہے۔

یوم الکلاب: پانی کی ایک جگہ کا نام ہے جہاں دو جنگیں ہوئی تھیں اور یوم الکلاب عرب کی ایک مشہور لڑائی کا نام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ أَنْ تُفْتَرَشَ

روایت کیا ہم سے ابو کریب نے انہوں نے ابن مبارک سے انہوں نے محمد بن بشر سے انہوں نے عبداللہ بن اسماعیل سے انہوں نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے، حضرت ابوالملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھال بچھانے سے منع فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ غَيْرَ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، سعید، قتادہ، حضرت ابوالملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھالوں سے منع فرمایا۔ ہم سعید بن ابی عروبہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے جس نے ابوالملیح کے والد کا واسطہ ذکر کیا ہو۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيدَ الرِّشْكِ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهٰى عَنْ جُلُودِ السِّبَاعِ وَهٰذَا أَصَحُّ

بیان کیا ہم سے محمد بن بشار نے انہوں نے محمد بن جعفر سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے یزید سے، حضرت ابوالملیح سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درندوں کی کھالوں سے منع فرمایا۔ یہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: آپ ﷺ نے درندوں کی کھالوں کو بچھا کر اس پر بیٹھنے سے منع کیا اسی طرح کھالوں کی جوتی یا لباس کوٹ وغیرہ بنا

کر پہننا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ جبابرہ کا شیوہ ہے اور ان سے تکبر بھی آتا ہے۔ اس کی تفصیل ابواب الطہارات میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ ﷺ

''نعال'' نعل کی جمع ہے بمعنی ہر وہ چیز جو پاؤں کا پہناوا ہو اور وہ پاؤں کو زمین کی تکلیف دہ چیزوں سے بچائے۔ جوتے کا استعمال تو انسان کی زینت بلکہ ضرورت میں شامل ہے اور بغیر کسی مجبوری کے جوتے کا ترک کرنا اخلاقی لحاظ سے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ دور جدید میں مختلف قسم، وضع اور رنگوں کے جوتے بنائے جاتے ہیں مگر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں عرب کے خطہ میں دباغت شدہ یا کچہ کھال کا جوتا بنایا جاتا تھا کبھی چمڑے کا جوتا بالوں سمیت بنایا جاتا تھا اور کبھی بال صاف کر دیئے جاتے تھے اور عام رواج میں جو جوتا استعمال ہوتا تھا وہ چپل نما ہوتا تھا جسکے آر پار دو تسمے لگا دیئے جاتے تھے۔ جوتا چونکہ انسانی زیور ہے اس لئے یہ لباس میں شامل ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کا لباس عطا کیا گیا تو اس لباس کے ہمراہ کھجور کے پتوں کا جوتا مبارک بھی تھا چمڑے کا جوتا حضرت نوح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ نَعْلَاهُ لَهُمَا قِبَالَانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کے دو تسمے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت قتادہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک کیسے تھے انہوں نے فرمایا ان میں دو، دو، تسمے لگے ہوئے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قبالان: قبال پاپوش کے تسمے کو کہتے ہیں جو انگلیوں کے بیچ میں ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا جوتا مبارک عام طور پر بالوں کو صاف کر کے بنایا جاتا تھا اور وہ ایک بالشت دو انگلی کے برابر ہوتا تھا۔ جوتے کی ایڑی والا حصہ سات انگلی چوڑا اور درمیانی حصہ پانچ انگلی چوڑا اور اگلا حصہ چھ انگلی چوڑا ہوتا تھا اس پیمائش کے بنے ہوئے تلوے کے اوپر آر پار دو دہرے تسمے ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے جوتے کا تسمہ مبارک بھی دوہرا تھا مگر حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلے ایک تسمے کا جوتا استعمال شروع فرمایا تا کہ لوگ دو تسموں کو فرض یا واجب کا درجہ نہ دے دیں کہیں امت کو تنگی کا سامنا ہو۔ موجودہ زمانے میں جس طرح منعل نعل کا نقشہ بنا ہوا ہے آپ ﷺ کا جوتا اس طرح ڈیزائن والا نہیں تھا بلکہ ویسے ہی بنانے والوں نے نقش و نگار بنا دیئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ ح و حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ

قتیبہ، مالک، معن، مالک، ابی زناد، اعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے۔ دونوں پہن لے یا دونوں اتار دے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

تشریح: لینعلھما یہ باب سمع سے بھی ہے اور باب افعال سے بھی۔ اگر باب سمع سے ہو تو اس کا معنی ہے جوتا پہننا یا جوتا پہنے ہوئے ہونا اس صورت میں لِيَنْعَلْهُمَا پڑھیں گے۔ اور اگر باب افعال سے ہو تو لِيُنْعِلْهُمَا پڑھ سکتے ہیں اسکے معنی بھی یہی ہیں۔

حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنا درست نہیں کیونکہ یہ وقار و مروت کیخلاف ہے اخلاقاً معیوب ہے ایسی حالت میں دیکھنے میں بے ڈھنگا معلوم ہوتا ہے دوسرا یہ کہ پاؤں کے اونچے نیچے ہونیکی وجہ سے گر جانے کا خوف ہوتا ہے خاص طور پر جب جوتا اونچا ہو اور زمین ہموار نہ ہو اسی طرح دیکھنے والے لوگوں کے سامنے ہنسی مذاق کا سبب بھی بنے گا نیز شیطان ایک جوتا پہن کر چلتا ہے اس لئے یہ شیطان کا طریقہ ہے۔

روایات میں تعارض: اس روایت میں ایک جوتے کے اندر چلنے سے منع فرمایا جبکہ اگلے باب میں آپ ﷺ کا ایک جوتے کے اندر چلنا ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے "ربما مشی النبی ﷺ فی نعل واحدۃ" اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت ہے "انما مشت فی خف واحدۃ"۔

جواب اوّل: حدیث الباب قولی ہے اور دوسری روایات فعلی ہیں۔ جب قولی اور فعلی میں تعارض آ جائے تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب ثانی: ہمارے والی احادیث قانون وکلی ہیں اور دوسری احادیث بیان عذر پر محمول ہیں۔

جواب ثالث: یا یہ ضرورت پر محمول ہے۔ **جواب رابع:** موجودہ روایت بعد از نہی پر محمول ہے۔

جواب خامس: یا بیان جواز کیلئے ہے۔ **جواب سادس:** یا یہ نہی تحریم کیلئے نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ

حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ

ازھر بن مروان بصری، حارث بن نبھان، معمر، عمار بن ابی عمار، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہونے کی حالت میں جوتا پہننے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے عبید اللہ بن

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوٰى عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو الرَّقِّيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِالْحَافِظِ وَلَا نَعْرِفُ لِحَدِيثِ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَصْلًا

عمرو الرقی نے یہ حدیث معمر سے وہ قتادہ سے اور وہ انس سے نقل کرتے ہیں لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں حدیثیں صحیح نہیں کیونکہ حارث بن نبہان ان کے نزدیک حافظ نہیں ہیں جبکہ قتادہ کی انس سے منقول حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ السِّمْنَانِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَلَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيثُ وَلَا حَدِيثُ مَعْمَرٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

روایت کیا ہم سے ابوجعفر سمنانی نے انہوں نے سلیمان بن عبیداللہ رقی سے انہوں نے عبیداللہ بن عمرو سے انہوں نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے، حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے جوتا پہننے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں اور معمر کی روایت بواسطہ ابوعمار، حضرت ابوہریرہؓ بھی صحیح نہیں۔

تشریح: اس باب کی دونوں احادیث میں کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے گرنے کا اندیشہ ہے یا جوتے میں کوئی زہریلی چیز ہو سکتی ہے جو اس کو کاٹ دے۔ یا ممانعت اس صورت میں ہے کہ جوتے ایسے ہوں کہ کھڑے ہو کر پہننا مشکل ہو لیکن اگر ایسے جوتے ہوں جن کو کھڑے ہو کر پہننا آسان ہو مثلاً چپل ہوں تو ان کو کھڑے ہو کر پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اس باب کی دونوں سندوں کو امام بخاریؒ نے غیر محفوظ کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ السَّلُولِيُّ كُوفِيٌّ حَدَّثَنَا هُرَيْمٌ وَهُوَ ابْنُ سُفْيَانَ الْبَجَلِيُّ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ

روایت کیا ہم سے قاسم بن دینار نے انہوں نے اسحاق بن منصور سلولی سے انہوں نے هریم سے انہوں نے ابن سفیان بجلی سے انہوں نے لیث سے انہوں نے عبدالرحمن بن قاسم سے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چپل پہن کر بھی چلا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَهٰذَا أَصَحُّ هٰكَذَا رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ

روایت کیا ہم سے احمد بن منیع نے انہوں نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عبدالرحمن بن قاسم سے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک جوتا پہن کر چلیں۔ یہ زیادہ صحیح ہے سفیان ثوری بھی اسے عبدالرحمن بن

الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ مَوْقُوفًا وَهٰذَا أَصَحُّ — قاسم سے موقوفا اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

تشریح: قاسم بن محمد سے مراد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

سوال: اس حدیث سے پہلے کی تمام احادیث معارض ہیں جن میں ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع کیا گیا ہے۔

جواب اول: یہ گھر کے اندر کی بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار گھر میں اس طرح پہن لیا کرتے تھے۔

جواب ثانی: کبھی ضرورت کی بناء پر رسول اکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرلیا ہوگا یا یہ نادر الوقوع ہے جبکہ ممانعت ہمیشگی اور عادت ڈال لینے سے ہے۔ **جواب ثالث:** یہ بیان جواز کیلئے ہے کہ ایک جوتا پہن کر چلنا جائز ہے۔ **جواب رابع:** یہ حکم مکروہ تنزیہی پر محمول ہے لہٰذا باقی احادیث اور اس حدیث کا مآل و مرجع ایک ہی ہے کہ اس طرح کرنے میں کراہت تنزیہی ہے نیز اوروں کے حق میں جو مکروہ تنزیہی ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا بلکہ امت کی تعلیم کی بنیاد پر ثواب کا کام بن جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ بِأَيِّ رِجْلٍ يَبْدَأُ إِذَا انْتَعَلَ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح و حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْيَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

روایت کیا ہم سے انصاری نے انہوں نے معن سے انہوں نے مالک سے انہوں نے قتیبہ سے انہوں نے مالک سے انہوں نے زناد سے انہوں نے اعرج سے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف سے ابتداء کرے اور جب اتارے تو پہلے بایاں اتارے پس چاہیے کہ پہنتے ہوئے دایاں اور اتارتے ہوئے بایاں پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ جو کام شان و شوکت عظمت والا ہو اس کام کی ابتداء دائیں سے کرنا مستحب ہے اور جو عمل ایسا نہ ہو اس میں بائیں سے ابتداء کرنی چاہیے مثلاً مسجد جانا شان و شوکت والا کام باعث فضیلت ہے لہٰذا جب مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں اندر رکھے اور باہر نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر رکھے اور اسی طرح بیت الخلاء جانے کے لئے بایاں پاؤں پہلے رکھے پھر نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جوتا پہنتے وقت بھی دائیں میں پہلے پہنے اور بائیں میں بعد میں پہنے کیونکہ دائیں پاؤں کو بائیں پاؤں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت و اہمیت حاصل ہے لہٰذا دائیں پاؤں کی تکریم کی جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْقِيعِ الثَّوْبِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَرَّاقُ وَأَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تمہارے لئے دنیا توشہ سفر کے بقدر ہی کافی ہے اور ہاں امیر

لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَدْتِ اللُّحُوقَ بِي فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتَّى تُرَقِّعِيهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَصَالِحُ بْنُ أَبِي حَسَّانَ الَّذِي رَوَى عَنْهُ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ ثِقَةٌ وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ هُوَ نَحْوُ مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ رَأَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ هُوَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ لَا يَزْدَرِيَ نِعْمَةَ اللهِ وَيُرْوَى عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ صَحِبْتُ الْأَغْنِيَاءَ فَلَمْ أَرَ أَحَدًا أَكْبَرَ هَمًّا مِنِّي أَرَى دَابَّةً خَيْرًا مِنْ دَابَّتِي وَثَوْبًا خَيْرًا مِنْ ثَوْبِي وَصَحِبْتُ الْفُقَرَاءَ فَاسْتَرَحْتُ

لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرنا اور کسی کپڑے کو اس وقت تک نہ پہننا نہ چھوڑنا جب تک اس میں پیوند نہ لگا لو۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف صالح بن حسان کی روایت سے جانتے ہیں اور امام بخاری انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں۔ صالح بن ابی حسان جن سے ابن ابی ذئب احادیث نقل کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔ (إِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ) کا مطلب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول اس حدیث کی طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے سے بہتر صورت یا زیادہ مالدار کی طرف دیکھے تو اسے اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھنا چاہیے جس پر اسے فضیلت دی گئی یقیناً اس سے اسکی نظر میں اللہ کی نعمت حقیر نہیں ہوگی۔ عون بن عبداللہ سے بھی منقول ہے کہ میں نے مالداروں کی صحبت اختیار کی تو اپنے سے زیادہ غمگین کسی کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ انکی سواری میری سواری سے بہتر اور ان کے کپڑے میرے کپڑوں سے بہتر ہوتے تھے۔ پھر جب فقراء کی صحبت اختیار کی تو مجھے راحت حاصل ہوئی۔

تشریح: اذا اردت اللحوق: اگر آخرت میں تم میرے ساتھ ملنا چاہتے ہو تو پھر دنیا میں آپ کیلئے یہ اشیاء کافی ہیں۔

کزاد الراکب: دنیا میں توشۂ سفر کے بقدر کافی ہے۔ یہ اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ انسان کو دنیا میں صرف اتنی اشیاء پر قناعت کرنی چاہئے جو اس کی زندگی اور مقصد حیات کے لئے ضروری ہوں۔ اس حدیث میں سوار کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ اپنی تیز رفتاری کے ساتھ سفر جلدی طے کرتا ہے اور اس کے لئے تھوڑا سا زادِ راہ کافی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

وایاك ومجالسة الاغنياء: اور تم اُن دنیادار لوگوں کی ہم نشینی سے بچو کہ جن کی ہمنشینی سے ناشکری کا جذبہ پیدا ہو کہ میں غریب ہوں اور یہ امیر ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لا تمدن عينيك" ایک روایت میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مُردوں کی ہم نشینی سے اجتناب کرو آپ سے عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں فرمایا "دنیادار (دولت مند لوگ)"

ولا تستخلقی ... الخ: مطلب یہ ہے کہ جب کپڑا پرانا ہو جائے تو اس کے ساتھ بے اعتنائی نہ کرو بلکہ کم از کم ایک مرتبہ پیوند لگا کر اس کو دوبارہ استعمال کرو یہ انتہائی قناعت کی تعلیم ہے کہ پیوند لگے کپڑے پہننے میں عار نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چوالیس لاکھ مربع میل کے عظیم حکمران ہونے کی حیثیت سے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور انہوں نے جو تہبند باندھا ہوا تھا اس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ **هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث صالح:** حدیث

عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایک راوی صالح بن حسان النضری ہے یہ متروک راوی ہے امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے اس کے علاوہ دوسرے راوی بھی ہیں صالح جن کے باپ ابوحسان ہیں اور وہ ابن ابی ذئب سے روایت کرتے ہیں وہ ثقہ راوی ہیں۔

و معنی قوله ایاك و مجالسة الاغنیاء: اس کی وضاحت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم جب اپنے سے بڑے مالدار کو دیکھو تو تم مالداری میں اپنے سے کم درجہ والے کو بھی دیکھو جس پر اللہ نے تم کو فضیلت دی ہے۔ پس بے شک یہ بات زیادہ لائق ہے کہ اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔

عون بن عبداللہ کی روایت ذکر کی جو وقت کے بزرگ شمار ہوتے ہیں کہ میں نے مالداروں کی صحبت اختیار کی تو میں نے اپنے آپ کو ہر وقت فکر مند دیکھا جبکہ ان کی سواری میری سواری سے اچھی انکے کپڑے میرے کپڑوں سے اچھے تھے میں نے فقراء کی صحبت اختیار کی تو مجھے سکون حاصل ہو گیا۔

بَابٌ بِلَا تَرْجَمَةٍ

حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، ابن ابی نجیح، مجاہد، حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار گیسو مبارک (گندھے ہوئے) تھے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ الْمَكِّيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ ضَفَائِرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي نَجِيحٍ مَكِّيٌّ وَ أَبُو نَجِيحٍ اسْمُهُ يَسَارٌ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا أَعْرِفُ لِمُجَاهِدٍ سَمَاعًا عَنْ أُمِّ هَانِئٍ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، ابراہیم بن نافع مکی، ابن ابی نجیح، مجاہد، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار گندھے ہوئے گیسو مبارک تھے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ عبداللہ بن ابونجیح مکی ہیں۔ ابونجیح کا نام یسار ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ام ہانی رضی اللہ عنہ سے مجاہد کے سماع کا مجھے علم نہیں۔

تشریح: قَدِمَ رسول الله بمكة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چار مرتبہ تشریف لائے ① عمرۃ القضاء کے موقع پر ② فتح مکہ کے موقع پر ③ عمرۃ الجعرانۃ کے موقع پر ④ حجۃ الوداع کے موقع پر۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریف آوری فتح مکہ کے دن ہوئی تھی کیونکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں چاشت کی نماز پڑھی تھی۔

غدائر: یہ غدیرہ کی جمع ہے یعنی سر کے بالوں کو کچھ حصوں میں تقسیم کر کے انہیں گوندھ لیا جائے انہی کو ضفائر اور ذوائب بھی کہا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں چار مینڈھیاں تھیں اور یہ مینڈھیاں ایسی نہیں تھیں جن سے عورتوں کے ساتھ تشبہ لازم آئے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول مینڈھیاں بنانے کا نہیں تھا بلکہ جب سفر وغیرہ میں جانے کا ارادہ ہوتا تو پھر

مینڈھیاں بناتے تھے روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی چار مینڈھیاں بناتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں دو احادیث ذکر کی ہیں۔ پہلی روایت میں غدائر کے الفاظ ذکر کیے اور دوسری روایت میں ضفائر کے الفاظ ذکر کیے۔ ان دونوں روایتوں میں مجاہد ام ہانیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ مجاہد نے ام ہانیؓ سے حدیثیں سنی ہیں یا نہیں؟

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمْرَانَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَهُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ بُسْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيَّ يَقُولُ كَانَتْ كِمَامُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحًا هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ بُسْرٍ بَصْرِيٌّ هُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُهُ وَبُطْحٌ يَعْنِي وَاسِعَةً.

روایت کیا ہم سے حمید بن مسعدہ نے انہوں نے محمد بن حمران سے انہوں نے ابی سعید سے انہوں نے عبداللہ بن بسر سے، حضرت ابو کبشہ انماری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں سروں سے ملی ہوئی تھیں (اونچی نہیں تھیں) یہ حدیث منکر ہے عبداللہ بن بسر بصری محدثین کے نزدیک ضعیف ہے یحییٰ بن سعید وغیرہ نے اُسے ضعیف کہا ہے۔ بطح کے معنی کشادہ کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث الباب کے مطابق بعض حضرات نے یہ باب قائم کیا ہے۔ ''باب کیف کان کمام الصحابة'' باقی یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن بسر ہے جو کہ ضعیف ہے اور بعض نے حدیث کو منکر کہا ہے۔

''کمام'' اصل میں ''کمه'' کی جمع ہے ''کمه'' گول ٹوپی کو کہتے ہیں اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرامؓ جو ٹوپیاں استعمال کرتے تھے وہ گول اور پھیلی ہوئی ہوتی تھیں اور وہ سروں سے چپکی رہتی تھیں سروں سے اٹھی ہوئی بلند نہ ہوتی تھیں اور بعض حضرات نے کہا کہ ''کمام'' کمه کی جمع نہیں بلکہ ''کم'' کی جمع ہے جسکے معنی آستین کے ہیں جیسے ''قف'' کی جمع قفاف تو اس صورت میں ''بطحاء'' کے معنی فراخ وکشادہ کے ہوں گے کیونکہ عرب کشادہ زمین کو ''بطحاء'' کہتے ہیں اس طرح حدیث کا مطلب یہ ہوجائیگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں یا آستین تنگ نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ ایک بالشت کی مقدار کھلی ہوتی تھیں۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نُذَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِي أَوْ سَاقِهِ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ فَإِنْ

روایت کیا ہم سے قتیبہ نے انہوں نے ابوالاحوص سے انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے مسلم بن نذیر سے، حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی یا اپنی پنڈلی کا سخت حصہ پکڑ کر فرمایا تہبند کی یہ جگہ ہے۔ اگر نہ

أَيْتَ فَأَسْفَلَ فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ.

مانے تو تھوڑا سا نیچے یہ بھی نہ ہو تو تہبند کا ٹخنوں سے کوئی تعلق نہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ اور ثوری نے اس حدیث کو ابواسحاق سے روایت کیا ہے۔

تشریح: عضلة: لنگی کا پٹھا (دامن) پکڑ کر فرمایا کہ لنگی یہاں تک ہونی چاہیے یعنی پنڈلیوں تک۔ اگر اس پر انکار فرمائیں تو پھر تھوڑا سا نیچے لیکن ٹخنوں پر ہونا جائز نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پنڈلی سے نیچے کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہیں البتہ ٹخنوں سے اوپر ہونی چاہیے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيِّ عَنْ أَبِي جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رُكَانَةَ صَارَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَرَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُكَانَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَلَا نَعْرِفُ أَبَا الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيَّ وَلَا ابْنَ رُكَانَةَ.

روایت کیا ہم سے قتیبہ نے انہوں نے محمد بن ربیعہ سے انہوں نے ابوحسن عسقلانی سے، حضرت ابوجعفر بن محمد بن رکانہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رکانہؓ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کشتی کی تو آپ ﷺ نے انہیں بچھاڑ دیا حضرت رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان صرف ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے کا فرق ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں۔ ابوحسن عسقلانی اور ابن رکانہ کو ہم نہیں جانتے۔

تشریح: اس حدیث کے علماء نے دو مطلب بیان کیے ہیں۔

اوّل: مشرکین پگڑی باندھتے ہیں بغیر ٹوپی کے جبکہ مسلمان ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھتے ہیں۔ **ثانی:** مشرکین ٹوپی بھی نہیں پہنتے بلکہ ننگا سر رہتے ہیں اور مسلمان تو ٹوپی سر پر رکھتے ہیں اور ٹوپی پر مزید پگڑی بھی باندھتے ہیں۔ بہر حال پہلا مطلب راجح ہے۔

یہ حدیث الباب ضعیف ہے اس کے ضعیف ہونے کی وجہ دو راویوں کا ضعیف ہونا ہے۔ ① ابوالحسن عسقلانی۔ ② ابن رکانہ۔ امام ترمذی ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو نہیں جانتا۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ وَأَبُو تُمَيْلَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کی انگلی میں لوہے کی انگوٹھی تھی فرمایا کیا بات ہے میں تمہارے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ مَالِي أَرَى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ جَاءَهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ مَالِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ ثُمَّ أَتَاهُ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ مَالِي أَرَى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ قَالَ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُسْلِمٍ يُكْنٰى أَبَا طَيْبَةَ وَهُوَ مَرْوَزِيٌّ

ہاتھوں میں اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں۔ جب وہ دوبارہ حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی فرمایا کیا بات ہے میں تم سے بتوں کی بو پا رہا ہوں پس جب وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہارے جسم پر اہل جنت کا زیور دیکھ رہا ہوں عرض کیا تو کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟ فرمایا چاندی کی اور وہ بھی ایک مثقال سے کم ہو یہ حدیث غریب ہے عبداللہ بن مسلم کی کنیت ابوطیبہ ہے اور یہ مروزی ہیں۔

تشریح: مالی اجد منك ریح الاصنام: ایک شخص پہلی دفعہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تو اس بار پھر آپ ﷺ نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور فرمایا تم پر دوزخ والوں کا زیور کیوں نظر آرہا ہے، دوزخ والوں سے مراد کافر ہیں یعنی اس طرح کی انگوٹھی تو جہنم میں کافر لوگ پہنا کریں گے تو اس نے یہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور جب دوسری بار آیا اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجھے بتوں کی بو آرہی ہے چونکہ اس زمانے میں بت بکثرت پیتل کے بنتے تھے تو رسول کریم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ایک ایسے مادے کی انگوٹھی پہن رکھی ہے کہ جس سے بت بنتے ہیں تو یہ ایک قسم کی بت پرستوں کے ساتھ مشابہت ہوگئی اس شخص نے آپ ﷺ کی بات سن کر انگوٹھی پھینک دی۔ تیسری مرتبہ اس نے سونے کی انگوٹھی پہنی تو فرمایا یہ اہل جنت کا زیور ہے، دنیا میں مردوں کے لئے جائز نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا چاندی کی انگوٹھی پہنو۔

مسئلہ: سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات سے بنی انگوٹھی پہننے کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کا ایک قول عدم جواز کا ہے اور ایک جواز کا ہے۔ **قول ثانی:** احناف کا مذہب عدم جواز کا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: جس کی طرف محی السنۃ نے اشارہ کیا ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں یہ آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی سے کہا تھا کہ مہر میں دینے کیلئے کوئی چیز تلاش کر کے لے آؤ "التمس ولو خاتما من حدید" اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی جائز ہے۔

جواب اوّل: اس میں لوہے کی انگوٹھی کا مالک بنانا مقصود ہے پہننا مقصود نہیں جبکہ مالک بنانا جائز ہے

جواب ثانی: یہاں اصل میں لوہے کی انگوٹھی کا ذکر بطور مثال کے ہے اصل مقصد تو یہ ہے کہ کوئی معمولی سی چیز ہو تو وہ بھی لے آؤ اسکے عوض میں آپ کا نکاح کر دونگا باقی رہا یہ مسئلہ کہ مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہونی چاہئے اسکے متعلق بحث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

احناف کی دلیل: یہی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کے پاس پیتل اور لوہے کی انگوٹھی دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں اور یہی حکم دوسری دھاتوں کا بھی ہے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ

روایت کیا ہم سے ابن ابی عمر نے انہوں نے سفیان سے

بْنِ كُلَيْبٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ نَهَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقَسِّيِّ وَالْمِيثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَأَنْ أَلْبَسَ خَاتَمِي فِي هٰذِهِ وَفِي هٰذِهِ وَأَشَارَ إِلَى السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَابْنُ أَبِي مُوسَى هُوَ أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى وَاسْمُهُ عَامِرٌ

انہوں نے عاصم بن کلیب سے انہوں نے ابن ابی موسیٰ سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ریشمی کپڑا پہننے، سرخ زین پوش پر سوار ہونے اور شہادت یا اسکے ساتھ والی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابن ابی موسیٰ سے ابو بردہ بن موسیٰ مراد ہیں اوران کا نام عامر ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو ہر انگلی میں انگوٹھی پہننا جائز ہے لیکن مردوں کے لئے صرف چھنگلی یا اس کے ساتھ والی انگلی میں پہننا مستحب ہے اس کے علاوہ درمیانی اور شہادت والی انگلی میں پہننے سے حدیث الباب میں ممانعت آئی ہے لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس طرح پہننا آپ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ ہی تابعین سے اسی طرح انگوٹھے میں انگوٹھی پہننا بھی ثابت نہیں اسی طرح مرد صرف چاندی کی ایک انگوٹھی تقریباً ساڑھے چار ماشہ کے بقدر پہن سکتا ہے اس سے زائد نہیں۔ الحاصل انگوٹھی پہننے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی یا اس کے ساتھ والی انگلی میں پہنی جائے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَةٍ)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا الْحِبَرَةُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ترین لباس دھاری دار چادر تھی۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: حبرۃ: حاء کے کسرہ باء کے زبر کے ساتھ بروزن عنبۃ ایک خاص قسم کی یمنی چادر کو کہتے ہیں جو اس زمانے میں بنی ہوئی چادروں میں سب سے عمدہ ہوتی تھی اکثر اس میں سرخ دھاریاں اور بعض میں سبز دھاریاں ہوتی تھیں اس کی بناوٹ میں خالص سوت ہوتا تھا چونکہ یہ سب چادروں میں عمدہ اور پسندیدہ ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ بھی اس کو زیادہ پسند کرتے تھے بعض حضرات کہتے ہیں کہ سبز ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کو پسند کرتے تھے کیونکہ یہ اہل جنت کا لباس ہے۔

بعض حضرات نے اس باب کا نام "باب احب الثیاب الی رسول اللہ ﷺ" ذکر کیا ہے۔ کتاب اللباس کے اخیر میں اور خاص کر کے جلد اوّل کے اختتام پر احب الثیاب لاکر امام ترمذیؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح انسان دنیا میں اچھا لباس پہنتا ہے تو جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے تو اسکو پسندیدہ لباس کفن پہنایا جاتا ہے۔ گویا یہ اختتام کی طرف اشارہ ہے۔

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

آج مورخہ ۶ صفر ۱۴۳۸ھ بروز پیر بمطابق ۷ نومبر ۲۰۱۶ء تکمیل ہوئی

ویلیہ ان شاء اللہ المجلد الثانی من الترمذی انفا

حضرات اکابر علمائے کرام کی تقاریظ کے اقتباسات

شیخ الحدیث
استاذ العلماء سندی واستاذی

حضرت مولانا محمد یٰسین صابر مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان

عزیزم مولوی مفتی عبدالرشید صاحب نے ترمذی شریف کی تسہیل وتبیین پر کام کیا ہے ماشاء اللہ اچھا کام ہے۔ میں نے دیکھا ہے تدریس اور دوسری مصروفیات کے باوجود تصنیف تالیف کا ذوق بڑی مبارک بات ہے۔ میرے نزدیک تو علم کی خدمت کسی درجہ میں ہو قابل رشک ہے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ عزیز موصوف کی اس محنت اور کاوش کو قبول فرماویں اور حدیث کے طلبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ اس کو نفع مند بناویں اور عزیز موصوف کے لئے دین ودنیا کی کامیابیوں کا ذریعہ بناویں۔ آمین ثم آمین

استاذ العلماء

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

نگرانِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

ہمارے سامنے فاضلِ اجل جامعہ خیر المدارس ملتان کے مایۂ ناز فیض یافتہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے الخیر الشذی کے نام سے اردو زبان میں ایک منفرد انداز میں شرح تالیف فرمائی ہے۔ یقیناً یہ اہل علم کے لئے باعث فخر ہے۔ موصوف محترم نے اس سے قبل خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تالیف فرما کر اکابر علماء کرام سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے طلباء وطالبات کے لئے انتہائی مفید ہے حضرت مفتی صاحب اور ادارہ اشاعت الخیر کے ملتان کے ذمہ داران کو اس عظیم خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک ہم سب کو دین کی عالی محنت میں مصروف رکھے اور حضور اکرم کی محبت اور شفاعت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

مذہبی سکالر حضرت اقدس

مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی

مسجد قاسم علی خان پشاور

دورِ حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ اکابرین کے علمی اور تحقیقی اثاثہ کو سلیس اور عام فہم انداز میں تشنگان علوم نبویہ تک پہنچایا جائے اَلْخَیْرُ الشَّذِیْ عبارت پر اعراب، عام فہم ترجمہ، بیان وتوضیح مسالک، ترجیح مذہب حنفی، دیگر مسالک کے دلائل سے جوابات، مشکل صیغ کا صرفی ونحوی حل، ابواب کا باہم ربط وتعلق اور اکابرین کے علوم سے استفادہ کی خوبیاں اس تقاضا کی پوری رعایت کو جلو میں لئے ہوئی ہے۔ چند صفحات کے مطالعہ سے ناچیز کے ذہن میں استاد مکرم حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ (فاضل دیوبند) صدر مدرس جامعہ علوم اسلامیہ سرحدیہ پشاور کا درس ترمذی تازہ ہوگیا۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب سے ایک گزارش ہے کہ اپنی تمام تر تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں کو مؤخر کرکے اپنے زرین اوقات صرف ''اَلْخَیْرُ الشَّذِیْ'' کے لئے مختص فرمادیں، یہ شمع رسالت کے پروانوں پر احسان عظیم ہوگا۔ اللہ کریم سے عاجزانہ دعا ہے کہ موصوف مکرم کی اس نادر علمی کاوش کو اپنی رضا کے لئے قبولیت سے نواز کر بعافیت جلد پایہ تکمیل تک پہنچادے اور سبب افادہ عام وتام بنائے۔ آمین

استاذ العلماء، شیخ الحدیث

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

مہتمم جامعہ خیر المدارس وناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم جید الاستعداد اور فصیح البیان مؤلف ہیں۔ تدریسی واشاعتی مشاغل کے باوجود مطالعہ وتصنیف کے لیے وقت نکال کر علمی وتحقیقی تالیفات اہل علم کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ''خیر التوضیح'' میں وہ اپنی علمی وتحقیقی قابلیت ولیاقت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید زید مجدہم کی تالیف ''الخیر الشذی'' شروح کے اس گلدستہ میں نئے پھول کا اضافہ ہے۔ ع ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است..... بندہ کو اس کے چیدہ چیدہ مقامات کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، اندازہ ہوا کہ مؤلف موصوف نے محنت وعرق ریزی کے ساتھ شرح احادیث کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی محنت واخلاص کو قبول فرمائیں اور اس شرح کو اساتذہ وطلبہ میں مقبولیت عطا فرمائیں (آمین)

استاذ العلماء

حضرت اقدس مولانا منیر احمد منور صاحب

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

الخیر الشذی شرح جامع الترمذی مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب کے فرستادہ چند صفحات کا مطالعہ کیا۔ شرح مذکور الحمد للہ جامع، مدلل، منقح اور حسن ترتیب کی خوبیوں سے مزین ہے اور علماء طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔

عالم اسلام کے ممتاز
مذہبی سکالر ودانشور مؤلف کتب کثیرہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ع ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است... کے مصداق مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ کا یہ علمی اور تحقیقی کارنامہ علمی اور حدیثی دنیا میں سراہا جائے گا کہ انہوں نے اکابر کی تحقیقات اور ان کے تدریسی مناہج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے منفرد عالمانہ اور محققانہ انداز میں مشاغل وموانع کثیرہ کے باوجود انتہائی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مستند ومعتبر کتب کا عطر کشید کرکے ''الخیر الشذی'' کے نام سے جمع کردیئے ہیں۔ اس مبارک سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہے جس میں ہزاروں صفحات کا عطر کشید کیا گیا ہے۔ اساتذہ وطلبہ کے لیے یکساں مفید ہے۔ یہ شرح ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ گراں قدر شرح حدیث کی خدمت کے سلسلہ میں ایک نادر اضافہ ثابت ہوگا اور شائقین علوم نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس سے بہت زیادہ مستفید ہوں گے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس انتھک محنت کو ترفِ قبولیت سے نواز کر ابدی سعادتوں کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

حضرت اقدس شیخ الحدیث

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دار العلوم مدنیہ بہاولپور

الحمد للہ! آج دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں حاضری کے موقع پر مولانا عبدالرشید صاحب زید مجدہ کی شرح الخیر الشذی کو چند مقامات سے پڑھا اور الحمد للہ مولانا موصوف کی محنت طلباء کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے آمین

استاذ العلماء

حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جلد اول جامعہ خیر المدارس ملتان

اما بعد! برادر عزیز فاضل جلیل مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدھم ماشاء اللہ علماً وعملاً، درساً وتدریساً وتصنیفاً وتالیفاً شرحاً وتحقیقاً جامع الصفات الحمیدہ ہیں۔ فاضل موصوف زید مجدہ کی مؤلفہ خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح سے اساتذہ وطلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔ اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی امام ترمذی کی شہرہ آفاق کتاب سنن ترمذی شریف کے درس سے متعلق یہ علمی گلدستہ بھی ہے ابتدائی چند مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس میں جامع ترمذی شریف کے درس سے متعلقہ جملہ مباحث کی کما ینبغی رعایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شرح اساتذہ وطلبہ دورہ حدیث شریف کے لئے بہترین علمی تحفہ وہدیہ ہے۔ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ مقبولیت عامہ سے نوازے اور فاضل مؤلف اور ان کے جملہ متعلقین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

رئیس دار الافتاء وحضرت اقدس

مفتی محمد عبداللہ صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جامعہ خیر المدارس ملتان

جامع ترمذی پر بہت سے حضرات نے کام کیا ہے لیکن محترم ومکرم عزیزم مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدھم نے ''الخیر الشذی'' کے نام سے جو خدمت سرانجام دی، وہ اپنی مثال آپ ہے، انہوں نے اس گلدستہ میں ہر ہر نوع کے پھول سجائے ہیں، صحیح اعراب، حدیث کا ترجمہ، لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق، بیانِ مذاہب، دلائل، ترجیح الراجح اور حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث کو اس انداز میں جمع کیا ہے کہ دیگر بہت سی شروحات سے ان شاء اللہ بے نیاز کردے گی۔... عزیز موصوف کو اللہ پاک نے بہت سی خوبیوں کا جامع بنایا ہے، موصوف ایک ہمہ وقت بہترین مصنف، بہترین کالم نگار، بہترین صحافی، بہترین مہتمم، بہترین ناظم، بہترین خطیب، بہترین تاجر ہیں، گویا اللہ پاک نے انہیں ہر فن مولا بنایا ہے۔ اللہ پاک نظر بد اور حاسدین کے حسد اور شریر کے شر سے محفوظ فرمائیں اور ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت بخش کر علماء، طلبہ کے حق میں نافع بنائیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں قرب کا ذریعہ بنائیں اور ہم سب کیلئے ذریعہ نجات بنائیں۔ (آمین

شیخ الحدیث وصاحب تدریس جامع ترمذی

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ مدیر دار العلوم کبیر والہ

سنن ترمذی اپنے مخصوص فقہی طرز کی بناء پر درس نظامی میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے درس وتدریس میں خاصی محنت وجدوجہد کارفرما ہوتی ہے۔ ترمذی شریف کی کئی محققین نے شروحات لکھ کر خدمت کی جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں۔ اسی سلسلہ خدمت حدیث کی ایک کڑی ''الخیر الشذی'' بھی ہے۔ جو ہمارے برادرم محترم مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ نے محققانہ اور تدریسانہ انداز میں مرتب کی ہے۔ اس میں اکابر کے ذوق وتحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے، طالب علم کی اہم ضروریات یعنی اعراب، بامحاورہ ترجمہ، رواۃ حدیث کا تعارف، مذاہب ائمہ ومستدلات کو جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، ان خصوصیات کی بناء پر یہ شرح اساتذہ وطلباء اور دیگر محققین کی اہم بنیادی علمی ضروریات پوری کردے گی۔ ان شاء اللہ